احسن الفتاویٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ

احسن الفتاوی

بحذف مکررات و تخریجات فرائض مسائل غیر مہمہ

جلد ۸

(از)

فقیہ العصر مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

(واحد تقسیم کنندگان)

ایچ ایم سعید کمپنی
ادب منزل پاکستان چوک کراچی

نام کتاب ـــــ احسن الفتاویٰ

جلد ـــــ ہشتم

زیر اہتمام ـــــ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

ضخامت ـــــ ۵۷۰ صفحات

کتابت ـــــ محمد فاروق خطاط کراچی

تعداد ـــــ ایک ہزار

پریس ـــــ ایجوکیشنل پریس کراچی

سن طبع ـــــ سنہ ۱۴۱۸ھ

طبع چہارم ـــــ ۱۴۲۵ھ

(ملنے کا پتہ)

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پاکستان چوک کراچی

فہرست مضامین احسن الفتاویٰ جلد ہشتم

دارُالإفتاء
والإرشاد

کتاب الحظر والاباحۃ

قرآن مجید، کتب حدیث وفقہ ودیگر اشیاء مقدسہ کے احکام

جن کاغذوں پر آیات قرآنیہ لکھی ہوں ان میں پڑیاں باندھنا جائز نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ انگریزی اخبار جس میں قرآن کریم کی آیات لکھ کر نیچے انگریزی میں ترجمہ لکھا ہوا ہے اس میں پڑیاں باندھ کر دینا جائز ہے؟ حالانکہ یہ کاغذ بعد میں پاؤں میں روندے جاتے ہیں، اس اخبار میں حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک بھی لکھا ہوا ہوتا ہے، قرآنی آیات کاٹ کر باقی کاغذ استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

جن کاغذوں پر آیات قرآنیہ یا مباحث شرعیہ یا مسائل تحریر ہوں ان میں پڑیا باندھنا جائز نہیں۔ البتہ اگر مباحث شرعیہ نہ ہوں تو اللہ تعالی اور انبیاء وملائکہ علیہم السلام اور کتب الہیہ کے اسماء کاٹ کر باقی کاغذ میں پڑیا باندھنا جائز ہے، مگر پھر بھی پاؤں میں ڈالنا اور بے عزتی کسی قسم کے کاغذ کی بھی حتی کہ خالی کاغذ کی بھی جائز نہیں۔

قال فی الدر ولا یجوز لف شیء فی کاغذ فقہ ونحوہ وفی کتب الطب یجوز

وفی الشامیۃ (قولہ ونحوہ) الذی فی المنح ونحوہ فی الهندیۃ ولا یجوز لف شیء فی کاغذ فیہ مکتوب من الفقہ وفی الکلام الاولی ان لا یفعل وفی کتب الطب یجوز ولو کان فیہ اسم اللہ تعالی واسم النبی علیہ السلام یجوز محوہ لیلف فیہ شیء و محو بعض الکتابۃ بالریق وقد ورد النہی عن محو اسم اللہ تعالی بالبصاق ولم یبین محو کتابۃ القرآن بالریق ھل ھو کاسم اللہ تعالی اوکغیرہ (شامیہ ص۲۳۲ ج ۵)

۹ر جمادی الاولی سنہ ۷۲ھ

پھٹے پرانے قرآن مجید کا جلانا جائز نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق

کو جلانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

قرآن کریم کے ناقابل انتفاع اوراق کو جاری پانی میں ڈال دیا جائے یا کہیں محفوظ جگہ دفن کر دیا جائے، جلانا جائز نہیں۔

قال فی الدر المختار قبیل باب المیاہ من کتاب الطہارۃ المصحف اذا صار بحال لا یقرأ فیہ یدفن کالمسلم (وبعد اسطر) تکرہ اذابۃ درہم علیہ آیۃ الا اذا کسرہ

وفی الشامیۃ تحت (قولہ یدفن) واما غیرہ من الکتب فسیأتی فی الحظر والاباحۃ انہ یمحی عنہا اسم اللہ تعالی الخ (رد المحتار ص۱۱۹ ج ۱)

وایضًا فی الدر: الکتب التی لا ینتفع بہا یمحی عنہا اسم اللہ وملائکتہ ورسلہ ویحرق الباقی ولا بأس بأن تلقی فی ماء جار کما ھی او تدفن وھو احسن کما فی الانبیاء علیہم السلام۔

وفی الشامیۃ: یعنی ان الدفن لیس فیہ اخلال بالتعظیم لان افضل الناس یدفنون وفی الذخیرۃ المصحف اذا صار خلقا وتعذر القراءۃ منہ لا یحرق بالنار الیہ اشار محمد رحمہ اللہ تعالی وبہ نأخذ ویکرہ دفنہ وینبغی ان یلف بخرقۃ طاہرۃ ویلحد لہ لانہ لو شق ودفن یحتاج الی اہالۃ التراب علیہ وفی ذلک نوع تحقیر الا اذا جعل فوقہ سقف وان شاء غسلہ بالماء ووضعہ فی موضع طاہر لا تصل الیہ ید محدث ولا غبار ولا قذر تعظیما لکلام اللہ عزوجل (رد المحتار ص۲۷۱ ج ۵)

وفی الہندیۃ: المصحف اذا صار خلقا لا یقرأ منہ ویخاف ان یضیع یجعل فی خرقۃ طاہرۃ ویدفن ودفنہ اولی من وضعہ موضعًا یخاف ان یقع علیہ النجاسۃ او نحو ذلک ویلحد لہ لانہ لو شق ودفن یحتاج الی اہالۃ التراب علیہ وفی ذلک نوع تحقیر الا اذا جعل فوقہ سقف بحیث لا یصل التراب الیہ فہو حسن ایضا کذا فی الغرائب۔ المصحف اذا صار خلقا وتعذرت القراءۃ منہ لا یحرق بالنار اشار الشیبانی الی ہذا فی السیر الکبیر وبہ نأخذ کذا فی الذخیرۃ (عالمگیریہ ص۳۲۳ ج ۵)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احراق صحف سے متعلق شرح سیر کبیر ص۲۷۷ ج ۲ میں ہے :

لا یکاد یصح ــــ لا اصل لذلك الحديث۔

مگر یہ روایت چونکہ صحیح بخاری میں ہے لہٰذا سند کے لحاظ سے اسے بے بنیاد کہنا مشکل ہے، اس لئے حافظ عینی وعسقلانی ودیگر شراح حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کے مختلف جوابات دیتے ہیں۔

(۱) ان یخرق بالخاء المعجمۃ روایۃ الاکثرین (الی ان قال) وبالمعجمۃ اثبت۔

(۲) وقد جزم عیاض بانهم غسلوها بالماء ثم احرقوها مبالغۃ فی اذهابها

(عمدۃ القاری ص۱۸ ج۲۰۔ فتح الباری ص۱۸ ج ۹)

(۳) وقال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ: قال الکرمانی فان قلت کیف جاز احراق القرآن قلت المحروق هو القرآن المنسوخ او المختلط بغیرہ من التفسیر او بلغۃ غیر قریش والقراءات الشاذۃ وفائدتہ ان لا یقع الاختلاف فیہ۔

(عمدۃ القاری ص۱۸ ج۲۰)

وقال الحافظ العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ : وفی روایۃ سوید بن غفلۃ عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لا تقولوا لعثمان فی احراق المصاحف الا خیرا (الی قولہ) قال ابن عطیۃ الروایۃ بالحاء المهملۃ اصح وهذا الحکم هو الذی وقع فی ذلک الوقت واما الآن فالغسل اولی لما دعت الحاجۃ الی ازالتہ۔

(فتح الباری ص۱۸ ج ۹)

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی احناف کا وہی مذہب نقل کیا ہے جو شامیہ میں ہے۔

قال الشیخ الانور رحمہ اللہ تعالیٰ : والاحراق ههنا لدفع الاختلاف وهو جائز

(فیض الباری ص۲۶۴ ج۴)

قلت وهذا حاصل ما قال ابن عطیۃ، وفی البریقۃ المحمودیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ لابی سعید الخادمی رحمہ اللہ تعالیٰ وفیہ (ای فی النصاب) ایضا الکتب التی یستغنی عنها وفیها اسم اللہ تعالیٰ تلقی فی الماء الکثیر الجاری او تدفن فی ارض طیبۃ ولا تحرق بالنار وفی التتارخانیۃ المصحف الذی خلق وتعذر الانتفاع بہ

لا یحرق بل یلف بخرقۃ طاھرۃ یحفر حفرۃ بلحد بلا شق اذ یجعل سقفا و یدفن او یوضع بمکان طاھر لا یصل الیہ الغبار والاقذار وفی السراجیۃ یدفن او او یحرق انتہی ملخصا وکذا عن منیۃ المفتی وعن المجتبی الدفن افضل من الالقاء فی الماء الجاری کالانبیاء علیہم السلام کذا جمیع الکتب وفی التتارخانیۃ الافضل ان یغسلہا ویأخذ القراطیس وعن الحلیمی لا بأس بالاحراق لاحراق عثمان رضی اللہ تعالی عنہ مصاحف فیہا آیات منسوخۃ بلا نکیر وایضا قیل الاحراق اولی من الغسل لوقوع الغسالۃ علی الارض والقاضی حسین حرم الاحراق لتنافیہ الاحترام وکرہ النووی ھذا، واقول الراجح ھو الدفن او الغسل لا الاحراق لقوۃ قائلہما ودلیلہما ولترجیح الحظر علی الاباحۃ واما ما نقل عن عثمان رضی اللہ تعالی عنہ فالظاھر انہ لیس بصحیح اذ لو صح ذلک بلا نکیر لحل محل الاجماع فکیف یتصور من ھؤلاء القول بخلافہ ودعوی عدم وصول ذلک الاجماع الیہم سوء ظن بہم وطعن فی فقاھتہم علی ان الاحراق لازم للاستہانۃ ومخل بالتعظیم۔

(بریقہ محمودیہ ص۱۹۹ ج ۴)

فی نفسہ جلانے کا جواز تسلیم بھی کرلیا جائے تو بھی فی زماننا سبب وقوع فتنہ بین المسلمین ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ نیز احترام وبے حرمتی کا مدار عرف پر ہے اور عرف موجود میں احراق انتہائی درجہ کی بے حرمتی سمجھا جاتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۰ رجب سنہ ۹۲ھ

کتب حدیث کے بوسیدہ اوراق کا جلانا:

سوال: کتب حدیث کے بوسیدہ اوراق اگر دفن کرنے کا وقت نہ ملے یا شہر میں کوئی مناسب جگہ نہ ملے تو ان کا جلانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ان اوراق سے اللہ تعالی، انبیاء کرام علیہم السلام اور ملائکہ کے نام مٹا کر جلانا جائز ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ ان کو جاری پانی میں بہا دیا جائے یا دفن کر دیا جائے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: الکتب التی لا ینتفع بہا یمحی عنہا اسم اللہ تعالی وملائکتہ ورسلہ ویحرق الباقی ولا بأس بأن تلقی

فی ماء جار کما ھی او تدفن وھو احسن کما فی الانبیاء علیہم السلام (رد المحتار ص۲۲۱ ج ۵)
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۲۰ ذی الحجہ سنہ ۸۸ھ

بچوں کو خلاف ترتیب قرآن کی تعلیم دینا:

سوال: بچوں کو پارہ عم سے خلاف ترتیب تعلیم دینا جیسا کہ عموماً آج کل ہو رہا ہے، جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقرأ منکوسا الا اذا ختم۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وان یقرأ منکوسا) بأن یقرأ فی الثانیۃ سورۃ اعلی مما قرأ فی الاولی لان ترتیب السور فی القراءۃ من واجبات التلاوۃ وانما جوز للصغار تسہیلا لضرورۃ التعلیم (رد المحتار ص۳۶۷ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ شعبان سنہ ۷۴ھ

ذکر اللہ کو کسی دوسرے مقصد کے لئے آلہ بنانا جائز نہیں:

سوال: یہاں ایک پیر صاحب ہیں ان کے مریدوں کا دستور ہے کہ جب کسی کو اندر سے بلانا مقصود ہو تو دروازے پر دستک یا آواز دینے کی بجائے زور سے کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتے ہیں۔ یہ طریقہ ان کا آپس میں متعارف ہے۔ اس لئے اندر والا شخص سمجھ جاتا ہے کہ مجھے کوئی باہر سے بلا رہا ہے۔ یہ طریقہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟
بینوا بالدلیل أجرکم الجلیل۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

یہ طریق صحیح نہیں۔ کیونکہ ذکر اللہ کو کسی دوسرے مقصد کے لئے استعمال کرنا اور غیر کے لئے آلہ بنانا جائز نہیں۔

اس سے اس کا حکم بھی معلوم ہو گیا جو آج کل واعظین میں مروج ہے کہ صرف لوگوں کو

بیدار کرنے اور ان میں نشاط پیدا کرنے کی غرض سے اثناء وعظ میں درود شریف پڑھواتے ہیں۔ درود شریف محض بنیت قربت بنفس خود مقصود سمجھ کر پڑھنا چاہیئے، غیر کے لئے آلہ بنانا جائز نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالٰی فی اٰخر کتاب الحظر والاباحۃ:

وقد کرہ واللہ اعلم ونحوہ لاعلام ختم الدرس حین یقرر

وفی الشامیۃ تحت (قولہ ونحوہ) کأن یقول وصلی اللہ علی محمد (قولہ لاعلام ختم الدرس) اما اذا لم یکن اعلاما بانتہائہ لایکرہ لانہ ذکر وتفویض بخلاف الاول فانہ استعملہ اٰلۃ للاعلام ونحوہ اذا قال الداخل یا اللہ مثلاً لیعلم الجلاس بمجیئہ لیہیئوا لہ محلا ویوقروہ واذا قال الحارس لا الٰہ الا اللہ ونحوہ لیعلم باستیقاظہ فلم یکن المقصود الذکر اما اذا اجتمع القصد ان یعتبر الغالب کما اعتبر فی نظائرہ اھ (رد المحتار ص۲۷۲ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم

۱۲ ذی الحجہ سنہ ۷۵ھ

آیاتِ قرآنیہ خون سے لکھنا:

سوال: مرغ کے خون سے آیاتِ قرآنیہ لکھ کر گلے میں ڈالنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قرآن مجید کی آیات خون یا کسی اور نجاست سے لکھنا کفر ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ کہ جب جان کو خطرہ ہو اور یہ یقین ہو جائے کہ اس کے سوا اس کا کوئی علاج نہیں تو گنجائش ہے، قیاسا علی شرب الخمر للعطشان واکل المیتۃ فی المخمصۃ۔

اس قیاس کا بطلان بالکل ظاہر ہے، اس لئے کسی حال میں بھی اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالٰی تحت (قولہ لکن نقل المصنف الخ) ونص ما فی الحاوی القدسی اذا سال الدم من انف انسان ولا ینقطع حتی یخشی علیہ وقد علم انہ لو کتب فاتحۃ الکتاب او الاخلاص بذلک الدم علی جبہتہ ینقطع فلا یرخص لہ فیہ وقیل یرخص کما رخص فی

شرب الخمر للعطشان واکل المیتۃ فی المخمصۃ وھو الفتوی (ردالمحتار ص۲۱۸ ج۱)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲؍ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۶ھ

بھنگی کو زمزم کا پانی دینا:

سوال: حاجی آب زمزم یا کھجور اپنے گھر میں صفائی کرنے والے بھنگی کو دے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بہتر یہ ہے کہ نہ دیا جائے، اگر بھنگی خود مانگے اور یقین ہو کہ عقیدت سے مانگ رہا ہے اور ادب واحترام ملحوظ رکھے گا تو جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

یوم عرفہ سنہ ۸۶ھ

آیات قرآنیہ کے کتبے چومنا:

سوال: ہمارے محلہ کی جامع مسجد میں آیات قرآنیہ اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں کے کتبے لگے ہوئے ہیں، زید روزانہ ان کو چومتا ہے اور ان پر ہاتھ لگا کر بدن پر پھیرتا ہے، زید کا یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے مگر التزام اور غلو نہ کرے، بہتر قرآن کی تلاوت اور اس کے احکام پر عمل کرنے کو اہم سمجھے۔ قرآن مجید پڑھتے وقت کھول کر پہلے چومے اور اس پر عمل کرنے کا عہد کرے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول یہ دعا پڑھے:

عھد ربّی ومنشور ربی عز وجل۔

اس سے قرآن پر عمل کرنے کی ہمت پیدا ہوگی جو دنیا وآخرت کی ہر مصیبت سے نجات پانے کا واحد ذریعہ ہے۔

بعض نے تقبیل قرآن کو بدعت کہا ہے مگر وہ قول ضعیف ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی القنیۃ فی باب مایتعلق بالمقابر تقبیل المصحف قیل بدعۃ لکن روی عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کان یأخذ المصحف کل غداۃ ویقبلہ ویقول عھد ربی ومنشور ربی عز وجل وکان

عثمان رضی اللہ عنہ یقبل المصحف ویمسحہ علی وجھہ (رد المحتار ص۲۴۶ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱۳ محرم سنہ ۸۷ھ

قرآن مجید قبرستان میں لے جاکر پڑھنا:

سوال: قرآن مجید قبرستان میں لے جا کر پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ شرح برزخ میں لکھا ہے کہ قبر کے نزدیک کلام اللہ پڑھنا جائز ہے، فتوی اسی پر ہے بدلیل قولہ علیہ السلام نوروا قبورموتاکم بالقرآن، یہ استدلال و فتوی صحیح ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ روایت نظر سے نہیں گزری، اگر ثابت ہو بھی تو اس کے یہ معنی نہیں کہ قرآن مجید قبرستان میں لے جاکر پڑھو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ قرآن پڑھ کر اہل قبور کو ثواب پہنچاؤ، قبرستان میں قرآن لے جاکر پڑھنا قرون مشہود لہا بالخیر سے ثابت نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱۰ ذی الحجہ سنہ ۸۷ھ

کتب حدیث و فقہ پر ٹیک لگانا:

سوال: فقہ و حدیث کی کتابوں کو سرہانے کے طور پر استعمال کرنا یا ان پر ٹیک لگانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

قرآن مجید اور کتب حدیث و فقہ سے تکیہ کا کام لینا یا ان پر ٹیک لگانا سخت گناہ ہے، البتہ کہیں سفر میں حفاظت کا اور کوئی طریقہ نہ ہو تو جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: ویکرہ وضع المصحف تحت رأسہ الا للحفظ وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ ویکرہ وضع المصحف الخ) وھل التفسیر والکتب الشرعیۃ کذلک یحرر اقول الظاہر نعم کما یفیدہ المسألۃ التالیۃ ثم رأیتہ فی کراھیۃ العلامی (قولہ الا للحفظ) ای حفظہ من سارق ونحوہ (رد المحتار ص۱۱۹ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۲ صفر سنہ ۸۹ھ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر "صؐ" لکھنا:

سوال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر پورے صلوۃ وسلام کی بجائے صرف "صؐ" لکھنا اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام پر "رضؓ" لکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسماء مبارکہ کے ساتھ پورا صلوۃ وسلام اور رضی اللہ تعالیٰ عنہم لکھنا چاہیئے، صرف "صؐ" لکھنا خلاف ادب ہے، جہاں صفحات کے صفحات اور پوری کتاب لکھ رہے ہیں تو صیغۂ صلوۃ وسلام اور صیغۂ ترضی میں کتنی جگہ صرف ہوتی ہے، درحقیقت یہ محبت کی کمی کی دلیل ہے۔ اسی طرح تعالیٰ کی جگہ "تعؔ" اور رحمہ اللہ تعالیٰ کی جگہ "رحؒ" لکھنے کا دستور صحیح نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۳ ذی الحجہ سنہ ۹۱ھ

اخبار میں لکھی ہوئی آیات قرآن کو بے وضو چھونا:

سوال: اخبار کے جس صفحہ پر آیت قرآن لکھی ہوئی ہو اس کو بے وضو ہاتھ لگانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جہاں آیت قرآنیہ لکھی ہو صرف اس جگہ ہاتھ لگانا منع ہے، دوسرے مواضع کو ہاتھ لگانا جائز ہے، البتہ اگر چھوٹی سے چھوٹی آیت یعنی چھ حروف سے بھی کم ہو تو ایک قول کے مطابق اس پر ہاتھ لگانے کی گنجائش ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ویحرم بہ ای بالاکبر وبالاصغر مس مصحف ای ما فیہ اٰیۃ کدرھم وجدار۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ ای ما فیہ اٰیۃ) لکن لا یحرم فی غیر المصحف الا المکتوب ای موضع الکتابۃ کذا فی باب الحیض من البحر وقید بالاٰیۃ لانہ لو کتب ما دونہا لا یکرہ مسہ کما فی حیض القہستانی وینبغی ان یجری ہنا ما جری فی قراءۃ ما دون اٰیۃ من الخلاف والتفصیل المارین ہناک بالاولی لان المس یحرم بالحدث ولو اصغر بخلاف القراءۃ

فکانت دونہ تأمل (ردالمحتار ص۱۱ ج۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۷ رجب سنہ ۹۲ھ

نعل شریف کی تمثال کا چومنا:

سوال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعل شریف کی تمثال کو سر پر رکھنا اور چومنا اور اس کے توسل سے دعا مانگنا شرعاً کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ سب امور بطور محبت وتبرک کرنا خلاف شریعت نہیں اور فساد اعتقاد کے اندیشہ سے نہ کرنا خلاف محبت نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۰ صفر سنہ ۹۳ھ

قرآن مجید مسقف زینہ کے نیچے رکھنا:

سوال: ایک مسجد کے زینے کے نیچے الماری ہے، اس الماری میں قرآن مجید رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس زینہ پر سے لوگ گزرتے رہتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳۰ ربیع الاول سنہ ۹۵ھ

بلندی پر رکھے ہوئے قرآن کی طرف پاؤں پھیلانا:

سوال: الماری میں اوپر والے خانے میں قرآن مجید رکھا ہو تو اس کی طرف پاؤں پھیلانا یا بیٹھ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فتاویٰ رشیدیہ میں جائز لکھا ہے، مگر کتب فقہ میں کہیں نظر سے نہیں گزرا۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

جائز ہے۔

قال فی الهندیة: مد الرجلین الی جانب المصحف ان لم یکن بحذائه لا یکره وکذا لو کان المصحف معلقا فی الوتد وهو قد مد الرجل الی ذلک الجانب لا یکره کذا فی الغرائب (عالمگیریة ص۳۲۲ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۶ ربیع الثانی سنہ ۹۹ھ

مکان و دکان وغیرہ میں قرآنی آیات آویزاں کرنا:

سوال:۔ مکان یا دکان میں کسی گتے وغیرہ پر قرآنی آیات لکھ کر آویزاں کرنا کیسا ہے؟ نیز دیوار یا دروازے پر بسم اللہ الرحمن الرحیم، ماشاء اللہ یا ھٰذا من فضل ربی لکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جہاں ٹی وی چلایا جاتا ہو یا تصویریں ہوں وہاں آیات لکھ کر آویزاں کرنے میں قرآن مجید کی بے حرمتی ہے اس لئے جائز نہیں، اگر یہ خرافات نہ ہوں اور تعظیم ملحوظ رکھی جائے، گرد وغبار سے صاف رکھا جائے تو جائز ہے، دیوار اور دروازے پر آیات لکھنا بہرحال مکروہ تنزیہی ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: بساط او غیرہ کتب علیہ الملک للہ یکرہ بسطہ واستعمالہ لا تعلیقہ للزینۃ وینبغی ان لایکرہ کلام الناس مطلقا وقیل یکرہ مجرد الحروف والاول اوسع وتمامہ فی البحر وکراھیۃ القنیۃ قلت وظاھرہ انتفاء الکراھۃ بمجرد تعظیمہ وحفظہ علق اولا زین اولا وھل مایکتب علی المراوح وجدر الجوامع کذا یحرر۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ مطلقا) ای سواء استعمل او علق (قولہ وتمامہ فی البحر) حیث قال وقیل یکرہ حتی الحروف المفردۃ ورأی بعض الائمۃ شبانا یرمون الی ھدف کتب فیہ ابوجھل لعنہ اللہ فنھاھم عنہ ثم مر بھم وقد قطعوا الحروف فنھاھم ایضا وقال انما نھیتکم فی الابتداء لاجل الحروف فاذا یکرہ مجرد الحروف لکن الاول احسن واوسع اھ قال سیدی عبد الغنی ولعل وجہ ذلک ان حروف الھجاء قرآن انزلت علی ھود علیہ السلام کما صرح بذلک الامام القسطلانی فی کتابہ الاشارات فی علم القراآت اھ (قولہ قلت وظاھرہ الخ) کذا یوجد فی بعض النسخ ای ظاھر قولہ لا تعلیقہ للزینۃ (قولہ مجدر) اقول فی فتح القدیر وتکرہ کتابۃ القرآن واسماء اللہ تعالیٰ علی الدراھم والمحاریب والجدران ومایفرش اھ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (رد المحتار ص ۲۱۲ ج ۱)

۲۹ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۰ھ

اخبار اور سرکاری خطوط میں آیات قرآن اور بسم اللہ لکھنا:

سوال: اخبارات میں قرآن مجید کی آیات، بسم اللہ الرحمن الرحیم اور احادیث وغیرہ لکھنے کا دستور چلا آرہا ہے۔ جبکہ اخبارات میں تصویریں اور سینما کے اشتہارات بھی ہوتے ہیں، پھر وہ اخبارات ردی میں فروخت ہوجاتے ہیں، پھر دکاندار ان میں گاہکوں کو سامان وغیرہ ڈال کر دیتے ہیں، اس طرح وہ اخبارات ادھر ادھر پڑے رہتے ہیں اور پاؤں کے نیچے آتے رہتے ہیں، کیا ایسی صورت میں اخبارات میں آیات واحادیث لکھنا جائز ہوگا؟

نیز اب کچھ عرصہ سے سرکاری دفاتر میں سرکاری خطوط میں پوری بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے کا دستور ہو چلا ہے، پھران کاغذات کا بھی مندرجہ بالا حشر ہوتا ہے تو کیا ان خطوط میں بسم اللہ لکھنا جائز ہے، اگر پوری بسم اللہ کی بجائے صرف باسمہ سبحانہ وتعالی یا باسمہ تعالی یا ۷۸۶ لکھ دیا جائے تو بسم اللہ کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اخبارات واشتہارات میں آیات قرآن اور بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا جائز نہیں، سرکاری دفاتر کی مکاتبت میں جائز بلکہ مستحسن ہے، گناہ بے حرمتی کرنے والوں پر ہوگا، بسم اللہ کی بجائے دوسرے کلمات یا ۷۸۶ لکھنا قرآن کریم، عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے عمل متوارث کے خلاف ہے، صلح حدیبیہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے کا حکم فرمایا، مشرکین نے اعتراض کیا اور کہا:

اکتب ما کنت تکتب، باسمک اللّٰھم۔

اس سے ثابت ہوا کہ اسلام نے بسم اللہ لکھنے کا مخصوص طریقہ متعین فرمایا ہے، اس کی بجائے دوسرے کلمات لکھنے سے بسم اللہ کا ثواب نہیں ملے گا اور سنت ادا نہیں ہوگی۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۵ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۱ھ

روپیہ پر قرآنی آیت لکھنا:

سوال: حکومت پاکستان نے ۱۹۷۶ء میں ایک روپیہ کا سکہ جاری کیا جس میں یہ آیت لکھی ہوئی ہے "واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا" اور کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے، کیا سکہ پر آیت وغیرہ لکھنا جائز ہے؟ اور کیا ایسے سکے سے کاروبار کر سکتے ہیں، جبکہ ہمارا کاروبار غیر مسلموں سے بھی ہوتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

سکہ پر آیت لکھنا مکروہ تنزیہی ہے، تاہم کاروبار کرنا بلاکراہیت جائز ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت (قولہ یحرم) اقول فی فتح القدیر وتکرہ کتابۃ القرآن واسماء اللہ تعالی علی الدراھم والمحاریب والجدران وما یفرش اھ واللہ تعالی اعلم (رد المحتار ص۱۲۰ ج۱)

وقال فی الھندیۃ: لا بأس بکتابۃ اسم اللہ تعالی علی الدراھم لان قصد صاحبہ العلامۃ لا التھاون کذا فی جواھر الاخلاطی (عالمگیریۃ ص۳۲۳ ج۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۸ جمادی الاولی سنہ ۱۴۰۱ھ

بلاوضوء کتابت قرآن:

سوال: بلاوضوء کسی ورق پر قرآن کریم کی آیت لکھنا کیسا ہے؟ معلمہ یا متعلمہ کو حالت حیض میں کوئی آیت لکھنے کی ضرورت پیش آئے تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

کاغذ کو ہاتھ لگا کر آیت لکھنے کی کوئی گنجائش نہیں، بلا مس ورق جواز کتابت میں اختلاف ہے، بوقت ضرورت گنجائش ہے۔

قال شیخ الاسلام ابوبکر بن علی الحداد رحمہ اللہ تعالی: وھل یجوز للجنب کتابۃ القرآن قال فی منیۃ المصلی لا یجوز وفی الجخندی یکرہ للجنب والحائض کتابۃ القرآن اذا کان مباشر اللوح والبیاض وان وضعھا علی الارض وکتبہ من غیر ان یضع یدہ علی المکتوب لا بأس بہ (الجوھرۃ ص۲۵ ج۱)

قال العلامۃ الحلبی رحمہ اللہ تعالی: وذکر فی الجامع الصغیر المنسوب الی قاضیخان لا بأس للجنب ان یکتب القرآن والصحیفۃ

او اللوح علی الارض او الوسادۃ عند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی خلافا لمحمد رحمہ اللہ تعالی لانہ لیس فیہ مس القرآن ولذا قیل المکروہ مس المکتوب لا مواضع البیاض ذکرہ الامام التمرتاشی رحمہ اللہ تعالی وینبغی ان یفصل فان کان لا یمس الصحیفۃ بأن وضع علیھا ما یحول بینھا وبین یدہ یؤخذ بقول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی لانہ لم یمس المکتوب ولا الکتاب والا فبقول محمد رحمہ اللہ تعالی لانہ ان لم یمس المکتوب فقد مس الکتاب (حلبی کبیر ص۵۸)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: ولا تکتب الحائض القرآن ولا الکتاب الذی فی بعض سطورہ آیۃ من القرآن وان لم تقرأ شمل ما اذا کان الصحیفۃ علی الارض فقال ابو اللیث رحمہ اللہ تعالی لا یجوز وقال القدوری رحمہ اللہ تعالی یجوز قال فی الفتح وھو اقیس لانہ ماس بالقلم وھو واسطۃ منفصلۃ فکان کثوب منفصل الا ان یمسہ بیدہ (رسائل ابن عابدین ص۱۱۳ ج ۱)

تنبیہ:

بعض علماء کو بعض روایات کے ظاہر سے بصورت مس ورق بھی جواز کتابت کا شبہہ ہوا ہے جس کی تفصیل مع الجواب درج ذیل ہے:

بناء شبہہ:

(۱) رسائل ابن عابدین کی عبارت الا ان یمسہ بیدہ میں یمسہ کی ضمیر مذکر ہے اور صحیفہ مؤنث ہے، اس لئے کہ اس کا مرجع مکتوب ہی ہو سکتا ہے جو سیاق کلام سے مفہوم ہے۔

(۲) الجوھرۃ میں مکتوب کی تصریح ہے۔

(۳) اگر ورق پر کوئی آیت لکھی ہوئی ہو تو آیت کے سوا دوسرے حصہ کا مس بالاتفاق جائز ہے تو بوقت کتابت مس ورق کیوں جائز نہیں؟ مابہ الفرق کیا ہے؟

جواب:

(۱) یمسہ کی ضمیر کا مرجع صحیفہ بتأویل بیاض ہے، مفہوم کلام کی تأویل بلا دلیل

دبلاضرورت ہے۔ نیز اگر مرجع مکتوب (آیت مکتوبہ) قرار دیا جائے تو وضع علی الارض کی قید لگانے کا کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوتا۔

(۲) الجوھرۃ کی عبارت میں "مکتوب" بمعنی کتاب وصحیفہ ہے، ورنہ صدر کلام مباشر اللوح والبیاض سے اس کا تعارض ہوگا۔ نیز ان وضعھما علی الارض کی قید لگانے کا کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوتا، کیونکہ آیت مکتوبہ مراد ہو تو وضع علی الارض اور حمل فی الید میں کوئی فرق نہیں۔

(۳) وجہ الفرق یہ معلوم ہوتی ہے کہ قلم ذریعہ کتابت ہے، اس لئے تنکے وغیرہ پر اس کا قیاس تام نہیں، فرق مذکور کی وجہ سے قلم من وجہ واسطہ ہے اور من وجہ واسطہ نہیں۔ اور کتابت کی دو صورتیں ہیں:

(۱) کاغذ پر ہاتھ رکھ کر۔

(۲) کاغذ پر ہاتھ رکھے بغیر، تپائی وغیرہ پر رکھ کر۔

صورت اولی کے متعارفہ ہونے کی وجہ سے اس میں واسطہ قلم کو غیر معتبر قرار دے کر عدم جواز کا قول کیا گیا اور صورت ثانیہ غیر متعارفہ ہونے کی وجہ سے واسطہ قلم کو معتبر قرار دے کر قول جواز اختیار کیا گیا۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۴ محرم ۱۴۱۸ھ

پردہ ودیگر متعلقہ مسائل

خواتین کا معانقہ کرنا:

سوال: خواتین کا آپس میں معانقہ کرنا مسنون ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

معانقہ کا مروجہ طریقہ مردوں کے لئے بھی جائز نہیں، تفصیل رسالہ "مصافحہ ومعانقہ" میں ہے، واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۴ر ذی القعدۃ سنہ ۸۶ھ

عورت کا بازار سے سامان لانا:

سوال: عورتوں کو سامان خریدنے بازار جانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کے لئے بمجبوری بقدر ضرورت گھر سے باہر نکلنا جائز ہے، اس زمانہ میں لوگوں نے خواہشات نفسانیہ اور ہوس بے لگام کو ضرورت کا نام دے رکھا ہے، عورت کے متعلقین مردوں پر فرض ہے کہ بلا ضرورت عورت کو باہر جانے سے منع کریں ورنہ وہ بھی سخت گنہگار ہوں گے، واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۲ر محرم سنہ ۸۷ھ

چست لباس پہننا جائز نہیں:

سوال: مرد یا عورت کو ٹیڈی لباس پہننا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جس لباس میں واجب الستر اعضاء کا حجم اور بناوٹ نظر آتی ہو، مرد اور عورت دونوں کے لئے حرام ہے اور اس کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے، ٹیڈی لباس میں اس قباحت کے علاوہ کفار کے ساتھ مشابہت بھی ہے، اس لئے جائز نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت (قولہ ولا یضر التصاقہ) وعبارۃ شرح المنیۃ اما لو کان غلیظا لا یری منہ لون البشرۃ الا انہ التصق بالعضو۔

و تشکل بشکلہ فصار تشکل العضو مرئیا فینبغی ان لا یمنع جواز الصلوۃ لحصول الستر اھ قال ط وانظر ھل یحرم النظر الی ذلک المتشکل مطلقا او حیث وجدت الشھوۃ اھ قلت سنتکلم علی ذلک فی کتاب الحظر والاباحۃ والذی یظھر من کلامھم ھناک ھو الاول (ردالمحتار ص۲۷۵ ج ۱)

وقال فی الحظر بعد نقل کلام الفقہاء رحمہم اللہ تعالی: وعلی ھذا لا یحل النظر الی عورۃ غیرہ فوق ثوب ملتزق بھا یصف حجمھا (ردالمحتار ص۲۳۴ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۲ محرم سنہ ۸۷ھ

محرم والی عورت کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں:

سوال: ایک دیندار عورت اپنے محرم کے ساتھ سفر حج پر جارہی ہے، دوسری کچھ عورتیں ان کے ساتھ حج کے لئے جانا چاہتی ہیں تو کیا جب کوئی دیندار اور با اعتماد عورت جو مرد کے لئے محرم ہے ساتھ موجود ہو تو غیر محرم مرد کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے؟ بعض حضرات معتدہ اور شوہر کے درمیان ثقہ عورت کے حائل بننے کے جواز سے جواز سفر پر استدلال کرتے ہیں، کیا ان کا استدلال درست ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملھم الصواب

جائز نہیں، حتی کہ اگر عورت بہت بوڑھی ہو تو بھی غیر محرم کے ساتھ سفر کرنا حرام ہے۔ حدیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔ بلکہ جتنی عورتیں زیادہ ہوں گی فتنے کا اندیشہ اتنا ہی زیادہ ہوگا۔

جواز حیلولۃ ثقہ سے استدلال درست نہیں، اس لئے کہ وہ حضر کا مسئلہ ہے، اپنے گھر میں زوج، زوجہ اور حائل بننے والی عورت کو اپنے خاندان سے حیاء اور بدنامی کا خوف ارتکاب معصیت سے مانع رہتا ہے، نیز اگر مرد برائی کا ارادہ کرے تو حائل بننے والی عورت شور مچاکر دوسروں کو اطلاع کرسکتی ہے، جبکہ سفر میں وہ لاچار اور مجبور ہوتی ہے، دفاع پر قادر نہیں ہوتی۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ ولو عجوزا) ای لا طلاق النصوص بحر قال الشاعر:

لکل ساقطۃ فی الحی لاقطۃ   وکل کاسدۃ یوما لھا سوق

(قولہ فی سفر) ھو ثلاثۃ ایام ولیالیھا فیباح لھا الخروج الی ما دونہ لحاجۃ بغیر محرم بحر.

وروی عن ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالی کراھۃ خروجھا وحدھا مسیرۃ یوم واحد وینبغی ان یکون الفتوی علیہ لفساد الزمان شرح اللباب ویؤیدہ حدیث الصحیحین لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تسافر مسیرۃ یوم و لیلۃ الا مع ذی محرم علیھا وفی لفظ لمسلم مسیرۃ لیلۃ وفی لفظ یوم (رد المحتار ص۱۴۶ ج ۲)

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: (وحسن ان یجعل القاضی بینہما امرأۃ) ثقۃ ترزق من بیت المال بحر عن تلخیص الجامع (قادرۃ علی الحیلولۃ بینہما)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ امرأۃ ثقۃ) لا یقال ان المرأۃ علی اصلکم لا تصلح للحیلولۃ حتی لم تجیزوا للمرأۃ السفر مع نساء ثقات وقلتم بانضمام غیرھا تزداد الفتنۃ لانا نقول تصلح للحیلولۃ فی البلد ببقاء الاستحیاء من العشیرۃ وامکان الاستغاثۃ بخلاف المفاوز زیلعی وافاد ان معنی القدرۃ علیھا امکان الاستغاثۃ (رد المحتار ص۶۳۱ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱۶ صفر سنہ ۸۷ھ

نابالغ محرم کے ساتھ سفر کرنا:

سوال: عورت کے لئے بلا محرم سفر جائز نہیں، اگر نابالغ محرم کے ساتھ سفر کرے تو جائز ہے یا کہ محرم کا بالغ ہونا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بارہ سال سے کم عمر کے بچے کے ساتھ سفر بالاتفاق جائز نہیں، بارہ سال کے بعد جواز میں اختلاف ہے، لہذا بارہ سال کا بچہ اگر ہوشیار ہو، جسمانی اور عقلی لحاظ سے بالغ جیسا معلوم ہوتا ہو تو اس کے ساتھ سفر کی گنجائش ہے۔

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالی فی الحج: مع امن الطریق وزوج او محرم بالغ عاقل والمراھق کبالغ جوھرۃ (رد المحتار ص۱۴۶ ج ۲)

وقال العلامۃ الرافعی رحمہ اللہ تعالی: (قول المصنف والمراھق کبالغ) جعلہ الرحمتی کصبی لانہ یحتاج الی من یدفع عنہ ولذا کان للاب منعہ عن حجۃ الاسلام فکیف یصلح لحمایتھا وفی المحیطین والبدائع الذی لم یحتلم لاعبرۃ لہ لکن ما فی الجوھرۃ موافق لما فی الخلاصۃ والبزازیۃ اھ سندی (التحریر المختار ص۱۵۵ ج ۱)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وادنی مدتہ (ای البلوغ) لہ اثنتا عشرۃ سنۃ ولھا تسع سنین ھو المختار کما فی احکام الصغار فان راھقا بان بلغ ھذا السن فقالا بلغنا صدقا ان لم یکذبھما الظاھر وھما حینئذ کبالغ حکما الخ (رد المحتار ص۱۰۹ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۵ ذی القعدہ سنہ ۹۸ھ

اجنبی سے چوڑی پہنوانا:

سوال: خود چوڑیاں پہننا کافی دشوار ہوتا ہے، اگر کوئی تجربہ کار عورت پہنانے والی نہ ہو تو چوڑیاں بیچنے والے سے پہنوانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

کسی اجنبی کو ہاتھ پکڑانا یا کوئی بھی عضو مس کرنے کی قدرت دینا عورت کے لئے بلا ضرورت شدیدہ حرام ہے اور چوڑیاں پہننا ضرورت میں داخل نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۶ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۹ھ

عورتوں کا ووٹ ڈالنے جانا اور انتخابات میں حصہ لینا:

سوال: مستورات کے لئے ووٹ ڈالنے جانا اور اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کے لئے ووٹ استعمال کرنا اور انتخابات میں حصہ لینا جائز نہیں، خواتین کو کسی عہدہ کے لئے تجویز کرنا گناہ ہے۔

البتہ جب انتخاب اسلامی وغیر اسلامی نظریہ پر مبنی ہو یا ایک امیدوار صالح اور اس کے مقابلے میں دوسرا امیدوار فاسق ہو اور خواتین کا ووٹ استعمال نہ کرانے میں دین کو خطرہ ہو تو استعمال کرانا ضروری ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: المرأۃ تقضی فی غیر حد وقود وان اثم المولی لھا لخبر البخاری لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ (رد المحتار ص۳۵۶ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۰ ذی الحجہ سنہ ۹۰ھ

حاملہ بالزنا سے صحبت جائز ہے:

سوال: بکر کی بیوی کو زنا سے حمل ہوگیا تو کیا حالت حمل میں بکر اس سے جماع کر سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے اور یہ بچہ بکر ہی کا کہلائے گا، اسے ولد الزنا کہنا جائز نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: او الموطوءۃ بالزنا ای جاز نکاح من رأها تزنی ولہ وطؤها بلا استبراء۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ ولہ وطؤها بلا استبراء) ای عندهما وقال محمد رحمہ اللہ تعالی لا احب لہ ان یطأها مالم یستبرئها هدایۃ (وبعد سطر) بقی لو ظهر بها حمل یکون من الزوج لان الفراش لہ فلا یقال انہ یکون ساقیا زرع غیرہ لکن هذا اما لم تلدہ لاقل من ستۃ اشهر من وقت العقد (رد المحتار ص۲۹۲ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۹ ربیع الاول سنہ ۹۱ھ

عورتوں کے لئے اسکول کالج کی تعلیم جائز نہیں:

سوال: عورتوں کو اسکول، کالج اور یونیورسٹی میں دنیوی تعلیم دلانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ عام طور پر کالجوں، یونیورسٹیوں میں لڑکے اور لڑکیاں مخلوط ہوتے ہیں اور پردے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ اگر کہیں اس کا اہتمام ہو کر لڑکے لڑکیوں سے علیحدہ ہوں اور ان کا آپس میں اختلاط نہ ہو تو پھر گنجائش ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کو عصر حاضر کے کالجوں، یونیورسٹیوں میں تعلیم دلانے میں کئی مفاسد ہیں خواہ لڑکیوں کا لڑکوں کے ساتھ اختلاط نہ بھی ہو:

(۱) عورت کا بلا ضرورت شرعیہ گھر سے نکلنا اور اجانب کو اپنی طرف مائل کرنے کا سبب بننا۔

(۲) برے ماحول میں جانا۔

(۳) مختلف مزاج رکھنے والی عورتوں سے مسلسل اختلاط کی وجہ سے کئی خرابیوں

کا جنم لینا۔

④ کالج یونیورسٹی کی غیر شرعی تقریبات میں شرکت۔
⑤ بلا حجاب مردوں سے پڑھنے کی معصیت۔
⑥ بے دین عورتوں سے تعلیم حاصل کرنے میں ایمان واعمال اور اخلاق کی تباہی۔
⑦ بے دین عورتوں کے سامنے بلا حجاب جانا، شریعت نے فاسقہ عورت سے بھی پردہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: ولا ینبغی للمرأۃ الصالحۃ ان تنظر الیھا المرأۃ الفاجرۃ لانھا تصفھا عند الرجال فلا تضع جلبابھا و لاخمارھا کمافی السراج اھ (رد المحتار ص۲۳۸ ج ۵)

⑧ کافر اور بے دین قوموں کی نقالی کا شوق۔
⑨ اس تعلیم کے سبب حب مال اور حب جاہ کا بڑھ جانا اور اس کی وجہ سے دنیا و آخرت تباہ ہونا۔
⑩ شوہر کی خدمت، اولاد کی تربیت اور گھر کی دیکھ بھال، صفائی وغیرہ جیسی فطری اور بنیادی ذمہ داریوں سے غفلت۔
⑪ دفتروں میں ملازمت اختیار کرنا جو دین و دنیا دونوں کی تباہی کا باعث ہے۔
⑫ مردوں پر ذرائع معاش تنگ کرنا۔
⑬ شوہر پر حاکم بن کر رہنا۔

مخلوط طریقہ تعلیم میں مفاسد مذکورہ کے علاوہ لڑکوں کے ساتھ اختلاط اور بے تکلفی کی وجہ سے لڑکوں، لڑکیوں کی آپس میں دوستی، عشق بازی، بدکاری اور اغواء جیسے گھناؤنے مفاسد بھی پائے جاتے ہیں۔ اس لئے عصر حاضر کے تعلیمی اداروں میں عورتوں کو تعلیم دلانا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۶ جمادی الآخرۃ سنہ ۹۲ھ

عورت کو ڈاکٹری تعلیم دلانا:

سوال: کیا لڑکیوں کو طبی تعلیم دلانا جائز ہے؟ جبکہ میڈیکل کالجوں میں مخلوط طریقہ تعلیم رائج ہے، اگر کہیں شاذونادر لڑکیوں کی تعلیم کا علیحدہ انتظام ہو تو اساتذہ مرد ہی

ہوتے ہیں، نیز ڈاکٹری تعلیم کے دوران مُردوں کی چیر پھاڑ کرکے تجربات کئے جاتے ہیں۔ اگر ڈاکٹری تعلیم ناجائز ہو تو پھر اسلامی معاشرے میں خواتین کے علاج کی کیا صورت ہوگی؟ خصوصاً جب خواتین کے لیسے معاینہ اور علاج کی ضرورت ہو جس کو مرد ڈاکٹر سے نہیں کروایا جا سکتا، مثلاً زچگی اور دیگر نسوانی امراض۔ نرسنگ کی معمولی تعلیم بھی اسی مخلوط طریقہ سے ہوتی ہے، ایسے حالات میں کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

عورت کے لئے عصر حاضر کے میڈیکل کالجوں میں تعلیم حاصل کرنا جائز نہیں، خواہ طریقِ تعلیم مخلوط ہو یا غیر مخلوط۔ کیونکہ پڑھانے والے دونوں صورتوں میں مرد اساتذہ ہوتے ہیں، عورتوں کے لئے طبی تعلیم کی صحیح صورت یہ ہے کہ مردوں سے علیحدہ انتظام ہو اور پڑھانے والی بھی خواتین ہوں۔

نیز مُردوں کی چیر پھاڑ بھی حرام ہے، عملی مشق کے لئے انسانی ڈھانچوں کی بجائے حیوانات کے ڈھانچے استعمال کئے جائیں۔ ممالک اسلامیہ میں مسلمان خواتین ڈاکٹروں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ لڑکیوں کے لئے علیحدہ میڈیکل کالجوں اور ہسپتالوں کا انتظام بسہولت کیا جا سکتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۲ر صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

عورت کو لکھنا سکھانا:

سوال: کیا عورت کے لئے خط وکتابت سیکھنا اور دوسری لڑکیوں کو سکھانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بقدر ضرورت سیکھنا سکھانا جائز ہے، البتہ اگر آثار وقرائن سے کسی عورت کی طبیعت میں شر ظاہر ہو اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو جائز نہیں۔

اخرج الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ عن عائشۃ بنت طلحۃ قالت قلت لعائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وانا فی حجرھا وکان الناس یأتونہا من کل مصر فکان الشیوخ ینتابون لمکانی منہا وکان الشباب یتأخونی فیھدون الی ویکتبون الی من الامصار فاقول لعائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا خالۃ ھذا کتاب فلان وھدیتہ

فتقول لی عائشۃ رضی اللہ تعالی عنھا ای بنیۃ فاجیبی واثیبی فان لم یکن عندک ثواب اعطیتک فقالت تعطینی (الادب المفرد ص۲۰ ج۲)

واخرج الامام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالی عن الشفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنھا قالت دخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا عند حفصۃ رضی اللہ تعالی عنھا فقال لی الا تعلمین ھذہ رقیۃ النملۃ کما علمتیھا الکتابۃ۔

قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالی فی شرح ھذا الحدیث: قال الخطابی فیہ دلیل علی ان تعلم النساء الکتابۃ غیر مکروہ قلت یحتمل ان یکون جائزا للسلف دون الخلف لفساد النسوان فی ھذا الزمان ثم رأیت قال بعضھم خصت بہ حفصۃ رضی اللہ تعالی عنھا لان نساءہ صلی اللہ علیہ وسلم خصصن باشیاء قال تعالی لینساء النبی لستن کاحد من النساء وخبر لا تعلمن الکتابۃ یحمل علی عامۃ النساء خوف الافتتان علیھن (المرقاۃ ص۳۶۴ ج۸)

وقال العلامۃ السھارنفوری رحمہ اللہ تعالی: فیہ دلیل علی جواز تعلم النساء الکتابۃ واما حدیث لا تعلموھن الکتابۃ فمحمول علی من یخشی فی تعلیمھا الفساد (بذل المجھود ص۵ ج۶) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۵ جمادی الاولی سنہ ۱۴۰۰ھ

ہیجڑے سے پردہ:

سوال: حدیث میں ہیجڑوں سے پردہ کرنے کا حکم ہے، عرض یہ ہے کہ یہ جماع کے قابل نہیں ہوتے تو ان سے پردہ کرنے کا حکم کیوں دیا گیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

پردہ کا مبنی قدرتِ جماع نہیں، حدیث میں ہے کہ بغرضِ استلذاذ دیکھنا یا باتیں سننا یا ہاتھ سے مس کرنا آنکھ، کان اور ہاتھ کا زنا ہے اور یہ صفت ہیجڑے میں بھی موجود ہے، نیز بہت سے ہیجڑے ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں مردانہ قوت موجود ہوتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

غرۃ جمادی الثانیۃ سنہ ۹۳ھ

سسر سے پردہ:

سوال: سسر سے پردہ فرض ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نہیں، البتہ فتنہ کا خوف ہو تو احتیاط ضروری ہے، ایسی حالت میں سسر کے ساتھ خلوت اور سفر جائز نہیں۔

بعض علاقوں میں سسر سے ہاتھ ملانے کا رواج ہے جو بالکل غلط اور واجب الاصلاح ہے، اگر شہوت سے کسی ایک کا کوئی عضو دوسرے کے کسی عضو سے بلا حائل لگ جائے تو عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے، اس لئے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت (قولہ والصھرۃ الشابۃ) والمسألۃ مفروضۃ ھنا فی امھا والعلۃ تفید ان الحکم کذلک فی بنتھا ونحوھا کما لا یخفی (رد المحتار ص۲۳۶ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۷ ربیع الثانی سنہ ۸۸ھ

داماد سے پردہ:

سوال: ساس کو داماد سے پردہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ساس پر داماد سے پردہ فرض نہیں، البتہ خوف فتنہ کے وقت احتیاط ضروری ہے، تنہائی اور سفر جائز نہیں۔

بعض علاقوں میں ساس سے مصافحہ کرنے کا رواج ہے جو انتہائی خطرناک ہے۔ ایسی حالت میں کسی ایک کو شہوت آگئی تو داماد پر اس کی بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: والخلوۃ بالمحرم مباحۃ الا الاخت رضاعا والصھرۃ الشابۃ (رد المحتار ص۲۳۶ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲ ذی القعدہ سنہ ۹۴ھ

پردہ فرض ہونے کی عمر:

سوال: لڑکی پر کتنی عمر میں پردہ کرنا فرض ہو جاتا ہے اور لڑکا کتنی عمر کا ہو جائے تو اسے عورتوں کے پاس جانے سے روکا جائے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

احکام حجاب سے مقصود مردوں اور عورتوں کو بدنظری اور بُرے خیالات کے گناہ سے

محفوظ رکھا جائے، سو جس عمر سے بچوں میں اس گناہ میں مبتلا ہونے کا احتمال ہوگا وہ اس عمر سے احکام حجاب کے مکلف ہوں گے اور پردہ کے سلسلے میں ایسے بچوں کا وہی حکم ہوگا جو بالغ مردوں عورتوں کا ہے۔

چنانچہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

او الطفل الذین لم یظهروا علی عورات النساء۔

یعنی جب بچے میں شہوت پیدا ہو جائے تو اس سے پردہ کرنا فرض ہے۔

قال الامام الخازن رحمہ اللہ تعالیٰ: لم یبلغوا حد الشهوۃ (تفسیر الخازن ص ۳۴۹ ج ۳)

وقال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ: الذین لم یبلغوا حد الشهوۃ والقدرۃ علی الجماع (روح المعانی ص ۱۳۱ ج ۵)

حد شہوت تک پہنچنے پر قدرۃ علی الجماع بھی ہو جاتی ہے. کما ھو ظاھر من عبارۃ العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ ومصرح فیما سیجیء من نصوص الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ

اگر بالفرض دونوں کی عمر میں کچھ معمولی سا تفاوت ہو تو حکم حجاب کا مدار حد شہوت ہے قدرت جماع نہیں، یہ حقیقت عقلاً ونقلاً ہر لحاظ سے بدیہیات ومسلمات میں سے ہے، جس کی دو وجوہ ہیں:

(۱) شہوت قلب سے نظر وفکر مستقل گناہ کبیرہ ہے، بلکہ بلا شہوت نظر یا تفکر سے شہوت پیدا ہو جانے کا احتمال ہو تو وہ بھی حرام ہے۔

(۲) مشتہی بچے کی نظر آیندہ چل کر زنا اور دوسری بدکاریوں میں مبتلا ہونے کا ذریعہ ہے، وذریعۃ الحرام حرام۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال کی عمر کو حد شہوت کی عمر قرار دیا ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مروا اولادکم بالصلوۃ وھم ابناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھم ابناء عشر سنین وفرقوا بینھم فی المضاجع رواہ ابو داؤد (مشکوۃ ص ۵۸ ج ۱)

دس سال کی عمر میں تفریق مضاجع کا حکم فرمایا گیا، اس حکم کی علت احتمال شہوت ہے اور اس عمر میں نماز نہ پڑھنے پر ضرب کا حکم فرمانا بھی اس امر کا مشعر ہے کہ اس عمر کے بچے بمنزلہ بالغین ہیں۔

قال العلامۃ علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: لانھم بلغوا او قاربوا البلوغ (مرقاۃ ص ۱۵۱ ج ۲)

وقال الطیبی رحمہ اللہ تعالی: لان بلوغ العشر مظنۃ الشھوۃ (مرقاۃ ص۱۱۶ ج ۲)

حدیث مذکور کے مطابق فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی نے بھی دس سال کے لڑکے کو مراہق ومشتہی قرار دیا ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: ولو مراھقا یجامع مثلہ وقدرہ شیخ الاسلام بعشر سنین۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ ولو مراھقا) ھو الدانی من البلوغ نھر (قولہ یجامع مثلہ) تفسیر للمراھق ذکرہ فی الجامع وقیل ھو الذی تتحرک آلتہ ویشتھی النساء کذا فی الفتح ولا یخفی انہ لا تنافی بین القولین نھر۔ (رد المحتار ص۵۳۳ ج ۴)

اشکال: درمختار میں اشباہ سے نقل کیا ہے:

یدخل علی النساء الی خمسۃ عشر سنۃ حسب۔

جواب: حدیث وفقہ کی مذکورہ بالا تصریحات کے پیش نظر اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پندرہ سال کی عمر ہو جانے کے باوجود شہوت ظاہر نہ ہو تو بھی اس عمر میں پردہ فرض ہے۔

لڑکی کے بارے میں حدیث عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا اور دوسرے دلائل وتجارب کی بناء پر حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالی کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ نو سال کی عمر میں مشتہاۃ ہو جاتی ہے، اس لئے نو سال کی لڑکی پر پردہ فرض ہے، حدیث عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا اور نصوص فقہاء رحمہم اللہ تعالی کے مطابق لڑکی نو سال کی عمر میں بالغ ہو سکتی ہے تو اس عمر میں مراہقہ ومشتہاۃ بطریق اولی ہو سکتی ہے، اس لئے نو سال کی لڑکی کو فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی نے بالاتفاق مشتہاۃ قرار دیا ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وقدر بتسع وبہ یفتی وبنت احدی عشرۃ مشتھاۃ اتفاقا زیلعی۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: بل فی محرمات المنح وبنت تسع فصاعدا مشتھاۃ اتفاقا سائحانی (رد المحتار ص۳۹۶ ج ۲)

مذکورہ بالا روایات حدیث وفقہ سے یہ امر متحقق ہو گیا کہ نو سال کی لڑکی اور دس سال کا لڑکا احکام حجاب کے مکلف ہیں، اگر وہ خود کوتاہی کریں تو ان کے اولیاء پر فرض ہے کہ وہ ان سے ان احکام پر عمل کروائیں۔

نشوونما اور ماحول کے پیش نظر لڑکے اور لڑکی کے لئے پردہ کی عمر مذکور میں کچھ کمی بیشی بھی ہوسکتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۴ رمضان سنہ ۹۶ھ

عورتوں میں بدون پردہ وعظ کہنا جائز نہیں:

سوال: ایک مولوی صاحب رمضان میں ۸ بجے سے ۱۱ بجے تک ایک چاردیواری کے اندر جہاں اور کسی کا گزر بھی نہیں بدون پردہ عورتوں کے سامنے وعظ کہتے ہیں، جس میں گاؤں کی جوان اور بوڑھی عورتیں کافی تعداد میں شریک ہوتی ہیں، چند آدمیوں نے منع کیا تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ یہ عورتیں ویسے بھی تعویذ لینے کے لئے اور دوسرے دنیوی معاملات میں ہم سے ملتی رہتی ہیں، دین کی باتیں بتانے کے لئے ان کو جمع کر لیا جائے تو کیا حرج ہے؟ اگر میں پردہ میں تقریر کروں تو کوئی عورت بھی سننے نہیں آتی۔ کیا شریعت کی رو سے مولوی صاحب کا یہ فعل جائز ہے؟ ایسے مولوی کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ استدلال بین البطلان اور یہ فعل حرام ہے، مولوی صاحب پر ان شیطانی حیلوں کو چھوڑ کر اس فعل شنیع سے توبہ فرض ہے، اگر توبہ نہ کرے تو ایسے فاسق شخص کو امام بنانا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۷ ذی الحجہ سنہ ۹۶ھ

بہنوئی سے پردہ فرض ہے:

سوال: زید کہتا ہے کہ بکر سے اس کی سگی سالی کو پردہ کرنا فرض ہے جبکہ بکر کا کہنا ہے کہ جب تک میری اہلیہ زندہ ہے، میری سالی کا نکاح مجھ سے حرام ہے، اور جس عورت سے نکاح کرنا حرام ہو اس سے پردہ نہیں ہے۔ براہ کرم شرعی مسئلہ تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بہنوئی سے پردہ فرض ہے، جو عورتیں ہمیشہ کے لئے حرام ہوتی ہیں ان کو پردہ نہیں سالی ہمیشہ کے لئے حرام نہیں بلکہ اس کی حرمت ایک عارض کی بناء پر ہے، اگر بکر کی اہلیہ مر جائے یا بکر اس کو طلاق دیدے تو عدت گزرنے کے بعد اس کا سالی سے نکاح جائز ہے۔ اس قسم کی عارضی حرمت تو ہر شادی شدہ عورت میں ہے، جب تک اس کا شوہر زندہ ہے

یہ عورت دنیا میں کسی اور مرد کے لیے حلال نہیں، سب پر حرام ہے۔ اگر عارضی حرمت کی وجہ سے پردے کا حکم ساقط ہو جائے تو شادی شدہ عورت پر کسی سے بھی پردہ فرض نہیں ہونا چاہیے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۱ر صفر سنہ ۹۹ھ

اجنبیہ سے بات کرنا:

سوال: آج کل عورتیں پردہ تو کرتی نہیں ہیں، ان سے چار و ناچار کام پڑ جاتا ہے آدمی بالکل الگ نہیں رہ سکتا، ان سے بات کرنے کی نوبت بھی آتی ہے، ہوتا یہ ہے کہ بعض عورتیں مثلاً سالی وغیرہ مزاح بھی کرتی ہیں، ایسی صورت میں کوئی عورت بات کرے یا مزاح کرے تو جواب دیا جائے یا کیا کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

غیر محرم عورتوں سے بقدر ضرورت بات کرنا جائز ہے، بلا ضرورت جائز نہیں، ہنسی مزاح کرنے یا اس کا جواب دینے کی کوئی گنجائش نہیں، سخت گناہ ہے۔ بلا ضرورت دیکھنا بھی جائز نہیں، حتی الامکان حفاظت نظر بھی ضروری ہے۔

ایسے ماحول میں بات کرنا پڑے تو ان کو شرعی پردہ کرنے کی ترغیب دے، قرآن و حدیث کے احکام بیان کرے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وفی الشرنبلالیۃ معزیا للجوہرۃ ولا یکلم الاجنبیۃ الا عجوزا عطست او سلمت فیشمتہا ویرد السلام علیہا والا لا انتہی وبہ بان ان لفظۃ لا فی نقل القہستانی ویکلمہا بما لا یحتاج الیہ زائدۃ فتنبہ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ زائدۃ) یبعدہ قولہ فی القنیۃ رامزا ویجوز الکلام المباح مع امرأۃ اجنبیۃ اھ وفی المجتبی رامزا وفی الحدیث دلیل علی انہ لا بأس ان یتکلم مع النساء بما لا یحتاج الیہ ولیس ہذا من الخوض فی ما لا یعنیہ انما ذلک فی کلام فیہ اثم اھ فالظاہر انہ قول آخر او محمول علی العجوز تأمل وتقدم فی شروط الصلوۃ ان صوت المرأۃ عورۃ علی الراجح ومر الکلام فیہ فراجعہ (رد المحتار ص ۲۳۶ ج ۵)

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی فی شروط الصلوۃ: وللحرۃ ولو خنثی

جمیع بدنها حتی شعرها النازل فی الاصح خلا الوجه والکفین فظهر الکف عورة علی المذهب والقدمین علی المعتمد وصوتها علی الراجح وذراعیه علی المرجوح۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی: (قوله وصوتها) معطوف علی المستثنی یعنی انه لیس بعورة ح (قوله علی الراجح) عبارة البحر عن الحلیة انه الاشبه وفی النهر وهو الذی ینبغی اعتماده ومقابله ما فی النوازل نغمة المرأة عورة وتعلمها القرآن من المرأة احب قال علیه الصلوة والسلام التسبیح للرجال والتصفیق للنساء فلا یحسن ان یسمعها الرجل وفی الکافی ولا تلبی جهرا لان صوتها عورة ومشی علیه فی المحیط فی باب الاذان بحر قال فی الفتح وعلی هذا لو قیل اذا جهرت بالقراءة فی الصلوة فسدت کان متجها ولهذا منعها علیه الصلوة والسلام من التسبیح بالصوت لاعلام الامام بسهوه الی التصفیق اه واقره البرهان الحلبی فی شرح المنیة الکبیر وکذا فی الامداد ثم نقل عن خط العلامة المقدسی ذکر الامام ابو العباس القرطبی فی کتابه فی السماع ولا یظن من لا فطنة عنده انا اذا قلنا صوت المرأة عورة انا نرید بذلک کلامها لان ذلک لیس بصحیح فانا نجیز الکلام مع النساء للاجانب ومحاورتهن عند الحاجة الی ذلک ولا نجیز لهن رفع اصواتهن ولا تمطیطها ولا تلیینها وتقطیعها لما فی ذلک من استمالة الرجال الیهن وتحریک الشهوات منهم ومن هذا لم یجز ان تؤذن المرأة اه قلت ویشیر الی هذا تعبیر النوازل بالنغمة (رد المحتار ص۲۷۲ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۷ ذی الحجہ سنہ ۹۹ھ

غیر محرم کو سلام کرنا:

سوال: عورت کے لئے غیر محرم مرد کو سلام کرنا یا اس کے سلام کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں؟۔

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اجنبی مرد اور عورت کے لئے ایک دوسرے کو سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا جائز نہیں، اگر کسی نے سلام کیا تو دوسرا دل میں جواب دے آواز سے نہ دے۔

البتہ اگر کسی ضرورت سے بات کرنے کی نوبت آئے تو سلام و رد سلام کی گنجائش ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وفی الشرنبلالیۃ معزیا للجوہرۃ ولا یکلم الاجنبیۃ الا عجوزا عطست اوسلمت فیشمتها ویرد السلام علیها والا لا انتہی۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ والا لا) ای والا تکن عجوزا بل شابۃ لا یشمتها ولا یرد السلام بلسانہ قال فی الخانیۃ وکذا الرجل مع المرأۃ اذا التقیا یسلم الرجل اولا واذا سلمت المرأۃ الاجنبیۃ علی رجل ان کانت عجوزا رد الرجل علیها السلام بلسانہ بصوت تسمع وان کانت شابۃ رد علیها فی نفسہ وکذا الرجل اذا سلم علی امرأۃ اجنبیۃ فالجواب فیہ علی العکس اھ وفی الذخیرۃ واذا عطس فشمتتہ المرأۃ فان عجوزا رد علیها والا رد فی نفسہ اھ کذا لو عطست ھی کما فی الخلاصۃ (رد المحتار ص۲۳۶ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۰ ذی الحجہ سنہ ۹۹ھ

ائر ہوسٹس سے بات کرنا:

سوال: ہوائی جہاز میں کھانے وغیرہ کے لئے ائر ہوسٹس سے بات کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جہاز میں کھانا اور چائے وغیرہ وقت مقرر پر عملہ کی طرف سے خود پہنچا دیا جاتا ہے، طلب کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی، معہذا اگر ضرورت ہو تو ائر ہوسٹس سے بقدر ضرورت بات کرنا جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۵ ذی الحجہ سنہ ۹۹ھ

بغرض علاج عورت کی شرمگاہ دیکھنا:

سوال : مرد ڈاکٹر کے لئے بغرض علاج عورت کی شرمگاہ میں ہاتھ ڈالنا یا دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی ضرورت کے موقع پر حتی الامکان مسلمان عورت ڈاکٹر سے رابطہ کرنے کی کوشش کرنا لازم ہے، اگر بروقت عورت ڈاکٹر نہ مل رہی ہو اور ضرورت شدیدہ ہو تو مرد ڈاکٹر کے لئے بھی ایسا کرنا جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۷ ذی الحجہ سنہ ۹۹ھ

غیر محرم سے تجوید سیکھنا

سوال : عورت عام طور پر بچپن میں کسی ماہر سے قرآن نہیں پڑھتی اس لئے قرآن پڑھنے میں کافی غلطیاں کرتی ہے، تو کیا بالغ ہونے یا شادی کے بعد پردہ کے اہتمام کے ساتھ وہ کسی غیر محرم سے تجوید سیکھ سکتی ہے؟

نیز اگر خود بقدر ضرورت تصحیح حروف کے ساتھ پڑھ لیتی ہے لیکن بچوں کو تعلیم دینے کے لئے مزید مشق کی ضرورت ہے، اگر تجوید سیکھ کر تجوید سے پڑھائے گی تو آیندہ نسل کا فائدہ ہوگا، کیا اس مقصد کے لئے غیر محرم سے تجوید سیکھنا اور قرآن پڑھنے کی مشق کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں مفاسد ذیل ہیں :

① استاد و شاگرد کا لفظ لفظ بلکہ حرف حرف کا تادیر باہم تکرار اور ایک دوسرے کی طرف مراجعہ مخصوصہ۔

② ایک دوسرے کی آواز بہت دیر تک سننا سنانا۔

③ تجوید کے ساتھ قراءت میں کشش و جاذبیت۔

④ جانبین سے شخصیت متعینہ۔

⑤ مذکورہ محرکات اربعہ کا روزانہ عرصہ دراز تک مسلسل قائم رکھنا۔

اس لئے یہ طریقہ جائز نہیں، بالخصوص جب کہ یہ ضرورت پوری کرنے کی صور ذیل

میسر ہیں:

① محارم مردوں سے پڑھیں۔

② چھوٹی بچیاں پڑھ کر دوسری خواتین کو پڑھائیں۔

قال العلامۃ الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالی: ورفع الصوت بھا لشھادۃ الارض والحجر والمدر والشجر لہ الا المرأۃ فان صوتھا عورۃ فیجب صونھا۔

وقال العلامۃ حسین بن محمد سعید المکی الحنفی رحمہ اللہ تعالی: (قولہ فان صوتھا عورۃ) ھذا ضعیف قال فی الدر المختار عند قول المتن ولا تلبی جھرا بل تسمع نفسھا دفعا للفتنۃ وما قیل ان صوتھا عورۃ ضعیف (ارشاد الساری ص۱۰۳) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱۰ ذی القعدہ سنہ ۱۴۰۰ھ

نندوئی سے بات کرنا:

سوال: زید کہتا ہے کہ بکر کہیں دور سے اپنے سالے کے گھر آتا ہے، اتفاق سے سالہ اپنی ملازمت یا مزدوری پر گیا ہوا ہے تو بکر کے سالے کی بیوی بکر سے نہ خیریت معلوم کر سکتی ہے نہ بیٹھک میں بیٹھنے کو کہہ سکتی ہے، نہ کھانے، چائے وغیرہ کا پوچھ سکتی ہے، اگر خاوند گھر میں موجود ہو تو بھی وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ جبکہ بکر کہتا ہے کہ اگر ایسا ہو تو کون کسی کے گھر جائے گا، اس سے قطع رحمی کا خطرہ ہے جو شدید جرم ہے اور ہمارے ہاں برصغیر میں ماحول اتنا خراب نہیں ہے، اس طرح قریبی رشتہ داروں سے خیریت معلوم کرنے اور کھانا وغیرہ کھلانے میں کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا۔ براہ کرم مسئلہ شرعیہ سے آگاہ فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

کسی محرم کی موجودگی میں نندوئی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے جائز نہیں، البتہ محرم کی عدم موجودگی میں پس پردہ رہ کر بیٹھک میں بٹھا سکتی ہے۔ کھانا وغیرہ بھی پس پردہ رہ کر دے سکتی ہے، پردے کا پورا اہتمام کرے اور بقدر ضرورت بات پر اکتفاء کرے، اس میں بھی لہجہ میں بتکلف درشتی پیدا کرے، نندوئی کے بار بار آنے کی عادت

بنا لینے کا اندیشہ ہو تو پس پردہ بٹھانا بھی جائز نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ او بحائل) قال فی القنیۃ سکن رجل فی بیت من دار وامرأۃ فی بیت آخر منها ولکل واحد غلق علی حدۃ لکن باب الدار واحد لا یکرہ مالم یجمعهما بیت اھ ورمز له ثلثۃ رموز ثم رمز الی کتاب آخر ھی خلوۃ فلا تحل ثم رمز ولو طلقها بائنا ولیس الا بیت واحد یجعل بینهما سترۃ لانه لولا السترۃ تقع الخلوۃ بینه وبین الاجنبیۃ ولیس معها محرم فهذا یدل علی صحۃ ما قالوہ اھ لان البیتین من دار واحد کالسترۃ بل اولی وما ذکرہ من الاکتفاء بالسترۃ مشروط بما اذا لم یکن الزوج فاسقا اذ لو کان فاسقا یحال بینهما بامرأۃ ثقۃ تقدر علی الحیلولۃ بینهما کما ذکرہ فی فصل الاحداد وقد بحث صاحب البحر هناك بمثل ما قاله فی القنیۃ فقال یمکن ان یقال فی الاجنبیۃ کذلك وان لم تکن معتدتہ الا یوجد نقل بخلافه (رد المحتار ص ۲۳۵ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۱ ذی القعدہ سنہ ۱۴۰۰ھ

بیوی کی شرمگاہ کا بوسہ لینا:

سوال: جوش محبت میں بیوی کی شرمگاہ کا بوسہ لینا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

ہاتھ لگانا جائز ہے، بوسہ لینا جائز نہیں۔

قال فی الهندیۃ: فی النوازل اذا ادخل الرجل ذکرہ فی فم امرأته قد قیل یکرہ وقد قیل بخلافه کذا فی الذخیرۃ (عالمگیریہ ص ۳۷۲ ج ۵)

اقول المبیح مجهول منکر وقوله مردود شرعا وعقلا، واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۷ ذی الحجہ سنہ ۹۸ھ

زوجین کو ایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھنا:

سوال: ایک روایت نظر سے گزری، مشہور ہے کہ بوقت صحبت بیوی کی شرمگاہ کو دیکھنے سے انسان اندھا ہو جاتا ہے۔ روایت یہ ہے:

روی بقیۃ بن مخلد وابن عدی عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما مرفوعا اذا جامع احدکم زوجتہ اوجاریتہ فلا ینظر الی فرجھا فان ذلک یورث العمی قال ابن صلاح جید الاسناد کذا فی الجامع الصغیر۔

کیا یہ روایت یا اس مضمون کی کوئی اور روایت صحیح سند سے ثابت ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بصیرۃ فقہیہ ایسی روایات کو دیکھتے ہی موضوع یا انتہائی ضعیف ہونے کا فتوی دے دیتی ہے، مراجعۃ الکتب سے اس کی توثیق ہوگئی۔

قال الامام ابوالفرج ابن الجوزی فی باب النظر الی الفرج : فیہ عن ابن عباس وابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہم، فاما حدیث ابن عباس فانبأنا اسمعیل بن احمد السمرقندی انبأنا اسمعیل بن مسعدۃ انبأنا حمزۃ بن یوسف انبأنا احمد بن عدی حدثنا ابن قتیبۃ حدثنا ھشام بن خالد حدثنا بقیۃ عن ابن جریج عن عطاء عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جامع احدکم زوجتہ اوجاریتہ فلا ینظر الی فرجھا فان ذلک یورث العمی۔

قال ابوحاتم بن حبان : کان بقیۃ یروی عن کذابین وثقاۃ ویدلس وکان لہ اصحاب یسقطون الضعفاء من حدیثہ ویسوونہ فیشبہ ان یکون سمع ھذا من بعض الضعفاء عن ابن جریج ثم یدلس عنہ ۔ و ۔ الترف ۔ (الترق) بہ وھذا موضوع۔

واما حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ فانبأنا محمد بن ناصر انبأنا المبارک بن عبدالجبار انبأنا ابو نصر عبدالباقی بن احمد الواعظ انبأنا محمد ابن جعفر بن علان انبأنا ابوالفتح الازدی انبأنا زکریا بن یحیی المقدسی حدثنا ابراھیم بن محمد الفریابی حدثنا محمد بن عبدالرحمن القشیری عن مسعدۃ ابن کرام عن سعید المقبری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جامع احدکم فلا ینظر الی الفرج فانہ

یورث العمی ولا یکثر الکلام فانہ یورث الخرس۔

قال الازدی: ابراھیم بن محمد بن یوسف ساقط (کتاب الموضوعات ص ۲۷۱ ج ۲)

وقال الحافظ ابن عدی الجرجانی رحمہ اللہ تعالی بعد نقل حدیث بقیۃ: ثناہ بھذا الاسناد ثلاثۃ احادیث اخر مناکیر وھذہ الاحادیث یشبہ ان تکون بین بقیۃ وابن جریج بعض المجھولین او بعض الضعفاء لان بقیۃ کثیرا مایدخل بین نفسہ وبین ابن جریج بعض الضعفاء او بعض المجھولین الا ان ھشام بن خالد قال عن بقیۃ حدثنی ابن جریج (الکامل ص ۵۰ ج ۲)

وقال الامام البابرتی رحمہ اللہ تعالی: روی عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی فی الامالی قال سألت اباحنیفۃ رحمہ اللہ تعالی عن الرجل یمس فرج امرأتہ اوتمس ھی فرجہ لیتحرک علیھا ھل تری بذلک بأسا؟ قال لا، ارجوان یعظم الاجر (العنایۃ بھامش تکملۃ الفتح ص ۱۳۱ ج ۴)

اس میں جواز نظر اگرچہ صراحۃً مذکور نہیں مگر قیاساً ظاہر ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۵ صفر سنہ ۱۴۱۰ھ

عورت کا تفریح کے لئے نکلنا:

سوال: عورتوں اور لڑکیوں کا تفریح کے لئے برقع اوڑھ کر اپنے شوہر، والد یا کسی اور محرم کے ساتھ عام تفریح گاہوں جیسے کلفٹن، ہاکس بے، ہل پارک وغیرہ میں جانا شرعاً کیسا ہے؟ جبکہ عام طور پر علماء کرام بغیر کسی شرعی ضرورت کے عورتوں کا گھروں سے باہر نکلنا ناجائز بتاتے ہیں کیونکہ اگرچہ عورتیں خود برقع میں ہوں اور ان کے چہرہ پر کسی غیر مرد کی نگاہ نہ پڑے لیکن خود ان عورتوں کی نگاہ تو مردوں کے چہروں پر پڑتی ہے اور وہ ان کو دیکھتی ہیں، کیا تفریح کے لئے تفریح گاہوں میں جانا شرعی ضرورت میں شامل ہے؟ جبکہ علماء کرام حج وعمرہ پر جانے والی عورتوں کو نماز کے لئے مسجد حرام اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جانے سے منع فرماتے ہیں، اپنی اپنی قیام گاہوں پر ہی نماز پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں، تو کیا تفریح کی اہمیت ان مسجدوں میں نماز پڑھنے سے بھی زیادہ ہے؟

آج کل بعض دیندار لوگ بھی صوفیانہ وضع کے ساتھ اپنی بیوی اور جوان لڑکیوں

کو لے کر عام تفریح گاہوں اور پارکوں میں جاکر بیٹھنے اور کچھ کھانے پینے کا شغل کرتے ہیں یعنی ایک طرح کی "پکنک" مناتے ہیں، جس سے عام لوگوں کے ذہنوں میں اس کے جواز کا خیال پیدا ہوتا ہے، اس طرح ان کا عام تفریح گاہوں میں جانا دین کے متعلق غلط تصور پیش کرنے کے مترادف معلوم ہوتا ہے اور عوام الناس کی ایسے کاموں کی ہمت افزائی کا باعث ہے اس لئے اس کے متعلق مفصل فتوی تحریر فرماکر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

قرآن و حدیث میں عورت کو پردے کی سخت تاکید اور عورت کے باہر نکلنے میں مفاسد کثیرہ کے پیش نظر عورت کا تفریح کے لئے گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں، اگر نکلے گی تو اس کے علاوہ اس کا شوہر اور دوسرے اولیاء بھی سخت گنہگار ہوں گے، ان سب پر ایسے فسق و فجور سے توبہ کرنا فرض ہے۔

اختصار کے ساتھ چند دلائل اور مفاسد ملاحظہ ہوں:

(۱) عورت کو بلا ضرورت برقع اوڑھ کر بھی گھر سے نکلنا حرام ہے:

(۱) وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى (۳۳-۳۳)

(۲) وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ (۳۳-۵۳)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ سوال و جواب کی ضرورت کے وقت بھی عورت برقع وغیرہ میں لپٹ کر سامنے نہ جائے بلکہ وراء حجاب رہ کر ضرورت پوری کی جائے۔

(۳) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالی عنہ فی قصۃ الفتی حدیث العھد بعرس فاذا امرأتہ بین البابین قائمۃ فاھوی الیھا بالرمح لیطعنھا بہ و اصابتہ غیرۃ، رواہ مسلم۔

(۴) عن جابر رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المرأۃ تقبل فی صورۃ شیطان وتدبر فی صورۃ شیطان، رواہ مسلم۔

(۵) عن ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المرأۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفھا الشیطان، رواہ الترمذی۔

(۶) عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس للنساء

نصیب فی الخروج الا مضطرۃ ، الحدیث . رواہ الطبرانی فی الکبیر۔

(۳) عورت برقع وغیرہ میں لپٹ کر بھی باہر نکلے گی تو غیر محارم پر نظر پڑے گی، حدیث میں امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو ایک متقی نابینا صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا گیا ہے:

عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہا کانت عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و میمونۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اذا قبل ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فدخل علیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجبا منہ فقلت یارسول اللہ الیس ھو اعمی لایبصرنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افعمیاوان انتما الستما تبصرانہ ، رواہ احمد والترمذی وابوداؤد۔

(۳) باہر نکلنے میں منکرات و فواحش، عریاں عورتوں اور تصاویر پر نظر پڑے گی جس کا قلب پر برا اثر پڑے گا۔

(۴) گانوں باجوں کی آوازیں کان میں پڑیں گی اور قلب پر اثر کریں گی۔

(۵) بے دین لوگوں کی مختلف قسم کی آوازیں کان میں پڑیں گی، جن سے قلب متأثر ہوگا۔

(۶) اس زمانے میں غلبۂ فساد کی وجہ سے گھر سے باہر ہر طرف فسق و فجور کا ماحول ہوتا ہے جس سے فضا تک متأثر ہوتی ہے، انسان کے قلب پر لازماً اس کا اثر پڑتا ہے۔

(۷) اگر عورت پردے میں بھی نکلے تو بھی فساق و فجار اس کی طرف غور سے دیکھتے ہیں اور ان کا میلان اس کی طرف ہوتا ہے اور اس کا سبب یہ عورت بنی، اس لئے یہ بھی گناہ گار ہوئی، اسی لئے قرآن و حدیث میں اشخاص کا پردہ بھی ضروری قرار دیا گیا جس کے دلائل کی تفصیل نمبر ① کے تحت گزر چکی ہے۔

مفاسد مذکورہ اگرچہ مردوں کے خروج میں بھی پائے جاتے ہیں مگر مرد اور عورت کے خروج میں دو وجہ سے فرق ہے:

① مرد کا خروج ضروراتِ دینیہ و دنیویہ کی وجہ سے ہوتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتے ہیں، اور عورت کا تفریح کے لئے نکلنا ضرورت میں داخل نہیں۔

② حفظ صحت کے لئے بھی مردوں کو باہر نکلنے کی ضرورت ہے، عورتوں کو اس کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کی مخلوق پیدا فرمائی ہے، اس کی صحت

کے لئے جو چیزیں ضروری ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے ماحول میں وہ چیزیں پیدا فرمادی ہیں اور اس کے ماحول کو اس کے مطابق بنا دیا ہے۔

پھر مختلف قسم کی مخلوق کے افراد میں بھی باہم تفاوت ہوتا ہے۔

ہر فرد کی جو طبیعت اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے، اس کے ماحول کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے سازگار بنا دیا ہے، روزمرہ اس کا مشاہدہ اور تجربہ ہوتا رہتا ہے، جن علماء و مشایخ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ بیٹھ کر دلجمعی سے کام کرنا مقدر فرما دیا ہے ان کی صحت اسی ماحول میں ٹھیک رہتی ہے، باہر کہیں سفر پر جاتے ہیں تو بیمار ہو جاتے ہیں اور جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے باہر نکل کر دوسرے ممالک میں تبلیغ، اشاعتِ دین اور اصلاحِ عوام کا کام مقدر فرما دیا ہے ان کی صحت پے درپے سفر کرنے ہی سے ٹھیک رہتی ہے، چند دن گھر رہتے ہیں تو بیمار ہو جاتے ہیں۔

عورتوں کو وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ کا حکم ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے گھر کے اندر کا ماحول ان کے لئے سازگار بنا دیا ہے، جس عورت کو صحت کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت محسوس ہو تو یہ اس کی دلیل ہے کہ کثرتِ معاصی سے اس کی فطرت تبدیل ہو گئی ہے، یہ اس کے بے دین ہونے کی علامت ہے۔ دیندار عورتوں کی صحت گھر ہی میں ٹھیک رہتی ہے۔

ہاں! صحت کے لوازم میں سے ورزش مسلمات میں سے ہے، اور گھر کے کام کاج سے عورتوں کی ورزش ہوتی رہتی ہے۔

ورزش کا معیار یہ ہے: ① سانس تیز ہو جائے۔ ② پسینے آنے لگیں۔ ③ تھکاوٹ محسوس ہو۔

اگر عورت کو گھر میں اتنا کام نہیں ہے تو چکی پیسیں۔ عورتیں گھر کا کام تو کرتی نہیں ہیں، اس کے لئے ملازمہ رکھتی ہیں، اس لئے صحت کے لئے باہر نکلنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

قال الشیخ ابو سعید الخادمی رحمہ اللہ تعالیٰ: (ویمنع من الحمام) ای الزوج زوجتہ من الذھاب الی حمام السوق وھو المتبادر ظاھر الاطلاق مساواۃ الشابۃ وغیرھا لیلا او نھارا عند فساد الزمان و امنہ۔
(البریقۃ المحمودیۃ ص۲۱ ج ۴)

- وقال ایضا: ولا یأذن لھا بالخروج الی المجلس الذی یجتمع فیہ الرجال والنساء فیہ من المنکرات کالتصدیۃ ورفع الاصوات المختلفۃ واللعب من المتکلم بالقاء الکم وضرب الرجل علی المنبر والقیام والصعود والنزول

عند نکل من المذکور مکروہ ولا یحضر ولا یأذن لہا ولو فعل یتوب الی اللہ تعالی (ایضا ص۱۵۱)

وقال ایضا: ولا یدعہا ان تخرج من الستر من البیت فانہا عورۃ وخروجہا اثم وعد فی الخلاصۃ من المواضع التی یضرب الزوج زوجتہ فیہا الخروج من البیت وفی القنیۃ: یضرب ایضا (الی) او کشفت وجہہا لغیر محرم (ایضا ص۱۵۶)

قال الشیخ حافظ الدین محمد بن محمد رحمہ اللہ تعالی: ولا یأذن بالخروج الی المجلس الذی یجتمع فیہ الرجال والنساء وفیہ المنکرات الخ (البزازیۃ بہامش الھندیۃ ص۱۵۶ ج۴)

وقال ایضا: وفیما عداہ من زیارۃ الاجانب وعیادتہم والولیمۃ لا وان یأذن وان أذن الزوج کانا عاصیین (ایضا ص۱۵۷)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: وحیث ابحنا لہا الخروج فانما یباح بشرط عدم الزینۃ وتغیر الھیئۃ الی مایکون داعیۃ لنظر الرجال والاستمالۃ (رد المحتار ص۶۶۵ ج۲) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲ رجمادی الاولی ۱۴۱۴ھ

عورت کا ڈرائیور کے ساتھ تنہا گاڑی میں بیٹھنا:

سوال: جامعات البنات کی طرف سے مقرر کردہ بس یا کار ڈرائیور کے لئے بدون محرم بنات کو گھر سے لانا اور واپس پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر گاڑی میں دو یا زیادہ لڑکیاں ہوں تو ڈرائیور کے لئے لانا لے جانا جائز ہے، ایک لڑکی کو لانا لے جانا جائز نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں خلوت بالاجنبیہ لازم آتی ہے جو مرد اور عورت دونوں کے لئے حرام ہے۔

قال الامام القاضیخان رحمہ اللہ تعالی: والخلوۃ الصحیحۃ ان یجتمعا فی مکان لیس ھناک مانع یمنعہ من الوطء حسا او شرعا او طبعا (الی قولہ) ولو کان معہما جاریۃ احدہما او امرأۃ لہ اخری کان محمد رحمہ اللہ تعالی

یقول اولاجاریة الرجل لا تمنع الخلوة لان له ان یجامعها بحضرة جاریة اوامرأة له اخری ثم رجع وقال جاریة احدهما تمنع الخلوة وھو قول ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله تعالی (خانیة بهامش الهندیة ص۲۹۶ ج ۱) والله سبحانه وتعالی اعلم۔

۲۲ رجمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ

عورت کا گھر میں ننگے سر رہنا:

سوال: عورت کا گھر میں محارم کے سامنے ننگے سر رہنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس کو شریف اور دیندار گھرانوں میں بہت معیوب سمجھا جاتا ہے اور عورتوں میں بے پردگی و آزادی کے شیوع کا ذریعہ ہے، علاوہ ازیں محارم کے سامنے بھی سینے کے ابھار کا ظاہر کرنا بہت بڑی بے حیائی ہے، اس لئے جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۷ رجب ۱۴۱۷ھ

مخطوبہ کو دیکھنا:

سوال: آج کل عموماً لڑکے لڑکی کو دیکھے بغیر نکاح کرنے پر راضی نہیں ہوتے اور دیکھنے پر اصرار کرتے ہیں تاکہ نباہ میں معین ہو، چنانچہ لڑکی کو بناؤ سنگھار کرا کے والدین یا بعض دوسرے اہل تعلق کی موجودگی میں یا تنہا کمرے میں لڑکے کو دکھانے کا انتظام کیا جاتا ہے اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کو دیکھنے کا حکم فرمایا۔ کیا یہ استدلال اور اس طریقہ سے لڑکی کو دکھلانا دکھانا شرعاً صحیح ہے؟ اگر صحیح نہیں تو کیا خواتین کے ذریعہ دیکھنا دکھوانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ طریقہ ہرگز جائز نہیں، انتہائی درجے کی بے غیرتی و بے حیائی ہے۔ اگر ہر شخص اس طرح صاف صاف دیکھنے کا مطالبہ کرے اور اس کا یہ بیہودہ مطالبہ پورا کیا جانے لگے تو نا معلوم ایک ایک لڑکی کو شادی کے لئے کتنے کتنے لڑکوں کو دکھانے کی نوبت آئے گی، گھوڑی اور گائے کی سی کیفیت ہو جائے گی کہ گاہک آتے ہیں، دیکھتے ہیں، ناپسند کرتے ہیں اور چلے

جاتے ہیں۔

نباہ کا تعلق صرف صورت ہی سے نہیں ہوتا بلکہ دینی و اخلاقی تعلیم وتربیت، گفت وشنید، نشست وبرخاست، امور خانہ داری و دیگر کئی امور کو اس میں بڑا دخل ہے، اور صرف صورت دیکھ کر ان سب امور کے بارے میں صحیح رائے قائم کرنا ازبس مشکل ہے۔

حدیث سے اس حیا سوز مروج طریق پر استدلال کرنا جہالت وتحریف دین ہے۔

حدیث میں رؤیۃ کا ذکر ہے نہ کہ ارادۃ کا، اور حکم رؤیۃ کا مطلب یہ ہے کہ اگر لڑکا چھپ چھپا کر دیکھ سکتا ہو تو اجازت ہے۔ چھپ چھپا کر دیکھنے میں بھی ایسا طریقہ اختیار کرے کہ کسی کو بد نظری کی بدگمانی نہ ہو۔ اس پر یہ دلائل ہیں:

(۱) بعض روایات میں ان استطاع کی تصریح ہے۔

(۲) خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخطوبہ کو عورت کے ذریعے دکھوایا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لیے بمنزلہ والد ہیں اور کسی مفسدہ کا قطعاً کوئی امکان نہیں تھا۔

(۳) دو صحابہ حضرت جابر وحضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل یہ منقول ہے کہ وہ چھپ کر دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل حدیث کی تشریح ہوتا ہے، خصوصاً حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل، کیونکہ ان کو تو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھنے کا حکم فرمایا تھا۔

لڑکی کو اطلاع کیے بغیر خواتین کے ذریعہ دکھوانا جائز ہے۔ لڑکی کو اطلاع ہو تو خواتین کے ذریعہ دکھوانے میں بھی درج ذیل قباحتیں ہیں۔

(۱) اگر لڑکی دیندار وحیادار قوم کی ہے تو شرم کے مارے ڈوب ڈوب جائے گی، سامنے آئے گی ہی نہیں، اگر سامنے آ بھی جائے تو نہ کچھ بولے گی، نہ کوئی کام کرے گی، ایک کونے میں دبکی بیٹھی رہے گی، باقی امور تو درکنار صورت کا صحیح اندازہ کرنا بھی مشکل ہوگا۔

(۲) اگر لڑکی بے دین اور بے حیا خاندان کی ہے تو صورت میں، گفتگو میں، کام کاج میں، غرض ہر چیز میں تصنع کرے گی، حقیقت کا پتہ چلانا ناممکن ہوگا۔

اگر خواتین اچانک جائیں گی تو لڑکی اصلی ہیئت میں ہوگی، اصلی صورت کے علاوہ گفتار، رفتار واطوار سب کچھ اپنی اصلی ہیئت میں نظر آئے گا۔

(۳) اگر پسند نہ آئے تو لڑکی مایوسی واحساس کمتری کا شکار ہوجاتی ہے اور ذلت محسوس کرتی ہے۔

(۴) رشتہ نہ کرنے کی صورت میں دونوں طرف کے خاندانوں کے درمیان سخت منافرت پیدا ہوتی ہے، ایک دوسرے کو منہ دکھانا گوارا نہیں کرتے۔

آخری دو نمبروں کے پیش نظر ایسی صورت اختیار کرنا بہتر ہے کہ گھر والوں کو بھی اطلاع نہ ہو۔

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب احدکم المرأۃ فان استطاع ان ینظر الی مایدعوہ الی نکاحھا فلیفعل قال فخطبت جاریۃ فکنت اتخبأ لھا حتی رأیت منھا مادعانی الی نکاحھا وتزوجھا فتزوجتھا (ابوداؤد ص۲۹۱ ج ۱)

عن سھل بن ابی حثمۃ قال رأیت محمد بن مسلمۃ رضی اللہ تعالی عنہ یطارد ثبیتۃ بنت الضحاک فوق اجار لہ ببصرہ طردا شدیدا فقلت اتفعل ھذا وانت من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا القی فی قلب امرئ خطبۃ امرأۃ فلا بأس ان ینظر الیھا (شرح معانی الآثار ص۸ ج ۲)

عن انس رضی اللہ تعالی عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اراد ان یتزوج امرأۃ فبعث بامرأۃ لتنظر الیھا فقال شمیھا عوارضھا وانظری الی عرقوبیھا۔

(عمدۃ القاری بحوالہ بیہقی ص۱۱۹ ج ۲۰)

قال العلامۃ ظفر احمد العثمانی رحمہ اللہ تعالی: قال العبد الضعیف وحجۃ الجمھور قول جابر رضی اللہ تعالی عنہ "فخطبت جاریۃ فکنت اتخبأ" والراوی اعرف بمعنی مارواہ فدل علی انہ لایجوز لہ ان یطلب من اولیائھا ان یحضروھا بین یدیہ لما فی ذلک من الاستخفاف بھم ولا یجوز ارتکاب مثل ذلک لامر مباح ولا ان ینظر الیھا بحیث تطلع علی رؤیتہ لھا من غیر اذنھا لأن المرأۃ تستحی من ذلک ویثقل نظر الاجنبی الیھا علی قلبھا لما جبلھا اللہ علی الغیرۃ وقد یفضی ذلک الی مفاسد عظیمۃ کما لایخفی وانما یجوز لہ ان یتخبأ لھا وینظر الیھا خفیۃ ومثل ھذا النظر یقتصر علی الوجہ والکف والقدم لایعدوھا الی مواضع اللحم ولا الی جمیع البدن (اعلاء السنن ص۳۰ ج ۱۷) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۹ شوال ۱۴۱۷ھ

خواتین کا تبلیغی جماعت میں نکلنا جائز نہیں:

سوال: عورتوں کا تبلیغی جماعت کے ساتھ تبلیغ کے لئے اپنے محارم کے ساتھ تین دن، دس دن، سال کے لئے اپنے ضلع یا اپنے صوبہ یا اپنے ملک یا دوسرے ممالک میں نکلنا کیسا ہے؟ جبکہ موجودہ دور کے حالات بھی آپ حضرات کے سامنے ہیں۔ اگر ان کا نکلنا جائز ہے، پھر تو کوئی حرج نہیں اور اگر جائز نہیں تو پھر جو لوگ اپنی عورتوں کو لے جاتے ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے، وہ گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ مسئلہ کی مکمل وضاحت مطلوب ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عورتوں کا گھروں سے نکلنا بہت بڑا فتنہ ہے، اس لئے حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس پر بہت سخت پابندی لگائی ہے اور دینی کاموں کے لئے بھی عورتوں کے نکلنے کو بالاتفاق حرام قرار دیا ہے۔

قال العلامة الخوارزمي ناقلا عن فخر الاسلام رحمهما الله تعالى: والفتوى اليوم على الكراهة فى الصلوات كلها لظهور الفساد ومتى كره حضور المسجد للصلوة لأن يكره حضور مجالس العلم خصوصا عند هؤلاء الجهال الذين تحلوا بحلية العلم اولى (الكفاية مع فتح القدير ص۳۱۷ ج۱)

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: ويكره حضورهن الجماعة ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقا ولو عجوزا ليلا على المذهب المفتى به لفساد الزمان واستثنى الكمال بحثا العجائز المتفانية۔

وقال الامام الطحطاوي رحمه الله تعالى: (قوله ولو لجمعة وعيد ووعظ) قال فى مجموع النوازل يجوز للزوج ان يأذن لها بالخروج الى زيارة الابوين وعيادتهما وتعزيتهما او احدهما وزيارة المحارم فان كانت قابلة اوغاسلة اوكان لها على اخر حق اوعليها حق تخرج بالاذن والحج على هذا وفيما عدا ذلك من زيارة الاجانب وعيادتهم والوليمة لايأذن لها ولاتخرج ولو اذن لها وخرجت كانا عاصيين وتمنع من الحمام وان ارادت ان تخرج الى مجلس العلم بغير رضى الزوج ليس لها ذلك فان وقعت لها نازلة ان سأل الزوج من العالم واخبرها بذلك لايسعها الخروج، وان امتنع من السؤال يسعها

الخروج من غير رضى الزوج وان لم يقع لها نازلة وارادت ان تخرج لمجلس العلم لتعليم المسألة من مسائل الوضوء والصلوة ان كان الزوج يحفظ المسائل ويذكرها معها له ان يمنعها وان كان لا يحفظها الاولى ان يأذن لها احيانا وان لم يأذن لها فلا شيء عليه ولا يسعها الخروج مالم تقع نازلة اه (قوله ولو عجوزا) اسم لمؤنث غير لازم التاء كما فى الرضى وفى القاموس لا يقال عجوزة او لغة رديئة من احدى وخمسين الى آخر العمر قهستانى، وقوله ليلا بيان للاطلاق ايضا (قوله على المذهب المفتى به) قد يقال هذه الفتوى التى اعتمدها المتأخرون مخالفة لمذهب الامام وصاحبيه فانهم نقلوا ان الشابة تمنع مطلقا اتفاقا واما العجوز فلها حضور الجماعة عند الامام فى الصلوة الا فى الظهر والعصر والجمعة فالافتاء بمنع العجائز فى الكل يخالف الكل وما فى الدرر المنتقى يوافق ماهنا بحيث قال وفى الكافى وغيره امافى زماننا فالمفتى به منع الكل فى الكل حتى فى الوعظ ونحوه (حاشية الطحطاوى على الدر ص۲۴۵ ج۱)

وقال شمس العلماء العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى: قال المصنف فى الكافى والفتوى اليوم على الكراهة فى الصلوات كلها لظهور الفساد ومتى كره حضور المسجد للصلوة فلأن يكره حضور مجالس الوعظ خصوصا عند هؤلاء الجهال الذين تحلوا بحلية العلماء اولى ذكره فخر الاسلام اه

(البحر الرائق ص۳۵۸ ج۱)

وقال العلامة عالم بن العلاء رحمه الله تعالى: والفتوى اليوم على الكراهة فى كل الصلوات لظهور الفساد ومتى كره حضور المسجد للصلوة لأن يكره حضور مجالس الوعظ خصوصا عند هؤلاء الجهال الذين تحلوا بحلية العلماء اولى (الفتاوى التتارخانية ص۶۲۸ ج۱)

وقال الحافظ العينى رحمه الله تعالى: (قال ويكره لهن حضور الجماعات) اى يكره للنساء (يعنى الشواب منهن وهى جمع شابة وهذه اللفظة باطلاقها تتناول الجمع والاعياد والكسوف والاستسقاء وعن الشافعى يباح لهن الخروج (لما فيه) اى فى حضور الجماعة (من خوف الفتنة) عليهن من الفساق

وخروجهن سبب للحرام وما يفضى الى الحرام فحرام وذكر فى كتاب الصلوة مكان الكراهة الاساءة والكراهة افحش۔

قلت المراد من الكراهة التحريم ولاسيما فى هذا الزمان لفساد اهله۔

(ولا بأس للعجوز ان تخرج فى الفجر والمغرب والعشاء) لحصول الامن وفى المغرب اختلاف الروايات وفى المنظومة الحق المغرب بالعشاء كما ذكره المصنف والمبسوط لشمس الائمة وفى المختلف الحق العصر والمغرب بالظهر كما فى مبسوط شيخ الاسلام ويحتمل ان ذلك بناء على ان المغرب تنتشر فيه الفسقة ايضا كالعصر فى بعض البلاد قيل هذا كله فى زمانهم اما فى زماننا فيكره خروج النساء الى الجماعة لغلبة الفسق والفساد، فاذا كره خروجهن الى الجماعة فلأن يكره حضورهن مجالس العلم خصوصا عند هؤلاء الجهال الذين تحلوا بحلية اهل العلم اولى (البناية ص۳۲ ج۲)

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: واذا منع حضور الجماعة فمنعها عن حضور الوعظ والاستسقاء اولى، وادخله العينى فى الجماعات وما قلناه اولى (منحة الخالق بهامش البحر ص۳۵۹ ج۱)

وقال العلامة منلا مسكين رحمه الله تعالى: ومتى كره حضور المسجد للصلوة لأن يكره حضورهن مجالس الوعظ خصوصا عند هؤلاء الجهال الذين تحلوا بحلية العلماء اولى ذكره فخر الاسلام۔

وقال العلامة ابو السعود رحمه الله تعالى: (قوله ومتى كره حضور المسجد الخ) اى كراهة تحريمية دل على ذلك قوله فى النهر ولا يحضرن اى لا يحل لهن ان يحضرن لكن ذكر بعده عن كتاب الصلوة انه ذكر الاساءة التى هى ادون من الكراهة (فتح المعين ص۲۱۵ ج۱)

وقال العلامة ابو بكر بن على الحداد رحمه الله تعالى: والفتوى اليوم على الكراهة فى الصلوات كلها لظهور الفسق فى هذا الزمان ولا يباح لهن الخروج الى الجمعة عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى كذا فى المحيط فجعلها كالظهر وفى المبسوط جعلها كالعيدين حتى انه يباح لهن الخروج اليها بالاجماع (الجوهرة ص۸۷ ج۱)

وقال العلامۃ السہارنفوری رحمہ اللہ تعالی معزیا لشرح النقایۃ: والفتوی الیوم علی الکراھۃ فی الصلوات کلہا لظہور الفساد و متی کرہ حضورھن فی المسجد للصلوۃ فلأن یکرہ حضورھن فی مجالس الوعظ خصوصا عند ھؤلاء الجہال الذین تحلوا بحلیۃ العلماء اولی ھکذا قال المشائخ رحمہم اللہ تعالی، ولو شاھدوا ما شاھدنا من حضورھن بین مجالس وعاظ زماننا متبرجات بزینتھن لانکروا کل الانکار رحم اللہ معاشر الابرار (بذل المجہود ص ۳۱۹ ج ۱)

نصوص مذکورہ کا حاصل:

عورتوں کا گھروں سے نکلنا بہت بڑا فتنہ ہے۔ اس لئے حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی نے مسجد کی جماعت، جمعہ، طلب علم اور وعظ سننے کے لئے عورتوں کے نکلنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔

جب ایسی اہم عبادات وضروریات دین کی خاطر تھوڑے سے وقت کے لئے قریب تر مقامات تک نکلنے پر بھی اس قدر پابندی ہے تو تبلیغ کے لئے کئی کئی دنوں بلکہ مہینوں اور چلوں کے لئے دور دراز مقامات میں جانا بطریق اولی ناجائز ہونا چاہیئے۔

بصیرت فقہیہ:

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی کی عبارات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ امور دینیہ کے لئے خواتین کے خروج کی ممانعت قرآن وحدیث میں منصوص نہیں، بلکہ ان حضرات نے اپنے زمانے کے حالات اور شیوع فتن وفسادات کی وجہ سے اصول شریعت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی آراء وانظار کا اظہار فرمایا ہے، لہذا ان حضرات کا فیصلہ کوئی نص قطعی اور حرف آخر نہیں، بلکہ تغیر زمانہ سے اس میں ترمیم کی گنجائش ہے۔

دور حاضر میں غلبۂ جہل اور دین سے بے اعتنائی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ خواتین کے لئے ضروریات شرعیہ سے خروج کو مطلقاً ممنوع وحرام قرار دینا اور کسی بھی ضرورت شرعیہ کے لئے خروج کی اجازت نہ دینا اقامت دین کی بجائے ہدم دین ہے، چنانچہ اسی کے پیش نظر مجموع النوازل میں مسائل شرعیہ معلوم کرنے کی ضرورت سے خروج کی اجازت دی گئی ہے، ومر نصہ عن الطحطاوی رحمہ اللہ تعالی۔

لہذا بنظر فقہ اس مسئلہ میں تفصیل ذیل ضروری معلوم ہوتی ہے:

علم دین کے لئے خروج :

احکام شریعت کے علم اور ان پر عمل کرنے میں تصلب و پختگی کی تحصیل کی غرض سے کسی ایسے مدرسۃ البنات میں پڑھنا جائز ہے جس میں شرائط ذیل کی پابندی کا اہتمام ہو:

(۱) پڑھانے والی صرف خواتین ہوں، نامحرم مرد سے پڑھنا جائز نہیں، وجوہ عدم جواز کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۲) معلمات روزمرہ کی زندگی سے متعلقہ مسائل و احکام شرع کے علم میں کمال رکھتی ہوں۔

(۳) عمل میں پختہ ہوں اور متعلمات میں بھی عملی پختگی پیدا کرنے کی فکر رکھتی ہوں، معاشرہ میں پھیلی ہوئی بدعات اور منکرات و فواحش سے خود بچنے اور دوسروں کو بچانے کا درد رکھتی ہوں، بالخصوص وہ منکرات جو عام معاشرہ میں داخل ہو گئے ہیں، جیسے بے پردگی، تصویر، ٹی وی، غیبت وغیرہ۔

(۴) نصاب تعلیم اور طریق تعلیم کا مقصد و محور یہی ہو جو اوپر بیان کیا گیا، یعنی روزمرہ کی زندگی سے متعلق احکام شریعت کے علم اور اس کے مطابق عمل میں پختگی پیدا کرنا، بالفاظ دیگر فکر آخرت پیدا کرنا، اصطلاحی عالمات اور فاضلات بنانے والا نصاب واجب الترک ہے اور ایسے القاب حاصل کرنے کی ہوس واجب الاصلاح۔

(۵) مدرسہ میں کوئی محرم چھوڑ کر آئے اور واپسی پر بھی کوئی محرم مرد ساتھ لائے۔

موجودہ جامعات البنات میں شرائط مذکورہ مفقود ہیں۔

علاوہ ازیں ان جامعات کی تعلیم میں مندرجہ ذیل فسادات بھی ہیں :

(۱) جامعات تک آمد و رفت کے لئے گھر سے روزانہ خروج و دخول اور جامعہ میں دخول و خروج کے اوقات اور آمد و رفت کا راستہ متعین ہونے کی وجہ سے بدمعاش لوگ تعاقب کرتے ہیں۔

اور اگر کوئی گاڑی متعین ہو تو ڈرائیور شرارت کرتا ہے۔ یہ صرف خطرات ہی نہیں، واقعات ہیں۔ اور جامعہ میں طالبات کی مستقل رہائش میں اس سے بھی زیادہ خطرات ہیں، خواہ انتظام کتنا ہی بہتر ہو

(۲) گھر سنبھالنے کی صلاحیت سے محرومی۔

(۳) گھریلو کام کاج کو اپنی شان کے خلاف سمجھنا۔

(۴) گھریلو کاموں کے لئے ملازمہ رکھتی ہیں جو فاسقات ہوتی ہیں اور دین، جان، عزت

اور مال کے لئے مہلکات ثابت ہورہی ہیں۔

⑤ گھروں میں فارغ پڑی رہنے سے نفسانی وشیطانی خطرات کے علاوہ جسمانی ورزش نہ ہونے کی وجہ سے قلب وقالب دونوں کی صحت برباد۔

⑥ جامعات سے فارغ ہونے والی "عالمات وفاضلات" میں مرض عجب وکبر۔

⑦ قرآن وحدیث سے براہ راست تخریج مسائل کا شوق رکھتی ہیں جو دین کی تباہی اور شیوع الحاد کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، بلکہ کتب فقہ سے بھی کسی غیر مفتی کے لئے مسائل نکالنا جائز نہیں۔

⑧ ان "عالمات وفاضلات" کو علماء وفضلاء کے رشتے نہیں ملتے تو جہلاء بلکہ فساق و فجار اور بے دین ملحدین ومبتدعین سے بھی شادی کرلیتی ہیں جس میں علم دین کی سخت توہین ہے جو درحقیقت دین کی توہین ہے۔

حالات مذکورہ کے پیش نظر ان جامعات کی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ کرنا علماء پر فرض ہے۔

بہتر اور بے ضرر طریقہ صرف یہ ہے کہ بچیوں کو اپنے گھروں ہی میں رکھ کر مقصد مذکور تک پہنچانے کی کوشش کی جائے جس کے لئے مندرجہ ذیل امور اربعہ کا اہتمام کافی ہے:

① تجوید قرآن۔

② بہشتی زیور کی تعلیم۔

③ کسی شیخ کامل کے مواعظ کی خواندگی۔

④ گھر سنبھالنے کی صلاحیت اور گھر کا کام خود کرنے کا سلیقہ پیدا کرنا اور اس کی عادت ڈالنا۔

امور مذکورہ کی پابندی پر کچھ محنت تو کرنا پڑے گی مگر فکر آخرت ہو تو اتنی سی محنت کچھ بھی نہیں، تحصیل دنیا کے لئے اس سے ہزاروں درجہ زیادہ محنتیں اور مشقتیں برداشت کی جارہی ہیں۔

نامحرم مرد سے پڑھنا بوجوہ ذیل ناجائز ہے:

① روزانہ نامحرم کی صحبت میں بیٹھنا۔

② زیادہ دیر تک بیٹھے رہنا۔

③ اشکالات علمیہ حل کرنے اور فہم وتفہیم کے لئے استاذ وطالبات کے درمیان بار بار مراجعہ۔

(۴) قرب مکانی مجلس وعظ کی بنسبت زیادہ ہوتا ہے۔

(۵) طالبات معدود ات ہوتی ہیں اور استاذ کی نظر میں مشخصات و معہودات، مجلس وعظ میں عموماً ایسے نہیں ہوتا۔

(۶) معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ استاذ رجسٹر میں حاضری لگانے کے لئے ہر طالبہ کا نام پکارتا ہے اور وہ جواب دیتی ہے، اس سے جانبین کے درمیان خصوصی معرفت اور مزید تعلق پیدا ہوتا ہے۔

مجلس وعظ کے لئے خروج:

کسی نامحرم عالم کی مجلس وعظ میں جانے میں وہ مفاسد نہیں جو نامحرم استاذ سے پڑھنے میں بیان کئے گئے ہیں، معہذا اس کے لئے بھی یہ شرائط ہیں:

(۱) واعظ کے علم، تقویٰ اور طریق اصلاح پر علماء وقت کو اعتماد ہو۔

(۲) بدعات اور منکرات وفواحش جو معاشرہ میں داخل ہو گئے ہیں، ان سے بچنے بچانے پر زیادہ زور دیتا ہو۔

(۳) اس کے وعظ سے صحیح مسلمان بننے اور دوسروں کو بھی صحیح مسلمان بنانے کی فکر پیدا ہو اور معاشرہ پر چھا جانے والے منکرات چھوٹ جائیں۔

(۴) پردہ کا مکمل انتظام ہو، مقام وعظ کے دروازے پر بھی مردوں سے اختلاط سے حتی الامکان پرہیز کیا جائے۔

(۵) خواتین مزین لباس اور زیور پہن کر، رنگ وروغن سے آراستہ ہو کر اور خوشبو لگا کر نہ آئیں۔

(۶) ہر بار جوڑا نہ بدلیں کم از کم ایک مہینے تک ہر حاضری میں ایک ہی جوڑا پہن کر آئیں۔

(۷) خواتین کی مجلس مردوں اور واعظ کی مجلس سے اتنی دور ہو کہ مکبر الصوت کے سوا آواز نہ پہنچ سکے، اگر یہ مشکل ہو تو جتنا زیادہ فاصلہ ہو سکے۔

(۸) ہفتہ میں ایک بار سے زیادہ نہ ہو، اتنے وقفہ کے مناسب ہونے پر دین و دنیا میں کئی شواہد ہیں۔

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کے مطلقاً حرمت کے فیصلہ میں ضرورت شرعیہ سے کچھ گنجائش تلاش کرنے کی سعی مذکور کے باوجود خواتین کے لئے تبلیغی جماعت میں نکلنے کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں نکل سکی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸ ار بیع الاول ۱۴۱۸ھ

احکام لباس وزینت

مردوں کے لئے ممنوع رنگ:

سوال: مردوں کو کس رنگ کا کپڑا استعمال کرنا مکروہ ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

عصفر اور زعفران سے رنگا ہوا کپڑا مردوں کو استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے، اگر کوئی رنگ بعینہٖ عصفر یا زعفران کے رنگ جیسا ہو مگر خود عصفر یا زعفران کا رنگ نہ ہو تو اس کا استعمال جائز ہے، نفس عصفر وزعفران کے رنگ کے سوا باقی سب رنگ جائز ہیں، البتہ احمر قانی میں اختلاف ہے، مختلف اقوال میں سے ایک قول استحباب کا بھی ہے، مگر ترجیح کراہت تنزیہیہ کے قول کو ہے، البتہ سر پر پگڑی وغیرہ میں بالاتفاق بلا کراہت جائز ہے۔

قال فی شرح التنویر: وکرہ لبس المعصفر والمزعفر الاحمر والاصفر للرجال مفادہ انہ لایکرہ للنساء ولا بأس بسائر الالوان وفی المجتبی والقهستانی وشرح النقایۃ لابی المکارم لا بأس بلبس الثوب الاحمر اھ ومفادہ ان الکراهۃ تنزیهیۃ لکن صرح فی التحفۃ بالحرمۃ فافاد انها تحریمیۃ وهی المحمل عند الاطلاق قالہ المصنف قلت وللشرنبلالی فیہ رسالۃ نقل فیها ثمانیۃ اقوال منها انہ مستحب۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ فافاد انها تحریمیۃ الخ) هذا مسلم لو لم یعارضہ تصریح غیرہ بخلافہ ففی جامع الفتاوی قال ابوحنیفۃ والشافعی ومالک رحمهم اللہ تعالی یجوز لبس المعصفر وقال جماعۃ من العلماء مکروہ بکراهۃ التنزیہ وفی منتخب الفتاوی قال صاحب الروضۃ یجوز للرجال والنساء لبس الثوب الاحمر والاخضر بلا کراهۃ وفی الحاوی الزاهدی یکرہ للرجال لبس المعصفر والمزعفر والمورس والمحمر ای الاحمر حریرا کان او غیرہ اذا کان فی صبغ دم والا فلا ونقلہ عن عدۃ کتب وفی مجمع الفتاوی لبس الاحمر مکروہ وعند البعض لایکرہ وقیل یکرہ اذا صبغ بالاحمر القانی لانہ خلط بالنجس ولو صبغ بقشر الجوز عسلیا لایکرہ لبسہ

اجماعا اھ فھذہ النقول مع ما ذکرہ عن المجتبی والقھستانی و شرح ابی المکارم تعارض القول بکراھۃ التحریم ان لم یدع التوفیق بحمل التحریم علی المصبوغ بالنجس اونحو ذلک (قولہ وللشرنبلالی فیہ رسالۃ) سماھا "تحفۃ الاکمل والھمام المصدر لبیان جواز لبس الاحمر" وقد ذکر فیھا کثیرا من النقول منھا ما قدمناہ وقال لم نجد نصا قطعیا لاثبات الحرمۃ ووجدنا النھی عن لبسہ لعلۃ قامت بالفاعل من التشبہ بالنساء او بالاعاجم او التکبر وبانتفاء العلۃ تزول الکراھۃ باخلاص النیۃ لاظھار نعمۃ اللہ تعالی وعروض الکراھۃ للصبغ بالنجس تزول بغسلہ ووجدنا نص الامام الاعظم رحمہ اللہ تعالی علی الجواز ودلیلا قطعیا علی الاباحۃ وھو اطلاق الامر باخذ الزینۃ ووجدنا فی الصحیحین موجبہ وبہ تنتفی الحرمۃ والکراھۃ بل یثبت الاستحباب اقتداء بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم اھ ومن اراد الزیادۃ علی ذلک فعلیہ بھا، اقول ولکن جل الکتب علی الکراھۃ کالسراج والمحیط والاختیار والملتقی والذخیرۃ وغیرھا و بہ افتی العلامۃ قاسم وفی الحاوی الزاھدی ولا یکرہ فی الرأس اجماعا۔ (رد المحتار ص۲۲۸ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۷ ربیع الاول ۷۵ھ

زعفرانی رنگ کا ازار بند:

سوال: ممنوعہ الوان مثلاً احمر بالعصفر میں سے کسی رنگ کا ازار بند استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

بلاکراہت جائز ہے، ہاں اگر زعفران یا عصفر کے رنگ میں رنگا ہوا ہو تو جائز نہیں دوسرا کوئی رنگ خواہ زعفران ہی جیسا ہو جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۳ رجب ۸۷ھ

سیاہ رنگ کا لباس:

سوال: سنا ہے مردوں اور عورتوں کو کالے کپڑے نہیں پہننے چاہئیں، کیونکہ

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی کملی کالی تھی، اس لئے سیاہ لباس پہننا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ خیال صحیح نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف رنگوں کا لباس استعمال فرمایا ہے۔ سفید رنگ سب سے زیادہ پسند تھا، خیال مذکور کی بناء پر تو ہر رنگ کا لباس ممنوع یا خلاف ادب ہو جائے گا۔ لہذا ممنوع رنگوں کے سوا ہر رنگ کا لباس جائز ہے، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور جذبۂ اتباع کا تقاضا تو یہ ہے کہ جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی اسے اختیار کیا جائے۔ البتہ لباس میں سیاہ رنگ چونکہ شرعاً، عقلاً، طبعاً ناپسندیدہ ہے اس لئے سیاہ لباس نہیں پہننا چاہیئے بالخصوص اس زمانہ میں شعار شیعہ ہونے کی وجہ سے اس سے احتراز لازم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۷ جمادی الاولی ۸۹ھ

پتلون پہننے کا حکم:

سوال: دور حاضر میں پتلون اور شرٹ پہننے کا اتنا رواج ہو گیا ہے کہ اب یہ کسی خاص قوم کا شعار نہیں رہا، نیز قرون اولی میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لباس میں کوئی امتیازی نشان نہیں تھا، یہ بات اس خیال کو تقویت دیتی ہے کہ من تشبہ بقوم فھو منھم میں جس مشابہت کا ذکر ہے، مشابہت لباس اس میں داخل نہیں ہے، اس لئے پتلون اور شرٹ کا پہننا جائز معلوم ہوتا ہے۔ جناب اپنی تحقیق سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

آج کل کوٹ پتلون وغیرہ کا اگرچہ مسلمانوں میں عام رواج ہو گیا ہے مگر اس کے باوجود اسے انگریزی لباس ہی سمجھا جاتا ہے، بالفرض تشبہ بالکفار نہ بھی ہو تو تشبہ بالفساق میں تو کوئی شبہہ نہیں، لہذا ایسے لباس سے احتراز ضروری ہے۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ پہلے زمانہ میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لباس میں کوئی امتیاز نہ تھا نیز اگر کسی زمانہ یا کسی علاقہ میں امتیاز نہ ہو تو وہاں تشبہ کا مسئلہ ہی پیدا نہ ہوگا، یہ مسئلہ تو وہاں پیدا ہوگا جہاں غیر مسلم قوم کا کوئی مخصوص لباس ہو، احادیث میں غیر مسلموں کے مخصوص لباس سے ممانعت صراحۃً وارد ہوئی ہے۔

یہ تفصیل اس لباس کے بارے میں ہے جس سے واجب الستر اعضاء کی بناوٹ اور حجم نظر نہ آتا ہو، اگر پتلون اتنی چست اور تنگ ہو تو اس سے اعضاء کی بناوٹ اور حجم نظر آتا ہو جیسا کہ آج کل ایسی پتلون کا کثرت سے رواج ہوگیا ہے تو اس کا پہننا اور لوگوں کو دکھانا اور دیکھنا سب حرام ہے جیسا کہ ننگے آدمی کو دیکھنا حرام ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ ولا یضر التصاقہ) ای بالالیۃ مثلا وقولہ وتشکلہ من عطف المسبب علی السبب وعبارۃ شرح المنیۃ اما لوکان غلیظا لا یری منہ لون البشرۃ الا انہ التصق بالعضو وتشکل بشکلہ فصار شکل العضو مرئیا فینبغی ان لا یمنع جواز الصلوۃ لحصول الستر اھ قال ط وانظر ہل یحرم النظر الی ذلک المتشکل مطلقا او حیث وجدت الشہوۃ اھ قلت سنتکلم علی ذلک فی کتاب الحظر والذی یظہر من کلامہم ہناک ہو الاول (رد المحتار ص۲۷۵ ج ۱)

وقال ایضا: وعلی ہذا لا یحل النظر الی عورۃ غیرہ فوق ثوب ملتزق بہا یصف حجمہا فیحمل ما مر علی ما اذا لم یصف حجمہا فلیتأمل (رد المحتار ص۲۳۷ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۲ ربیع الثانی سنہ ۸۹ھ

چاندی کے تار والا کپڑا:

سوال: زری دار کپڑے جن کی بنائی میں چاندی کا تار استعمال ہوا ہو پہننا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورتوں کے لئے مطلقاً جائز ہے۔

مردوں کے لئے ریشم یا سونے چاندی کے تار سے بنا ہوا یا کڑھائی والا کپڑا اس شرط سے جائز ہے کہ پٹی یا پھول کی چوڑائی چار انگلیوں سے زائد نہ ہو، لمبائی میں کوئی تحدید نہیں، ایسی پٹیاں یا پھول متعدد ہوں تو ان کے جواز میں یہ شرط بھی ہے کہ ان کے درمیان پٹی یا پھول کی چوڑائی سے زیادہ فاصلہ ہو، اگر فاصلہ برابر یا کم ہو کہ دیکھنے میں پورا کپڑا ہی ریشمی یا زری دار نظر آتا ہو تو جائز نہیں۔

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ: یحرم لبس الحریر ولو بحائل علی المذہب او فی الحرب علی الرجل لا المرأۃ الا قدر اربع اصابع مضمومۃ وکذا المنسوج

بذهب یحل اذا کان هذا المقدار والالا۔

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وظاهر المذهب عدم جمع المتفرق ولو فی عمامۃ کما بسط فی القنیۃ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: تحت (قولہ الاقدر اربع اصابع الخ) وهل المراد قدر الاربع اصابع طولا وعرضا بأن لایزید طول العلم وعرضہ علی ذلك او المراد عرضها فقط وان زاد طولہ علی طولها المتبادر من کلامهم الثانی ویفیدہ ایضا ما سیأتی فی کلام الشارح عن الحاوی الزاهدی

(قولہ وظاهر المذهب عدم جمع المتفرق) ای الا اذا کان خط منہ قزا وخط منہ غیرہ بحیث یری کلہ قزا فلا یجوز کما سیذکرہ عن الحاوی ومقتضاہ حل الثوب المنقوش بالحریر تطریزا ونسجا اذا لم تبلغ کل واحدۃ من نقوشہ اربع اصابع وان زادت بالجمع مالم یرکلہ حریرا تأمل۔ (ردالمحتار ص۲۲۴ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲ محرم سنہ ۹۵ھ

مصنوعی ریشم کا حکم:

سوال: آج کل مختلف قسم کے کپڑے مروج ہیں، جن میں سے بعض کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ ریشمی ہیں، اسی طرح جو رومال عام طور سے کندھے پر رکھنے کا معمول ہے اس کی بھی ایک قسم ریشمی مشہور ہے۔ کیا عرف میں اس قسم کے کپڑے اور رومال کے ریشمی ہونے کا اعتبار کرکے مردوں کے لئے اس کو حرام کہا جائے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

آج کل عموماً مصنوعی ریشم استعمال ہوتا ہے۔ اس کا استعمال جائز ہے۔ اگرچہ عرف میں اس کو ریشم کہتے ہیں۔ ہاں اگر کسی کپڑے کا اصلی ریشمی ہونا تحقیق سے ثابت ہوجائے تو اس کا استعمال مردوں کے لئے جائز نہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۴ رجب سنہ ۹۵ھ

مرد اور عورت کے لباس میں ایک دوسرے کی مشابہت

سوال: زعفران یا عصفر کے سوا تمام رنگ مرد کو شرعاً جائز ہیں لیکن بعض علاقوں میں

سیاہ اور سرخ رنگ کے کپڑے عورتوں کا شعار سمجھے جاتے ہیں اور سفید کپڑے مردوں کا شعار سمجھے جاتے ہیں۔ کیا ان علاقوں میں مرد کو مختص بالنساء رنگوں کے کپڑے اور عورتوں کو مختص بالرجال رنگوں کے کپڑے پہننا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے ساتھ تشبہ اختیار کرنا جائز نہیں، اس لئے ان علاقوں میں اس شعار کی رعایت رکھنا ضروری ہے، ایک دوسرے کا شعار اختیار کرنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۷ محرم سنہ ۹۴ھ

عمامہ بغیر ٹوپی کے جائز ہے:

سوال: عمامہ یا رومال کے نیچے ٹوپی رکھنا سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ، اور بغیر ٹوپی کے صرف عمامہ یا رومال باندھ کر نماز ادا کرنا مکروہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگرچہ بیان جواز کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر ٹوپی کے بھی عمامہ استعمال فرمایا ہے لیکن عام معمول عمامہ کے نیچے ٹوپی رکھنے کا تھا، سلف صالحین اور بزرگان دین کا عمل بھی اسی پر رہا ہے۔ اس لئے بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھنا خلاف اولیٰ ہے، مکروہ نہیں، نماز پڑھنا بلاکراہت جائز ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۶ شوال سنہ ۹۷ھ

شادی کے موقع پر پگڑی باندھنے کا التزام:

سوال: ہمارے علاقہ میں شادی کے موقع پر پگڑی باندھنے کا ایسا التزام کیا جاتا ہے کہ نہ باندھنے والے پر لعن وطعن کیا جاتا ہے اور بغیر عمامہ کے شادی کرنا بیوہ سے شادی کرنے کے ساتھ خاص سمجھا جاتا ہے تو کیا ایسے حالات میں شادی کے موقع پر پگڑی باندھنا جائز ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

امر مندوب کو واجب کی طرح لازم سمجھا جانے لگے تو اس کا ترک واجب ہو جاتا ہے اس لئے یہ التزام ناجائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۱ محرم سنہ ۱۴۰۱ھ

بیوی کا شوہر کے لئے سرخی لگانا:

سوال: زوجہ کو اپنے شوہر کو خوش کرنے کے لئے ہونٹوں اور چہرے پر سرخی اور پاؤڈر لگانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

فہم دین عقل سلیم اور طبع مستقیم کے خلاف ہے بے دینوں کا شعار ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۷ شوال ۹۷ھ

محارم کے سامنے بناؤ سنگار کرنا:

سوال: عورت کا اپنے محارم مثلاً باپ اور بھائیوں کے سامنے بناؤ سنگار کر کے بیٹھے رہنا یا ان کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

فی نفسہ جائز ہے، مگر اس زمانہ میں قلوب میں فساد غالب ہے اور ٹی، وی اور وی سی، آر کی لعنت نے اخلاقی اقدار کو بالکل پامال کر دیا ہے، بے حیائی اور بے باکی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ باپ کے اپنی بیٹی کے ساتھ اور بھائیوں کے اپنی بہنوں کے ساتھ منہ کالا کرنے کے واقعات پیش آرہے ہیں، اس لئے شوہر کے سوا کسی بھی محرم کے سامنے بناؤ سنگار کر کے آنا خطرے سے خالی نہیں، اس سے احتراز ضروری ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۲ ذی الحجہ ۹۷ھ

مرد کا دنداسا استعمال کرنا:

سوال: مرد کے لئے زینت کا قصد کئے بغیر محض صفائی کی غرض سے دنداسا دانتوں پر ملنا کیسا ہے؟ جبکہ یہ احتیاط بھی کی جائے کہ اس کا رنگ ہونٹوں پہ نہ لگے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سوال میں مذکور احتیاط کے ساتھ استعمال کیا جائے تو جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

غرہ محرم ۱۴۰۱ھ

مرد کے لئے انگوٹھی کا حکم:

سوال: مرد کے لئے کس دھات کی انگوٹھی پہننا جائز ہے اور کس کی ناجائز؟ نیز مقدار کے بارے میں بھی کوئی تعیین ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مرد کے لئے دو شرطوں سے انگوٹھی پہننا جائز ہے۔

① چاندی کی ہو۔

② پانچ ماشے = ۴،۸۶ گرام سے کم ہو۔

نگینے میں کوئی قید نہیں، جس چیز کا بھی ہو اور جتنے وزن کا بھی ہو جائز ہے۔

قال العلامة التمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا یتحلی الرجل بذهب و فضة الا بخاتم ومنطقة وحلية سيف منها ولا يتختم بغيرها كحجر وذهب وحديد وصفر والعبرة بالحلقة لا بالفص۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله ولا يتختم الا بالفضة) هذه عبارة الامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی الجامع الصغير ای بخلاف المنطقة فلا يكره فيها حلقة حديد ونحاس كما قدمه وهل حلية السيف كذلك يراجع قال الزيلعی رحمہ اللہ تعالیٰ وقد وردت آثار فی جواز التختم بالفضة وكان للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم فضة وكان فی يده الكريمة حتی توفی صلی اللہ علیہ وسلم ثم فی يد ابی بكر رضی اللہ تعالیٰ عنه الی ان توفی ثم فی يد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه الی ان توفی ثم فی يد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنه الی ان وقع من يده فی البئر فانفق مالا عظيما فی طلبه فلم يجده ووقع الخلاف فيما بينهم والتشويش من ذلك الوقت الی ان استشهد رضی اللہ تعالیٰ عنه (قوله فيحرم بغيرها) لما روی الطحاوی باسناده الی عمران بن حصين وابی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنهما قالا نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن خاتم الذهب وروی صاحب السنن باسناده الی عبد اللہ بن بريدة عن ابيه رضی اللہ تعالیٰ عنه ان رجلا جاء الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعليه خاتم من شبه فقال له مالی اجد منك ريح الاصنام فطرحه ثم جاء وعليه خاتم من حديد فقال مالی اجد عليك حلية اهل النار فطرحه فقال يا رسول اللہ ای شیء اتخذه قال اتخذه من ورق ولا تتمه مثقالا فعلم ان التختم بالذهب والحديد والصفر حرام فالحق اليشب بذلك لانه قد يتخذ منه الاصنام فاشبه الشبه الذی هو منصوص

معلوم بالنص اتفاقی والشبہ محرکا النحاس الاصفر قاموس وفی الجوھرۃ والتختم بالحدید والصفر والنحاس والرصاص مکروہ للرجال والنساء۔ (رد المحتار ص۲۲۹ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۹ر محرم سنہ ۱۴۰۱ھ

عورت کے لئے زیور اور انگوٹھی کا حکم

سوال: بازار میں عورتوں کے جو زیورات ملتے ہیں وہ مختلف دھاتوں کے بنے ہوئے ہوتے ہیں، کیا عورت کے لئے ہر قسم کی دھات کا بنا ہوا زیور یا انگوٹھی پہننا جائز ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے، نیز کتنی مقدار جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عورت کے لئے انگوٹھی کے سوا دوسرا زیور ہر قسم کی دھات کا بنا ہوا جائز ہے۔ انگوٹھی صرف سونے اور چاندی کی جائز ہے خواہ جس مقدار کی بھی ہو، دوسری کسی دھات کی جائز نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت قولہ (فیحرم بغیرھا) وفی الجوھرۃ والتختم بالحدید والصفر والنحاس والرصاص مکروہ للرجال والنساء (رد المحتار ص۲۲۹ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔ (اس سے رجوع کی تفصیل تتمہ میں ہے۔

۹ر محرم سنہ ۱۴۰۱ھ

مرد کے لئے سونے، چاندی کے بٹن:

سوال: ایک عالم مرد کے لئے سونے، چاندی کے بٹن جائز بتاتے ہیں اور فتاوی رشیدیہ کا حوالہ دیتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جائز نہیں۔

قال الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: لا بأس بازرار الدیباج والذھب (رد المحتار ص۲۲۶ ج ۵)

بعض نے اس سے سونے کے بٹنوں کا جواز سمجھا ہے جو صحیح نہیں، اس لئے کہ ازرار گھنڈی کو کہتے ہیں، بٹن کو نہیں۔ گھنڈی کپڑے کے تابع ہوتی ہے بٹن تابع نہیں اس لئے سونے یا چاندی کے تار کی گھنڈی جائز ہے بٹن جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۰ر محرم سنہ ۱۴۰۱ھ

بیوٹی پارلر جاکر میک اپ کرانا:

سوال: لڑکیوں کا شادی کے دن یا عام دنوں میں بیوٹی پارلر جاکر میک اپ کرانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس پورے فعل میں کوئی ناجائز کام مثلاً بھنویں بنوانا یا بال کٹوانا شامل نہ ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جائز نہیں، اس میں یہ فسادات ہیں:

۱۔ کسی جائز کام کے لئے بھی عورت کا گھر سے بلا ضرورت نکلنا جائز نہیں جب کہ یہ تو کام ہی ناجائز ہے۔

۲۔ وہاں بے دین عورتوں کی صحبت کا اثر۔

۳۔ بے دین لوگوں سے مشابہت۔

۴۔ صورت اصلیہ چھپانے کا فریب۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ ۲۳ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

شرعی پاجامہ پہننا جائز نہیں:

سوال: بہت سے لوگ پتلون کی طرح ایک تنگ پاجامہ پہنتے ہیں، جسے وہ شرعی پاجامہ کہتے ہیں۔ کیا واقعۃً وہ شرعی پاجامہ ہے؟ اگر ہے تو اس کی حیثیت کیا ہے؟ سنت، مستحب یا صرف جائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

آج کل جس پاجامہ کو شرعی پاجامہ کا نام دیا جاتا ہے، وہ شرعی نہیں، درحقیقت شرعی پاجامہ ہے۔ اس میں اعضاء مستورہ خصوصاً عورت غلیظہ کا حجم بالکل واضح نظر آتا ہے پھر عموماً کرتا بھی چھوٹا ہوتا ہے، دوران نماز بحالت سجدہ اعضاء مخصوصہ لٹکے ہوئے واضح معلوم ہوتے ہیں جس سے نماز مکروہ تحریمی ہوجاتی ہے جس کا اعادہ واجب ہے۔ نماز کے علاوہ نشست و برخاست کی کیفیات میں بھی اعضاء مخفیہ کی شکل نظر آتی ہے جن کا دیکھنا دکھانا حرام ہے۔ اس لئے ایسا پاجامہ پہننا جائز نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: تحت (قولہ وھی غایر بادیۃ) اقول مفادہ ان رؤیۃ الثوب بحیث یصف حجم العضو ممنوعۃ ولو کثیفا لا تری البشرۃ منہ قال فی المغرب یقال مسست الحبلی فوجدت حجم الصبی فی بطنھا واحجم الثدی علی نحر الجاریۃ اذا نھد وحقیقتہ صار لہ حجم ای نتو وارتفاع

ومنه قوله حتی یتبین حجم عظامها اھ وعلی ھذا لا یحل النظر الی عورۃ غیرہ فوق ثوب ملتزق بها یصف حجمها فیحمل ما مر علی ما اذا لم یصف حجمها فلیتأمل (رد المحتار ص۲۳۴ ج۵) واللہ سبحانه وتعالی اعلم۔

۱۳ ذی القعدہ سنہ ۱۴۱۰ھ

غیر شادی شدہ عورت کو چوڑیاں پہننا جائز ہے:

سوال: عورت اگر غیر شادی شدہ ہو تو اس کے لئے چوڑیاں پہننا کیسا ہے؟ بعض علاقوں میں دستور ہے کہ غیر شادی شدہ عورت کو چوڑیاں نہیں پہننے دیتے اور کہتے ہیں کہ اس سے عورت سہاگن معلوم ہوتی ہے، جبکہ ہمارے بزرگ حضرات خالی ہاتھ ہونے پر ٹوکتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عورت کو چوڑیاں پہننا بہر حال جائز ہے۔ بعض لوگوں کا اس کو معیوب سمجھنا اور دلہن کی علامت قرار دینا غلط ہے، البتہ غیر شادی شدہ عورت کو زیادہ زیب و زینت کرنا بوجہ خوف فتنہ جائز نہیں۔

عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالی عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال حرم لباس الحریر والذھب علی ذکور امتی واحل لاناثهم (الترمذی ص۳۰۲ ج۱)

قال العلامة العثمانی رحمه اللہ تعالی: وفیه ایضا یجوز للنساء لبس انواع الحلی کلها من الذھب والفضة والخاتم والحلقة والسوار والخلخال والطوق والعقد التعاوید والقلائد وغیرھا (اعلاء السنن ص۲۸۹ ج۱۷) واللہ سبحانه وتعالی اعلم۔

۳ شعبان سنہ ۹۸ھ

بالوں کے احکام

ڈاڑھی منڈانا اور کٹانا دوسرے گناہوں سے بدترین گناہ ہے:

سوال: زید محلہ کی مسجد میں امام ہے، ڈاڑھی کٹاتا ہے، اگر اسے ڈاڑھی سے متعلق کوئی شخص سمجھاتا ہے تو جواب میں کہتا ہے کہ ڈاڑھی کٹانا فسق ہے اور آج کل ننانوے فیصد لوگ فاسق ہیں ڈاڑھی رکھ کر بھی غیبت، کذب وغیرہ میں مبتلا ہیں، لہٰذا امام اور مقتدی سب ایک جیسے فاسق ہیں، اس لئے کسی شخص کو مجھ پر اعتراض کا حق نہیں، زید کا یہ خیال صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

زید کا خیال بالکل غلط اور فریب ہے، اگر ایک شخص خفیۃً زنا کرتا ہے اور دوسرا علی الاعلان سر بازار زنا کا ارتکاب کرتا ہے یا ایک شخص خفیہ چوری کرتا ہے اور دوسرا علی الاعلان ڈاکہ زنی اور حکومت کی بغاوت کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ دونوں کے گناہوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، لہٰذا کوئی شخص کسی درجہ کا بھی گناہگار اور فاسق و فاجر ہو مگر اس کا ظاہر شریعت کے خلاف نہ ہو تو اس کے گناہ مخفی ہونے کی وجہ سے ڈاڑھی کٹانے سے بدرجہا کم ہیں، ڈاڑھی کٹانے والا علی الاعلان شریعت کی مخالفت کر رہا ہے اور دنیا میں ایسی شکل و صورت میں پھر رہا ہے کہ دور ہی سے ہر شخص اسے دیکھ کر اس کو فاسق اور شریعت کا مخالف سمجھتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص حکومت کی بغاوت کا جھنڈا اٹھا کر عام بازار میں پھر رہا ہو، اس شخص کے اس ناقابل معافی جرم کو حکومت کبھی بھی نظر انداز نہیں کر سکتی، غرضیکہ زید کا ڈاڑھی کٹانے کو دوسرے گناہوں کے برابر کہنا بدترین عذر ہے۔ زید حکومت الٰہیہ اور شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کر کے شہروں اور بازاروں میں پھر رہا ہے اور دور ہی سے ہر خاص و عام کے لئے خود کو شریعت کا باغی ظاہر کر رہا ہے۔ گناہ کے اظہار و اخفاء میں بہت فرق ہے، چنانچہ رمضان میں علانیۃً کھانے پینے والے کو حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اہانت دین کی وجہ سے مباح الدم اور واجب القتل قرار دیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علانیہ گناہ کرنے والوں کے سوا میری پوری امت لائق عفو ہے۔

کل امتی معافی الا المجاھرین (متفق علیہ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاڑھی کٹانے، ٹخنے ڈھانکنے اور گانے بجانے کو ان بدکاریوں میں شمار فرمایا ہے جن کی وجہ سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کیا گیا (در منثور)

علاوہ ازیں دوسرے گناہ وقتی ہوتے ہیں مگر ڈاڑھی کٹانے کا گناہ چوبیس گھنٹے ساتھ رہتا ہے، سوتے جاگتے حتی کہ نماز وغیرہ عبادات کی حالت میں بھی یہ گناہ ساتھ رہتا ہے۔ اس لئے ڈاڑھی کٹانے کا گناہ دوسرے سب گناہوں سے بڑھ کر ہے۔

پھر زید کا ہر شخص کو غیبت و کذب یا دوسرے گناہوں میں مبتلا سمجھنا محض سوءظن ہے جو اپنے نفس پر قیاس کرنے سے پیدا ہوا ہے، بہرکیف فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ کسی ایسے شخص کو امام مقرر کرنا ضروری ہے جو ظاہر العدالہ ہو، باطن اللہ تعالی کے سپرد ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۷ جمادی الاولی ۱۴۰۲ھ

ڈاڑھی کی توہین کفر ہے:

یہ مسئلہ کتاب الایمان والعقائد جلد اول میں مفصل آچکا ہے، مزید تفصیل تمہ میں ہے۔

عورتوں کا جوڑا باندھنا:

سوال: آج کل عورتیں مختلف طریقوں سے بال رکھتی ہیں، بعض سارے بالوں کو جمع کرکے پیچھے کی طرف گوندھ لیتی ہیں، بعض کنگھی مار کر پھیلا دیتی ہیں، بعض رخساروں پر پھیلا دیتی ہیں، کون سی صورت جائز اور کون سی ناجائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عورتوں کا بالوں کو جمع کرکے سر کے اوپر جوڑا باندھنا ناجائز ہے، حدیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے کہ ایسی عورتوں کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہیں ہوگی، اس کے سوا دوسرے طریقے جائز ہیں بشرطیکہ کسی نامحرم کی نظر نہ پڑے اور کفار کے ساتھ مشابہت نہ ہو، بالوں کا سخت پردہ ہے حتی کہ بوڑھی عورت کے بال دیکھنا بھی حرام ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: صنفان من اھل النار لم ارھما

قوم معهم سياط كاذناب البقر يضربون بها الناس ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤوسهن كاسنمة البخت المائلة لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها وان ريحها لتوجد من مسيرة كذا وكذا رواه مسلم۔

گدی پر جوڑا باندھنا جائز ہے بلکہ حالت نماز میں افضل ہے، اس لئے کہ اس سے بالوں کے پردے میں سہولت ہوتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۸ر شوال سنہ ۹۶ھ

مصنوعی بال لگانا:

سوال: بعض عورتیں بازار سے مصنوعی بال خرید کر اپنے بالوں میں لگا لیتی ہیں تاکہ بال بڑے معلوم ہوں، کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر یہ بال انسان کے ہوں تو ان کا لگانا گناہ کبیرہ ہے اور اس پر حدیث میں لعنت وارد ہوئی ہے۔ اگر کسی دوسرے جانور کے ہوں تو جائز ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالى: تحت (قوله وشعر الانسان) ولا يجوز الانتفاع به لحديث لعن الله الواصلة والمستوصلة وانما يرخص فيما يتخذ من الوبر فيزيد في قرون النساء وذوائبهن هدايه (رد المحتار ص۱۰۵ ج ۴)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۴ ربیع الاول سنہ ۹۹ھ

عورت کا چہرے کے بال صاف کرنا:

سوال: عورت کے لئے چہرے کے بال صاف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حدیث میں نامصہ او متنمصہ پر لعنت وارد ہوئی ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عورت کے لئے چہرے کے بال صاف کرنا جائز ہے، اور اگر ڈاڑھی یا مونچھ کے بال نکل آئیں تو ان کا ازالہ مستحب ہے۔

نامصہ اور متنمصہ پر لعنت کا مورد یہ ہے کہ ابرو کے اطراف سے بال اکھاڑ کر باریک دھاری بنائی جائے کما یدل علیه التعلیل بتغییر خلق اللہ۔

ابرو بہت زیادہ پھیلے ہوئے ہوں تو ان کو درست کرکے عام حالت کے مطابق کرنا جائز ہے۔ غرضیکہ تزیین مستحب ہے اور ازالۂ عیب کا استحباب نسبۃً زیادہ مؤکد ہے اور تلبیس و تغییر خلق ناجائز ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت (قولہ والنامصۃ الخ) ذکرہ فی الاختیار ایضا وفی المغرب النمص نتف الشعر ومنہ المنماص المنقاش اھ ولعلہ محمول علی ما اذا فعلتہ لتتزین للاجانب والا فلو کان فی وجہھا شعر ینفر زوجہا عنہا بسببہ ففی تحریم ازالتہ بعد لان الزینۃ للنساء مطلوبۃ للتحسین الا ان یحمل علی مالا ضرورۃ الیہ لما فی نتفہ بالمنماص من الایذاء، وفی تبیین المحارم ازالۃ الشعر من الوجہ حرام الا اذا نبت للمرأۃ لحیۃ او شوارب فلا تحرم ازالتہ بل تستحب اھ وفی التتارخانیۃ عن المضمرات ولا بأس بأخذ الحاجبین وشعر وجہہ مالم یشبہ المخنث ومثلہ فی المجتبی تأمل (رد المحتار ص۲۳۹ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱۳ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۲ھ

گردن کے بال مونڈنا جائز ہے:

سوال: گردن کے بال مونڈنا جائز ہے یا نہیں؟ امداد الفتاوی ص۲۱۳ ج ۴ میں ہے: "گردن کے بال مونڈنا فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی نے مکروہ سمجھا ہے۔" بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عالمگیریہ میں قفا کے بال مونڈنے کی کراہت منقول ہے۔

عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی یکرہ ان یحلق قفاہ الا عند الحجامۃ کذا فی الینابیع (عالمگیریۃ ص۳۵۷ ج ۵)

امداد الفتاوی میں غالباً اسی عبارت میں قفا بمعنی گردن لے کر حکم لکھا گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ قفا بمعنی مؤخر الرأس (گدی) و مؤخر العنق (گردن کی پشت) دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ گدی سر کا حصہ ہے اور گردن مستقل عضو ہے، خود امداد الفتاوی جلد اول ص۱۳ میں مسح گردن کے بیان میں تحریر ہے کہ قفا رأس کا جزء ہے اور رقبہ اس سے خارج ہے اھ

لہٰذا گدی کا حلق قزع میں داخل ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، مگر گردن کا حلق مکروہ ہونے کی کوئی وجہ ظاہر نہیں، حضرت گنگوہی قدس سرہ فرماتے ہیں:
"گردن جدا عضو ہے اور سر جدا، لہٰذا گردن کے بال منڈانا درست ہے، سر کا جوڑ علیحدہ کان کی لو کے پیچھے معلوم ہوتا ہے، اس سے نیچے گردن ہے (فتاوی رشیدیہ ص۴۶۷)
اس سے معلوم ہوا کہ عالمگیریہ میں قفا بمعنی گدی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔
۱۴ صفر ۹۹ھ

ڈاڑھی پیدا کرنے کے لئے استرا چلانا:

سوال: ایک شخص کی عمر تیئیس ۲۳ سال ہے مگر اس کی ڈاڑھی اور مونچھیں نہیں نکلیں، کیا وہ اس احتمال کی بناء پر کہ شاید ڈاڑھی نکل آئے استرا چلا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اس ضرورت سے استرا چلانا جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔
۲۳ رجب ۹۹ھ

حلق عانہ کی حدود:

سوال: زیر ناف بال کہاں تک کاٹنے چاہئیں؟ کیا ناف سے گھٹنے تک؟ نیز دبر یعنی دونوں سرینوں کے درمیان جو شگاف ہے اس کے بال کاٹنا مشکل ہوتا ہے، کٹنے کا ڈر ہوتا ہے تو کیا دبر کے بال صاف کرنا بھی ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عانہ کی حد شانہ سے نیچے پیڑو کی ہڈی سے شروع ہوتی ہے، جس پر دلائل ذیل ہیں:
(۱) شرمگاہ جس حصہ میں ہے اس کی ہڈی یہاں ختم ہو جاتی ہے۔
(۲) مخصوص نوعیت کے گھنے بالوں کی ابتداء یہیں سے ہوتی ہے۔
(۳) ستر کے بیان میں الخط المار بالسرة المحيط بجوانب البدن سے عانہ تک ایک عضو شمار کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عانہ اور سرہ کے درمیان ایک عضو فاصل ہے اور سرہ سے پیڑو کی ہڈی تک ایک ہی نوعیت ہے، لہٰذا یہ عضو فاصل پیڑو کی ہڈی تک ہے اور ہڈی سے عانہ شروع ہوتا ہے۔
(۴) فقہ کی کسی کتاب میں نظر سے گذرا ہے کہ خط تحت السرۃ سے نیچے عانہ ہے، اس

وقت تلاش کرانے پر یہ جزئیہ نہیں ملا، ممکن ہے کہ بیان ستر کے تحت الخط المار بالسرۃ سے اشتباہ ہوا ہو، بہرکیف پیڑو کی ہڈی کے شروع میں بھی ایک خط ہے جو عانہ کی حد ہے۔

⑤ شامیہ کی آیندہ عبارت الشعر القریب الخ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ عانہ کی ابتداء سرۃ سے متصل نہیں۔

سو پیڑو کی ہڈی کی ابتداء سے لے کر اعضاء ثلاثہ، ان کے حوالی، ان کی محاذاۃ میں رانوں کا وہ حصہ جس کے تلوث کا خطرہ ہے اور دبر کے بال صاف کرنا واجب ہے، دبر کے بالوں کی صفائی کو طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مستحب لکھا ہے مگر علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم بھی عانہ کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ مؤکد قرار دیا ہے۔

قال الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: العانۃ ھی الشعر الذی فوق الذکر وحوالیہ وحوالی فرجھا ویستحب ازالۃ شعر الدبر خوفا من ان یعلق بہ شیء من النجاسۃ الخارجۃ فلا یتمکن من ازالتہ بالاستجمار (طحطاوی علی المراقی ص۲۸)

وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی فصل فی الاحرام والعانۃ الشعر القریب من فرج الرجل والمرأۃ ومثلھا شعر الدبر بل ھو اولی بالازالۃ لئلا یتعلق بہ شیء من الخارج عند الاستنجاء بالحجر (رد المحتار ص۲۰۹ ج۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۴ محرم سنہ ۱۴۰۱ھ

زیر ناف بال صاف کرنے کے لئے پاؤڈر کا استعمال:

سوال: زیر ناف بال صاف کرنے کا مستحب طریقہ کیا ہے؟ کترنا، کاٹنا یا اکھاڑنا؟ اس زمانے میں جو کریم یا پاؤڈر استعمال ہوتا ہے، اس کا استعمال از روئے شریعت کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

مردوں کے لئے استرا وغیرہ سے صاف کرنا اور عورتوں کے لئے اکھاڑنا مستحب ہے۔ پاؤڈر اور کریم کا استعمال بھی جائز ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ ویستحب حلق عانۃ) قال فی الھندیۃ ویبتدئ من تحت السرۃ ولو عالج بالنورۃ یجوز

کذا فی الغرائب وفی الاشباہ والسنۃ فی عانۃ المرأۃ النتف (رد المحتار ۲۶۱ ج ۵)
واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ

سر کے بالوں کی جائز وناجائز صورتوں کی تفصیل:

سوال: چند احباب نے ایک انجمن بنائی ہے، اس انجمن کے تحت کئی تعلیمی ادارے چل رہے ہیں، مستحق طلبہ کی اعانت بھی کی جاتی ہے، اس ادارے نے اچھے مسلمان پیدا کرنے کا عزم کر رکھا ہے، چنانچہ اس کے زیر اہتمام چلنے والے اسکولوں اور کالجوں میں ناظرہ قرآن، دینی معلومات، ترجمۂ قرآن، حدیث کی دعائیں نیز ریاض الصالحین اور عربی گرائمر وغیرہ بھی پڑھائی جاتی ہے، جس کے لئے بڑے دینی مدرسوں سے عالم فاضل کا کورس کئے ہوئے مستند علماء دین کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی ایسے آدمی کو ملازم نہیں رکھا جاتا جس کی وضع قطع دین کے خلاف ہو یا وہ کسی ظاہری گناہ کا عادی ہو یا نماز نہ پڑھے وغیرہ وغیرہ اس سلسلے میں انجمن سختی سے اپنے قواعد کی پابندی کراتی ہے تاکہ سارے ماحول پر دینی رنگ غالب نظر آئے۔

طلبہ کو بھی لیکچرز کے ذریعے ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ سنتوں کی پابندی کریں اور شریعت میں جو باتیں منع ہیں ان سے بچیں۔

اب انجمن کی انتظامیہ اور مدرسین میں اختلاف ہو گیا ہے، قصہ اس اختلاف کا یہ ہے کہ انتظامیہ یہ کہتی ہے کہ دیگر ملازمین کی طرح مدرسین بھی اپنی وضع قطع دین کے مطابق رکھیں جس میں کہ سنت کے مطابق ڈاڑھی، سر کے بال اور لباس کو مظہر خارجی ہونے کی وجہ سے اولیت حاصل ہے۔ اختلافی نقطہ یہ ہے کہ بعض مدرسین (انتظامیہ کے خیال میں) انگریزی بال رکھے ہوئے ہیں اور اس پر اصرار بھی کر رہے ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ یہ وہی مدرسین ہیں جو عالم فاضل ہیں اس لئے انتظامیہ کو انہیں اپنا موقف سمجھانے میں دشواری ہو رہی ہے کہ یہ لوگ خود اتھارٹی ہیں۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات ایسی ہی ہوتی تو ہم سالہا سال تک دینی مدرسوں میں پڑھتے رہے ہیں اور ہمارے بالوں کی یہی حالت تھی تو ہمارے بزرگوں نے ہمیں کیوں نہیں روکا؟ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اتنی ضروری بات نہیں۔

کبھی کہتے ہیں کہ ہمارے بال انگریزی ہیں ہی نہیں ہم نے قینچی کے ساتھ برابر کٹے ہیں

کبھی کہتے ہیں ان امور میں اتباع ضروری نہیں۔ یہ عادت والی سنت ہے۔
اب بہت بحث ومباحثہ کے بعد طے ہوا ہے کہ آپ سے فتویٰ لیا جائے چنانچہ آپ ازراہ کرم درج ذیل باتوں کے جوابات مرحمت فرمائیں اگر آپ ہر بات کا نمبر وار الگ الگ جواب دیدیں گے تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

① انگریزی بالوں کی کیا تعریف ہے؟ ایسی تعریف سلیس اردو میں بتائیں جسے ہر خاص وعام سمجھ سکے اور کسی بھی آدمی کے بال دیکھ کر یا ناپ کر اندازہ ہو سکے کہ وہ انگریزی ہیں یا اسلامی؟

② کیا انگریزی بال رکھنا ناجائز ہے؟

③ اگر ناجائز ہے تو کس قسم کا ناجائز ہے؟ اس لئے کہ جن مدرسین کا اوپر ذکر ہوا ہے وہ کہتے ہیں ناجائز کی بھی کئی قسمیں ہیں، انگریزی بال رکھنا مکروہ ہے جو ہلکی قسم کی چیز ہے، آپ بتائیں یہ حرام ہے یا مکروہ؟ کیا مکروہ کا ارتکاب کرنا جائز ہے؟

④ اگر مکروہ بھی ہے تو اوپر بیان کردہ صورت حال کے پیش نظر کیا مدرسین کے لئے اس میں شدت نہیں ہو جاتی خصوصیت کے ساتھ جب کہ وہ عالم فاضل ہوں کہ یہی لوگ طلبہ اور دیگر ملازمین کے لئے نمونہ ہیں۔

⑤ یہ مدرسین یہ بھی کہتے ہیں کہ سر کے بال منڈوانا مثلہ ہے۔
کیا سر کے بال منڈوانے کو مثلہ کہنا جائز ہے؟

⑥ یہ مدرسین یہ بھی کہتے ہیں کہ جو آدمی سر کے بال منڈوالے وہ سخت احساس کمتری کا شکار ہوتا ہے ہم پر خود یہ حالت گذری ہے اس لئے طلبہ کو بال منڈوانے کی ترغیب نہ دی جائے کہ اس طرح وہ احساس کمتری کا شکار ہوں گے۔

⑦ کیا بال منڈوانے سے احساس کمتری کا شکار ہونا کوئی معقول بات ہے؟

الجواب باسم ملهم الصواب

پہلے بالوں کی جائز و ناجائز تمام صورتیں لکھی جاتی ہیں، اس کے بعد سوالات کے جوابات۔
بال رکھنے کی جائز صورتیں تین ہیں:

① پٹے رکھنا، اس کی تین قسمیں ہیں:

Ⓐ کانوں کی لو تک۔ اس کو عربی میں وفرہ کہتے ہیں۔

(۲) کانوں کی لو اور کندھوں کے درمیان تک۔ اس کو لمۃ کہتے ہیں۔

(۳) کندھوں تک اس کو جمۃ کہتے ہیں۔

(۲) حلق یعنی پورے سر کے بال منڈوانا۔

(۳) پورے سر کے بالوں کو برابر کاٹنا۔

ان میں سب سے افضل پہلی صورت ہے، پھر دوسری صورت کا درجہ ہے اور آخری صورت کی صرف گنجائش ہے۔

اس میں تو کسی کو اختلاف نہیں کہ پٹے رکھنا مسنون ہے، البتہ حلق کی سنیت میں اختلاف ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالی نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے دائمی عمل کی وجہ سے مسنون کہا ہے، اسی طرح امام طحاوی رحمہ اللہ تعالی نے بھی اس کی سنیت نقل کی ہے۔

حافظ ابن حجر اور ملا علی قاری رحمہما اللہ تعالی نے اباحت پر محمول کیا ہے۔

بہرحال اس کے جواز میں کوئی شبہہ نہیں اور بچوں کی تربیت کی خاطر ان کے سر منڈوانا افضل بلکہ غلبۂ فساد کی وجہ سے ضروری ہے۔

اخرج الامام ابوداود رحمہ اللہ تعالی عن علی رضی اللہ تعالی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من ترك موضع شعرة من جنابة لم یغسلها فعل کذا وکذا من النار، قال علی رضی اللہ تعالی عنہ فمن ثم عادیت رأسی فمن ثم عادیت رأسی فمن ثم عادیت رأسی وکان یجز شعرہ رضی اللہ تعالی عنہ۔

قال العلامۃ السہارنفوری رحمہ اللہ تعالی: وبھذا الحدیث استدل الطیبی علی سنیۃ حلق الرأس لتقریرہ صلی اللہ علیہ وسلم ولانہ من الخلفاء الراشدین الذین امرنا بمتابعۃ سنتھم ورد علیہ القاری وابن حجر فقالا ان فعلہ رضی اللہ تعالی عنہ اذا کان مخالفا لسنۃ علیہ الصلوۃ والسلام وبقیۃ الخلفاء یکون رخصۃ لاسنۃ (بذل المجھود ص۱۵۲ ج۱)

وعن عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالی عنھما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امھل آل جعفر ثلاثا ان یأتیھم ثم اتاھم فقال لاتبکوا علی اخی بعد الیوم

ثم قال ادعوالی بنی اخی فجیء بنا کأنا افرخ فقال ادعوالی الحلاق فامرہ فحلق رؤسنا۔

قال الشیخ السہارنفوری رحمہ اللہ تعالی: وفیہ ان الکبیر من اقارب الاطفال یتولی امرھم وینظر فی مصالحھم من حلق الرأس وغیرہ (بذل المجہود ص ۶ ج ۶)

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: وفی الروضۃ للزندویستی ان السنۃ فی شعر الرأس اما الفرق او الحلق وذکر الطحاوی رحمہ اللہ تعالی ان الحلق سنۃ ونسب ذلک الی العلماء الثلاثۃ (ردالمحتار ص ۴۰۷ ج ۶)

وکذا فی الھندیۃ عن التتارخانیۃ وزاد: یستحب حلق الرأس فی کل جمعۃ کذا فی الغرائب (عالمگیریۃ ص ۳۵۷ ج ۵)

بالوں کی ناجائز صورتیں:

قزع یعنی سر کے بعض حصہ کے بال منڈانا اور بعض کے چھوڑنا، یا بعض زیادہ تراشنا اور بعض کم۔

حدیث میں ایسے بال رکھنے سے صراحۃً ممانعت آئی ہے کما سنذکر۔

ایسے بال رکھنا جو کفار و فساق کا شعار ہو۔

یہ تشبہ بالکفار والفساق کی وجہ سے ممنوع ہے، البتہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ ہر زمانہ میں اس وقت کے کفار و فساق کے شعار کا اعتبار ہوگا۔

اخرج الامام ابوداود رحمہ اللہ تعالی عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن القزع والقزع ان یحلق رأس الصبی فیترک بعض شعرہ۔

وعنھما رضی اللہ تعالی عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن القزع وھو ان یحلق رأس الصبی ویترک لہ ذوابۃ۔

قلت ولیس ھذا مختصا بالصبی بل اذا فعلہ کبیر یکرہ لہ ذلک فذکرالصبی باعتبار العادۃ الغالبۃ۔

وعنھما رضی اللہ تعالی عنہما ان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم رأی صبیا قد حلق بعض رأسہ وترک بعضہ فنھاھم عن ذلک فقال احلقوہ کلہ او

اترکوہ کلہ۔

قال النووی رحمہ اللہ تعالی: مذھبنا کراھتہ مطلقا للرجل والمرأۃ لاطلاق الحدیث وھی کراھۃ تنزیہ وکذلک کرھہ مالک والحنفیۃ رحمھم اللہ تعالی۔

وعن انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ قال کانت لی ذؤابۃ فقالت لی امی لا اجزھا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمدھا ویأخذ بھا۔

وقیل ان ذؤابۃ انما یجوز اتخاذھا لغلام اذا کانت مع غیرھا من الشعور التی فی الرأس واما اذا حلق شعرہ کلہ وترک لہ ذؤابۃ فھو القزع الذی نھی عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وعن الحجاج بن حسان قال دخلنا علی انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ فحدثتنی اختی المغیرۃ قالت وانت یومئذ غلام ولک قرنان او قصتان فمسح رأسک وبرک علیک وقال احلقوا ھذین اوقصوھما فان ھذا زی الیھود۔

وھذا یدل علی ان الروایۃ المتقدمۃ عن انس رضی اللہ تعالی عنہ قال کانت لی ذؤابۃ لا یدل علی جواز ذؤابۃ مطلقا بل الظاھر أن المنھی عنہ غیر المرخص فیہ فالرخصۃ انما ھی اذا کان جمیع شعر الرأس موجودۃ وکانت الذؤابۃ طویلۃ من سائر الشعور واما اذا کان البعض محلوقا والذؤابۃ باقیۃ فلا رخصۃ فیہ (بذل المجھود ص۸۶ ج ۶)

وقال الحافظ العسقلانی رحمہ اللہ تعالی: قال النووی رحمہ اللہ تعالی الاصح ان القزع ما فسرہ بہ نافع رحمہ اللہ تعالی وھو حلق بعض رأس الصبی مطلقا ومنھم من قال ھو حلق مواضع متفرقۃ منہ والصحیح الاول لانہ تفسیر الراوی وھو غیر مخالف للظاھر فوجب العمل بہ، وقلت الا ان تخصیصہ بالصبی لیس قیدا، قال النووی رحمہ اللہ تعالی اجمعوا علی کراھتہ اذا کان فی مواضع متفرقۃ الا للمداواۃ او نحوھا وھی

کراھۃ تنزیہ ولا فرق بین الرجل والمرأۃ وکرھہ مالک فی الجاریۃ والغلام وقیل فی روایۃ لھم لا بأس بہ فی القصۃ والقفا للغلام والجاریۃ قال ومذھبنا کراھتہ مطلقا قلت حجتہ ظاھرۃ لانہ تفسیر الراوی واختلف فی علۃ النھی فقیل لکونہ یشوہ الخلقۃ وقیل لانہ زی الشیطان وقیل لانہ زی الیھود وقد جاء ھذا فی روایۃ لابی داود (وبعد سطر) ویمکن الجمع بأن الذؤابۃ الجائزۃ اتخاذھا ما یفرد من الشعر فیرسل ویجمع ما عداھا بالضفر وغیرہ والتی تمنع ان یحلق الرأس کلہ ویترک ما فی وسطہ ویتخذ ذؤابۃ وقد صرح الخطابی بأن ھذا مما یدخل فی معنی القزع واللہ اعلم (فتح الباری ص۳۰۵ ج۱۰)

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی الذخیرۃ ولا بأس بأن یحلق وسط رأسہ ویرسل شعرہ من غیر ان یفتلہ وان فتلہ فذلک مکروہ لانہ یصیر مشبھا ببعض الکفرۃ والمجوس وفی دیارنا یرسلون الشعر من غیر فتل ولکن لا یحلقون وسط الرأس بل یجزون الناصیۃ تتارخانیۃ قال ط ویکرہ القزع وھو ان یحلق البعض ویترک البعض قطعا مقدار ثلاث اصابع کذا فی الغرائب (رد المحتار ص۲۶۱ ج۲)

وکذا فی الھندیۃ وزاد: وعن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ یکرہ ان یحلق قفاہ الاعند الحجامۃ کذا فی الینابیع (عالمگیریۃ ص۳۵۷ ج۵)

ذخیرہ میں مذکورہ صورت جواز علت نہی کو تشبہ بالکفار میں منحصر سمجھنے کے خیال پر مبنی ہے۔ یہ خیال دو وجوہ سے صحیح نہیں:

① *خلق اللہ کی تغییر و تشویہ بہرصورت پائی جاتی ہے جو نہی کے لیے کافی ہے۔ یہ علت نہی بندہ کے خیال میں تھی بعد میں اس کی تصریح فتح الباری میں بھی مل گئی* وقد مر نصہ فالحمد للہ علی موافقۃ الاکابر۔

② *قزع کے لغوی معنی سب صورتوں کو شامل ہیں۔*

قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ: القزع بفتح القاف والزاء ثم المھملۃ جمع قزعۃ وھی القطعۃ من السحاب وسمی شعر الرأس اذا حلق بعضہ وترک بعضہ

تشبیھا بالسحاب المتفرق (فتح الباری ص۳۶۶ ج ۱)

وجوہ مذکورہ کی بناء پر امام نووی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ تعالیٰ نے اطلاق ہی کو صحیح اور واجب العمل قرار دیا ہے، ومن نصھما عن الفتح۔

بذل المجہود کی وجہ التوفیق میں مذکورہ صورت جواز بھی اس لئے صحیح نہیں کہ اس میں علت نہی تغییر خلق اللہ موجود ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قزع میں کراہت تنزیہ کا قول فرمایا ہے، اس بارے میں تین امور:

① ظاہر حدیث اور تعلیل "تغییر خلق اللہ" سے کراہت تحریم ثابت ہوتی ہے۔

② کراہت تنزیہ پر دوام سے کراہت تحریم ہو جاتی ہے۔

③ یہ قول اس صورت میں ہے کہ تشبہ بالکفار نہ ہو، جب تغییر الخلق کے ساتھ تشبہ بالکفار بھی مل جائے تو کراہت تحریم ہونا ظاہر ہے۔

سوالات کے بالترتیب جوابات:

(۱،۲) فیشن میں روز بروز تبدیلیاں آتی رہتی ہیں مگر انگریزی دور کے آغاز سے اب تک یہ امر اس فیشن کا جزء لازم اور قدر مشترک کے طور پر رہا ہے کہ بال کہیں سے چھوٹے کہیں سے بڑے ہوتے ہیں۔ گویا یہ فیشن پورا ہی جب ہوتا ہے کہ بالوں میں یکسانیت نہ ہو، یکسانیت کا فقدان جیسے کاٹنے سے ہوتا ہے ایسے ہی مونڈنے سے بھی ہوتا ہے، جیسے کانوں کے قریب استرا لگونے کا معمول ہے۔

یہ صورت جس میں پورے سر کے بال برابر نہ ہوں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور محدثین وفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی نصوص سے واضح طور پر ممنوع ہے۔ خواہ یہ کسی کافر و فاسق قوم یا گروہ کا شعار ہو یا نہ ہو، اگر فساق و فجار کا شعار بھی ہو تو اس کا گناہ اور بھی سخت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من تشبہ بقوم فھو منھم۔

اور فرمایا:

لا تتشبھوا بالیھود والنصاری۔

اور فرمایا:

خالفوا الیھود والنصاری۔

③ جب ایک چیز کا گناہ ہونا واضح ہوگیا تو پھر یہ کہنا کہ "یہ کم درجہ کا ناجائز ہے اور یہ بڑے درجہ کا" سخت خطرناک گمراہی ہے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کی بجائے اس کو ہلکا سمجھنا اور گناہ کو جائز کرنے کے حیلے بہانے ڈھونڈنا عام مسلمان کے شایان شان بھی نہیں ہوسکتا، اگر خدانخواستہ یہ حالت عالم کہلانے والوں کی ہوگئی ہے تو اس کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے ع

چون کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

مکروہ تحریمی اور حرام میں صرف عقیدہ کے اعتبار سے فرق ہے، عملاً دونوں مساوی ہیں دونوں گناہ کبیرہ ہیں اور دونوں پر عذاب برابر ہے۔

④ علماء جو پوری امت کے لئے رہنما اور مقتدا ہیں، ان کی ذرا سی نامناسب بات بھی بہت ہی معیوب ہے اور تھوڑی سی کوتاہی لاکھوں، کروڑوں انسانوں کی گمراہی کا سبب بن سکتی ہے، چہ جائیکہ مکروہ تحریمی کو ہلکا سمجھا جانے لگے، اس میں کفر کا خطرہ ہے۔

⑤ سر کے بال منڈوانا جائز ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنتِ دائمہ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین۔

لہٰذا اسے مثلہ کہنا بہت خطرناک گمراہی ہے۔

⑥ احساس کمتری تربیت نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ جب تربیت کرنے والوں کا حال یہ ہو کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صلحاء کی شکل وہیئت کی بجائے فساق وفجار کی شکل وہیئت سے پیار ہو تو ان سے تربیت پانے والے بھی اسی کے دلدادہ ہوں گے، ان کی صحیح تربیت کرکے صلحاء کی ہیئت پر فخر کرنے کا جذبہ پیدا کیا جاسکتا ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

مرد کے لئے جوڑا باندھنا جائز نہیں:

سوال: اگر مرد کے بال بہت بڑے بڑے ہوں تو ان کو سنبھالنے کے لئے جوڑا باندھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔

قال العلامۃ عالم بن العلاء الدھلوی رحمہ اللہ تعالی: ویکرہ ان یصلی وھو عاقص شعرہ والعقص ھو الاحکام والشد والمراد من المسألۃ عند بعض المشایخ ان یجمع شعرہ علی ھامتہ ویشدہ بصمغ او غیرہ لیتلبد وعند بعضھم ان یلف ذوائبہ حول رأسہ کما تفعلہ النساء فی بعض الاوقات وعند بعضھم ان یجمع الشعر کلہ من قبل القفا ویمسکہ بخیط او خرقۃ کیلا یصیب الارض اذا سجد (التاتارخانیۃ ص۵۶۱ ج۱)

قال العلامۃ الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالی: وکرہ عقص شعرہ وھو ان یشد ضفیرتہ حول رأسہ کما یفعلہ النساء او یجمع شعرہ فیعقدہ فی مؤخر رأسہ وانما کرہ لما روی مسلم عن کریب مولی ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما ان ابن عباس رأی عبد اللہ بن الحارث یصلی ورأسہ معقوص من ورائہ قال فجعل یحلہ فلما انصرف اقبل علی ابن عباس وقال مالک ورأسی فقال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انما مثل ھذا مثل الذی یصلی وھو مکتوف وفی شرح مسلم قال العلماء والحکمۃ فی النھی عنہ ان الشعر یسجد معہ ولھذا مثلہ بالذی یصلی وھو مکتوف ولقول علی رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تعقص شعرک فی الصلوۃ فانہ کفل الشیطان رواہ عبد الرزاق وعن ابی رافع قال نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی الرجل ورأسہ معقوص رواہ احمد وابن ماجہ وفی الباب احادیث فی الصحیحین وغیرھما (شرح النقایہ ص۲۱۵ ج۱)

قال العلامۃ الشیخ ابراھیم الحلبی رحمہ اللہ تعالی: ویکرہ ایضا العقص ای عقص الشعر وھو ضفرہ وفتلہ والمرادبہ فی الجامع فی ھذہ الموضع

ان یجعل شعرہ علی ھامتہ ویشدہ بصمغ اوان یلف ذؤابتیہ تثنیۃ ذؤابۃ بضم الذال المعجمۃ وبعدھا ھمزۃ ممدودۃ ثم باء موحدۃ قال فی القاموس ھی الناصیۃ والمراد ھنا خصلتا شعرہ حول رأسہ کما یفعلہ النساء فی بعض الاوقات او ان یجمع الشعر کلہ من قبل ای من جھۃ القفا ویمسکہ ای یشدہ بخیط اوخرقۃ کیلا یصیب الارض اذا سجد وجمیع ذلک مکروہ اذا فعلہ قبل الصلوۃ وصلی بہ علی تلک الھیئۃ اما لوفعل شیئا من ذلک وھو فی الصلوۃ تفسد صلوتہ لانہ عمل کثیر بالاجماع ووجہ الکراھۃ ماروی الطبرانی عن الثوری عن مکحول بن راشد عن سعید بن المقبری عن ابی رافع عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالی عنھا انہ علیہ السلام نھی ان یصلی الرجل ورأسہ معقوص وکذا رواہ اسحق بن راھویہ قال انبأنا المؤمل بن اسماعیل عن سفیان بہ سندا ومتنا وزاد قال اسحق قلت للمؤمل افیہ ام سلمۃ قال بلا شک واخرج الستۃ عنہ علیہ الصلوۃ والسلام امرت ان اسجد علی سبعۃ اعضاء وان لا اکف شعرا ولا ثوبا وفی العقص کف الشعر فیکون منھیا (غنیۃ المستملی ص۳۲۶) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۶ ذی القعدۃ سنہ ۱۴۱۶ھ

کسب حلال وحرام

سونا بنانا:

سوال: سونا بنانا شریعت کی نظر میں صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس میں تضییع مال واوقات ہے اس لئے جائز نہیں۔

البتہ اگر کوئی اس فن میں پوری مہارت حاصل کرکے سونا بنائے اور اس کے سونا ہونے میں کوئی شک وشبہہ نہ رہے تو جائز ہے بشرطیکہ خلاف قانون نہ ہو۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قوله علم الحرف) يحتمل ان المراد به الكاف الذی هو اشارة الى الكيميا ولا شك فی حرمتها لما فيها من ضياع المال والاشتغال بما لا يفيد (الى قوله) وحاصله انه اذا قلنا باثبات قلب الحقائق وهو الحق جاز العمل به وتعلمه لانه ليس بغش لان النحاس ينقلب ذهبا او فضة حقيقة وان قلنا انه غير ثابت لايجوز لانه غش كما لا يجوز لمن لا يعلمه حقيقة لما فيه من اتلاف المال اوغش المسلمين والظاهر ان مذهبنا ثبوت انقلاب الحقائق بدليل ما ذكروه فی انقلاب عين النجاسة كانقلاب الخمر خلا والدم مسك ونحو ذلك (رد المحتار ص۳۲ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۶ ذی الحجہ ۸۵ھ

قلی کا مقررہ اجرت سے زیادہ لینا:

سوال: آج کل حکومت نے اسٹیشن کے قلیوں کے لئے اجرت کی شرح مقرر کردی ہے۔ مثلاً ایک من وزن اٹھانے کی اجرت چار آنے ہے، لیکن عموماً قلی اس سے بہت زیادہ طلب کرتے ہیں، ورنہ سامان نہیں اٹھاتے، اس لئے مسافر زیادہ اجرت طے کرنے پر راضی ہو جاتے ہیں، کیا جو اجرت مجبوراً طے کرلی جائے اس سے کم دینا جائز ہے؟ نیز قلی کے لئے زیادہ اجرت لینا جائز ہے؟

بعض اوقات قلی اجرت طے نہیں کرتے، کہتے ہیں کہ جو مرضی ہو دے دینا، لیکن بعد میں حکومت کی طرف سے مقرر شرح سے زیادہ طلب کرتے ہیں، کیا اس صورت میں حکومت کی طرف سے مقرر کردہ شرح سے زیادہ جو قلی کی مطلوب رقم سے کم ہو دینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

قلی پر حکومت سے کئے ہوئے معاہدہ کی پابندی لازم ہے اور اس کے خلاف کرنا گناہ ہے، مگر عموماً قلی اس کی پابندی نہیں کرتے، اس لئے ان سے پیشگی اجرت طے کرنا ضروری ہے اور طے کردہ اجرت پوری دینا ضروری ہے۔

اجرت مقررہ پر مجبور کرنے کے جواز میں اختلاف ہے، کما حررالعلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی بحث التسعیر، اس لئے مجبور کرنا بہتر نہیں، خلاف تقویٰ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸ ر رمضان ۸۷ھ

ٹیکسی ڈرائیور کا میٹر سے زیادہ کرایہ لینا:

سوال: ٹیکسی ڈرائیور سواری سے میٹر کے حساب کے خلاف زیادہ کرایہ وصول کرے تو کیا یہ جائز ہے جبکہ میٹر کے خلاف پیسے دینا قانوناً جرم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ڈرائیور پر حکومت کے ساتھ معاہدہ کی پابندی لازم ہے، اس کے خلاف کرنا گناہ ہے، مگر اس کے باوجود اگر میٹر سے زیادہ اجرت طے کرلی تو یہ اجرت حلال ہے۔

میٹر کو تیز کرکے دھوکے سے زیادہ اجرت لینا جائز نہیں، میٹر کو تیز کرنے کی وجہ سے جتنی اجرت زیادہ حاصل ہوئی ہے وہ حرام ہے، جس کا مالک تک پہنچانا فرض ہے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو مساکین پر صدقہ کرنا فرض ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۸ ر شوال ۸۸ھ

بنک، بیمہ کمپنی اور محکمہ انکم ٹیکس وغیرہ میں ملازمت:

سوال: بنک، بیمہ کمپنی اور محکمہ انکم ٹیکس جس میں سینما، موٹروں اور مکانوں پر ٹیکس کی تشخیص وتحصیل کا کام ہوتا ہے، اسی طرح کسٹم آبکاری جس میں نشہ آور چیزوں کی درآمد

پر ٹیکس وصول کیا جاتا ہے، ان محکموں میں ملازمت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بینک اور بیمہ ربوا ہے اور ٹیکسوں کی تشخیص کا طریق مروج ظلم ہے، ان کے مصارف بھی صحیح نہیں، اس لئے ان میں ملازمت جائز نہیں،

قال الله تعالى: وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان۔

وعن انس رضی الله تعالى عنه قال لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم فی الخمر عشرة عاصرها ومعتصرها وشاربها وحاملها والمحمولة اليه وساقيها وبائعها وآكل ثمنها والمشتري لها والمشتراة له (ترمذی ص۲۴۲ ج۱) والله سبحانه وتعالى اعلم

۳ ذی القعدہ ۸۳ھ

سینما کی ملازمت:

سوال: سینما میں ملازمت کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

سینما میں ملازمت دو وجہ سے حرام ہے۔

(۱) تنخواہ حرام آمدن سے دی جاتی ہے۔

(۲) اگر اس کے ذمہ کوئی ناجائز کام نہ ہو تو بھی تعاون علی الاثم تو ہے ہی جو بنص قرآن "ولا تعاونوا على الاثم والعدوان" حرام ہے، اس لئے اس کی اجرت لینا حرام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۹ ربیع الاول ۸۹ھ

سینما، بینک ودیگر سودی اداروں کی تعمیر کی اجرت:

سوال: سینما، بینک اور بیمہ کمپنی کی عمارات کی تعمیر کرنا کیسا ہے؟ اس تعمیر سے جو اجرت حاصل ہو وہ حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس بارے میں کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا، نہ ہی کوئی ایسا جزئیہ مل سکا جس پر قیاس بلاشبہہ تام ہو، قواعد سے رجحان ادھر معلوم ہوتا ہے کہ اگر عمارت کا نمونہ ایسا ہو کہ اسے

سینما یا بنک وغیرہ کے سوا کسی دوسرے کام میں بسہولت استعمال نہ کیا جاسکتا ہو تو اس کی تعمیر کی اجرت ناجائز ہے ورنہ جائز۔

مندرجہ ذیل دو جزئیات اس کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں:

① قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وجاز تعمیر کنیسۃ وحمل خمر ذمی بنفسہ او دابتہ باجر لا عصرھا لقیام المعصیۃ بعینہ (رد المحتار ص۲۵۱ ج۵)

② وقال العلامۃ السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ: واذا استأجر الذمی من المسلم بیتا لیبیع فیہ الخمر لم یجز لانہ معصیۃ فلا ینعقد العقد علیہ ولا اجر لہ عندھما وعند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ یجوز والشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ یجوز ھذا العقد لان العقد یرد علی منفعۃ البیت ولا یتعین علیہ بیع الخمر فیہ فلہ ان یبیع فیہ شیئا آخر یجوز العقد لھذا ولکنا نقول تصریحہما بالمقصود لا یجوز اعتبار معنی آخر فیہ وما صرحا بہ معصیۃ (مبسوط ص۳۸ ج۱۶)

مگر جزئیہ اولیٰ پر قیاس کرکے قول جواز میں یہ کلام ہے کہ کنیسہ کو کافر استعمال کریگا اور سینما کو مسلمان۔

اور جزئیہ ثانیہ پر قیاس کرکے عدم جواز پر استدلال بھی اس لئے تام نہیں کہ وہاں اپنا گھر معصیت میں استعمال کرنے کے لئے دے رہا ہے اور مسئلہ زیر بحث میں اپنی کوئی چیز معصیت کے لئے نہیں دے رہا بلکہ معصیت کے لئے استعمال ہونے والے مکان کی تعمیر میں کام کر رہا ہے۔ تاہم اس سے رجحان عدم جواز کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۹ ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

کوٹ پتلون سینے کی کمائی:

سوال: ایک شخص کی آمدن صرف پتلون سینے سے ہوتی ہے، کیا اس کی آمدن حلال ہے؟ اگر آمدن کوٹ پتلون، شیروانی اور قمیص وغیرہ سب چیزوں کے سینے سے حاصل ہوتی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پتلون اگر اتنی تنگ ہو کہ اعضاء مستورہ کا حجم نظر آتا ہو تو اس کا پہننا اور سینا حرام ہے لہٰذا اس سے حاصل شدہ آمدن حرام ہوگی اور اگر اتنی چست نہ ہو بلکہ ڈھیلی ہو تو اسکے

پہننے اور سینے کی گنجائش ہے مگر تقوی کے خلاف ہے۔

ہر صورت میں مقدار حرام کا تصدق واجب ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۰ ربیع الاول ۸۹ھ

حکومت کا ضبط کردہ مال خریدنا:

سوال: بیرونی ممالک سے تجار جو خلاف قانون اشیاء منگواتے ہیں، بعض مرتبہ حکومت ان کو ضبط کر لیتی ہے، بعد میں اسے نیلام کرتی ہے اور سستے داموں فروخت کرکے اس سے حاصل شدہ رقم سرکاری خزانہ میں داخل کرتی ہے، حکومت سے ایسا مال خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس مال پر حکومت کا قبضہ ظلم ہے، مالی جرمانہ بہرحال ناجائز ہے۔ اس لئے اگر خریدنے والے کو علم ہو تو اس کے لئے اس کا خریدنا جائز نہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منہ۔

قلت: وکل مال محترم حکمہ حکم مال مسلم۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۳ جمادی الثانیہ ۸۹ھ

کسب میں افراط جائز نہیں:

سوال: آدمی صبح سے رات گئے تک کمانے میں مشغول رہے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دنیا کمانے میں اس قدر منہمک ہوجانا کہ حقوق اللہ وحقوق العباد میں خلل واقع ہونے لگے اور جسمانی ودماغی صحت پر برا اثر پڑنے لگے جائز نہیں۔

قال اللہ تعالی: یا یھا الذین آمنوا لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ، ومن یفعل ذلک فاولئک ھم الخاسرون۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۶ جمادی الآخرۃ ۹۱ھ

جلسہ میں چندہ کرنا :

سوال : مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر لوگوں کو چندہ کی ترغیب دے کر چندہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ جبکہ اکثر و بیشتر لوگ ترغیب و ترہیب کے جوش میں آکر چندہ دیتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر عوام کا اجتماع ہو اور صورت بھی ایسی ہو کہ کوئی شخص بھی چندہ نہ دینے میں ذرا برابر بھی اپنی بے عزتی محسوس نہ کرتا ہو اور طرز بیان میں بھی تملق اور دین و اہل دین کی سبکی نہ ہو تو جائز ہے، ورنہ نہیں۔

اس کی تفصیل رسالہ "الکلام البدیع فی احکام التوزیع" مندرجہ احسن الفتاوی جلد اول میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۸ جمادی الآخرہ ۹۲ھ

غیر ممالک سے سونا چاندی لانا :

سوال : ایک شخص حج پر جا رہے ہیں، دوسرا شخص ان سے کہتا ہے کہ چونکہ وہاں سونے کی قیمت کم ہے، اس لئے آپ ہمارے لئے چار پانچ تولے سونا لے آنا، میں اصل قیمت ادا کر دوں گا تو کیا حاجی کے لئے وہاں سے سونا لانا جائز ہے ؟ اس سے اس کے حج پر تو کوئی اثر نہیں پڑے گا ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

حج تو ہو جائے گا مگر یہ فعل جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں ملک کا نقصان، قانون شکنی اور عزت کو خطرہ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۶ شعبان ۹۲ھ

دودھ میں پانی ملانا :

سوال : دودھ میں پانی ملا کر فروخت کرنا کیسا ہے، جبکہ گاہک کو بتا دیا جائے ؟ اگر جائز ہے تو کیا دودھ جو اللہ تعالی کی پیدا کی ہوئی نعمت ہے اس میں پانی ملانے کا گناہ ہوگا ؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر گاہک کو ملاوٹ کا علم ہو تو فروخت کرنا جائز ہے، اگر دھوکا دینا مقصود نہ ہو تو دودھ میں پانی ملانا کوئی عیب کی بات نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۶ ربیع الثانی ۹۳ھ

اسمگلنگ:

سوال: اسمگلنگ کرنا، اسمگل شدہ مال خریدنا بیچنا اور اس میں مدد کرنا کیسا ہے؟ ان امور میں سے کسی کے مرتکب کے ہاں کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اسمگلنگ میں حکومت کے قانون کی خلاف ورزی، ملک کا نقصان اور عزت کا خطرہ ہے، اس لئے ناجائز ہے، ایسے مال کی خرید وفروخت اور اس میں تعاون کرنا بھی ناجائز ہے مگر اس کے منافع حرام نہیں، لہٰذا اس کے ہاں کھانا کھانے میں کوئی گناہ نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ جمادی الاولیٰ ۹۶ھ

غیر طبیب کو علاج کا پیشہ اختیار کرنا:

سوال: میں تجربہ کی بنیاد پر مریضوں کا علاج کرتا ہوں، ۲۵ سال سے میرا یہی ذریعہ معاش ہے، میں دس افراد کا واحد کفیل ہوں اور میری عمر ۴۸ سال ہے، پریشانی یہ ہے کہ بعض اوقات انجکشن لگانے سے مریض کی حالت بگڑ جاتی ہے، دست لگ جاتے ہیں یا بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے اور کبھی ایک دن کے بعد مریض انتقال کر جاتا ہے، کیا اس کی سزا مجھے ہوگی، میں یہ پیشہ ترک کر دوں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کسی ماہر فن سے علاج کی تعلیم حاصل کئے بغیر علاج کا پیشہ اختیار کرنا جائز نہیں، نیز اس میں حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کا گناہ بھی ہے، آپ قانون کے مطابق امتحان دے کر کمپوڈری یا ہومیو پیتھک کی سند حاصل کرلیں، اس کے بعد یہ پیشہ اختیار کر سکتے ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: بل یمنع مفت ماجن یعلم الحیل

الباطلۃ کتعلیم المردۃ لتبین من زوجھا او لتسقط عنھا الزکاۃ وطبیب جاھل۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ وطبیب جاھل) بأن یسقیہم دواء مھلکا واذا قوی علیہم لا یقدر علی ازالۃ ضررہ زیلعی۔ (ردالمحتار ص۹۳ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۷ رمضان سنہ ۹۸ھ

ناجائز محصول سے بچنے کے لئے رشوت دینا:

سوال: ایک شہر سے دوسرے شہر سامان لے جانے پر حکومت کی طرف سے محصول وصول کیا جاتا ہے۔ اس سے بچنے کی یہ تدبیر اختیار کی جاتی ہے کہ بس کے ڈرائیور یا کنڈیکٹر کو کچھ روپے دیئے جاتے ہیں، وہ معروف اڈے پر سامان اتارنے کی بجائے کسی دوسری جگہ اتارتے ہیں۔ اگر معروف اڈہ پر محصول وصول کرنے والے پوچھ گچھ کریں تو ڈرائیور کسی دوسرے شہر کا نام لے کر کہتا ہے کہ گاڑی وہاں جارہی ہے۔ کبھی تو وہ اس قول میں سچا ہوتا ہے، گاڑی کہیں دوسرے شہر جارہی ہوتی ہے اگرچہ سامان اسی شہر میں اتارنا ہوتا ہے اور کبھی گاڑی کو وہیں تک جانا ہوتا ہے جہاں سامان اتارنا ہوتا ہے۔ ڈرائیور جھوٹ بول کر سامان کو محصول سے بچاتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ صاحب مال ڈرائیور یا کنڈیکٹر کو جو روپے بطور رشوت دیتا ہے، ان کا لینا دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

صاحب مال کے لئے دینا مطلقاً جائز ہے اور ڈرائیور، کنڈیکٹر کے لئے لینا اس شرط سے جائز ہے کہ راستے میں محصول کے علاوہ چوری وغیرہ سے حفاظت بھی ان کے ذمہ ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۴ رجمادی الاولی سنہ ۱۴۰۰ھ

طبیب کی بے اعتنائی سے بچنے کے لئے رشوت دینا:

سوال: بعض اوقات کوئی مریض ہسپتال میں زیر علاج ہوتا ہے، مریض کے رشتہ دار ڈاکٹر یا کمپوڈر کی مراعات حاصل کرنے اور مریض کی دیکھ بھال کے لئے کوئی چیز یا روپے دیتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، ڈاکٹر کی مراعات حاصل کرنے یا بے اعتنائی سے بچنے کے لئے اسے رشوت دینے سے اس کی عادت بگڑے گی جس کے نتیجہ میں پوری قوم ظلم کا شکار ہوگی۔
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۴ر جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۱۰ھ

رشوت کی جائز وناجائز صورتیں:

سوال: آج کل ہر طرف رشوت کا بازار گرم ہے، کئی مواقع ایسے آتے ہیں کہ شریف آدمی بھی رشوت دینے پر مجبور ہو جاتا ہے، جواز وعدم جواز کے مواقع معلوم نہ ہونے کی وجہ سے سخت پریشانی ہوتی ہے اور بسا اوقات خاصہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔
اس لئے کوئی ایسا جامع ضابطہ بیان فرمادیں جسے سامنے رکھ کر ہر موقع کا حکم معلوم ہو جائے تاکہ احکام شرعیہ کی پابندی اور نافرمانی سے احتراز کا اہتمام کیا جا سکے۔
بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

رشوت لینے دینے کی مختلف صورتیں ہیں، ہر ایک کا حکم لکھا جاتا ہے:

(۱) حکومت سے قضاء یا اس جیسا کوئی منصب حاصل کرنے کے لئے۔

(۲) حاکم سے کوئی فیصلہ کروانے کے لئے۔

(۳) اعانت علی الظلم کے لئے۔

ان تینوں صورتوں میں رشوت لینا بھی حرام ہے اور دینا بھی۔

حاکم سے منع حق کا خطرہ ہو تو اس کو دفع ظلم کے لئے رشوت دینا بھی جائز نہیں، اس لئے کہ اس سے حاکم کی عادت بگڑے گی جو پوری قوم پر ظلم کا باعث بنے گی، فھذا داخل فی قاعدۃ "ان الضرر الخاص یتحمل لدفع الضرر العام"

(۴) جس سے ضرر کا اندیشہ ہو اسے رشوت دینا جائز ہے، اس کے لئے لینا حرام ہے۔

(۵) دفع مضرت یا جلب منفعت کے لئے درمیان میں واسطہ بننے والے یعنی صرف سفارش کرنے والے کو رشوت دینا جائز ہے۔ آخذ کے لئے لینا جائز نہیں، البتہ اگر درمیانی واسطہ کے ذمہ کوئی کام لگایا جائے تو اس کے لئے اس کام کی اجرت لینا جائز ہے بشرطیکہ

وہ یہ کام کرنے پر بنفس خود قادر ہو، قدرت بقدرت غیر کا اعتبار نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی الفتح الرشوۃ اربعۃ اقسام منہا ما ھو حرام علی الاخذ والمعطی وھو الرشوۃ علی تقلید القضاء والامارۃ الثانی ارتشاء القاضی لیحکم وھو کذلک ولو القضاء بحق لانہ واجب علیہ الثالث اخذ المال لیسوی امرہ عند السلطان دفعا للضرر او جلبا للنفع وھو حرام علی الاخذ فقط وحیلۃ حلھا ان یستأجرہ یوما الی اللیل او یومین فتصیر منافعہ مملوکۃ ثم یستعملہ فی الذھاب الی السلطان للامر الفلانی وفی الاقضیۃ قسم الھدیۃ وجعل ھذا من اقسامھا فقال حلال من الجانبین کالاھداء للتودد وحرام منھما کالاھداء لیعینہ علی الظلم وحرام علی الاخذ فقط وھو ان یھدی لیکف عنہ الظلم والحیلۃ ان یستأجرہ الخ قال ای فی الاقضیۃ ھذا اذا کان فیہ شرط اما اذا کان بلا شرط لکن یعلم یقینا انہ انما یھدی لیعینہ عند السلطان فمشایخنا علی انہ لا بأس بہ ولو قضی حاجتہ بلا شرط ولا طمع فاھدی الیہ بعد ذلک فھو حلال لا بأس بہ وما نقل عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ من کراھیتہ فورع الرابع ما یدفع من دفع الخوف من المدفوع الیہ علی نفسہ او مالہ حلال للدافع حرام علی الاخذ لان دفع الضرر عن المسلم واجب ولا یجوز اخذ المال لیفعل الواجب اھ ما فی الفتح ملخصا (ردالمحتار ص۳۰۳ ج ۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳۰ جمادی الاولی ۱۴۰۰ھ

مختلف ٹیکسوں کا حکم:

سوال: انکم ٹیکس، ویلتھ ٹیکس، اکٹرائے ٹیکس، سیل ٹیکس، چولہا ٹیکس جو ہر شادی شدہ جوڑے سے وصول کیا جاتا ہے خواہ وہ کھانا خود پکائیں یا پکا ہوا خرید کر کھائیں، شادی ٹیکس ہر نکاح پر، مواشی رکھنے کا ٹیکس جس میں بھیڑ بکری کا ٹیکس گائے بھینس کے ٹیکس سے نصف ہوتا ہے، پیدائشی ٹیکس جو ہر لڑکے کی پیدائش پر وصول کیا جاتا ہے محصول چونگی اور اسی طرح کے دیگر ٹیکسوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نیز ان محکموں میں

ملازمت کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ سب ٹیکس ناجائز ہیں اور ان محکموں میں ملازمت بھی ناجائز ہے، حکومت کو اگر ضرورت ہو تو ٹیکس عائد کرنے کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔

① حکومت کے مصارف کو اسراف و تبذیر سے پاک کیا جائے۔

② اونچے طبقے کے ملازمین کی تنخواہوں کو افراط سے گرا کر اعتدال پر لایا جائے۔

③ ٹیکس ہر شخص پر اس کی حیثیت کے مطابق لگایا جائے، یعنی اس کی آمد و مصارف کو پیش نظر رکھ کر ٹیکس کی شرح تجویز کی جائے۔

مروج ٹیکس اندھے کی لاٹھی یا اندھا دھند کارروائی ہے، انکم ٹیکس کے سوا دوسرے سب ٹیکس تو ظاہر ہے کہ ہر امیر و غریب پر لگائے جاتے ہیں اور انکم ٹیکس میں اگرچہ آمد تو ملحوظ ہوتی ہے مگر اس شخص کے مصارف ملحوظ نہیں رکھے جاتے۔ اسی طرح جائداد ٹیکس ہر صاحب جائداد سے بہر حال لازماً وصول کیا جاتا ہے اگرچہ اس کا ذریعہ آمدن کچھ بھی نہ ہو ٹیکس کی تشخیص کا یہ طریقہ صریح ظلم اور حرام ہے۔

اسی طرح حکومت کے مصارف میں بھی محرمات کی بہتات ہے، مثلاً:

① اقامت حکومت الہیہ و نفاذ آئین اسلام کا دفاع۔

② منکرات، فواحش، عریانی، فحاشی کو فروغ دینا۔

③ لہو و لعب اور مسرفانہ طور و طریق۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۶ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

صراف کے لئے بقدر معروف ملاوٹ جائز ہے:

سوال: صراف چاندی کا زیور بنانے میں جست اور سونے کا زیور بنانے میں تانبا استعمال کرتے ہیں، اس لئے کہ اس کے بغیر زیور ڈھیلا رہتا ہے، لوگ پسند نہیں کرتے، فروخت کرتے وقت صراف لوگوں کو بتا دیتا ہے کہ اس میں میں نے جست اور تانبا استعمال کیا ہے مگر قیمت سونے اور چاندی ہی کی وصول کروں گا، لوگ بخوشی خرید لیتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۹ شعبان سنہ ۱۴۰۰ھ

تفسیر مودودی کی تجارت جائز نہیں:

سوال: زید کتب فروش ہے، دکان پر بازار سے مختلف کتب خرید کر رکھتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ مودودی صاحب کی تفسیر "تفہیم القرآن" کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۶ صفر سنہ ۱۴۰۱ھ

دارالحرب میں سود اور شراب کے اداروں میں ملازمت:

سوال: دارالحرب میں بنک، انشورنس اور کافروں کے دیگر اداروں میں شراب کی دکانوں میں ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بنک، انشورنس اور دوسرے سودی اداروں میں ملازمت ناجائز ہے، اس لئے کہ سود کفار کے لئے بھی حرام ہے۔ ایسے اداروں میں ملازمت کرنا اعانت علی المعصیۃ ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

حرمت اجرت کی دوسری وجہ یہ کہ حرام مال سے ہے۔

شراب کا کاروبار اگر کافر کر رہا ہو تو اس میں مسلمان کے لئے ملازمت کی گنجائش ہے، کیونکہ ان کے ہاں شراب حلال ہے، البتہ شراب کی خرید و فروخت اور کسی کو پینے کے لئے دینا مسلمان کے لئے حلال نہیں، دوسرے کاموں میں بھی کئی دینی خطرات ہیں اس لئے احتراز بہتر ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ الخمر وشاربها وساقیها وبائعها ومتباعها

وعاصرها ومعتصرها وحاملها والمحمولۃ الیہ (سنن ابی داؤد ص۳۶ ج ۲)

قال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ: ومن استأجر حمالاً یحمل لہ الخمر فلہ الاجر فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وعند ابی یوسف ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ لا اجر لہ کذا ذکر فی الجامع الصغیر انہ یطیب لہ الاجر فی قول ابی حنیفۃ وعندہما یکرہ لہما ان ہذہ اجارۃ علی المعصیۃ لان حمل الخمر معصیۃ لکونہ اعانۃ علی المعصیۃ وقد قال اللہ تعالیٰ عز وجل ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان ولہذا لعن اللہ تعالیٰ عشرۃ منہم حاملہا والمحمول الیہ ولابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ان نفس الحمل لیس بمعصیۃ بدلیل ان حملہا للاراقۃ والتخلیل مباح وکذا لیس بسبب للمعصیۃ وہو الشرب لان ذلک یحصل بفعل فاعل مختار ولیس الحمل من ضرورات الشرب فکانت سببا محضا فلا حکم لہ کعصر العنب وقطفہ والحدیث محمول علی الحمل بنیۃ الشرب وبہ نقول ان ذلک معصیۃ ویکرہ اکل اجرتہ (بدائع الصنائع ص۱۹۰ ج ۴)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ

کسٹم کا حکم:

سوال: بیرونی ممالک سے مال درآمد کرنے پر حکومت جو کسٹم لیتی ہے وہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ارباب حکومت کسٹم وصول کرنے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ بیرونی تجارتی کمپنیاں اپنی مصنوعات عموماً بہت ارزاں قیمت پر فروخت کرتی ہیں۔ اگر حکومت کسٹم وصول نہ کرے تو تمام تجار بیرونی کمپنیوں ہی سے مال خریدیں گے، اس طرح اپنے ملک کی مصنوعات کا کوئی بھی خریدار نہیں رہے گا۔ نتیجۃً اپنے ملک کے کارخانے مال بنانا بند کردیں گے، اس سے ملک کا دیوالہ ہوجائے گا۔

ارباب حکومت کی وضاحت مذکورہ کے تحت درج ذیل شرائط سے کسٹم وصول کرنا جائز ہے:

(۱) نہ لینے کی صورت میں اپنے ملک کی مصنوعات کے ضیاع اور معاشی و اقتصادی لحاظ سے ترقی میں نقصان کا یقین ہو۔

(۲) بوقت ضرورت بقدر ضرورت لیا جائے۔

(۳) حکومت مصارف ضروریہ پر اسراف سے خرچ نہ کرے اور غیر ضروری مصارف اور خرافات پر خرچ کرنے سے احتراز کرے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۷ ذی القعدۃ ۱۴۱۶ھ

وکیل بالشراء کا زیادہ قیمت وصول کرنا:

سوال: کمپنی کچھ ملازم اس مقصد کے لئے رکھتی ہے کہ وہ بازار سے سامان خرید کر لایا کریں۔ ملازم سستی اشیاء خرید کر دکاندار سے جعلی بل بنوا کر کمپنی سے زیادہ رقم وصول کرتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ نیز تعمیر مکان کا ٹھیکیدار لوہا وغیرہ کم قیمت میں خرید کر مالک مکان کے حساب میں زیادہ رقم ظاہر کرکے وصول کرتا ہے کیا یہ جائز ہے؟

اگر ملازم یا ٹھیکیدار یہ حیلہ کریں کہ اشیاء اپنے لئے خریدیں اور مہنگی کرکے کمپنی کو فروخت کریں تو اس کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ملازم اور ٹھیکیدار وکیل بالاجرہ ہیں، ان کا کمپنی یا مالک مکان سے اصل قیمت سے زیادہ وصول کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ حیلۂ مذکورہ باطلہ ہے اس لئے کہ وکیل امین ہوتا ہے، اس کا اپنے لئے خریدنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۸ شوال ۱۴۱۷ھ

وکیل کا دکاندار سے کمیشن لینا:

سوال: دکاندار کمپنی کے ملازم سے کہتا ہے کہ اگر آپ کمپنی کا سامان ہم سے خریدیں گے تو ہم آپ کو اتنے فیصد کمیشن دیں گے۔ کیا ملازم کے لئے یہ کمیشن لینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ کمیشن کے نام سے سامان کی قیمت میں رعایت ہے جو کمپنی کا حق ہے، اس لئے ملازم کا اسے اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں، کمپنی کو لوٹانا واجب ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۸ شوال ۱۴۱۷ھ

کھانے پینے کی حلال وحرام اشیاء اور ان کے متعلقات

رشوت خور کا ہدیہ یا دعوت قبول کرنا:

سوال: رشوت کھانے والے سے کوئی چیز ہدیہ میں لینا یا اس کی دعوت قبول کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

اگر حرام مال جدا ممتاز نہ ہو، یعنی خالص حرام یا حلال وحرام مخلوط ہونے کا یقین نہ ہو اور حلال مال زیادہ ہو تو اس سے ہدیہ یا دعوت قبول کرنا جائز ہے۔

اگر حرام زیادہ ہے یا دونوں برابر ہیں یا حرام مال جدا ممتاز ہے تو اسے قبول کرنا جائز نہیں۔

قال فی الھندیۃ اھدی الی رجل شیئا او اضافہ ان کان غالب مالہ من الحلال فلا بأس الا ان یعلم بأنہ حرام فان کان الغالب ھو الحرام فینبغی ان لا یقبل الھدیۃ ولا یأکل الطعام الا ان یخبرہ بأنہ حلال ورثہ او استقرضہ من رجل کذا فی الینابیع۔

وایضا فیھا آکل الربوا وکاسب الحرام اھدی الیہ او اضافہ وغالب مالہ حرام لا یقبل ولا یأکل ما لم یخبرہ ان ذلك المال اصلہ حلال ورثہ او استقرضہ وان کان غالب مالہ حلالا لا بأس بقبول ھدیتہ والاکل منہ کذا فی الملتقط (عالمگیریۃ کتاب الکراھیۃ ج ۴)

وفی الاشباہ فی القاعدۃ الثانیۃ من النوع الثانی: اذا اجتمع عند احد مال حرام وحلال فالعبرۃ للغالب ما لم یتبین (الاشباہ والنظائر ص۱۲۷ ج ۱)

مال مخلوط کا حکم مذکور اس صورت میں ہے کہ خلط متیقن نہ ہو، اگر خلط کا یقین ہو تو بہر حال حرام ہے خواہ حلال غالب ہو یا مغلوب۔

والتفصیل فی رسالۃ "حلال وحرام سے مخلوط مال کا حکم" واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۱ ربیع الآخر ۸۷ھ

حرام مال سے خریدا ہوا طعام بھی حرام ہے:

سوال: حرام طریقہ مثلاً بنک یا انشورنس کی ملازمت یا رشوت یا غصب سے حاصل شدہ مال کے عوض میں خریدا ہوا طعام حرام ہے یا حلال؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر مغصوب چیز عین ہے تو اس کے عوض خریدی ہوئی اشیاء کا استعمال بالاتفاق حرام ہے۔

اگر نقد ہے تو اس میں امام کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول یہ ہے کہ اگر بوقت اشتراء رقم مغصوب کی طرف اشارہ کیا ہو اور پھر ادا بھی اسی سے کیا ہو تو خرید کردہ اشیاء حرام ہوں گی۔ اگر بوقت اشتراء رقم مغصوب کی طرف اشارہ نہ کیا یا اشارہ کیا مگر ثمن اس سے ادا نہیں کیا بلکہ دوسری رقم سے ادا کیا تو ان حالات میں خریدی ہوئی اشیاء میں کوئی کراہت نہیں۔

راجح یہی ہے کہ بہرحال حرام مال سے حاصل کردہ اشیاء حرام ہیں، خواہ اشارہ کیا ہو یا نہ کیا ہو اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: نقل ط عن الحموی عن صدر الاسلام: ان الصحیح لا یحل لہ الاکل ولا الوطء لان فی السبب نوع خبث اھ فلیتأمل (ردالمحتار ص۱۶۵ ج ۵)

قول کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ قرآن و حدیث اور قیاس و عقل کے خلاف معلوم ہوتا ہے، بندہ نے اس کا صحیح محمل تلاش کرنے کی کوشش کی اور بعض دوسرے علماء محققین سے بھی دریافت کیا مگر یہ عقدہ حل نہ ہو سکا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۲ ربیع الآخر ۱۳۹۴ھ

سوال مثل بالا:

سوال: ایک شخص نے مغصوب رقم سے کوئی چیز خریدی تو وہ اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو اب اسے کیا کرنا چاہیے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ چیز حرام ہے، مغصوب رقم کی مقدار مالک کو دے اگر اس کا علم نہ ہو سکے تو کسی مسکین پر صدقہ کردے تو وہ چیز حلال ہو جائے گی۔ اگرچہ اس کی قیمت رقم مغصوب سے زیادہ ہو، البتہ اگر اس چیز کو زائد

نقود میں فروخت کردیا تو یہ ربح بھی واجب الرد ہے، حاصل یہ کہ زیادتی جنس مغصوب سے ہو تو حرام ہے ورنہ حلال۔ عروض مغصوبہ کو ان کی قیمت سے زیادہ نقود میں بیچا تو ربح جنس مضمون سے ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت (قولہ اذا کان متعینا بالاشارۃ) قال الزیلعی فان کان مما یتعین لایحل لہ التناول منہ قبل ضمان القیمۃ و بعدہ یحل الا فیما زاد علی قدر القیمۃ وھو الربح فانہ لایطیب لہ و یتصدق بہ و فی القھستانی و لہ ان یؤدیہ الی المالک و یحل لہ التناول لزوال الخبث (رد المحتار ص۱۳۰ ج ۵)

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وعند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی لایتصدق بشیء منہ کما لو اختلف الجنس ذکرہ الزیلعی فلیحفظ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ کما لو اختلف الجنس) قال الزیلعی وھذا الاختلاف بینھم فیما اذا صار بالتقلب من جنس ما ضمن بان ضمن دراھم مثلا و صار فی یدہ من بدل المضمون دراھم ولو طعام او عروض لایجب علیہ التصدق بالاجماع لان الربح انما یتبین عند اتحاد الجنس وما لم یصر بالتقلب من جنس ما ضمن لایظھر الربح اھ (رد المحتار ص۱۳۱ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۴ ربیع الآخر ۷۶ھ

بازاری پھل، گوشت، دودھ کا حکم:

سوال: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

(۱) جو لوگ آم، امرود اور دوسرے پھلوں کے باغ خریدتے ہیں ان سے تحقیق کرنے پر ثابت ہوا کہ یہ معاملہ اکثر پھل آنے سے پہلے ہوتا ہے لہذا یہ معدوم شیء کی بیع ہوئی جو باطل ہے اور بیع باطل سے مبیع میں جو حرمت وخباثت آتی ہے وہ کبھی زائل نہیں ہوتی، جہاں تک اس پھل کے لینے دینے کا سلسلہ چلے گا سب کے لئے وہ پھل حرام ہوگا۔

علاوہ ازیں درختوں پر پھل چھوڑنے کی شرط فاسد اگرچہ صراحۃً نہ ہو معروف ضرور ہے،

ایسی صورت میں بازار میں جو پھل فروخت ہوتا ہے اس کو بلا تحقیق خرید کر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بعض اہل مشاہدہ نے بتایا کہ کراچی کے مذبح میں ذبح کرنے والے بوقت ذبح "بسم اللہ اللہ اکبر" نہیں پڑھتے، اسی طرح بعض اوقات مردار جانوروں کا گوشت بازار میں لاکر فروخت کر دیتے ہیں، ان حالات میں بازار سے خرید کردہ گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) بعض شیر فروش پاکی ناپاکی کا اہتمام نہیں کرتے، ان کے مکان پر جاکر دودھ خریدنے والوں کا مشاہدہ ہے کہ تھنوں پر اور آس پاس جو پیشاب اور گوبر لگا رہتا ہے اس کو وہ بہت تھوڑے سے پانی سے دھوتے ہیں جس سے نجاست اور زیادہ پھیل جاتی ہے اور اس کے قطرے برتن میں ٹپکتے رہتے ہیں۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دودھ نکالتے وقت جانور پیشاب کر دیتے ہیں اور چھینٹے اڑکر دودھ کے برتن میں پڑجاتے ہیں، یہی دودھ بازاروں میں فروخت ہوتا ہے۔ کیا اس کو خرید کر استعمال میں لانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پہلے دو اصول تحریر کئے جاتے ہیں:

اصل اول: الیقین لا یزول الا بالیقین۔

اصل ثانی: اشیاء میں اصل اباحت ہے، جب تک حرمت کا یقین نہ ہو۔

ان اصول کی روشنی میں فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اشیاء کثیرۃ الاستعمال مثلاً پانی، غلہ، دودھ اور پھل وغیرہ کے استعمال میں وسعت دی ہے۔

نصوص الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ:

(۱) قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ: اذا وقعت نجاسۃ فی بئر دون القدر الکثیر او مات فیھا حیوان دموی وانتفخ او تفسخ ینزح کل مائھا بعد اخراجہ۔

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ تحتہ: قید بالموت لانہ لو اخرج حیا ولیس بنجس العین ولا بہ حدث او خبث لم ینزح شیء۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت (قولہ لیس بنجس العین) ای بخلاف الخنزیر وکذا الکلب علی القول الآخر فانہ ینجس البئر مطلقا وبخلاف المحدث فانہ یندب فیہ نزح اربعین کما یذکرہ و بخلاف ما اذا کان علی الحیوان خبث ای نجاسۃ وعلم بھا فانہ ینجس مطلقا قال فی البحر وقیدنا بالعلم لانھم قالوا فی البقر ونحوہ یخرج حیا لا یجب نزح شیء وان کان الظاھر اشتمال بولھا علی افخاذھا لکن یحتمل طھارتھا بأن سقطت عقب دخولھا ماء کثیرا مع ان الاصل الطھارۃ اھ ومثلہ فی الفتح (رد المحتار ص۱۴۲ ج ۱)

(۲) قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: العبرۃ للطاھر من تراب او ماء اختلطا بہ یفتی۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ العبرۃ للطاھر الخ) ھذا ما علیہ الاکثر فتح وھو قول محمد رحمہ اللہ تعالی والفتوی علیہ بزازیۃ (رد المحتار ص۲۳۴ ج ۱)

(۳) قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: مشی فی حمام ونحوہ لا ینجس مالم یعلم انہ غسالۃ نجس۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ مشی فی حمام ونحوہ) ای کما لو مشی علی الواح مشرعۃ بعد مشی من برجلہ قذر لا یحکم بنجاسۃ رجلہ مالم یعلم انہ وضع رجلہ علی موضعہ للضرورۃ فتح (رد المحتار ص۲۳۴ ج ۱)

(۴) قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وغسل طرف ثوب اوبدن اصابت نجاسۃ محلا منہ ونسی المحل مطھر لہ ان وقع الغسل بغیر تحر ھو المختار

(رد المحتار ص۲۱۸ ج ۱)

(۵) وقال ایضا: کما لو بال حمر خصمھا لتغلیظ بولھا اتفاقا علی نحو حنطۃ تدوسھا فقسم او غسل بعضہ او ذھب بھبۃ او اکل او بیع کما مر حیث یطھر الباقی وکذا الذاھب لاحتمال وقوع النجس فی کل طرف کمسألۃ الثوب۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ لاحتمال الخ) ای انہ یحتمل کل واحد من القسمین اعنی الباقی والذاھب او المغسول ان تکون النجاسۃ فیہ فلم یحکم علی احدھما بعینہ ببقاء النجاسۃ فیہ وتحقیقہ

ان الطهارة كانت ثابتة يقينا لمحل معلوم وهو جميع الثوب مثلا ثم ثبت ضدها وهو النجاسة يقينا لمحل مجهول فاذا غسل بعضه وقع الشك فى بقاء ذلك المجهول وعدمه لتساوى احتمالى البقاء وعدمه فوجب العمل بما كان ثابتا يقينا للمحل المعلوم لان اليقين فى محل معلوم لا يزول بالشك بخلاف اليقين لمحل مجهول وتمام تحقيقه فى شرح منية الكبير.

(رد المحتار ص ۲۱۳ ج ۱)

(٦) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله يعقل التسمية الخ) زاد فى الهداية ويضبط وهما قيد لكل المعطوفات السابقة واللاحقة اذ الاشتراك اصل فى القيود كما تقرر قهستانى فالضمير فيه للذابح المذكور فى قوله وشرط كون الذابح لا للصبى كما وهم واختلف فى معناه ففى العناية قيل يعنى يعقل لفظ التسمية وقيل يعقل ان حل الذبيحة بالتسمية ويقدر على الذبح ويضبط اى يعلم شرائط الذبح من فرى الاوداج والحلقوم اه ونقل ابو السعود عن مناهى الشرنبلالية ان الاول الذى ينبغى العمل به لان التسمية شرط فيشترط حصوله لا تحصيله فلا يتوقف الحل على علم الصبى ان الذبيحة انما تحل بالتسمية اه وهكذا ظهر لى قبل ان اراه مسطورا ويؤيده ما فى الحقائق والبزازية لو ترك التسمية ذاكرا لها غير عالم بشرطيتها فهو فى معنى الناسى اه (رد المحتار ص ۱۸۹ ج ۵)

(٧) قال ايضا تحت (قوله لا تحل ذبيحة غير كتابى) اقول وفى بلاد الدروز كثير من النصارى فاذا جيء بالقريشة او الجبن من بلادهم لا يحكم بعدم الحل مالم يعلموا انها معمولة بانفحة ذبيحة درزى والا فقد تعمل بغير انفحة وقد يذبح الذبيحة نصرانى تأمل وسيأتى عن المصنف آخر كتاب الصيد ان العلم بكون الذابح اهلا للزكاة ليس بشرط (رد المحتار ص ۱۸۹ ج ۵)

(٨) وقال العلامة الحصكفى رحمه الله تعالى: فى الخلاصة من اللقطة قوم اصابوا بعيرا مذبوحا فى طريق البادية ان لم يكن قريبا من الماء ووقع فى قلبه ان صاحبه فعل ذلك اباحة للناس لا بأس بالاخذ والاكل لان الثابت بالدلالة كالثابت بالصريح انتهى فقد اباح اكلها بالشرط المذكور فعلم ان العلم بكون الذابح

اھلا للزکاۃ لیس بشرط قالہ المصنف (ردالمحتار ص۳۶ ج ۵)

نصوص مذکورہ کے تحت جوابات بالترتیب یہ ہیں:

① بازار میں فروخت ہونے والے پھل کھانا جائز ہے، بوجوہ ذیل:

اولاً: اگرچہ کچھ باغ ناجائز طریقے سے فروخت ہوتے ہیں لیکن بہت سے باغ ایسے بھی ہوتے ہیں جو جائز طریقوں سے فروخت ہوتے ہیں۔

ثانیاً: کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اپنے باغ کے پھل خود ہی بازار میں فروخت کرتے ہوں گے۔

ثالثاً: آج کل بہت سے پھل دور دراز کے علاقوں سے بازاروں میں پہنچتے ہیں، کوئٹہ اور پشاور تک کے پھل کراچی میں فروخت ہوتے ہیں، لہذا اگر کسی علاقہ میں بیع باطل کا دستور ہے تو بھی وہاں سے پھل خریدنے کی گنجائش اس بناء پر نکل آئے گی کہ شاید یہ پھل کسی دوسرے علاقہ سے آئے ہوں جہاں بیع صحیح ہوتی ہو۔

حلت کے اتنے احتمالات ہونے کے باوجود ان پھلوں کو حرام کیسے کہا جا سکتا ہے؟

② قصاب کے "بسم اللہ" نہ پڑھنے کا یقین کیسے ہو سکتا ہے؟ شاید آہستہ پڑھی ہو، اگر کسی خاص قصاب کے بارے میں کسی خاص موقع پر کسی کو بسم اللہ نہ پڑھنے کا کسی طرح یقین ہو بھی گیا تو صرف یہ ذبیحہ حرام ہوا، اسی قصاب کے دوسرے ذبائح اور دوسرے قصابوں کے ذبائح پر حکم حرمت لگانا کیسے جائز ہوگا؟

③ یہی حکم دودھ کا بھی ہے، ہاں کسی نے دودھ میں نجاست گرتے ہوئے یا پیشاب کے چھینٹے پڑتے ہوئے دیکھے ہوں تو اس کے لئے وہ دودھ استعمال کرنا حرام ہوگا۔

الحاصل: محض شک کی وجہ سے کوئی چیز حرام نہیں ہوتی۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۵ر صفر ۸۶ھ

کھاتے وقت چپ رہنا:

سوال: کھانا کھاتے وقت خاموش رہنا افضل ہے یا کلام کرنا؟ شامیہ میں سکوت کو مکروہ لکھا ہے۔ آپ کی تحقیق کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

شامیہ میں کراہت سکوت کی علت تشبہ بالمجوس لکھی ہے، مگر تغیر زمان ومکان

کی وجہ سے احکام تشبہ بدلتے رہتے ہیں۔ اس زمانہ میں تشبہ نہیں، لہٰذا کراہت نہ ہوگی، البتہ بہتر یہی ہے کہ جائز تفریحی گفتگو جاری رہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۶ ربیع الاولیٰ ۸۶ھ

کھانے والوں کو ممانعت سلام کی حکمت:

سوال: جب عند الاکل کلام بالمعروف منع نہیں تو سلام علی الاکل کیوں منع ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب کھانے والے کو سلام کیا جائے گا تو اس کی طبیعت میں فوراً جواب دینے کا داعیہ پیدا ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ منہ میں لقمہ ہونے کی وجہ سے وہ اس پر قادر نہ ہو، نیز سلام کرنے والا بھی فوری جواب کا منتظر رہتا ہے، اگر جواب فوراً نہیں دیا گیا تو اس کی طبیعت میں ایک قسم کی ناگواری اور انقباض پیدا ہوگا۔ بخلاف کلام کے کہ سائل اور متکلم نہ تو فوراً جواب کا منتظر رہتا ہے اور نہ مخاطب کی طبیعت میں فوراً جواب دینے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور نہ تاخیر سے جواب پر سائل یا متکلم کو کسی قسم کا انقباض ہوتا ہے۔ فافترقا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۸ ربیع الاولیٰ ۸۶ھ

پان میں چونا اور تمباکو کھانا:

سوال: پان کھانا درست ہے یا نہیں؟ جبکہ اس میں مٹی کی جنس میں سے چونا ہوتا ہے اور نشہ اور تمباکو ہوتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مٹی کی حرمت بوجہ ضرر ہے اور پان میں چونا کھانے میں کوئی ضرر نہیں بلکہ مفید ہے۔

تمباکو مسکر ومفتر نہیں اس سے دماغ میں فتور نہیں آتا بلکہ اس میں حدت ہے، جیسے مرچ زیادہ کھانے سے پریشانی تو ہوتی ہے لیکن نشہ آور نہیں، تمباکو کا کھانا پینے کی بنسبت اخف ہے پینے میں بدبو کی قباحت زائد ہے۔

الحاصل: بغیر تمباکو کے صرف چونے وغیرہ کے ساتھ پان کھانے میں کوئی قباحت نہیں، عند الضرورۃ تباکو کی بھی اجازت ہے بلا ضرورت نہیں کھانا چاہیئے البتہ کسی کو چونا یا تمباکو نقصان دیتا ہو تو اس کیلئے جائز نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: والتتن الذی حدث وکان حدوثہ بدمشق فی سنۃ خمسۃ عشر بعد الالف یدعی شاربہ انہ لایسکر (الی ان قال) قلت فیفہم منہ حکم النبات الذی شاع فی زماننا المسمی بالتتن فتنبہ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت (قولہ والتتن) وللعلامۃ الشیخ علی الاجہوری المالکی رسالۃ فی حلہ نقل فیہا انہ افتی بحلہ من یعتمد علیہ من ائمۃ المذاہب الاربعۃ قلت والف فی حلہ ایضا سیدنا العارف عبدالغنی النابلسی رسالۃ سماھا الصلح بین الاخوان فی اباحۃ شرب الدخان وتعرض لہ فی کثیر من تآلیفہ الحسان واقام الطامۃ الکبری علی القائل بالحرمۃ او بالکراھۃ فانھما حکمان شرعیان لابد لھما من دلیل ولا دلیل علی ذلک فانہ لم یثبت اسکارہ ولا تفتیرہ ولا اضرارہ بل ثبت لہ منافع فھو داخل تحت قاعدۃ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ وان فرض اضرارہ للبعض لایلزم منہ تحریمہ علی کل احد فان العسل یضر باصحاب الصفراء الغالبۃ وربما امرضھم مع انہ شفاء بالنص القطعی الخ

(قولہ فیفہم منہ حکم النبات) وھو الاباحۃ علی المختار او التوقف وفیہ اشارۃ الی عدم تسلیم اسکارہ وتفتیرہ واضرارہ والا لم یصح ادخالہ تحت القاعدۃ المذکورۃ ولذا امر بالتنبہ (رد المحتار ص ۲۹۶ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم ۱۲ محرم ۸۷ھ

جوتا پہن کر کھانا پینا:

سوال: جوتا پہن کر کھانا پینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا وضع الطعام فاخلعوا نعالکم فانہ اروح لاقدامکم (مشکوۃ ص ۳۶۸ ج ۲)

حدیث میں فانہ اروح لاقدامکم کی علت سے معلوم ہوا کہ خلع نعال کا امر صرف شفقت پر مبنی ہے کہ جوتا اتار کر کھانے میں آرام اور سہولت ہے۔

جوتا پہن کر کھانا بھی جائز ہے۔ لیکن آج کل جوتا پہن کر میز کرسی پر کھانا کھانا متکبرین کا شیوہ وشعار بن گیا ہے لہذا اس سے احتراز ضروری ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں اس طرح متواضعانہ بیٹھ کر کھانا کھاتا ہوں

جیسا کہ غلام اپنے مالک کے سامنے بیٹھتا ہے۔ میز کرسی پر کھانے میں شان تواضع ختم ہوجاتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۶ ذی القعدۃ ۸۸ھ

فقیر کو جھوٹا کھانا دینا:

سوال: فقیر کو جھوٹا یا رات کا بچا ہوا کھانا دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جھوٹا یا رات کا باسی کھانا دینا جائز تو ہے مگر عمدہ کھانا دینے کے برابر ثواب نہیں ملے گا۔

قال اللہ تعالی: لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔

قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالی: وفی المراد من قولہ سبحانہ ما تحبون اقوال، فقیل المال وکنی بذلک عنہ لان جمیع الناس یحبونہ، وقیل نفائس الاموال وکرائمها وقیل ما یعم ذلک وغیرہ من سائر الاشیاء التی یحبها الانسان ویهواہ والانفاق علی ھذا مجاز وعلی الاولین حقیقۃ (روح المعانی ص۱۹۶ ج ۱)

وقال ایضا: واستشکلت ھذہ الآیۃ بأن ظاھرھا یستدعی ان الفقیر الذی لم ینفق طول عمرہ مما یحبہ لعدم امکانہ لایکون بارا او لاینالہ بر اللہ تعالی الکامل باھل طاعتہ مع انہ لیس کذلک واجیب بأن الکلام خارج مخرج الحث علی الانفاق وھو مقید بامکان وانما اطلق علی سبیل المبالغۃ فی الترغیب وقیل الاولی ان یکون المراد لن تنالوا البر الکامل الواقع علی اشرف الوجوہ حتی تنفقوا مما تحبون والفقیر الذی لم ینفق طول عمرہ لایبعد القول بأنہ لایکون بارا کاملا ولا ینالہ بر اللہ تعالی الکامل باھل طاعتہ (روح المعانی ص۱۹۶ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۱ شوال ۸۸ھ

حرام چیز پر بسم اللہ کہنا:

سوال: حرام چیز کھاتے وقت بسم اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حرام چیز کھاتے وقت بقصد استخفاف بسم اللہ پڑھنا بالاتفاق کفر ہے اور بدون استخفاف پڑھنے میں اختلاف ہے، صحیح اور راجح یہ ہے کہ کفر نہیں حرام ہے۔

قال العلامۃ الألوسی رحمہ اللہ تعالی: نعم التسمیۃ علی الحرام والمکروہ مما لا ینبغی بل ھی حرام فی الحرام لاکفر علی الصحیح مکروھۃ فی المکروہ وقیل مکروھۃ فیھما ان لم یقصد استخفافا وان قصدہ والعیاذ باللہ تعالی کفر مطلقا (روح المعانی ص۶۳ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

تفصیل تتمہ کتاب الایمان والعقائد میں ہے۔

۹ ربیع الاول ۸۹ھ

سبیل کا پانی کھڑے ہوکر پینا:

سوال: سڑکوں پر لگی ہوئی سبیل یا مسجد میں رکھے ہوئے کولر وغیرہ کا پانی کھڑے ہوکر پینا کیسا ہے؟ ایک عالم دین کہتے ہیں کہ ایسا پانی کھڑے ہوکر پینے کا حکم ہے اور یہ باعث ثواب ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ زعم غلط اور جہالت پر مبنی ہے، کھڑے ہوکر پانی پینے سے احادیث میں منع کیا گیا ہے، سبیل وغیرہ کا کہیں استثناء نہیں، البتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہوکر پانی پینے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ محدثین نے دونوں قسم کی احادیث ذکر فرماکر تطبیق یوں دی ہے کہ احادیث نہی میں کراہت تنزیہیہ مراد ہے اور شرب قائما والی احادیث بیان جواز کے لئے ہیں۔ سبیل اور کولر وغیرہ کے پانی کا بھی یہی حکم ہے۔

البتہ اگر ازدحام کی وجہ سے بیٹھنے کی جگہ نہ ہو یا کیچڑ کی وجہ سے کپڑے خراب ہونے کا اندیشہ ہو یا اس قسم کا اور کوئی عذر ہو تو کھڑے ہوکر پینا بلا کراہت جائز ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۹ ربیع الاول ۸۹ھ

غیر مسلم کا برتن استعمال کرنا:

سوال: ایک کالج کے کمروں میں مسلم وغیر مسلم دونوں قسم کے طلبہ رہتے ہیں،

کھانے پینے کے برتن مشترک استعمال ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں مسلمان طلبہ کو اس قسم کے برتن استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز یورپ کے ہوٹلوں میں کھانا پینا اور برتنوں کو استعمال کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر اس کا ظن غالب ہو کہ غیر مسلم طلبہ ان برتنوں میں کوئی نجس چیز مثلاً خمر وخنزیر بھی ڈالتے رہتے ہیں تو بوقت ضرورت دھو کر استعمال کرنے کی اجازت ہے اور اگر نجس چیز نہ ڈالتے ہوں تو دھوئے بغیر بھی استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

یورپ وغیرہ ہوٹلوں کے برتنوں کا بھی یہی حکم ہے۔

مگر غیر مسلموں کے ساتھ دوستانہ تعلق رکھنا، بلا ضرورت ان کی چیزیں استعمال کرنا یا ان کے ساتھ ایک برتن میں کھانا کھانا غیرت ایمانیہ کے خلاف اور دنیا وآخرت میں تباہی کا باعث ہے، اس لئے حتی المقدور اس سے احتراز لازم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۸ ربیع الاول ۸۹ھ

منکرات کی جگہ دعوت میں جانا:

سوال: جن شادیوں میں گانا بجانا وغیرہ منکرات ہوں ان میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس درجہ میں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر پہلے سے معلوم ہو تو شرکت کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر جانے کے بعد معلوم ہو تو اگر کھانے کی مجلس میں کوئی منکر ہو تو اس مجلس میں شریک ہونا مکروہ تحریمی ہے، اگر اس مجلس میں نہ ہو تو اگر روکنے پر قادر ہو تو روکے ورنہ صبر کرے۔

یہ حکم عام آدمی کا ہے، عالم، مقتدا اور صالح شخص کے لئے شرکت بہر حال مکروہ تحریمی ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالی: دعی الی ولیمة وثمة لعب اوغناء قعد واکل لو المنکر فی المنزل فلو علی المائدة فلا ینبغی ان یقعد بل یخرج معرضا لقوله تعالی فلا تقعد بعد الذکری مع قوم الظالمین

فان قدر علی المنع فعل والا یقدر صبر ان لم یکن ممن یقتدی بہ فان کان مقتدی و لم یقدر علی المنع خرج ولم یقعد لان فیہ شین الدین والمحکی عن الامام کان قبل ان یصیر مقتدی بہ وان علم اولا باللعب لا یحضر اصلا سواء کان ممن یقتدی بہ اولا لان حق الدعوۃ انما یلزمہ بعد الحضور لاقبلہ ابن کمال (رد المحتار ص۲۲۲ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۶ رجب ۹۰ھ

گانے باجے والے ہوٹل میں کھانا کھانا:

سوال: آج کل بازار کے تقریبا تمام ہوٹلوں میں گانا باجا عام ہے، ایک آدمی بازار میں سودا خریدنے یا اور کسی ضرورت سے جاتا ہے، کھانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو کیا ایسے ہوٹل میں کھانا کھانا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کیا ہوٹل والے کو اس منکر سے روکنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر منکرات سے پاک کوئی ہوٹل نہ مل سکتا ہو تو ایسے ہوٹل میں کھانا کھانے کی گنجائش ہے۔

پھر اگر ہوٹل والے سے ماننے کی امید ہو تو اسے اس منکر سے منع کرنا فرض ہے، ماننے کی امید نہ ہو لیکن کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو منع کرنا مستحب ہے اور اگر فتنے کا اندیشہ ہو یا اس سے انکار کرنے اور دین اور اہل دین کا مذاق اڑانے کا اندیشہ ہو تو منع کرنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

غرۃ شعبان ۹۰ھ

پنیر مایہ حلال ہے:

سوال: پنیر مایہ پاک اور حلال ہے یا نجس اور حرام؟ خواہ شتر اعرابی کا ہو یا کسی اور ماکول اللحم جانور کا۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

پنیر مایہ پاک اور حلال ہے خواہ کسی بھی ماکول اللحم مذبوح جانور کا ہو، اس کی حلت ورود نص کی وجہ سے خلاف قیاس ہے، ورنہ معدہ سے نکلنے والی ہر چیز گوبر کے

حکم میں ہے اور چکالی کی طرح نجس ہے۔

اخبرنا ابوبکر بن فورک انبأ عبد اللہ بن جعفر ثنا یونس بن حبیب ثنا ابوداود الطیالسی ثنا شریک عن جابر عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما فتح مکۃ رأی جبنۃ فقال ماھذا قالوا ھذا طعام یصنع بارض العجم قال فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضعوا فیہ السکین واذکروا اسم اللہ وکلوا۔

اخبرنا ابو نصر بن قتادۃ انبأ ابو عمرو بن مطر وابو الحسن السراج قالا انبأ محمد بن یحیی بن سلیمان المروزی ثنا عاصم بن علی ثنا شعبۃ عن ابی اسحاق قال سمعت قرظۃ یحدث عن کثیر بن شھاب قال سألت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ عن الجبن فقال ان الجبن من اللبن واللبأ فکلوا واذکروا اسم اللہ علیہ ولا یغرنکم اعداء اللہ۔

اخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ انبأ علی بن عباس ثنا محمد بن بشار ثنا محمد ابن جعفر ثنا شعبۃ عن قتادۃ عن علی البارقی انہ سئل ابن عمر رضی اللہ عنہما عن الجبن فقال کل ما صنع المسلمون واھل الکتاب (السنن الکبری للبیہقی ص ۶ ج ۱۰)

قال الامام البیہقی رحمہ اللہ تعالی: وھذا لان السخال تذبح فتؤخذ منھا الانفحۃ التی بھا یصلح الجبن فاذا کانت من ذبائح المجوس واھل الاوثان لم یحل وھکذا اذا ماتت السخلۃ فاخذت منھا الانفحۃ لم تحل (السنن الکبری للبیہقی ص ۶ ج ۱۰)

وقال العلامۃ ظفر احمد العثمانی رحمہ اللہ تعالی: اجمعت الامۃ علی جواز اکل الجبن مالم یخالطہ نجاسۃ بأن یوضع فیہ انفحۃ سخلۃ ذبحھا من لا یحل ذکاتہ فھذا ذکرناہ من دلالۃ الاجماع ھو المعتمد فی اباحتہ وقد جمع البیہقی فیہ احادیث کثیرۃ وروی عن عمر وابن مسعود وابن عمر رضی اللہ تعالی عنھم کلوا من الجبن ما صنعہ المسلمون واھل الکتاب قال البیہقی رحمہ اللہ تعالی وھذا التقیید لان الجبن یعمل بانفحۃ السخلۃ المذبوحۃ فاذا کانت من ذبائح المجوس لم یحل وعن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما

انہ سئل عن السمن والجبن فقال سم وکل فقیل ان فیہ میتۃ فقال ان علمت ان فیہ میتۃ فلا تأکل قال البیھقی وکان بعض العلماء لا یسأل عنہ تغلیبا للطھارۃ رویناذلک عن ابن عباس وابن عمر وغیرھما رضی اللہ تعالٰی عنھم وکان بعضھم یسأل عنہ احتیاطا رویناہ عن ابی مسعود الانصاری وعن الحسن البصری رحمھما اللہ تعالٰی قال کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسألون عن الجبن ولا یسألون عن السمن اھ من شرح المھذب (ص۶۹ ج ۹) (اعلاء السنن ص۱۲۲ ج ۱۷) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

۱۷ ربیع الاول ۹۳ھ

غیر مسلم ممالک سے آنے والا پنیر مایہ:

سوال: بیرونی ممالک سے جو پنیر مایہ آتا ہے وہ حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

پنیر مایہ غیر انفحہ سے بھی بنایا جاتا ہے، اس لئے جب تک بیرونی ممالک کے پنیر مایہ کا انفحہ سے بننے کا یقین نہ ہو حلال ہے معہذا احتیاط اولیٰ ہے۔

اگر انفحہ سے بننے کا یقین ہو تو حرام ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالٰی تحت (قولہ لا تحل ذبیحۃ غیر کتابی) اقول وفی بلاد الدروز کثیر من النصاری فاذا جیئ بالقریشۃ او الجبن من بلادھم لا یحکم بعدم الحل مالم یعلم انھا معمولۃ بانفحۃ ذبیحۃ درزی والا فقد تعمل بغیر انفحۃ وقد یذبح الذبیحۃ نصرانی تأمل وسیأتی عن المصنف اٰخر کتاب الصید ان العلم بکون الذابح اھلا للذکوۃ لیس بشرط (ردالمحتار ص۱۸۹ ج ۵)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالٰی: لکن فی الخلاصۃ من اللقطۃ قوم اصابوا بعیرا مذبوحا فی طریق البادیۃ ان لم یکن قریبا من الماء ووقع فی القلب ان صاحبہ فعل ذلک اباحۃ للناس لا بأس بالاخذ والاکل لان الثابت بالدلالۃ کالثابت بالصریح انتھی فقد اباح اکلھا

بالشرط المذکور فعلم ان العلم بکون الذابح اھلا للذکوۃ لیس بشرط
(رد المحتار ص ۳۰۲ ج ۵)

نصوص مذکورہ سے مطلقاً حلت معلوم ہوتی ہے مگر اس زمانہ کے اہل کتاب کا ذبیحہ حلال نہیں۔ (ذبیحۂ اہل کتاب کی تفصیل جلد سابع میں ہے) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۷ ربیع الاول سنہ ۹۳ھ

صابن والا دودھ پینا:

سوال: دودھ میں صابن گرجائے تو دودھ کی حلت پر کوئی اثر پڑے گا؟ خواہ دودھ گرم ہو یا ٹھنڈا، خواہ صابن فوراً نکال دیا گیا ہو یا کچھ دیر اس میں رہا ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بہرحال دودھ حلال ہے، البتہ صابن سے نقصان کا ظن غالب ہو تو حرام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۳ ربیع الآخر سنہ ۹۳ھ

حرام مال سے لگائے ہوئے نلکے سے پانی پینا:

سوال: کسی نے شراب دجوا کی رقم سے پانی کا نل لگوایا تاکہ اہل محلہ پانی استعمال کریں تو اس پانی کا پینا اور استعمال کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسے نل سے پانی بھرنے کا گناہ ہوگا، البتہ پانی پینا اور استعمال کرنا جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۲ جمادی الاولی سنہ ۹۳ھ

ناپاک پانی سے سینچی ہوئی سبزی حلال ہے:

سوال: ناپاک پانی سے اگنے والی سبزی مثلاً پالک، دھنیا وغیرہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ناپاک پانی سے اگنے والی سبزی کا کھانا جائز ہے لیکن ناپاک پانی اگر اس پر لگا ہوا ہو

اور خشک نہ ہوا ہو تو یہ سبزی ناپاک ہے، اسلئے اسے اچھی طرح دھو کر استعمال کرنا چاہیئے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت (قولہ لان لحمہ لایتغیر) (فرع) فی ابی السعود الزروع المسقیۃ بالنجاسات لا تحرم ولا تکرہ عند اکثر الفقہاء رحمہم اللہ تعالی (رد المحتار ص۲۱۷ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۰ جمادی الآخرۃ سنہ ۹۳ھ

ناپاک پانی پینے والے جانور کا دودھ حلال ہے:

سوال:- ایک کنویں میں بلی گر گئی اور مر کر سڑ گئی۔ اس کنویں کا پانی بھیڑوں کو پلایا گیا، پھر ان بھیڑوں سے گھی اور پنیر نکالا گیا، اب یہ گھی اور پنیر پاک ہے یا ناپاک؟ اگر ناپاک ہے تو کیسے پاک کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

گھی اور پنیر پاک ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۲ محرم سنہ ۹۵ھ

میزبان کے ہاں کھانے کے بعد دیر تک بیٹھے رہنا:

سوال: زید کا کہنا ہے کہ میزبان کے گھر کھانے کے بعد دیر تک بیٹھ کر گفتگو میں مشغول رہنا جائز نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کھانے کے بعد میزبان کے گھر دیر تک بیٹھے رہنا جائز نہیں، اس سے میزبان کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ مروت کی وجہ سے جانے کے لئے کہنے میں حجاب محسوس کرتا ہے۔

ہاں اگر کسی اہم کام کے لئے دیر تک بیٹھنے کی ضرورت ہو یا میزبان کے ساتھ ایسا خصوصی تعلق ہو کہ اس کی ایذاء کا باعث نہ ہو تو دیر تک بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالی تحت قولہ تعالی فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستأنسین لحدیث ط ان ذلکم کان یؤذی النبی فیستحیی منکم: ای فاذا اکلتم الطعام فتفرقوا ولا تلبثوا والفاء للتعقیب بلا مہلۃ للدلالۃ علی انہ ینبغی ان یکون دخولہم بعد الاذن والدعوۃ علی وجہ یعقبہ الشروع فی الاکل بلا فصل والآیۃ علی ما ذہب الیہ الجل من المفسرین

خطاب لقوم کانوا یتحینون طعام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیدخلون ویقعدون منتظرین لادراکہ مخصوصۃ بھم وبامثالھم ممن یفعل مثل فعلھم فی المستقبل فالنھی مخصوص بمن دخل بغیر دعوۃ وجلس منتظرا للطعام من غیر حاجۃ فلا تفید النھی عن الدخول باذن لغیر طعام ولا عن الجلوس واللبث بعد الطعام لمھم اٰخر ولو اعتبر الخطاب عاما لکان الدخول واللبث المذکور ان منھیان عنھما ولا قائل بہ (روح المعانی ص۶۵ ج ۸)
واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۵ ربیع الاول ۹۵ھ

اسٹیل کے برتنوں میں کھانا پینا:

سوال: آج کل اسٹیل کے برتنوں کا عام رواج ہوگیا ہے، ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ لوہا ہے، اس میں کھانا پینا مکروہ ہونا چاہئے، جناب کی تحقیق کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

لوہے اور اسٹیل کے برتنوں میں کھانا پینا بلاکراہت جائز ہے۔ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی نے تانبے اور پیتل کے برتنوں میں کھانے کی کراہت تحریر فرمائی ہے اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کا زنگ کھانے میں شامل ہوجاتا ہے جو صحت کے لئے مضر ہے، اس لئے قلعی کرنے کے بعد استعمال جائز ہے۔ اسٹیل کے برتن تو صحت کے لئے مفید ہیں، ان میں کراہت کی کوئی وجہ نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: ویکرہ الاکل فی نحاس اوصفر والافضل الخزف۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: ثم قید النحاس بالغیر المطلی بالرصاص وھکذا قال بعض من کتب علی ھذا الکتاب ای قیل طلیہ بالقزدیر والشب لانہ یدخل الصدأ فی الطعام فیورث ضررا عظیما واما بعدہ فلا اھ

وقال بعدا سطر: وفی الجوھرۃ واما الاٰنیۃ من غیر الفضۃ والذھب

فلا بأس بالاکل والشرب فیھا والانتفاع بھا کالحدید والصفر والنحاس والرصاص والخشب والطین اھ فتنبہ (ردالمحتار ص۲۱۶ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۸ ذی القعدۃ ۹۸ھ

میز کرسی پر کھانا:

سوال: میز کرسی پر کھانا کھانا کیسا ہے؟ اس کا عوام وخواص میں عام رواج ہے، کیا یہ تشبہ بالکفار یا تشبہ بالفساق میں داخل ہو کر ممنوع ہے یا عام رواج ہو جانے کی وجہ سے یہ تشبہ میں داخل نہیں رہا، اس لئے جائز ہے؟ اگر تشبہ میں داخل ہے تو اپنے قریبی رشتہ داروں یا بعض دیندار لوگوں کے ہاں دعوت کے موقع پر کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

اگر کفار و فساق یا متکبرین کے ساتھ تشبہ کی نیت ہو تو میز کرسی پر کھانا ناجائز ہے اور تشبہ کی نیت نہ ہو تو بھی خلاف سنت تو بہرحال ہے، اس لئے اس سے احتراز لازم ہے، البتہ کہیں ابتلاء ہو جائے تو کھانے کی گنجائش ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غرۃ ذی الحجۃ ۹۸ھ

خاک شفا کھانا جائز نہیں:

سوال: حاجی لوگ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے مٹی کی ٹکیہ لاکر تقسیم کرتے ہیں، بعض عورتیں اس کو بابرکت سمجھ کر شفاء حاصل کرنے کے لئے کھاتی ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

مٹی کا کھانا جائز نہیں، ہاں اتنی کم مقدار جو صحت کے لئے مضر نہ ہو جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳۰ ذی الحجۃ ۹۸ھ

یتیم کے ساتھ مشترک مال سے مہمان کو کھلانا:

سوال: ایک گھر میں یتیم بھی رہتے ہیں، تمام جائداد مشترک ہے، اس گھر سے مہمان کو کھانا کھلانا اور مہمان کا کھانا کھانا، اسی طرح کسی مسکین کو کھانا دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یتیموں کے ساتھ مشترک مال سے مہمان کو کھانا کھلانا اور مسکین کو دینا جائز نہیں، مہمان اور مسکین کے لئے کھانا حرام ہے۔

یتیموں کے مصارف کا صحیح حساب رکھنا فرض ہے، مہمان نوازی وغیرہ بالغ شرکاء اپنے پاس سے کریں۔

البتہ اگر بالغ شرکاء الگ سے بھی کماتے ہوں اور اپنی کمائی کو مشترک کھاتے میں جمع کردیتے ہوں، اور نجی کمائی اتنی زیادہ ہو کہ مشترک کھاتے سے مہمان نوازی کے مصارف ادا کرنے کی صورت میں یتامیٰ کی حق تلفی نہ ہونے کا یقین ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

قال الامام القرطبی رحمہ اللہ تعالی: السادسۃ: قولہ تعالی و ان تخالطوھم فاخوانکم ھذہ المخالطۃ کخلط المثل بالمثل کالتمر بالتمر وقال ابو عبید: مخالطۃ الیتامی ان یکون لاحدھم المال ویشق علی کافلہ ان یفرد طعامہ عنہ ولایجد بدا من خلطہ بعیالہ فیأخذ من مال الیتیم مایری انہ کافیہ بالتحری فیجعلہ مع نفقۃ اھلہ وھذا قد یقع فیہ الزیادۃ والنقصان فجاءت ھذہ الآیۃ الناسخۃ بالرخصۃ فیہ (الجامع لاحکام القرآن ج۳ ص۶۵)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۹ رمضان سنہ ۹۹ھ

شیعہ کے ہاں کھانا:

سوال: شیعہ کے گھر جانا پڑے تو ان کے گھر سے کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ گوشت اور دوسری چیزوں میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

شیعہ زندیق ہیں، لہذا ان سے کسی قسم کا تعلق جائز نہیں، ان کے گھر سے کوئی چیز کھانا

غیرت ایمانیہ کے خلاف اور ناجائز ہے۔ البتہ بوقت ضرورتِ شدیدہ گنجائش ہے۔
مگر گوشت کے بارے میں چونکہ کچھ تفصیل ہے، اس لئے اس سے احتراز واجب ہے۔
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ ذی القعدۃ ۹۹ھ

کافر کی دعوت قبول کرنا:

سوال: کافر کی دعوت قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جو کافر زندیق نہ ہو یعنی خود کو مسلمان نہ کہتا ہو اس کے گھر کا کھانا جائز ہے، بشرطیکہ اس کی آمدن اسلام یا اس کے اپنے مذہب کی رو سے حلال ہو ورنہ نہیں۔
البتہ اس کا ذبیحہ بہر حال حرام اور مردار ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۵ ذی الحجہ ۹۹ھ

نائی کی دعوت قبول کرنا:

سوال: نائی کی دعوت قبول کرنا کیسا ہے؟ جبکہ وہ نمازی ومتقی ہو؟
بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر نائی ڈاڑھی مونڈنے، کاٹنے اور خلاف شرع بال بنانے کا کام بھی کرتا ہو تو اس کی دعوت کھانے کے جواز کی تین شرائط ہیں:

(۱) حرام آمدن کے حلال آمدن سے کم ہونے کا یقین ہو۔
(۲) دعوت کا مال خالص حرام سے ہونے کا یقین نہ ہو۔
(۳) حرام وحلال سے مخلوط ہونے کا یقین نہ ہو۔

ان امور ثلاثہ میں اشتباہ کی صورت میں دعوت کھانا جائز ہے مگر احتراز بہتر ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غرۃ ذی الحجہ ۹۹ھ

دانتوں سے نکلا ہوا روٹی کا ٹکڑا نگلنا:

سوال: کھانا کھاتے ہوئے بعض اوقات کچھ ذرات دانتوں میں اٹکے رہ جاتے

ہیں، یہ ذرات کبھی تو زبان کی نوک کے ذریعہ اور کبھی خلال کے ذریعہ نکل آتے ہیں، ان کا نگلنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں صورتوں میں نگلنا جائز ہے، مگر خلال سے نکالنے کی صورت میں نگلنا نظافت کے خلاف ہے، نیز خلال سے خون نکلنے اور غذا کے ذرہ کے ساتھ اختلاط کا اندیشہ ہے، اس لئے بہتر ہے کہ نہ نگلا جائے۔

عن ابی هریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث: من اکل فما تخلل فلیلفظ وما لاک بلسانہ فلیبتلع من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج (مشکوۃ ص۴۳ ج ۱)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۰ محرم سنہ ۱۴۰۰ھ

بانجھ بکری کا دودھ:

سوال: ایک بکری بدون ملاقات فحل وبدون ولادت ایسے ہی دودھ دینے لگی، یہ دودھ حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حلال ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۳ محرم سنہ ۱۴۰۰ھ

حرام سوختہ سے پکا ہوا کھانا:

سوال: ہوسٹل میں ہیٹر کے ذریعہ ناشتہ وغیرہ تیار کیا جاتا ہے جو قانوناً ممنوع ہے، اسی طرح سردیوں میں اس سے کمرا گرم کیا جاتا ہے، ہوسٹل میں سوائے چند دیندار ساتھیوں کے سو فیصد طلبہ ہیٹر استعمال کرتے ہیں، کیا ہیٹر کا استعمال جائز ہے اور اس سے پکا ہوا کھانا حلال ہے؟ اگر ہم کسی ساتھی کے کمرے میں جائیں اور وہ ہیٹر سے چائے تیار کرکے پیش کرے تو اس کا پینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر کمرے کے دوسرے ساتھی ہیٹر سے کمرا گرم کرنے پر مصر ہوں تو مجھے کیا کرنا چاہئے؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

خلاف قانون ہیٹر کا استعمال حرام ہے، اس سے پکی ہوئی چیز اگرچہ حرام نہیں، مگر اس سے احتراز لازم ہے، دوسرے ساتھی کے ہاں بھی چاہئے نہ پی جائے۔
کمرا گرم کرنا بھی جائز نہیں، دوسرے ساتھی منع کرنے پر بھی باز نہ آئیں تو آپ پر کوئی گناہ نہیں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

ملتانی مٹی کھانا:

سوال: بعض حاملہ عورتیں ملتانی مٹی بھون کر یا کچی کھاتی ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ جن سے معلوم کیا کہ کیوں کھاتی ہو تو کہنے لگی کہ حمل کے زمانے میں اچھی لگتی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

مٹی کی حرمت بسبب ضرر ہے۔ اگر کوئی مستند طبیب کہدے یا تجربہ سے ثابت ہوجائے کہ اس کی خاص مقدار میں ضرر نہیں تو اتنی مقدار کھانا جائز ہے اس سے زیادہ نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۰ھ

خون ملا ہوا دودھ بچے کو پلانا حرام ہے:

سوال: ایک عورت کے پستان سے دودھ کے ساتھ خون بھی آتا ہے، جبکہ بچے کی رضاعت ابھی باقی ہے، کیا اس عورت کے لئے بچے کو دودھ پلانا جائز ہے؟ اس سے متعلق اگر کوئی جزئیہ کتب فقہ میں مل جائے تو ضرور تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

اس کے لئے جزئیہ صریحہ کی ضرورت نہیں، خون کی حرمت منصوص ہے، لہذا دودھ میں خون کا رنگ نظر آئے تو حرام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۹ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۰ھ

فارمی مرغیوں کی خوراک اور گوشت کا حکم:

سوال: پولٹری فارم والے مختلف قسم کے مردار جانوروں کا خون اور دوسرے

بعض اعضاء ملا کر مرغیوں کی غذا تیار کر کے ان کو کھلاتے ہیں، اس قسم کی خوراک مرغیوں کو کھلانا، اس خوراک کی خرید و فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس خوراک سے پلی ہوئی مرغیوں کا گوشت حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی غذا کی خرید و فروخت اور مرغیوں کو کھلانا جائز نہیں، البتہ ایسی مرغیاں حلال ہیں، گوشت کی حرمت کے لئے شرط یہ ہے کہ نجس غذا کی وجہ سے گوشت میں بدبو پیدا ہو جائے، جس کا مفقود ہونا یہاں مشاہد ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت (قولہ وکرہ لحم الجلالۃ التی تأکل العذرۃ) ای فقط حتی انتن لحمہا قال فی شرح الوہبانیۃ وفی المنتقی الجلالۃ المکروہۃ التی اذا قربت وجدت منہا رائحۃ فلا تؤکل ولا یشرب لبنہا ولا یعمل علیہا وتلک حالہا ویکرہ بیعہا وھبتہا وتلک حالہا وذکر البقالی ان عرقہا نجس اھ وقدمناہ فی الذبائح (ردالمحتار ص۲۱۹ ج ۵)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وتحبس الجلالۃ حتی یذھب نتن لحمہا وقدر بثلاثۃ ایام لدجاجۃ واربعۃ لشاۃ وعشرۃ لابل وبقر علی الاظہر ولو اکلت النجاسۃ وغیرہا بحیث لم ینتن لحمہا حلت کما حل اکل جدی غذی بلبن خنزیر لان لحمہ لا یتغیر وما غذی بہ یصیر مستہلکا لا یبقی لہ اثر۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ حلت) وعن ھذا قالوا لا بأس بأکل الدجاج لانہ یخلط ولا یتغیر لحمہ وروی انہ علیہ الصلوۃ والسلام کان یأکل الدجاج وما روی ان الدجاجۃ تحبس ثلاثۃ ایام ثم تذبح فذلک علی سبیل التنزہ زیلعی (ردالمحتار ص۲۱۷ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۰ ذی القعدۃ سنہ ۱۴۰۰ھ

بیوی کا دودھ حرام ہے:

سوال: شوہر بیوی کا دودھ پی سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

حرام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

یوم عرفہ سنہ ۱۴۰۰ھ

ٹوٹے ہوئے پیالے سے پینا:

سوال: پیالے کا کنارا اگر ٹوٹ جائے تو اس سے چائے یا پانی وغیرہ پینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

پیالے کی ٹوٹی ہوئی جگہ پر منہ لگا کر پینا مکروہ ہے، وجوہ کراہت یہ ہیں:

(۱) پانی گرنے کا اندیشہ ہے۔

(۲) منہ میں چبھنے کا خطرہ ہے۔

(۳) اس مقام پر میل وغیرہ جما ہوا ہوتا ہے۔

لوٹے کی ٹونٹی سے پینے میں کراہت اسی وجہ سے ہے، ٹونٹی سے پینے میں کراہت کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ شاید اس میں کوئی تنکا یا کیڑا وغیرہ ہو۔

(۴) یہ طبع سلیم کے خلاف ہے۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الشرب من ثلمۃ القدح وان ینفخ فی الشراب۔ (سنن ابی داؤد ص ۱۶۳ ج ۲)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کرہ ان یشرب الرجل من کسر القدح او یتوضأ منہ (مصنف عبد الرزاق ص ۴۲۸ ج ۱۰) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غرۃ محرم سنہ ۱۴۰۳ھ

مردار کی ہڈی کا گودا ناپاک ہے:

سوال: میتہ کی ہڈی کے اندر جو گودا اور مغز ہے، یہ پاک ہے یا ناپاک؟ اگر ناپاک ہے تو نجاست کی وجہ کیا ہے؟ ہڈی تو دونوں طرف سے بند ہے اس میں حلول نجاست ناممکن، اگر حلال طعام میں میتہ کی ہڈی یا اس کا گودا ڈالا جائے تو اس کا کھانا حلال ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ہڈی کے اندر کا گودا بھی خوراک کے تغذیہ سے پیدا ہوتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ خوراک وغیرہ کا اثر ہڈی کے اندر بھی پہنچتا ہے، جس طرح بھی پہنچانے کا قدرت نے انتظام کیا ہو، جب خوراک کے اثر سے ہڈی کا گودا پیدا ہوتا ہے تو یہ بھی نجس ہوگا۔

ہڈی پاک ہے، مگر میتہ کی جو چیزیں طاہر ہیں ان کا کھانا جائز نہیں، اگر ہڈی کے اوپر یا اندر کسی قسم کی رطوبت کا کوئی اثر ہو تو کھانے میں ایسی ہڈی ڈالنے سے کھانا حرام ہو جائے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۲ رجب سنہ ۱۴۰۳ھ

جیلی کی تحقیق:

سوال: ڈبل روٹی پر جیلی لگا کر کھاتے ہیں، بعض لوگ اس کو نا جائز کہتے ہیں کیونکہ یہ جانور کی کھال اور ہڈی سے بنتی ہے۔ آپ کی تحقیق کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اولاً جیلی کا ہڈی اور کھال سے بنایا جانا ضروری نہیں، درختوں کے پتوں وغیرہ سے بھی بنائی جاتی ہے۔

ثانیاً اگر کھال وغیرہ سے بنائی گئی ہو تو یہ ضروری نہیں کہ وہ کھال مردار ہی کی ہو، حلال ذبیحہ کی کھالیں غالب ہیں۔

ثالثاً جیلی کی صنعت میں تبدیل ماہیت کا احتمال بھی ہے، اس صورت میں حرام جانور کی کھال سے بنی ہوئی جیلی بھی حلال ہے۔

زیادہ تجسس اور کھود کرید کرنا اور احتمالات واوہام کی بنا پر احتراز کرنا دین میں تعمق وغلو ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے اور بلا دلیل شرعی حرمت کا حکم لگانا دین میں زیادتی اور تحریف ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۶ صفر سنہ ۱۴۰۵ھ

چائے میں مکھی گرنا:

سوال: گرم چائے میں مکھی گر جائے تو اس کو غوطہ دے کر چائے پینا حلال ہے یا حرام؟ البحر کے مندرجہ ذیل جزئیہ سے حلت معلوم ہوتی ہے:

ومعنی امقلوہ اغمسوہ وجہ الاستدلال بہ ان الطعام قد یکون حارا فیموت بالغمس فیہ فلوکان یفسدہ لما امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیکون شفاء لنا اذا اکلناہ (البحر الرائق ص۸۳ ج۱)

جواب محقق سے نوازیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مکھی دوسرے حشرات الارض کی طرح حرام ہے، اگر کھانے پینے کی کوئی چیز اتنی گرم ہو کہ مکھی کے اجزاء اس میں حل ہو جانے یا اس کا عرق شامل ہو جانے کا ظن غالب ہو جائے تو حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریح کے مطابق اس کا استعمال حرام ہوگا۔

جزئیہ بحر اس صورت پر محمول ہے کہ مکھی کے اجزاء یا عرق کے اختلاط کا ظن غالب نہ ہو۔ چونکہ حشرات الارض کی حرمت کی اصل علت استخباث ہے اور یہ قلیل مقدار میں پائی جاتی ہے، طعام و شراب کثیر مقدار میں ہو تو یہ علت نہیں پائی جاتی، لہذا بڑی دیگ میں مکھی گر جائے تو اس کا استعمال جائز ہے۔

قال الامام ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ: روی عن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اذا تفتت الضفدع فی الماء کرھت شربہ لا للنجاسۃ بل لحرمۃ لحمہ وقد صارت اجزاؤہ فیہ وھذا تصریح بأن کراھۃ شربہ تحریمیۃ وبہ صرح فی التجنیس فقال یحرم شربہ (فتح القدیر ص۵۸ ج۱)

وکذا قال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ (البحر الرائق ص۸۹ ج۱)

وقال ایضا: واعلم ان کل مالا یفسد الماء لا یفسد غیر الماء وھو الاصح کذا فی المحیط والتحفۃ والاشبہ بالفقہ کذا فی البدائع لکن یحرم اکل ھذہ الحیوانات المذکورۃ ما عدا السمک الغیر الطافی لفساد الغذاء وخبثہ متفسخا اوغیرہ وقد قدمناہ عن التجنیس (البحر الرائق ص۹۰ ج۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۹ صفر سنہ ۱۴۱۲ھ

کیڑا لگا ہوا پھل یا اناج کھانا:

سوال: جس پھل میں کیڑا لگا ہو اس کا کھانا کیسا ہے؟ "نفع المفتی والسائل" سے بغرض تصدیق ایک استفسار و استبشار پیش خدمت ہے:

الاستفسار: هل یحل اکله الدود التی تکون فی التفاح وغیرہ معہ؟
الاستبشار: نعم لتعسر الاحتراز منه واما اذا افردت واکلت فحکمها حکم الذباب کذا فی مطالب المؤمنین (نفع المفتی والسائل ص۱۱۱) بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

کیڑا نکال کر پھل کھانا حلال ہے۔ نفع المفتی والسائل کا جواب صحیح نہیں۔
قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: ولا بأس بدود الزنبور قبل ان ینفخ فیہ الروح لان مالاروح له لا یسمی میتۃ خانیۃ وغیرھا قال ط ویؤخذ منہ ان اکل الجبن او الخل او الثمار کالنبق بدودہ لا یجوز ان نفخ فیہ الروح۔ (رد المحتار ص۱۹۴ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔
۱۰ ذی القعدۃ ۱۴۱۴ھ

مسلمان کا مملوک گوشت کافر کے قبضہ میں جانے سے حرام نہیں ہوتا:

سوال: مندرجہ ذیل سوالات کا حل مطلوب ہے:
(۱) کافر نے مسلمان کو خبر دی کہ اس نے یہ گوشت مسلمان سے خریدا ہے یا مسلمان نے اس کو ہدیہ دیا ہے تو کیا اس کی خبر کو معتبر قرار دے کر وہ گوشت حلال سمجھ کر کھانا جائز ہے؟
(۲) مسلمان کا مملوک گوشت کچھ وقت ایسی حالت میں کافر کے قبضہ میں رہا کہ کوئی مسلمان اس کے پاس نہیں تھا تو کیا اس طرح کافر کے قبضہ میں رہنے سے گوشت حرام ہو جاتا ہے؟ بعض لوگ اس کو حرام سمجھتے ہیں، کیا مسئلہ ایسے ہی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

دونوں صورتوں میں گوشت حلال اور اس کا استعمال جائز ہے۔
قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: ویقبل قول کافر ولو مجوسیا قال اشتریت اللحم من کتابی فیحل او قال اشتریته من مجوسی فیحرم ولا یردہ بقول الواحد واصله ان خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لا فی الدیانات وعلیه یحمل قول الکنز ویقبل قول الکافر فی الحل والحرمۃ یعنی الحاصلین فی ضمن المعاملات لا مطلق الحل والحرمۃ کما توھمه الزیلعی۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ واصلہ الخ) ای اصل ما ذکر من ثبوت الحل والحرمۃ وھو یشیر الی سؤال وجوابہ المذکورین فی النھایۃ وغیرھا حاصل السؤال ان ھذہ المسألۃ مناقضۃ لقولہ الاٰتی وشرط العدالۃ فی الدیانات فان من الدیانات الحل والحرمۃ کما اذا اخبر بأن ھذا حلال اوحرام وقد شرط فیھا العدل والمراد بہ المسلم المرضی وھنا قولہ شریتہ من کتابی الخ معناہ انہ حلال اوحرام وقد قبل فیہ خبر الکافر ولو مجوسیا والجواب ان قولہ شریتہ من المعاملات وثبوت الحل والحرمۃ فیہ ضمنی فلما قبل قولہ فی الشراء ثبت ما فی ضمنہ بخلاف ما یأتی وکم من شیء یثبت ضمنا لا قصدا کوقف المنقول وبیع الشرب وبہ یتضح الجواب من الکنز (رد المحتار ص۲۲۳ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۸ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ

کافر کے ہاں جواز اکل لحم کا حیلہ:

سوال: کافر نے جانور خرید کر کسی مسلمان سے ذبح کرایا، اس کے گوشت سے مسلمانوں کی دعوت کرنا چاہتا ہے، لیکن اس کے لئے یہ بات انتہائی مشکل ہے کہ ذبح کے وقت سے کھلانے کے وقت تک یہ گوشت کسی مسلمان کی نگرانی میں رکھے۔ پوچھنا یہ ہے کہ کوئی ایسی تدبیر ہے کہ جس سے اس مشکل سے نجات مل جائے اور مسلمانوں کے لئے اس گوشت کا کھانا حلال ہوجائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کی تدبیر یہ ہے کہ کافر اپنے جانور کا کسی مسلمان کو قیمۃً یا ہدیۃً مالک بنادے، پھر مسلمان اس کو ذبح کرکے اس کا گوشت قیمۃً یا ہدیۃً کافر کو دے دے۔ اس صورت میں مسلمان کی نگرانی ضروری نہیں اور مسلمانوں کے لئے اس کا کھانا جائز ہے۔ کافر کا اتنا کہنا کافی ہے کہ میں نے یہ مسلمان سے خریدا ہے یا مسلمان نے مجھے ہدیۃً دیا ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲ رجب ۱۴۱۵ھ

مال حرام سے مسکین کا کھانا جائز نہیں :

سوال : ایک شخص بنک میں ملازم ہے ، اس کی بالغ اولاد اگر مسکین ہے تو کیا ان کے لئے والد کی حرام آمدن سے کھانا پہننا جائز ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

حرام مال واجب التصدق ہے جس میں تملیک مسکین ضروری ہے ، اس لئے حرام آمدن والے کے ہاں کھانا مسکین کے لئے بھی جائز نہیں ، البتہ وہ مسکین کو مالک بنا دے تو اس کے لئے جائز ہے مگر تملیک مسکین کے بعد بھی غنی کے لئے جائز نہیں جب تک کہ غنی کو مالک نہ بنا دے۔

سوال میں مذکورہ صورت میں یہ تدبیر اختیار کی جا سکتی ہے کہ والد بالغ اولاد میں سے کسی کو نقد رقم کا مالک بنا دے پھر وہ گھر کے تمام مصارف پر خرچ کرتا رہے ، اس طرح پورا گھرانا حرام خوری سے بچ سکتا ہے۔

فی الباب الخامس عشر من کراهیة الهندیة : والسبیل فی المعاصی ردها وذلك ههنا برد المأخوذ ان تمکن من رده بأن عرف صاحبه وبالتصدق به ان لم یعرفه لیصل الیه نفع ماله ان کان لا یصل الیه عین ماله (عالمگیریة ص ۳۴۹ ج ۵)

وقال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالی : علیه دیون ومظالم جهل اربابها وأیس من علیه ذلك من معرفتهم فعلیه التصدق بقدرها من ماله وان استغرقت جمیع ماله (رد المحتار ص ۳۲۳ ج ۲)

وقال ابن عابدین رحمه الله تعالی :(قوله تملیکا) فلا یکفی فیها الاطعام الا بطریق التملیك ولو اطعمه عنده ناویا الزکاة لا تکفی ط (رد المحتار ص ۱۶ ج ۲)

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالی : وطاب لسیده وان لم یکن مصرفا للصدقة ما ادی الیه من الصدقات فعجز لتبدل الملك واصله حدیث بریرة رضی الله تعالی عنها هی لك صدقة ولنا هدیة کما فی وارث شخص فقیر مات عن صدقة اخذها وارثه الغنی وکما

فی ابن السبیل اخذھا ثم وصل الی مالہ وھی فی یدہ ای الزکاۃ وکفقیر استغنی وھی فی یدہ فانھا تطیب لہ بخلاف فقیر اباح لغنی اوھاشمی عین زکاۃ اخذھا لا یحل لان الملک لم یتبدل۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت (قولہ لان الملک لم یتبدل) لان المباح لہ یتناولہ علی ملک المبیح ونظیرہ المشتری شراء فاسدا اذا اباح لغیرہ لا یطیب لہ ولو ملکہ یطیب ھدایۃ (رد المحتار ص ۲۲۳ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۴ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

سلام کے احکام

کافر کو سلام کہنا یا جواب دینا:

سوال: کافر کو سلام کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کافر کے سلام کا جواب دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

کافر کو تعظیماً سلام کہنا کفر ہے، تعظیم مقصود نہ ہو محض تحیہ کے طور پر ہو تو نا جائز ہے اور کسی حاجت سے ہو تو جائز ہے مگر السلام علی من اتبع الهدی کہے۔

کافر کے سلام کا جواب دینا جائز ہے مگر جواب میں صرف وعلیک کہے۔

قال العلامة الحصكفی رحمه الله تعالی: ویسلم المسلم علی اهل الذمة لوله حاجة الیه والا کره هو الصحیح (الی ان قال) ولو سلم یهودی او نصرانی او مجوسی علی مسلم فلا بأس بالرد ولکن لا یزید علی قوله وعلیك كما فی الخانیة ولو سلم علی الذمی تبجیلا یکفر لان تبجیل الکافر کفر۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی: (قوله ویسلم المسلم علی اهل الذمة الخ) انظر هل یجوز ان یأتی بلفظ الجمع لو کان الذمی واحدا والظاهر انه یأتی بلفظ المفرد اخذا مما یأتی فی الرد تأمل لکن فی الشرعة اذا سلم علی اهل الذمة فلیقل السلام علی من اتبع الهدی وکذلك یکتب فی الکتب الیهم اه وفی التتارخانیة قال محمد رحمه الله تعالی اذا کتبت الی یهودی او نصرانی فی حاجة فاکتب السلام علی من اتبع الهدی اه (قوله لوله حاجة الیه) ای الی الذمی المفهوم من المقام قال فی التتارخانیة لان النهی عن السلام لتوقیره ولا توقیر اذا کان السلام لحاجة
(رد المحتار ص ۲۶۴ ج ۵)

وقال ایضا: (قوله فلا بأس بالرد) المتبادر منه ان الاولی عدمه لکن

فی التتارخانیۃ واذا سلم اھل الذمۃ ینبغی ان یرد علیھم الجواب وبہ نأخذ (رد المحتار ص۲۶۰ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۹ ر شعبان سنہ ۸۰ھ

بدعتی اور فاسق کو سلام کہنا:

سوال: بدعتی اور فاسق کو سلام کہنا شرعاً کیسا ہے؟ اور ان کے سلام کا جواب دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

بدعتی اور علانیہ فسق میں مبتلا شخص کو سلام کہنا جائز نہیں۔ ڈاڑھی ایک مشت سے کم کرنا، ٹخنے ڈھانکنا، ٹی وی دیکھنا، تصویریں بنانا، رکھنا، عورتوں کا شریعت کے مطابق پردہ نہ کرنا، حرام کھانا، بنک انشورنس وغیرہ سودی اداروں کی ملازمت، غیبت کرنا یہ سب علانیہ بغاوتیں ہیں، جو شخص ان کا ارتکاب کرتا رہتا ہے جب تک وہ ان گناہوں سے توبہ کا اعلان نہ کرے اسے سلام کہنا جائز نہیں۔

البتہ اگر کسی فاسق سے تعارف اور جان پہچان ہے تو سلام کہنا جائز ہے۔ اس لئے کہ ایسی صورت میں سلام نہ کہنے میں کبر کا گمان ہو سکتا ہے۔ نیز اسے دین اور دینداروں سے مزید متنفر کرنے کا باعث ہے۔

جواب دینا بہرحال ضروری ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: ویکرہ السلام علی الفاسق لو معلنا والالا۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت (قولہ لو معلنا) وفی فصول العلامی لا یسلم علی الشیخ المازح الکذاب واللاغی من یسب الناس او ینظر وجوہ الاجنبیات ولا علی الفاسق المعلن ولا علی من یغنی او یطیر الحمام مالم تعرف توبتہ (رد المحتار ص۲۶۹ ج ۵)

وقال ایضا: وینبغی وجوب الرد علی الفاسق لان کراھۃ السلام علیہ للزجر فلا تنافی الوجوب علیہ تأمل (رد المحتار ص۴۱۲ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۸ ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

مواقع کراہت سلام:

سوال: انسان کے کون کون سے حالات ایسے ہیں کہ کسی دوسرے شخص کا اسے سلام کہنا مکروہ ہے؟ مواقع کراہت میں اگر کوئی سلام کہے تو جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مواقع کراہت سلام درج ذیل ہیں:

① جو شخص جواب دینے سے عاجز ہو اسے سلام کہنا، خواہ حقیقۃً عاجز ہو، جیسے کھانے میں مشغول ہو یا شرعاً عاجز ہو، جیسے نماز، اذان، اقامت، ذکر، تلاوت یا علوم دینیہ کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہو۔

② قاضی کو مجلس قضاء میں خصمین کا سلام کہنا۔

③ نامحرم جوان عورت۔

④ برہنہ شخص۔

⑤ پیشاب، پاخانہ میں مشغول شخص۔

⑥ شطرنج، تاش وغیرہ میں مشغول شخص۔

⑦ بیوی کے ساتھ مشغول شخص۔

ان تمام صورتوں میں راجح قول یہ ہے کہ اگر کوئی سلام کرے تو جواب دینا واجب نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی النهر عن صدر الدين الغزی:

سلامك مكروه على من ستسمع ... ومن بعد ما ابدی يسن و يشرع

مصل و تال ذاكر و محدث ... خطيب ومن يصغی اليهم و يسمع

مكرر فقه جالس لقضائه ... ومن بحثوا فی الفقه دعهم لينفعوا

مؤذن ايضا او مقيم مدرس ... كذا الاجنبيات الفتيات امنع

ولعاب شطرنج وشبه بخلقهم ... ومن هو مع اهله يتمتع

ودع كافرا ايضا ومكشوف عورة ... ومن هو فی حال التغوط اشنع

ودع آكلا الا اذا كنت جائعا ... وتعلم منه انه ليس يمنع

(وقال العلامۃ ابن عابدين رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله وصرح فی الضياء)

قلت لکن فی البحر عن الزیلعی ما یخالفہ فانہ قال یکرہ السلام علی المصلی والقاری والجالس للقضاء او البحث فی الفقہ او التخلی ولو سلم علیھم لایجب علیھم الرد لانہ فی غیر محلہ اھ ومفادہ ان کل محل لایشرع فیہ السلام لایجب الرد وفی شرح الشرعۃ صرح الفقہاء بعدم وجوب الرد فی بعض المواضع القاضی اذا سلم علیہ الخصمان والاستاذ الفقیہ اذا سلم علیہ تلمیذہ او غیرہ اوان الدرس وسلام السائل والمشتغل بقراءۃ القراٰن والدعاء حال شغلہم والجالسین فی المسجد لتسبیح اوقراءۃ او ذکر حال التذکیر اھ وفی البزازیۃ لایجب الرد علی الامام والمؤذن والخطیب عند الثانی وھو الصحیح اھ (رد المحتار ج ۱)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۸ ار ربیع الاول ۸۹ھ

خط کے سلام کا جواب:

سوال: خط کے سلام کا جواب واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو کیا فی الفور واجب ہے یا عند جواب الکتاب؟ اگر خط کا جواب دینے کا ارادہ نہ ہو یا خط قابل جواب نہ ہو تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

زبانی یا بذریعۂ خط جواب دینا واجب ہے، بہتر ہے کہ فوراً زبان سے جواب دے دیا جائے۔ کیونکہ ممکن ہے خط کے جواب کا موقع نہ ملے تو واجب فوت ہونے کا گناہ ہوگا۔

خط کا جواب دینے کا ارادہ نہ ہو یا خط قابل جواب نہ ہو تو فوراً زبان سے جواب دینا واجب ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: ویجب رد جواب کتاب التحیۃ کرد السلام۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ ویجب رد جواب کتاب التحیۃ) لان الکتاب من الغائب بمنزلۃ الخطاب من الحاضر مجتبی والناس عنہ غافلون ط اقول المتبادر من ھذا ان المراد رد سلام الکتاب لا رد الکتاب لکن فی الجامع الصغیر للسیوطی رد جواب الکتاب حق کرد السلام

قال شارحه المناوي اي اذا كتب لك رجل بالسلام في كتاب ووصل اليك وجب عليك الرد باللفظ اوبالمراسلة وبه صرح جمع شافعية وهومذهب ابن عباس رضي الله تعالى عنهما (ردالمحتار ص۲۶۶ ج ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم

۲۰ ربیع الاول ۹۸ھ

ریڈیو پر سلام کا جواب واجب نہیں:

سوال: ریڈیو پر تقریر، درس قرآن یا خبروں سے قبل السلام علیکم کہا جاتا ہے، سننے والوں پر اس کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بلا ضرورت خبریں سننا ہی جائز نہیں، اس لئے ریڈیو پر سلام سننے اور اس کا جواب دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اگر کسی ضرورت واقعیہ سے خبریں سن رہا ہے اور ریڈیو پر سلام سن لیا تو اس کا جواب دینا جائز نہیں اس لئے کہ یہ سلام سنت کے خلاف اور بے موقع ہے، وعظ و تقریر یا دوسرے کسی امر کی عام اشاعت اور اعلان سے قبل سلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین اور سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے خطبات ماثورہ ہیں مگر ان سے قبل سلام کہیں منقول نہیں۔

عن هلال بن يساف قال كنا مع سالم بن عبيد فعطس رجل من القوم فقال السلام عليكم فقال له سالم وعليك وعلى امك فكأن الرجل وجد في نفسه فقال اما اني لم اقل الا ما قال النبي صلى الله عليه وسلم اذا عطس رجل عند النبي صلى الله عليه وسلم فقال السلام عليكم فقال النبي صلى الله عليه وسلم عليك وعلى امك الحديث رواه الترمذي وابو داود۔ (مشكوة ص۴۰۶)

فعدل صلى الله عليه وسلم عن الجواب المسنون واختار الطريق الغريب تنبيها على ان العطاس ليس محلا للسلام۔

بعض اکابر نے ریڈیو کے سلام کا جواب واجب نہ ہونے کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ مجیب مسلّم کو جواب سنانے پر قادر نہیں مگر اس میں یہ اشکال ہے کہ وجوب جواب کے لئے

قدرت علی الاسماع شرط نہیں کما قالوا فی جواب سلام الکتاب والاصم، بلکہ بعض صورتوں میں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالی نے قدرت اسماع کے باوجود بھی جواب بدون اسماع تحریر فرمایا ہے، کما فی جواب سلام الاجنبیۃ الشابۃ۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۷ جمادی الثانیہ ۹۸ھ

سلام میں برکاتہ پر زیادتی مکروہ ہے:

سوال: ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ سلام اور جواب سلام میں وبرکاتہ کے بعد ومغفرتہ وغیرہ زیادہ کرنا مکروہ ہے، حالانکہ میں نے مشکوۃ شریف میں زیادتی کی فضیلت کی حدیث پڑھی ہے لہذا اس بارے میں تحقیق فرماکر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس بارہ میں روایات مختلف ہیں: بعض سے جواز معلوم ہوتا ہے اور بعض سے کراہت۔ بوجوہ ذیل کراہت کو ترجیح ہے:

① حضرات فقہاء اور عامۃ المفسرین رحمہم اللہ تعالی کراہت کے قائل ہیں۔
② بوقت تعارض اصولاً کراہت کو ترجیح ہے۔
③ ممانعت کی روایت سنداً قوی ہے۔
④ مقلد کے لئے قول فقہاء رحمہم اللہ تعالی ہی دلیل ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: ولا یزید الراد علی وبرکاتہ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: قال فی التتارخانیۃ والافضل للمسلم ان یقول السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ والمجیب کذلک یرد ولا ینبغی ان یزاد علی البرکات شیء اھ (رد المحتار ص۲۶۱ ج ۵)

وقال الحافظ العسقلانی رحمہ اللہ تعالی: (قولہ فزادوہ ورحمۃ اللہ) فیہ مشروعیۃ الزیادۃ فی الرد علی الابتداء وھو مستحب بالاتفاق لوقوع التحیۃ فی ذلک فی قولہ تعالی "فحیوا باحسن منھا او ردوھا" فلو زاد المبتدئ ورحمۃ اللہ استحب ان یزاد وبرکاتہ ولو زاد وبرکاتہ فھل تشرع الزیادۃ فی الرد وکذا لو زاد المبتدئ علی وبرکاتہ ھل یشرع لہ ذلک اخرج مالک فی الموطأ عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما قال انتھی السلام الی البرکۃ

واخرج البیهقی فی الشعب من طریق عبد اللہ بن بابیہ قال جاء رجل الی ابن عمر رضی اللہ تعالی عنهما فقال السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته ومغفرته فقال حسبك الی وبرکاته انتهی الی وبرکاته ومن طریق زهرة بن معبد قال قال عمر رضی اللہ تعالی عنه انتهی السلام الی وبرکاته ورجاله ثقات وجاء عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنهما الجواز فاخرج مالك ایضا فی الموطأ عنه انه زاد فی الجواب والغادیات والرائحات واخرج البخاری فی الادب المفرد من طریق عمرو بن شعیب عن سالم مولی ابن عمر قال کان ابن عمر رضی اللہ تعالی عنهما یزید اذا رد السلام فاتیته مرة فقلت السلام علیکم فقال السلام علیکم ورحمة اللہ ثم اتیته فزدت وبرکاته فرد وزادنی وطیب صلوته ومن طریق زید بن ثابت انه کتب الی معاویة رضی اللہ تعالی عنهما السلام علیکم یا امیر المؤمنین ورحمة اللہ وبرکاته ومغفرته وطیب صلوته ونقل ابن دقیق العید عن ابی الولید ابن رشد انه یؤخذ من قوله تعالی " فحیوا باحسن منها " الجواز فی الزیادة علی البرکة اذا انتهی الیه المبتدئ واخرج ابوداود والترمذی والنسائی بسند قوی عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالی عنه قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال السلام علیکم فرد علیه وقال عشر ثم جاء اخر فقال السلام علیکم ورحمة اللہ فرد علیه وقال عشرون ثم جاء اخر فزاد وبرکاته فرد وقال ثلاثون واخرج البخاری فی الادب المفرد من حدیث ابی هریرة رضی اللہ تعالی عنه وصححه ابن حبان وقال ثلاثون حسنة وکذا فیما قبلها صرح بالمعدود وعند ابی نعیم فی عمل یوم ولیلة من حدیث علی رضی اللہ تعالی عنه انه هو الذی وقع له مع النبی صلی اللہ علیه وسلم ذلك واخرج الطبرانی من حدیث سهل بن حنیف بسند ضعیف رفعه من قال السلام علیکم کتب له عشر حسنات ومن زاد ورحمة اللہ کتبت له عشرون حسنة ومن زاد وبرکاته کتبت له ثلاثون حسنة واخرج ابوداود من حدیث سهل بن معاذ بن انس الجهنی عن ابیه بسند ضعیف

نحو حدیث عمران وزاد فی آخرہ ثم جاء آخر فزاد ومغفرتہ فقال اربعون وقال ھکذا تکون الفضائل واخرج ابن السنی فی کتابہ بسند واہ من حدیث انس رضی اللہ تعالی عنہ قال کان یمر فیقول السلام علیک یا رسول اللہ فیقول لہ وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ ورضوانہ واخرج البیھقی فی الشعب بسند ضعیف ایضا من حدیث زید بن ارقم کنا اذا سلم علینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم قلنا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ وھذہ الاحادیث الضعیفۃ اذا انضمت قوی ما اجتمعت علیہ من مشروعیۃ الزیادۃ علی وبرکاتہ (فتح الباری ص ۳۰ ج ۱۱)

قال العبد الضعیف : فانی راجعت الموطأ فوجدت فیہ خلاف ما نقل عنہ الحافظ رحمہ اللہ تعالی ونصہ عن یحیی بن سعید ان رجلا سلم علی عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما فقال السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ والغادیات والرائحات فقال لہ عبد اللہ بن عمر وعلیک الفاً کأنہ کرہ ذلک (موطا ص ۳۷۵)

قال العلامۃ محمود الألوسی رحمہ اللہ تعالی :(فحیوا باحسن منہا) ای بتحیۃ احسن من التحیۃ التی حییتم بہا بأن تقولوا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ تعالی ان اقتصر المسلم علی الاول وبأن تزیدوا وبرکاتہ ان جمعہا المسلم وھی النہایۃ فقد اخرج البیہقی عن عروۃ بن الزبیر رضی اللہ تعالی عنہما ان رجلا سلم علیہ فقال السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فقال عروۃ ما ترک لنا فضلا ان السلام قد انتہی الی وبرکاتہ وفی معناہ ما اخرجہ الامام احمد والطبرانی عن سلمان الفارسی رضی اللہ تعالی عنہ مرفوعا وذلک لانتظام تلک التحیۃ لجمیع فنون المطالب التی ھی السلامۃ عن المضار ونیل المنافع ودوامہا ونماؤھا وقیل یزید المحیّ اذا جمع المحی الثلاثۃ لہ فقد اخرج

لہ ھکذا فی الکتاب والصواب المجیب ۱۲ منہ

البخاری فی الادب المفرد عن سالم مولی عبد اللہ بن عمر قال کان ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما اذا سلم علیہ فرد زاد فاتیتہ قلت السلام علیکم فقال السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالی ثم اتیتہ مرۃ اخری فقلت السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فقال السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وطیب صلوتہ ولا یتعین ما ذکر للزیادۃ فقد ورد خبر رواہ ابوداود والبیھقی عن معاذ رضی اللہ تعالی عنہ زیادۃ ومغفرتہ فما فی الدر من ان المراد لا یزید علی وبرکاتہ غیر مجمع علیہ
(روح المعانی ص۹۹ ج ۵)

قال الامام الرازی رحمہ اللہ تعالی: (المسألۃ الرابعۃ) منتھی الامر فی السلام ان یقال السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بدلیل ان ھذا القدر ھو الوارد فی التشھد واعلم انہ تعالی قال "فحیوا باحسن منھا او ردوھا" فقال العلماء والاحسن ھو ان المسلم اذا قال السلام علیک زید فی جوابہ الرحمۃ وان ذکر السلام والرحمۃ فی الابتداء زید فی جوابہ البرکۃ وان ذکر الثلاثۃ فی الابتداء اعادھا فی الجواب روی ان رجلا قال للرسول صلی اللہ علیہ وسلم السلام علیک یارسول اللہ فقال علیہ الصلوۃ والسلام وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وآخر قال السلام علیک ورحمۃ اللہ فقال وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فجاء ثالث فقال السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فقال علیہ الصلوۃ والسلام وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فقال الرجل نقصتنی فاین قول اللہ فحیوا باحسن منھا فقال صلی اللہ علیہ وسلم انک ما ترکت لی فضلا فرددت علیک ما ذکرت (تفسیر کبیر ص۲۱۲ ج ۱۰)

قال الحافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالی بعد نقل الحدیث المذکور بطرق متعددۃ: وفی ھذا الحدیث دلالۃ علی انہ لا زیادۃ فی السلام علی ھذہ الصفۃ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اذ لو شرع اکثر من ذلک لزادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تفسیر ابن کثیر ص۵۳۲ ج ۱)

قال العلامۃ ابو السعود رحمہ اللہ تعالی: (فحیوا باحسن منھا) ای

بتحیۃ احسن منھا بأن تقولوا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ ان اقتصر المسلم علی الاول وبأن تزیدوا وبرکاتہ ان جمعھما المسلم وھی النھایۃ لانتظامھا لجمیع فنون المطالب التی ھی السلامۃ عن المضار ونیل المنافع ودوامھا ونماؤھا (تفسیر ابی السعود ص۵۶ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۷ جمادی الثانیہ سنہ ۹۸ھ

بار بار آتے جاتے تکرار سلام:

سوال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا لقی احدکم اخاہ فیسلم علیہ فان حالت بینھما شجرۃ اوجدار اوحجر ثم لقیہ فیسلم علیہ رواہ ابو داود (مشکوۃ ص۳۹۹ ج ۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جتنی مرتبہ بھی کوئی دیوار وغیرہ حائل ہو، پھر آمنا سامنا ہو تو ہر مرتبہ سلام کہنا چاہیئے۔ کیا یہ درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

یہ حکم احیانا پیش آنے والی صورت پر محمول ہے، جہاں بار بار یہ صورت پیش آتی ہو مثلاً کوئی مخدوم کے کمرے میں بار بار آتا جاتا رہتا ہے تو اس میں تکرار سلام وجواب میں حرج ظاہر ہے، اس لئے یہ صورت حدیث سے مستثنی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

غرۃ ذی القعدۃ سنہ ۱۴۱۶ھ

بوقت سلام پیشانی پر ہاتھ رکھنا:

سوال: بوقت سلام پیشانی پر ہاتھ رکھنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

یہ ہندوؤں کا شعار ہے اور سجدہ کے قائم مقام ہے، اس لئے حرام ہے واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۸ ذی الحجہ سنہ ۸۶ھ

ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنا:

سوال: ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنا جائز ہے یا نہیں اور اس کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب .

اگر کسی وجہ سے آواز پہنچنا مشکل ہو تو ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنا جائز ہے اور جواب واجب ہے، اور اگر آواز پہنچ سکتی ہو تو صرف اشارہ کافی نہیں البتہ زبان سے سلام و جواب کے ساتھ ہاتھ سے اشارہ جائز ہے، اس لئے کہ یہ مصافحہ کے قائم مقام ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۸ ذی الحجہ ۸۶ھ

سوال مثل بالا:

سوال: لفظ سلام کہنے کے بغیر صرف ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنا اور جواب دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بلا عذر ہاتھ کے اشارہ سے سلام کرنا جائز نہیں اور اس کا جواب دینا بھی واجب نہیں، اور بلا عذر لفظ سلام کے ساتھ اشارہ کو جمع کرنا جائز ہے، اس لئے کہ یہ مصافحہ کے قائم مقام ہے اور بوجہ عذر صرف ہاتھ کا اشارہ بھی جائز ہے، البتہ ممکن ہو تو اس کے ساتھ تلفظ بھی کرے۔

حدثنا قتیبة نا ابن لهیعة عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لیس منا من تشبه بغیرنا لا تشبهوا بالیهود ولا بالنصاری فان تسلیم الیهود الاشارة بالاصابع وتسلیم النصاری الاشارة بالاکف هذا حدیث اسناده ضعیف وروی ابن المبارك هذا الحدیث عن ابن لهیعة فلم یرفعه (سنن الترمذی ص۹۹ ج ۲)

قال الملا علی القاری رحمه الله تعالی: رواه الترمذی وقال اسناده ضعیف ولعل وجهه انه من عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده وقد تقدم الخلاف فیه وان المعتمد ان سنده حسن لاسیما وقد اسنده السیوطی فی الجامع الصغیر الی ابن عمرو، فارتفع النزاع وزال الاشکال۔

وقال الامام النووی رحمه الله تعالی: روینا عن اسماء بنت یزید ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مر فی المسجد یوما وعصبة من النساء قعود فالوی بیده بالتسلیم۔

قال الترمذی: هذا حدیث حسن وهو محمول علی انه صلی الله علیه وسلم جمع بین اللفظ والاشارة ویدل علی هذا ان ابا داود روی هذا الحدیث وقال فی روایته فسلم علینا قلت علی تقدیر عدم تلفظه علیه السلام بالسلام لا محذور فیه لانه ما شرع السلام علی من مر علی جماعة من النسوان (الی ان قال) وقد یحمل علی انه لبیان الجواز بالنسبة الی النساء وان نهی التشبه محمول علی الکراهة لا علی التحریم والله اعلم (مرقاة المفاتیح ص۲۳۹ ج ۸)

وقال الحافظ العینی رحمه الله تعالی: ولو کان السلام علی اصم فینبغی الاشارة مع التلفظ لیحصل الافهام والا فلا یستحق جوابا وکذا اذا سلم علیه الاصم واراد الرد علیه فیتلفظ باللسان ویشیر بالجواب ولو سلم علی الاخرس فاشار الاخرس بالید سقط عنه الفرض وکذا لو سلم علیه اخرس بالاشارة استحق الجواب (عمدة القاری ص۲۳ ج ۲۲)

قال فی الهندیة ویکره السلام بالسبابة کذا فی الغیاثیة (عالمگیریة ص۳۲۶ ج ۵)

وفی الشرعة لا یشیر المسلم بالاصبع فانه من دأب الیهود ولا بالکف فانه من عادة النصاری (المتانة فی مرمة الخزانة ص۹۴) والله سبحانه وتعالی اعلم

۲۷ جمادی الثانیة سنة ۱۴۱۷ھ

رسوم مروجہ

اشعار نعتیہ کا حکم:

سوال: شریعت مطہرہ میں اشعار نعتیہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں اشعار نعتیہ پڑھنا اور معجزات و کمالات کا بیان اشعار میں کرنا جائز بلکہ موجب ثواب و خیر و برکت ہے اور متعدد صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم سے ثابت ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ایسے معجزات و مضامین بیان کئے جائیں جو صحیح روایات سے ثابت ہوں، منگھڑت قصے بیان کرنا جائز نہیں۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: وحمل ما وقع من بعض الصحابة على انشاد الشعر المباح الذی فيه الحكم والمواعظ فان لفظ الغناء كما يطلق على المعروف يطلق على غيره كما فی الحديث من لم يتغن بالقرآن فليس منا۔

وقال ايضا معزيا للبحر: ان التغنی المحرم ما كان فی اللفظ ما لا يحل كصفة الذكور والمرأة المعينة الحية (الى قوله) الا اذا اراد انشاده للاستشهاد به او ليعلم فصاحته وبلاغته وكان فيه وصف امرأة ليست كذلك او الزهريات المتضمنة وصف الرياحين والازهار والمياه فلا وجه لمنعه على هذا (رد المحتار ص۲۲۲ ج ۵)

اقول لما جاز انشاد الشعر والتغنی به لاجل وصف الزهريات فما ظنك بالتغنی بالشعر لاجل بيان معجزات رسول الله صلى الله عليه وسلم ما لم يكن على الملاهی والقيود المخترعة لاهل البدع والاهواء۔ والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۲۷ محرم ۱۳۷۳ھ

عید کارڈ کا حکم:

سوال: احباب واعزہ کے درمیان عید کے موقع پر "عید کارڈ" کی مراسلت التزامی یا غیر التزامی طور پر جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مصارف کے پانچ درجات ہیں:

① ضرورت۔
② حاجت۔
③ آسائش۔
④ آرائش وزیبائش۔
⑤ نمائش۔

ضرورت: جو لوازم زندگی میں سے ہو، اس کے نہ ہونے سے ضرر لاحق ہو جیسے بقدر کفایت طعام ولباس وغیرہ۔

حاجت: جس کے نہ ہونے سے ضرر تو نہ ہو مگر گزارا مشکل ہو، جیسے قدر کفایت سے زائد حاجات میں کام آنے والی اشیاء۔

آسائش: حاجت سے زائد آرام وراحت کی اشیاء۔

آرائش وزیبائش: صرف زیب وزینت کی اشیاء۔

نمائش: جس سے فخر ونمود مقصود ہو۔

ضرورت پر خرچ کرنا فرض ہے اور حاجت، آسائش، آرائش وزیبائش پر خرچ کرنا جائز ہے بشرطیکہ اسراف نہ ہو۔ اسراف یہ ہے کہ بلا ضرورت آمدن سے زائد خرچ کرے۔

نمائش کیلئے خرچ کرنا حرام ہے۔

زیبائش اور نمائش فعل قلب کے قبیل سے ہیں، دونوں میں فرق صرف نیت سے ہوتا ہے، اس لئے بلا وجہ کسی پر نمائش کا حکم لگانا صحیح نہیں۔

عید کارڈ سے اگر فخر ونمود مقصود ہو تو بلاشبہہ ناجائز ہے اور اگر اس سے محض زینت اور دوسرے کا دل خوش کرنا مقصود ہو تو یہ آرائش وزیبائش میں داخل ہے جو بلاشبہہ جائز ہے بلکہ القاء السرور فی قلب المؤمن کے تحت باعث ثواب ہے۔ اس کی کئی مثالیں

ہیں، مثلاً:

گلدستہ، سبزی، خوبصورت پیڈ، خوبصورت پھولدار کاغذ، خوبصورت پھولدار لفافہ، اس قسم کی زینت کی چیزیں بالاتفاق جائز اور علماء وصلحاء کے ہاں بھی عام رائج ہیں تو عید کارڈ کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۶ شوال ۹۶ھ

عیدی کا لین دین:

سوال: کیا عید کے موقع پر عید کی خوشی میں "عیدی" کے نام سے روپے پیسے کا لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عیدی کا لین دین مندرجہ ذیل فسادات کی وجہ سے ناجائز ہے:

(۱) فخر ونمود۔

(۲) عموماً مبادلہ کی نیت ہوتی ہے۔

(۳) دینے والے کی نیت عوض لینے کی نہ ہو تو بھی جس کے بچوں کو عیدی دی جاتی ہے وہ اس کو اپنے اوپر بوجھ محسوس کرتا ہے اور اس کا عوض دینا ضروری سمجھتا ہے۔

(۴) معاوضہ کی ناجائز رسم کی تائید وترویج۔

(۵) دیکھنے سننے والوں کے لئے ناجائز رسم کے ارتکاب کی بدگمانی و مظنۂ تہمت۔

(۶) بچوں کے قلوب میں مال کی محبت پیدا ہوتی ہے، اس لئے اپنے بچوں کو بھی پیسے ہرگز نہ دیئے جائیں۔ بچوں کو پیسے دے کر ان کی دنیا وآخرت تباہ کرنے کی بجائے ان کو صدقہ وخیرات اور امور دین پر زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی ترغیب دیتے رہنا لازم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ جمادی الثانیہ ۹۷ھ

مختلف مواقع پر تحائف کا لین دین:

سوال: اس زمانہ میں مختلف مواقع پر ہدایا وتحائف کے لین دین کا سلسلہ عام ہوگیا ہے، مثلاً:

(۱) کوئی شخص عمرہ یا حج پر جا رہا ہوتا ہے تو اقارب واحباب اس کو تحائف وہدایا

دیتے ہیں پھر وہ شخص واپسی پر ان کو ہدایا و تحائف دیتا ہے اور نہ دینے میں عار سمجھتا ہے
۲ کسی کے یہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ دعوتیں کرتا ہے، جو لوگ جاتے ہیں وہ تحائف وہدایا دیتے ہیں۔ اسی طرح بچے کو دیکھنے کے وقت بھی۔
۳ کسی کا نیا مکان بنتا ہے تو لوگ جا کر تحائف دیتے ہیں اور خالی ہاتھ جانے کو عار سمجھتے ہیں۔
۴ شادی اور منگنی کے مواقع میں لوگ تحائف دیتے ہیں۔
۵ مریض کی عیادت کے لئے جاتے ہیں تو تحائف ساتھ لے جاتے ہیں۔
۶ عید کے موقع پر عیدی کا لین دین ہوتا ہے۔

ان مواقع میں لوگوں کا کچھ دینا پھر جس کو دیا جا رہا ہے اس کا قبول کرنا پھر قبول کرنے کے بعد کسی دوسرے موقع پر اس تحفہ دینے والے کو تحفہ دینا ان تمام صورتوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس میں جو قباحتیں ہیں ان کو بھی تفصیل سے لکھنے کی گذارش ہے تاکہ لوگوں میں زیادہ سے زیادہ اس کی اشاعت کرکے ان کو صراط مستقیم کی طرف لایا جا سکے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

آپس میں ہدیہ و تحفہ کا لین دین اور مشکل حالات میں ایک دوسرے کی مدد کرنا باہم الفت و محبت پیدا کرنے کا مؤثر ذریعہ اور شریعت کا مؤکد حکم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تهادوا تحابوا (موطأ مالك)

مگر شریعت نے ہدیہ، تحفہ اور باہمی تعاون و تناصر کے الفاظ خاص خاص حقیقتوں کے لئے وضع کئے ہیں، ان حقائق کے پائے جانے کی صورت میں ان الفاظ کا استعمال شریعت کے مطابق ہوگا اور یہ عمل موجب اجر و ثواب بنے گا لیکن جہاں حقیقت دور دور تک نظر نہ آتی ہو وہاں اصطلاحات شرعیہ کو استعمال کرنا احکام اسلام سے مذاق اور ان کی اہانت ہے، کیا رشوت کو چائے پانی کا نام نہیں دیا گیا؟ سود اور جوئے کی متعدد صورتوں کو نفع اور انعام کا نام دے کر جائز نہیں کہا جاتا؟

معاشرے کے احوال سے باخبر حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ جو صورتیں سوال میں مذکور ہیں ان میں ہدیہ، تحفہ اور باہمی تعاون و تناصر وغیرہ اصطلاحات کے ساتھ یہی نا روا معاملہ کیا جاتا ہے۔

ان اصطلاحات کا احترام ہر مسلمان پر واجب ہے۔ ان تمام صورتوں میں ہدیہ، تحفہ، تعاون اور عیدی وغیرہ کے نام سے لینا دینا دونوں ناجائز ہیں اور تقریباً یہ تمام صورتیں درج ذیل قبائح پر مشتمل ہیں :

(۱) یہ رقم اور سامان جبراً وصول کیا جاتا ہے بایں طور کہ نہ دینے والے کو ملامت کی جاتی ہے بلکہ برادری سے نکال دیا جاتا ہے اور جبراً کسی سے کچھ وصول کرنا حرام ہے۔

(۲) لینے والے کی نیت میں ریاء وسمعت ہوتی ہے اور شہرت وسمعت کی نیت سے جائز فعل بھی ناجائز ہوجاتا ہے۔

(۳) یہ رقم واسباب قرض ہیں جن کا موقع پر واپس کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور بلاضرورت شدیدہ قرض کا لین دین ناجائز ہے، اس لئے کہ ہدیہ تو دلیل محبت وباعث ازدیاد محبت ہے مگر اس کے بالکل برعکس قرض قاطع محبت ہے، اس کا نام ہی "قرض" اسی لئے رکھا گیا ہے کہ یہ مقراض ہے، مقراض محبت کو ہدیۂ محبت کا نام دے کر ناجائز کو جائز بلکہ مندوب ومستحب قرار دینا اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی علانیہ بغاوت اور اصطلاحات شرعیہ میں کھلی تحریف ہے۔

(۴) قرض سے متعلق حکم ہے کہ جب بھی استطاعت ہو ادا کردیا جائے مگر یہ اشیاء باوجود استطاعت کے مواقع معہودہ سے قبل نہیں دی جاتیں اور بلا وجہ قرض ادا کرنے میں تاخیر کرنا ظلم ہے۔

پھر ایک دو روز کے بعد اگر مقروض یہ قرض ادا کرنا چاہے تو قرضخواہ قبول نہیں کرتا مواقع معہودہ ہی پر قبول کرتا ہے یہ بھی مستقل گناہ ہے، کیا معلوم کہ موقع تک زندگی ہوگی بھی یا نہیں، قرض ادا کرسکے گا یا نہیں، خدا نخواستہ قرض ادا کرنے سے قبل موت نے آدبوچا تو کیا بنے گا، مقروض کی موت کی صورت میں اس کے ورثہ کا ادا کرنا یقینی نہیں، اور قرضخواہ کی موت کی صورت میں اس کے تمام ورثہ پر قرض کو تقسیم کرکے ہر ایک کو اس کا حصہ سپرد کرنا ضروری ہے حالانکہ اس کا اہتمام نہیں کیا جاتا بلکہ عرف کے مطابق مواقع معہودہ پر کسی ایک وارث کو دیا جاتا ہے اور وہ اپنا حق سمجھ کر استعمال کرتا ہے دوسرے ورثہ کے حق کا خیال تک نہیں آتا۔

⑤ کئی قرضخواہ قرض وصول کرنے سے پہلے مرجاتے ہیں تو یہ قرض اس کے وارثوں کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، پھر کئی وارث بھی مرجاتے ہیں تو بصورت مناسخہ تقسیم در تقسیم و نقل در نقل ہوکر اتنا پھیل جاتا ہے کہ سب اہل حقوق اور ہر ایک کے حق کی مقدار کا معلوم کرنا ناممکن ہوجاتا ہے، اس لئے مقروض اگر کسی وقت قرض ادا کرنا بھی چاہے تو اس کے لئے ان حقوق العباد سے سبکدوش ہونے کی کوئی صورت ممکن نہیں رہتی بے شمار لوگوں کے حقوق کا بوجھ لیکر مرے گا۔

⑥ ان رسوم پر فرض و واجب کی طرح اصرار والتزام کیا جاتا ہے حالانکہ اس قسم کے التزام سے امر مباح و مندوب بھی واجب الترک ہوجاتا ہے۔

عن ابی حرۃ الرقاشی عن عمہ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا لا تظلموا الا لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منہ رواہ البیہقی فی شعب الایمان والدارقطنی فی المجتبی (مشکوۃ ص۲۵۵)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لبس ثوب شھرۃ فی الدنیا البسہ اللہ ثوب مذلۃ یوم القیامۃ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ (مشکوۃ ص۳۷۵)

وعنہ رضی اللہ تعالی عنہما یرفعہ قال من لبث ثوب شھرۃ البسہ اللہ ایاہ یوم القیامۃ ثم الھب فیہ النار ذکرہ رزین فی جامعہ۔

وعن ابی ذر رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من لبث ثوب شھرۃ اعرض اللہ عنہ حتی یضعہ متی وضعہ (الترغیب والترھیب ص۹۴ ج ۲)

محمد بن جحش رضی اللہ تعالی عنہ کنا جلوسا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرفع رأسہ الی السماء ثم وضع راحتہ علی جبھتہ ثم قال سبحان اللہ ما ذا انزل من التشدید فسکتنا وفزعنا فلما کان من الغد سألتہ یارسول اللہ ما ھذا التشدید الذی نزل فقال والذی نفسی بیدہ لو ان رجلا قتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم قتل ثم احیی ثم قتل وعلیہ دین ما دخل الجنۃ (جمع الفوائد)

وفی الحدیث مطل الغنی ظلم۔

نقل العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی عن الخیریۃ سئل فیما یرسلہ الشخص الی غیرہ فی الاعراس ونحوھا ھل یکون حکمہ حکم القرض

فیلزمہ الوفاء بہ ام لا؟ اجاب ان کان العرف بأنھم یدفعونہ علی وجہ البدل یلزم الوفاء بہ (الی ان قال) نعم فی بعض القری یعدونہ قرضا فی کل ولیمۃ یحضرون الخطیب یکتب لھم ما یھدی فاذا جعل المھدی ولیمۃ یراجع المھدی الدفتر فیھدی الاول الی الثانی مثل ما اھدی الیہ (رد المحتار ص۳۱۵ ج ۵)

قال الفقیہ لا بأس ان یستدین الرجل اذا کان لہ حاجۃ لابد منھا ویرید قضاءھا (بستان العارفین) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۱ جمادی الاولی سنہ ۱۴۱۶ھ

تقاریب میں چراغاں کرنا:

سوال: شادی یا کسی خوشی کے موقع پر مکان کو بجلی کی چھوٹی چھوٹی رنگین بتیوں سے مزین کیا جاتا ہے، شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بقصد زینت چراغاں کرنا جائز ہے بہ نیت تفاخر وریا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

(اس کی تفصیل عید کارڈ کے حکم کے تحت گزر چکی ہے) ۱۵ ذی القعدۃ سنہ ۸۷ھ

سوال مثل بالا

سوال: بعض دینی جلسوں یا شادی کے اجتماع پر چھوٹے چھوٹے بلب کثیر تعداد میں زینت کے لئے لگا دیتے ہیں اور رنگین جھنڈیاں بھی لگاتے ہیں، کیا یہ اسراف نہیں ہے؟ اور تعدد بلب میں دیوالی سے مشابہت نہیں ہے؟ البتہ قصد مشابہت کا نہیں ہوتا، کیا علامہ شامی رحمہ اللہ تعالی کا قاعدہ کلیہ المراد بالتشبہ ما قصد بہ التشبہ سے یہ عمل خارج از تشبہ نہ سمجھا جائے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عدم قصد تشبہ کی وجہ سے دیوالی سے مشابہت کی علت صحیح نہیں اور اسراف اس کو کہتے ہیں کہ آمد سے زائد خرچ کیا جائے، اور اگر آمد کے اندر خرچ ہو تو اسراف نہیں ماکولات، مشروبات، ملبوسات، مکان اور سواری وغیرہ پر ضرورت سے زائد مصارف کو کیوں اسراف نہیں کہتے؟ اسراف کو صرف بتیوں اور جھنڈیوں کے ساتھ مخصوص کرنے کی کیا وجہ ہے؟ درحقیقت آسائش وآرائش پر خرچ کرنا فی نفسہ مباح بلکہ بعض

صورتوں میں مستحسن ہے۔

قال الله تعالیٰ: قل من حرم زینة الله التی اخرج لعبادہ والطیبٰت من الرزق قل ھی للذین اٰمنوا فی الحیوة الدنیا خالصة یوم القیامة۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی کو منقش سنگ مرمر سے مزین فرمایا۔ اس پر کسی صحابی نے کوئی اعتراض نہیں کیا، اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تزیین کا جواز باجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ثابت ہوا۔ البتہ آرائش وتزیین پر مال وقف خرچ کرنا جائز نہیں، جس کو شوق ہو وہ اپنے ذاتی مال سے کرے یا چندہ دہندگان سے اجازت لے، جہاں اس قسم کی تزیین کا عام دستور ہو اور چندہ دہندگان کو اس کا علم ہو وہاں ان سے صراحۃً اجازت لینا ضروری نہیں، دلالت اذن ہی کافی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۴ صفر ۱۴۰۵ھ

صحتیاب ہونے پر گلے میں ہار ڈالنا:

سوال: مریض کے بیماری سے شفا پانے پر دوست احباب کا اس کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اظہار مسرت وشکر نعمت کے لئے ایسا کرنا جائز ہے مگر اس میں غلو کرنا جائز نہیں، نیز اس قسم کی چیزیں ابتداءً صحیح نیت سے انفرادی طور پر شروع ہوتی ہیں، آگے چل کر باقاعدہ رسم کی شکل اختیار کر جاتی ہیں اور ان کا التزام ہونے لگتا ہے جس میں کئی قباحتیں اور ناجائز امور بھی شروع ہو جاتے ہیں، ان کے سد باب کے لئے ایسے امور سے احتراز ضروری ہے۔

شکر نعمت کی حقیقت یہ ہے کہ معاصی سے توبہ کی جائے اور منعم حقیقی کی طرف رجوع کیا جائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۴ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ

امام کے گلے میں ہار ڈالنا:

سوال: ہماری مسجد کے امام صاحب عشاء کی نماز کے بعد حدیث کا درس دیتے ہیں، اگر اس موقع پر کبھی کبھار مقتدی امام صاحب کے گلے میں پھولوں کا ہار

ڈال دیں تو اس میں کچھ حرج تو نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

فی نفسہ جائز ہے گر ایسی چیزیں عموماً آگے چل کر بدعت یا رسم کی صورت اختیار کر جاتی ہیں اور اس میں بہت غلو ہونے لگتا ہے، اس لئے اس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۱ رجمادی الثانیہ ۸۹ھ

ختم قرآن کی دعوت:

سوال: بچوں کا قرآن مجید ختم ہونے کے موقع پر دعوت کرنا یا مٹھائی تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے سورۂ بقرہ کی تعلیم بارہ سال میں مکمل کی اور اس خوشی میں اونٹ ذبح کیا۔

البتہ فخر ونمود یا اپنی حیثیت سے زیادہ قرض لے کر خرچ کرنا جائز نہیں، نیز التزام سے بھی احتراز ضروری ہے۔

عن مرداس بن محمد ابی بلال الاشعری قال حدثنا مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما قال تعلم عمر رضی اللہ تعالی عنہ البقرۃ فی اثنتی عشرۃ سنۃ فلما ختمها نحر جزورا (الجامع لاحکام القرآن ص۳۴ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۰ ربیع الثانی ۸۸ھ

بچوں کی سالگرہ منانا:

سوال: بچوں کی سالگرہ منانے اور اس موقع پر قرآن خوانی کرانے کا شریعت میں کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سالگرہ منانا ایک قبیح رسم ہے، اس کا ترک واجب ہے۔ اصل سالگرہ تو یہ ہے کہ ایسے مواقع پر اپنی زندگی کا احتساب کیا جائے۔ اپنے اعمال کے بارہ میں سوچا

جائے کہ جنت کی طرف لے جا رہے ہیں یا جہنم کی طرف ؟ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۴ رجب سنہ ۹۱ھ

حاجی کی دعوت کرنا :

سوال : زید حج کرکے آیا، اب زید اظہار مسرت کے لئے اپنے اعزہ واقارب کی دعوت کرے یا دوسرے رشتہ دار زید کی دعوت کریں تو یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے مگر اس کا ایسا التزام کہ نہ کرنے کو معیوب اور ایک دوسرے پر قرض سمجھا جانے لگے تو جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۸ محرم سنہ ۹۲ھ

دعوت ختنہ :

سوال : ختنہ کے موقع پر لوگوں کی دعوت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دعوت ختان کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، نہ تو نصاً اس کا کہیں ذکر ہے اور نہ ہی مشروعیت دعوت ضابطہ "الدعوۃ فی السرور" میں داخل، اس لئے یہ دعوت جائز نہیں، پھر اس کو سنت سمجھنے میں بدعت ہونے کی قباحت شنیعہ مزید۔ تبدیع کے لئے عدم ثبوت ہی کافی تھا اور یہاں تو قرون مشہود لہا بالخیر میں اس پر نکیر موجود ہے۔

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی حدثنا محمد بن سلمۃ الحرانی عن ابن اسحق یعنی محمدا عن عبید اللہ او عبد اللہ بن طلحۃ بن کریز عن الحسن قال دعی عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی ختان فابی ان یجیب فقیل لہ فقال انا کنا لا نأتی الختان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا ندعی لہ (مسند احمد ص۲۱۷ ج ۴)

روایۃ الادب المفرد :

حدثنا زکریا بن یحیی قال حدثنا ابو اسامۃ عن عمر بن حمزۃ قال

اخبرنی سالم قال ختننی ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما انا ونعیما فذبح علینا کبشا فلقد رأیتنا وانا لنجذل بہ علی الصبیان ان ذبح علینا کبشا۔

اس روایت کی سند کی تحقیق کی حاجت نہیں، بتسلیم صحت سند بھی اس سے بوجوہ ذیل استدلال صحیح نہیں۔

(۱) یہ صرف ایک واقعۂ جزئیہ ہے جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے تعامل عام کے خلاف ہے۔

(۲) مشروعیت دعوت کے ضابطۂ مذکورہ کے خلاف ہے۔

(۳) ائمہ حدیث وفقہ رحمہم اللہ نے اس کو اختیار نہیں فرمایا۔

وجوہ ثلاثہ مذکورہ کی بناء پر یہ جزئیہ واجب التأویل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں عرب کو لڑکیوں کی ولادت بہت ناگوار تھی۔

واذا بشر احدھم بالانثی ظل وجھہ مسودا وھو کظیم یتواری من القوم من سوء ما بشر بہ ایمسکہ علی ھون ام یدسہ فی التراب الا ساء ما یحکمون۔

اس کے برعکس لڑکوں کی ولادت پر بہت خوش ہوتے تھے، بہت اتراتے اور فخر کرتے۔

عتل بعد ذلک زنیم ان کان ذامال وبنین۔

اس لئے وہ لڑکے کی ولادت پر اس کی تشہیر، اظہار مسرت اور فخر و مباہاۃ کی غرض سے اور اس امر کے اظہار و اعلان کے لئے کہ لڑکی پیدا نہیں ہوئی لڑکا ہے، دعوت ختان کرتے تھے اور اس کا ان میں عام دستور تھا،

شریعت میں اس دعوت سے صراحۃً نہی وارد نہیں ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے اس دعوت کے خلاف ضابطہ شرعیہ وخلاف عقل ہونے کی وجہ سے اس کے ترک ہی کو ممانعت کے لئے کافی سمجھا اور ایسے بدیہی البطلان کام سے صراحۃً نہی کی ضرورت نہ سمجھی، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے اتنے بڑے جم غفیر میں سے کسی ایک فرد کا عدم نقل صریح وعدم شیوع ممانعت کی وجہ سے عرب کے دستور عام کے مطابق

عمل کر لینا بعید نہیں۔

اقوال الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ:

کتب فقہ میں دعوت ختان کا ذکر ملتا ہے مگر ائمہ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

قال الامام الخرقی رحمہ اللہ تعالی: ودعوة الختان لا یعرفها المتقدمون، ولا علی من دعی الیها ان یجیب. وانما وردت السنة فی اجابة من دعی الی ولیمة تزویج۔

وقال الامام ابن قدامة رحمہ اللہ تعالی: یعنی بالمتقدمین: اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذین یقتدی بھم. وذلک لما روی " ان عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالی عنہ دعی الی ختان، فابی ان یجیب. فقیل لہ، فقال: انا کنا لا نأتی الختان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ولا ندعی الیہ" رواہ الامام احمد رحمہ اللہ تعالی باسنادہ۔ اذا ثبت ھذا فحکم الدعوة للختان وسائر الدعوات غیر الولیمة: انھا مستحبة، لما فیھا من اطعام الطعام، والاجابة الیھا مستحبة غیر واجبة. وھذا قول مالک والشافعی وابی حنیفة، واصحابہ رحمہم اللہ تعالی۔

وقال: فاما امر الاجابة الی غیرہ (طعام الولیمة) فمحمول علی الاستحباب، بدلیل انہ لم یخص بہ دعوة ذات سبب دون غیرھا واجابة کل داع مستحبة لھذا الخبر ولان فیہ جبر قلب الداعی و تطییب قلبہ وقد دعی احمد رحمہ اللہ تعالی الی ختان فاجاب واکل فاما الدعوة فی حق فاعلھا فلیست لھا فضیلة تختص بھا لعدم ورود الشرع بھا ولکن ھی بمنزلة الدعوة لغیر سبب حادث فاذا قصد فاعلھا شکر نعمة اللہ علیہ واطعام اخوانہ وبذل طعامہ فلہ اجر ذلک ان شاء اللہ تعالی۔

(المغنی ص۲۸۶ ج۷)

عبارت مذکورہ نص ہے کہ قرون مشہود لہا بالخیر میں دعوت ختان کی بدعت کا کوئی وجود

نہ تھا، البتہ اس عبارت میں امور ذیل محل بحث ہیں:

① ائمہ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت استحباب۔

جواب:

① نقل مذہب میں غیر اصحاب مذہب کا قول معتبر نہیں، لان صاحب البیت ادری بما فیہ۔

② سائر الدعوات سے وہ دعوات مراد ہیں جو کسی داعیہ شرعیہ یا عقلیہ کی وجہ سے ہوں، دعوت ختان کو ان میں داخل سمجھ کر ذکر کر دیا، حالانکہ اس کا عدم دخول واضح ہے۔ یہ احتمال دوسرے ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت میں بھی موجود ہے اور یہاں احتمال بعید بھی معتبر بلکہ واجب القبول ہے۔ لما بیناہ۔

② دعوت بلاسبب کا اثبات۔

جواب:

① اس میں امثلہ مذکورہ یعنی جبر قلب داعی، تطییب القلب، شکر نعمت، اطعام اخوان و بذل طعام کو بلا سبب قرار دینا صحیح نہیں۔

② دعوت بلا سبب کا ثبوت تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کا جواز اس سے مقید ہوگا کہ کسی ایسے امر کو سبب نہ سمجھا جائے جو نہ شرعاً سبب ہو نہ عقلاً، دعوت ختان کو بلا سبب کہنا صحیح نہیں، سبب تو موجود ہے، مگر یہ سبب مخترع ہے شرعی ہے نہ عقلی، بلکہ شریعت نے اسکو سبب دعوت قرار دینے پر رد کیا ہے، عوام نے دستور زمانہ جاہلیت کے مطابق غیر سبب کو سبب بنا لیا ہے، وھذا ظاھر جدا۔

فعل ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما و اقوال فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی یہ تأویل قرین قیاس نہیں کہ اس سے دعوت بوقت اندمال زخم مراد ہے جو بوجہ حصول صحت موقع اظہار شکر و سرور ہے۔

حاصل یہ کہ اس رسم شنیع و قبیح کا بطلان فی نفسہ بھی ظاہر ہے اور اس لئے بھی کہ اس کی بنیاد جاہلیت کے مغضوب علیہم کے ایسے عمل مبغوض پر ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے

قرآن کریم میں کئی جگہ بہت سخت نکیر فرمائی ہے، اتنے بڑے جرم عظیم کو سنت قرار دینے کی بدعت پر جتنی بھی تردید کی جائے اور اس کی جتنی بھی تبدیع وتشنیع وتقبیح بیان کی جائے کم ہے۔ واللہ ھو العاصم من البدع فی الدین وھو الھادی لسبیل الرشاد۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۰ ربیع الاول سنہ ۹۲ھ

مقابلۂ حسن قراءۃ:

سوال: حسن قراءۃ کے مقابلہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

لوگوں میں تجوید قرآن کا شوق پیدا کرنا مقصود ہو تو جائز ہے۔ مگر مروجہ محافل میں عموماً درج ذیل مفاسد پائے جاتے ہیں:

① مردوں عورتوں کا بے حجابانہ اختلاط۔

② تصاویر کی لعنت۔

③ خلاف شرع دعوتیں۔

ان حالات میں احتراز لازم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۲ ربیع الآخر سنہ ۹۴ھ

سیاسی ولسانی فسادات میں قنوت نازلہ کا حکم:

سوال: آج کل جو سیاسی اور لسانی فسادات ہوتے ہیں اور غیر مسلم قوتوں کی سازشوں کے نتیجہ میں مذہبی فسادات بھی ہوتے ہیں، جن میں بے گناہ مسلمان شہید ہوتے ہیں کیا ان حالات میں قنوت نازلہ پڑھنی چاہیئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مسلمانوں پر آنے والے مصائب وبلیات کے وقت قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے، مگر دنیا وآخرت میں اللہ تعالی کے عذاب سے نجات کا اصل نسخہ جس کا خود اللہ تعالی نے قرآن کریم میں کئی جگہ بار بار اعلان فرمایا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالی کی نافرمانی سے توبہ واستغفار کیا جائے اور ہر قسم کے منکرات کو ترک کیا جائے، گناہ چھوڑے بغیر سالوں قنوت نازلہ پڑھتے رہیں اللہ تعالی کے عذاب سے ہرگز نجات نہیں مل سکتی۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ الا لنازلۃ) قال فی الصحاح النازلۃ الشدیدۃ من شدائد الدھر ولا شک ان الطاعون من اشد النوازل اشباہ (قولہ فیقنت الامام فی الجھریۃ) یوافقہ ما فی البحر و الشرنبلالیۃ عن شرح النقایۃ عن الغایۃ وان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوۃ الجھر وھو قول الثوری واحمد اھ وکذا ما فی شرح الشیخ اسماعیل عن البنایۃ اذا وقعت نازلۃ قنت الامام فی الصلوۃ الجھریۃ لکن فی الاشباہ عن الغایۃ قنت فی صلوۃ الفجر ویؤیدہ ما فی شرح المنیۃ حیث قال بعد کلام فتکون شرعیتہ ای شرعیۃ القنوت فی النوازل مستمرۃ وھو محمل قنوت من قنت من الصحابۃ بعد وفاتہ علیہ الصلوۃ والسلام وھو مذھبنا وعلیہ الجمھور قال الحافظ ابوجعفر الطحاوی رحمہ اللہ تعالی انما لا یقنت عندنا فی صلوۃ الفجر من غیر بلیۃ فان وقعت فتنۃ او بلیۃ فلا بأس بہ فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رد المحتار ص۴۵۲ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۸ ربیع الاول سنہ ۹۷ھ

شادی کے موقع پر مہندی کی رسم:

سوال: ہمارے ہاں یہ قدیم دستور چلا آرہا ہے کہ شادی کے موقع پر دلہن کو پھول پہناتے ہیں اور اسے مہندی لگائی جاتی ہے، ساتھ دوسری لڑکیاں بھی مہندی لگاتی ہیں کیا عورتوں کے لئے مہندی لگانا اور پھول پہننا سنت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

عورتوں کے لئے مہندی لگانا مستحب ہے، مگر آج کل جو مہندی کی رسم کا دستور ہے کہ دوسری عورتوں کا بھی بڑا مجمع لگ جاتا ہے، یہ کئی مفاسد کا مجموعہ ہے اس لئے اس سے احتراز لازم ہے۔ اپنے طور پر عورتیں مہندی لگا سکتی ہیں۔

پھول پہننے کا کوئی ثبوت نہیں، مگر شادی کے موقع پر زیب وزینت اختیار کرنا جائز بلکہ مستحسن ہے، اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ زیب وزینت کے ساتھ کسی غیر محرم کے سامنے جانا سخت گناہ اور حرام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۳ شعبان سنہ ۹۸ھ

مکان کی بنیاد میں بکرے کا خون ڈالنا:

سوال: آج کل جب کوئی شخص مکان تعمیر کرتا ہے تو اس کی بنیادوں میں بکرا ذبح کرکے اس کا خون ڈالتا ہے اور گوشت احباب وفقراء میں تقسیم کرتا ہے، شریعت میں اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ عمل ناجائز ہے، یہ ہندوؤں اور بت پرستوں کا عقیدہ اور شعار ہے، اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ ربیع الاول ۹۹ھ

ثواب کا ہبہ اور اس کا قبول کرنا:

سوال: قرآن خوانی کی رسم میں، اگر سب لوگ ثواب بخشنے کا طریقہ نہ جانتے ہوں تو اس کی مقدار بتاکر کسی شخص کی ملک کرنا اور اس کا قبول کرنا کیسا ہے؟ اس میں ترتیب ومقدار معلوم ہوجانے کی خوبی بھی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ ایجاب وقبول خلاف شرع وعبث ہے، بلکہ اس طرح اجتماعی خوانی کا کوئی ثبوت نہیں، یہ بدعت ہے، ایصال ثواب کے لئے صرف نیت کافی ہے، جو ہر شخص کرسکتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۲ ربیع الاول ۹۹ھ

حاجی کی پیشانی کا بوسہ لینا:

سوال: جب کوئی حج کرکے واپس آئے تو تبرک حاصل کرنے یا حاجی کے اعزاز کی خاطر اس کی پیشانی کا بوسہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

رسم بن جانے اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۹ رجب ۹۹ھ

عیادت کے موقع پر کھانا پینا:

سوال: ہمارے ہاں کسی مریض کی تیمارداری کے موقع پر یہ رواج ہے کہ بیمار پرسی

کے لئے آنے والوں کو چائے وغیرہ پلائی جاتی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ دستور غلط اور قابل اصلاح ہے، آپ اپنی رائے تحریر فرماکر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عیادت کے موقع پر زیادہ دیر بیٹھنا ویسے ہی خلاف سنت ہے، پھر جبکہ مریض کے اہل خانہ پر بیمار کے علاج کے مصارف، اوقات کار کا حرج اور تیمار داری کی محنت کا بوجھ بھی ہوتا ہے تو ایسی حالت میں ان سے چائے وغیرہ وصول کرکے ان کی محنت اور مصارف میں اضافہ کرنا عقلاً وشرعاً سخت قبیح اور انتہائی بے شرمی کی بات ہے۔

نیز بسا اوقات اہل خانہ رواج سے مجبور ہوکر اور مروت میں کھلاتے پلاتے ہیں، دل سے راضی نہیں ہوتے، چنانچہ نادار مساکین بھی اس رسم کے تحت کچھ نہ کچھ کھلانے پلانے پر مجبور ہوتے ہیں، اس صورت میں "لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منہ" کی وجہ سے یہ کھانا پینا حرام ہے۔

اگر کوئی صاحب حیثیت طیب خاطر سے کھلائے پلائے تو اگرچہ فی نفسہ یہ جائز ہے مگر اس میں بھی یہ قبائح ہیں:

(۱) طریق مسنون کے خلاف ہے، کما ذکرنا۔

(۲) اس رسم کی تائید ہوتی ہے جو مساکین کے لئے بلائے جان ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۴ شوال ۱۴۱۰ھ

دیوالی کی مٹھائی کھانا:

سوال: ہندوؤں کے تہوار دیوالی کی مٹھائی کھانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ہندوؤں کے تہوار کی مٹھائی کھانا شمسی سال کی ابتداء کی خوشی میں مٹھائی کھانے سے اہون معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ کرسمس (ابتداء سال کی خوشی) میں یہود ونصاری کے غلط نظریہ یعنی قتل عیسی علیہ السلام کی تایید وترویج ہے جبکہ دیوالی کی بنیاد کسی غلط نظریہ پر نہیں، سال میں قمر کے کسی خاص مقام پر پہنچنے پر یہ رسم ادا کی جاتی ہے، اس لئے اس کے کھانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

یہ حکم ابتلاء اور ضرورت کی صورت میں ہے، عام حالات میں کفار سے اس قسم کے

تعلقات رکھنا کہ ایک دوسرے کی خوشی غمی کے مواقع میں شرکت کی نوبت آتے، دین کے لئے سخت مضر ہونے کے علاوہ غیرتِ ایمانیہ کے بھی خلاف ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۶ ذی القعدۃ ۱۴۱۶ھ

مروج قرآن خوانی کا حکم:

سوال: آج کل جو قرآن خوانی کا رواج عام ہوچکا ہے مثلاً نیا گھر لیا جائے تو قرآن خوانی کی جاتی ہے۔ دکان کا افتتاح ہو تو قرآن خوانی کی جاتی ہے، کسی کا چہلم ہو تو قرآن خوانی یا پھر سوئم ہو تو قرآن خوانی تاکہ مرنے والے کو ثواب پہنچے اور بعض دفعہ تو اس کا اعلان تو اخبار میں بھی کیا جاتا ہے اور لوگ دور دور سے صرف قرآن خوانی کے لئے آتے ہیں اور جاتے ہیں تو فرمائیے یہ قرآن خوانی کا عمل کیسا ہے، اس کا کوئی ثبوت قرآن وحدیث کی رو سے ملتا ہے؟ یا پھر بے اصل بدعت ہے؟ اس میں ہمارے دوست احباب یا خاندان کے لوگ شرکت کریں یا نہیں؟ کیا ہم اس عمل میں خود شریک ہوکر گناہ کے مرتکب تو نہیں ہورہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

① قال الامام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ: حدثنا قتیبۃ ثنا جریر عن منصور عن مجاهد قال دخلت انا وعروۃ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنهما المسجد فاذا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما جالس الی حجرۃ عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنها واذا اناس یصلون فی المسجد صلوۃ الضحی قال فسألناه عن صلاتهم فقال بدعۃ الخ (صحیح البخاری ص۲۳۸ ج۱)

② وقال الامام ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری رحمہ اللہ تعالیٰ: حدثنا اسحق بن ابراهیم اخبرنا جریر عن منصور عن مجاهد قال: دخلت انا وعروۃ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنهما المسجد فاذا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما جالس الی حجرۃ عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنها والناس یصلون الضحی فی المسجد فسألناه عن صلوتهم فقال بدعۃ الخ (صحیح مسلم ص۴۰۹ ج۱)

(۳) وقال الشیخ محی الدین ابو زکریا یحیی بن شرف النواوی رحمہ اللہ تعالی: (قولہ انھم سألوا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما عن صلوۃ الذین کانوا یصلون الضحی فی المسجد فقال بدعۃ) ھذا قد حملہ القاضی وغیرہ علی ان مرادہ ان اظہارھا فی المسجد والاجتماع لھا ھو البدعۃ، لا ان اصل صلوۃ الضحی بدعۃ وقد سبقت المسألۃ فی کتاب الصلوۃ (شرح النووی علی صحیح مسلم صفحہ مندرجہ بالا)

(۴) وقال الامام محمد بن محمد بن شہاب المعروف بابن البزاز الکردری الحنفی رحمہ اللہ تعالی: وقد صح عن ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہما انہ سمع قوما اجتمعوا فی مسجد یھللون ویصلون علیہ علیہ الصلوۃ والسلام جھرا فراح الیھم فقال ما عھدنا ذلک علی عھدہ علیہ السلام وما اراکم الا مبتدعین فما زال یذکر ذلک حتی اخرجھم عن المسجد.
(بزازیۃ بھامش الھندیۃ ص۳۷۸ ج۲)

(۵) وقال فی موضع آخر: ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع والاعیاد ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ بقراءۃ القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراءۃ سورۃ الانعام او الاخلاص فالحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءۃ القرآن لاجل الاکل یکرہ (بزازیۃ بھامش الھندیۃ ص۸۱ ج۲)

(۶) وقال الفقیہ المخدوم محمد جعفر بن العلامۃ عبدالکریم البوبکانی السندی رحمہ اللہ تعالی: فی الصیرفیۃ قراءۃ القرآن لاجل المھمات والبأس مکروہ، (وبعد صفحۃ) یکرہ للقوم ان یقرأ القرآن جملۃ لتضمنھا ترک الاستماع والانصات المأمور بھما (فلک) لا بأس بہ فی التاتارخانیۃ من المحیط من المشایخ من قال: ان ختم القرآن بالجماعۃ جھرا ویسمی بالفارسیۃ "بسپارہ خواندن" مکروہ، (الی قولہ) فی عین العلم ولا یختم فی اقل من ثلثۃ ایام (وبعد صفحۃ) فی مفید المستفید من النصاب قراءۃ القرآن فی المجالس یکرہ لانہ یقرأ طمعا فی الدنیا وکذلک فی الاسواق وکذلک علی رأس القبر قیل: ولو قرأ ولا یسأل والناس اعطوہ من غیر

سؤال قال یکرہ ایضا لانہ اذا لم یقصد السؤال لم لا یجلس فی بیتہ و یقرأ القرآن (المتانۃ فی المرمۃ عن الخزانۃ ص ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴)

(۷) وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (تتمۃ) اشار بقولہ فرادی الی ما ذکرہ بعد فی متنہ من قولہ و یکرہ الاجتماع علی احیاء لیلۃ من ہذہ اللیالی فی المساجد و تمامہ فی شرحہ، وصرح بکراھۃ ذلک فی الحاوی القدسی قال: وما روی من الصلوات فی ہذہ الاوقات یصلی فرادی غیر التراویح۔

قال فی البحر: ومن ہنا یعلم کراھۃ الاجتماع علی صلوۃ الرغائب التی تفعل فی رجب فی اول جمعۃ منہ وانہا بدعۃ، وما یحتالہ اہل الروم من نذرھا لتخرج عن النفل والکراھۃ باطل اھ

قلت: وصرح بذلک فی البزازیۃ کما سیذکرہ الشارح آخر الباب، وقد بسط الکلام علیہ شارحا المنیۃ، وصرحا بأن ما روی فیہا باطل موضوع، وبسطا الکلام فیہا خصوصا فی الحلیۃ، وللعلامۃ نور الدین المقدسی فیہا تصنیف حسن سماہ "ردع الراغب عن صلاۃ الرغائب" احاط فیہا بغالب کلام المتقدمین والمتأخرین من علماء المذاہب الاربعۃ (رد المحتار ص ۲۶ ج ۲)

(۸) وقال فی موضع آخر:

وقال ایضا: ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اہل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ، وروی الامام احمد وابن ماجہ باسناد صحیح عن جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہما قال "کنا نعد الاجتماع الی اہل المیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ" اھ وفی البزازیۃ: ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم، واتخاذ الدعوۃ لقراءۃ القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراءۃ سورۃ الانعام او الاخلاص۔

والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءۃ القرآن لاجل الاکل یکرہ،

وفیہا من کتاب الاستحسان: وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا اھ واطال فی ذلک فی المعراج وقال: وھذہ الافعال کلہا للسمعۃ والریاء فیحترز عنہا لانہم لا یریدون بہا وجہ اللہ تعالی اھ (رد المحتار ص۲۴۰ ج ۲)

(۹) وقال فی موضع آخر:

وقد اطنب فی ردہ صاحب تبیین المحارم مستندا الی النقول الصریحۃ، فمن جملۃ کلامہ قال تاج الشریعۃ فی شرح الھدایۃ: ان القرآن بالاجرۃ لا یستحق الثواب لا للمیت ولا للقاری، وقال العینی فی شرح الھدایۃ: ویمنع القاری للدنیا، والآخذ والمعطی آثمان۔

فالحاصل ان ما شاع فی زماننا من قراءۃ الاجزاء بالاجرۃ لا یجوز، لان فیہ الامر بالقراءۃ واعطاء الثواب للآمر والقراءۃ لاجل المال، فاذا لم یکن للقاری ثواب لعدم النیۃ الصحیحۃ فاین یصل الثواب الی المستأجر ولولا الاجرۃ ما قرأ احد لاحد فی ھذا الزمان بل جعلوا القرآن العظیم مکسبا ووسیلۃ الی جمع الدنیا، انا للہ وانا الیہ راجعون (وبعد اسطر) کما صرح بہ فی التاتارخانیۃ حیث قال: لا معنی لھذہ الوصیۃ ولصلۃ القاری بقراءتہ، لان ھذا بمنزلۃ الاجرۃ، والاجارۃ فی ذلک باطلۃ وھی بدعۃ ولم یفعلھا احد من الخلفاء الخ (رد المحتار ص۵۶ ج ۶)

(۱۰) وقال ایضا:

ونقل العلامۃ الخلوتی فی حاشیۃ المنتھی الحنبلی عن شیخ الاسلام تقی الدین ما نصہ: ولا یصح الاستئجار علی القراءۃ واھداؤھا الی المیت لانہ لم ینقل عن احد من الائمۃ الاذن فی ذلک وقد قال العلماء: ان القاری اذا قرأ لاجل المال فلا ثواب لہ فای شیء یھدیہ الی المیت وانما یصل الی المیت العمل الصالح، والاستئجار علی مجرد التلاوۃ لم یقل بہ احد من الائمۃ۔ (وبعد اسطر) وحینئذ فقد ظھر لک بطلان ما اکب علیہ اھل العصر من الوصیۃ بالختمات والتھالیل مع قطع النظر عما یحصل فیھا من المنکرات التی لا ینکرھا الا من طمست بصیرتہ، وقد جمعت

فیہا رسالۃ سمیتہا "شفاء العلیل وبل الغلیل فی حکم الوصیۃ بالختمات والتہالیل (ردالمحتار ص۷۵ ج۶)"

ان روایات سے ثابت ہوا کہ مروج قرآن خوانی بدعت اور ناجائز ہے۔ قرآن وحدیث اور قرون مشہود لہا بالخیر میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اس میں شریک ہونا جائز نہیں۔

مزید برآں مروج قرآن خوانی میں بے شمار خرابیاں ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اعلان اور زبردستی وجبر کرکے اس میں لوگوں کو جمع کیا جاتا ہے شریعت کی اصطلاح میں اسکو "تداعی" کہا جاتا ہے جو کہ عبادات نافلہ میں ممنوع ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کے سامنے کچھ لوگ مسجد میں صلوۃ الضحی جماعت کی حالت میں پڑھ رہے تھے، جب آپ سے ان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے اس عمل کو بدعت قرار دیا۔ حالانکہ "صلوۃ الضحی" انفراداً پڑھنا ثابت ہے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہما نے ایک قوم کے بارے میں سنا کہ وہ اجتماعی حالت میں جہراً تہلیل اور درود شریف پڑھ رہے ہیں تو آپ نے ان کو "بدعتی" قرار دے کر مسجد سے نکال دیا حالانکہ انفراداً تسبیح وتہلیل اور درود شریف پڑھنا باعث اجر وثواب ہے۔

(۲) بلانے کے بعد اگر کچھ لوگ قرآن خوانی میں حاضر نہ ہوں تو ان کو طرح طرح سے ملامت کی جاتی ہے حالانکہ امر مستحب کے ترک پر ملامت جائز نہیں۔

(۳) حاضر نہ ہونے والوں سے بغض ونفرت اور کدورت دل میں بیٹھ جاتی ہے۔

(۴) قرآن خوانی کرانے والے جم غفیر کے حاضر ہونے پر فخر کرتے ہیں۔

(۵) مروج قرآن خوانی کو اتنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن خوانی نہ کرائے یا اس میں کم لوگ حاضر ہوں تو ان کو ہدف تنقید بنایا جاتا ہے۔

(۶) پورے قرآن کے ختم کو ضروری سمجھا جاتا ہے، جبکہ شریعت میں برکت اور ایصال ثواب کے لئے کوئی مقدار معین نہیں بلکہ تلاوت قرآن کے سوا ذکر واذکار، تسبیحات، نوافل اور صدقات وغیرہ دوسرے طریقوں سے بھی یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔

(۷) اگر پڑھنے والے کم جمع ہوں تو پورے قرآن کے ختم کو اپنے اوپر بوجھ سمجھتے ہیں

اور زہر کا گھونٹ سمجھ کر کسی طریقے سے گلے سے اتارنے کی کوشش کرتے ہیں، جبکہ حدیث میں ارشاد ہے:

"اقرؤا القرآن ما ائتلفت علیه قلوبکم فاذا اختلفتم فقوموا عنه"

(صحیح بخاری ص۷۵۵ ج۲)

یعنی اس وقت تک قرآن پڑھو جب تک دل نہ اکتائے۔

⑧ ایسی صورت میں تجوید کے قواعد، حروف وصفات کی صحیح ادائیگی، غنہ، اخفاء، اظہار اور مدات وغیرہ کی رعایت کئے بغیر الفاظ و حروف کو کاٹ کر جان چھڑانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

⑨ مروج قرآن خوانی میں بعض وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جو قرآن پڑھے ہوئے نہیں ہوتے تو وہ کوئی پارہ اٹھا کر ہر سطر پر بسم اللہ پڑھ کر یا محض انگلی پھیر کر پارہ رکھ دیتے ہیں۔ اس کو "انگلی اور بسم اللہ ختم" کہا جاتا ہے جس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں بلکہ اس میں قرآن کریم کی توہین ہے۔

⑩ ختم کے آخر تک بیٹھنے کو ضروری سمجھا جاتا ہے، لہذا کوئی شخص اپنا پارہ ختم کر کے شدید تقاضے کے باوجود اٹھنے کی جرأت نہیں کر سکتا کیونکہ اسکو نہایت معیوب سمجھا جاتا ہے۔

⑪ بعض لوگوں کو سجدۂ تلاوت کا علم نہیں ہوتا تو وہ سجدوں کی آیات پڑھ اور سنکر سجدہ تلاوت نہ کرنے کی وجہ سے ثواب کی بجائے ترک واجب کا گناہ اپنے سر لیتے ہیں۔

⑫ بعض مقامات پر قرآن خوانی کرانے والے سب لوگوں کی طرف سے چودہ سجدے ادا کر لیتے ہیں۔ اس سے ان کا ذمہ فارغ نہیں ہوتا اور خلاف شرع سجدے کرنے والے گنہگار رہوتے ہیں۔

⑬ مروج قرآن خوانی کے موقع پر دعوت یا شیرینی کا بند و بست بھی کیا جاتا ہے "المعروف کالمشروط" کے قاعدے سے یہ پڑھنے والوں کی اجرت ہے اور قرآن پڑھنے کی اجرت دینے اور لینے والے دونوں گنہگار ہیں تو اس پر ثواب کی کیا توقع؟ اور جب پڑھنے والوں کو خود ثواب نہیں ملتا تو وہ میت کے لئے ایصال ثواب کیسے کر سکتے ہیں؟

(۱۴) دعوت یا نیر.نی کو اتنا لازم کر رکھا ہے کہ اس کا انتظام نہ کرنے والے پر لعن و تشنیع کی بھرمار ہوتی ہے۔

(۱۵) مروج قرآن خوانی کے لئے سوئم، چہلم وغیرہ خاص دن کی تعیین کی جاتی ہے، اور غیر معین عبادت میں اپنی طرف سے تعیین مکروہ، ناجائز بلکہ بدعت ہے۔

(۱۶) حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ "ہم میت کے گھر والوں کے ہاں جمع ہونے اور ان کے طعام تیار کرنے کو "نوحہ" سمجھتے تھے" اور نوحہ حرام ہے۔

(۱۷) مروج قرآن خوانی میں شرکت کرنے والوں اور کرانے والوں دونوں کی نیت نمائش اور دکھلاوے کی ہوتی ہے۔ ریاکاری سے انسان کا بڑے سے بڑا عمل بھی ضائع ہوجاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ ریاکاری سے نیک عمل ایسا تباہ ہوجاتا ہے جیسے آگ ایندھن کو کھا جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا عمل مردود ہوجاتا ہے۔

سو جو عمل اللہ کے لئے کرنا تھا اور برکت و ثواب پہنچانا مقصود تھا ریاکاری سے سارے عمل کو آگ لگادی۔ ثواب تو کیا ملا؟ الٹا ریاکاری کا عذاب سر پر آگیا۔

یہ تمام خرابیاں شریعت و سنت کے طریقے سے روگردانی کا نتیجہ ہیں۔ اس کے برعکس اگر شریعت کا طریقہ اختیار کیا جاتا تو راحت ہوتی اس قدر زحمت اور تکالیف کی مشقت برداشت نہ کرنی پڑتی، اخلاص وللّٰہیت ہوتی جس کی بدولت پڑھنے والوں کا بھی نفع ہوتا اور میت کا بھی اور ریا و نمود کا عظیم گناہ بھی سر پر نہ آتا۔

ایصال ثواب کا صحیح طریقہ:

ایصال ثواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ لسانی و جسمانی عبادات میں سے ہر شخص اپنے گھر میں انفرادی طور پر جو نیک عمل اپنے لئے کرتا ہے، نفل نماز پڑھتا ہے، نفل روزے رکھتا ہے، تسبیحات پڑھتا ہے، تلاوت کرتا ہے، نفل حج یا عمرہ کرتا ہے، طواف کرتا ہے، اس میں صرف یہ نیت کرلے کہ اس کا ثواب ہمارے فلاں عزیز یا دوست کو پہنچے، وہ پہنچ جائے گا اور بس یہی ایصال ثواب ہے، وہ ثواب جو آپ کو ملنا تھا، آپ کو بھی ملے گا۔

اور جن دوسرے لوگوں کی نیت کی ہے ان سب کو بھی پورا ثواب ملے گا۔

مالی صدقہ وخیرات کرنے کا سب سے افضل طریقہ یہ ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق نقد رقم کسی کار خیر میں لگادے یا کسی مسکین کو دیدے۔

یہ طریقہ اس لئے افضل ہے کہ اس سے مسکین اپنی ہر حاجت پوری کرسکے گا اور اگر آج اسے کوئی ضرورت نہیں تو کل کی ضرورت کے لئے رکھ سکتا ہے، نیز یہ صورت ریاد نمود سے پاک ہے۔ حدیث میں مخفی صدقہ دینے والے کی یہ فضیلت وارد ہوئی ہے کہ ایسے شخص کو اللہ تعالی بروز قیامت اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ عنایت فرمائیں گے جبکہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا اور تمازت کے سبب لوگ پسینوں میں غرق ہو رہے ہوں گے۔

فضیلت کے لحاظ سے دوسرے درجہ پر یہ صورت ہے کہ مسکین کی حاجت کے مطابق اسے صدقہ دیا جائے یعنی اس کی حاجت کو دیکھ کر اسے پورا کیا جائے۔

مکان و دکان میں برکت کے لئے بھی مالک بذات خود مندرجہ بالا صورت اختیار کرے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۴ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

(مروج قرآن خوانی کا بیان جلد سابع کتاب الاجارہ میں بھی ہے)

متفرقات الحظر والاباحۃ

ایک بستر پر دو آدمیوں کا سونا:

سوال: فراش واحد پر دو شخصوں کا سونا جائز ہے یا نہیں؟ نیز لمبی چٹائی اور بڑا پلنگ فراش واحد کے حکم میں ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

دس سال یا اس سے زیادہ عمر کے دو شخصوں کو خواہ دونوں مرد ہوں یا دونوں عورتیں یا ایک مرد اور ایک عورت فراش واحد پر سونا جائز نہیں، خواہ ایک شخص ایک جانب ہو اور دوسرا دوسری جانب جبکہ ان کے درمیان کوئی کپڑا وغیرہ حائل نہ ہو، اگر حائل ہو تو اکٹھے سونا مکروہ تنزیہی ہے۔

البتہ لڑکا اپنے والد کے ساتھ اور لڑکی اپنی والدہ کے ساتھ سو سکتی ہے۔ لمبی چٹائی اور بڑا پلنگ فراش واحد کے حکم میں نہیں۔ ہاں اتنے مل کر سونا کہ دیکھنے والے کو فراش واحد پر سونا معلوم ہو، جائز نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: ولا یجوز للرجل مضاجعۃ الرجل وان کان کل واحد منھما فی جانب من الفراش قال علیہ الصلوۃ والسلام لا یفضی الرجل الی الرجل فی ثوب واحد ولا تفضی المرأۃ الی المرأۃ فی الثوب الواحد واذا بلغ الصبی او الصبیۃ عشر سنین یجب التفریق بینھما بین اخیہ واختہ وامہ وابیہ فی المضجع لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام وفرقوا بینھم فی المضاجع وھم ابناء عشر وفی النتف اذا بلغوا ستا کذا فی المجتبی وفیہ الغلام اذا بلغ حد الشھوۃ کالبالغ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ مضاجعۃ الرجل) ای فی ثوب واحد لا حاجز بینھما وھو المفھوم من الحدیث الآتی وبہ فسر الاتقانی المکامعۃ علی خلاف مامر عن الھدایۃ وھل المراد ان یلتفا فی ثوب واحد او یکون احدھما فی ثوب دون الآخر والظاھر الاول یؤیدہ

مانقلہ عن مجمع البحار ای … متحجر بین وان کان بینھما حائل فیکرہ تنزیھا اھ تأمل۔
(قولہ بین اخیہ واختہ الخ) قال فی النہر عن ویفرق بین الصبیان فی المضاجع اذا بلغوا عشر سنین (الی قولہ) فان ذلک داعیۃ الی الفتنۃ ولو بعد حین اھ وفی البزازیۃ اذا بلغ الصبی عشر الاینام مع امہ واختہ وامرأۃ الاامرأتہ او جاریتہ اھ فالمراد التفریق بینھما عند النوم خوفا من الوقوع فی المحذور (الی قولہ) بخلاف ما اذا کان نائما وحدہ او مع ابیہ وحدہ او البنت مع امھا وحدھا۔ (رد المحتار ص۲۴۴ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۴ صفر ۸۶ھ

مقروض کے مال سے خفیۃً اپنا حق وصول کرنا:

یہ مسئلہ احسن الفتاوی ص۱۴ ج ۷، باب القرض والدین میں بعنوان "قرض وصول کرنے کی تدبیر" گزر چکا ہے۔

حج کی فلم دیکھنا حرام ہے:

سوال: آج کل کراچی، حیدرآباد اور سکھر کے سینما ہالوں میں حج کی فلم دکھائی جاتی ہے، دیکھنے والوں کا کہنا ہے کہ اس فلم میں کوئی غیر شرعی فعل، مزامیر، رقص، عریاں تصاویر اور گانے وغیرہ بالکل نہیں ہیں، صرف حجاج کرام کا بندرگاہ جدہ پر اترنے سے لے کر پھر سوار ہونے تک حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً کی کارگزاری دکھائی جاتی ہے، یعنی طواف سعی صفا و مروہ، استلام حجر اسود، رمی جمار، وقوف عرفہ کے مناظر اور دیگر عبادات کی جیتی جاگتی تصاویر دکھائی جاتی ہیں۔ ایک مولانا صاحب اور ایک قاری صاحب ساتھ ساتھ حج سے متعلق بیان کرتے رہتے ہیں اور تلاوت بھی ہوتی رہتی ہے۔

دریافت طلب یہ ہے کہ مناسک حج جو شعائر اسلام ہیں ان کو فلم کرنا اور سینما میں دیکھنا دکھانا کیسا ہے؟ جواز یا عدم جواز جو بھی حکم ہو اس کے اسباب وعلل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

اگر کوئی شخص باعتقاد حصول ثواب یہ فلم دیکھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ تعریف یعنی نقل وقوف عرفہ بدعت ہے حالانکہ وہاں دوسرے منکرات نہیں ہوتے۔ فلم میں تو کئی منکرات ہیں اس لئے یہ بطریق اولیٰ ناجائز ہوگی۔ اس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

① فلم کا آلۂ لہو ولعب ہونا ظاہر ہے اور آلات لہو کو مقاصد دینیہ میں استعمال کرنا دین کی سخت اہانت اور استخفاف ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: اتخذوا دینھم لھوا ولعبا الآیۃ۔

② اکثر افعال حج تعبدی غیر مدرک بالقیاس ہیں، جنہیں مخالفین اسلام بھی دیکھتے ہیں، ان افعال کو دیکھ کر وہ اسلام کا مذاق اڑائیں گے اور فلم بنانے والے اس کا سبب بنیں گے۔

③ اس میں تصاویر کا استعمال اور ان سے تلذذ ہوتا ہے اور اس کے قبح میں کسی کو کلام نہیں، گو عابدین ہی کی تصاویر ہوں۔

حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام کی جو تماثیل بناکر بیت اللہ میں رکھی گئی تھیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ جو معاملہ فرمایا تھا وہ معلوم ہے۔

④ اس سے اہل ہوی اس رسم کے جواز پر استدلال کریں گے جو کچھ عرصہ قبل ایجاد ہوئی ہے کہ ایک خاص علاقہ میں جمع ہوکر حج کی نقل کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ابتداءً حج کی ترغیب اور تشویق کی نیت ہو مگر اب اس کو اچھا خاصا حج سمجھا جانے لگا ہے، جس کے مفاسد پر سب کا اتفاق ہے۔ اہل ہوی کے سامنے دونوں رسموں کے درمیان کیا فرق بیان کیا جائے گا؟

⑤ نیز فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے حارس کے لئے بغرض ایقاظ رفع الصوت بالتہلیل کو معصیت قرار دیا ہے حالانکہ طاعت ومباح میں اتنا بعد نہیں جتنا کہ طاعت اور معصیت میں ہے۔

⑥ معصیت یعنی فلم کو ترغیب حج کا ذریعہ بنانے میں سب سے بڑھکر شناعت یہ ہے کہ اس میں صالحین کی اہانت ہے، درحقیقت یہ اسلام کی اہانت ہے جس کا تحمل طبعاً وشرعاً کسی طرح ممکن نہیں۔

جب اس عمل میں اباحت ہی نہیں تو اعتقاد ثواب قریب بکفر ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۶ ربیع الثانی ۸۶ھ

"محمد" نام تبدیل کرنا:

سوال: خالد کی بیوی حاملہ تھی، اس نے حمل کو لڑکا تصور کرکے "محمد" نام رکھ دیا، اللہ کے فضل وکرم سے لڑکا ہی پیدا ہوا، اب اگر "محمد احمد" یا "محمد عبدالرحمن" یا کوئی دوسرا نام رکھ دیا جائے تو کچھ حرج تو نہیں؟ گناہ تو نہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بچہ پیدا ہونے کے بعد کوئی دوسرا نام رکھنا یا "محمد" کے ساتھ کچھ اور ملا دینا اگرچہ شرعاً جائز ہے مگر بہتر نہیں، ایسے محبوب نام کو تبدیل کرنا باعث حرمان ہے، مسلمان کی طبیعت اسے کیسے گوارا کرسکتی ہے؟ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۲ ذی القعدہ ۸۶ھ

"عبدالرسول" یا "غلام غوث" نام رکھنا:

سوال: اس قسم کے نام رکھنے کا کیا حکم ہے:

غلام غوث، غلام احمد، غلام مصطفیٰ، عبدالرسول، عبدالنبی، عبدالعلی وغیرہ۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

غلام غوث اور غلام احمد وغیرہ نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں، عبدالرسول وغیرہ ایسے نام رکھنا جس میں عبد کی اضافت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہو موہم شرک ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، البتہ ایسے شخص کو مشرک نہیں کہا جائے گا کیونکہ عبد سے خادم اور مطیع مراد لیا جاسکتا ہے۔

قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا یجوز نحو عبد الحارث ولا عبد النبی ولا عبرۃ بما شاع فیما بین الناس (المرقاۃ ص۱۰۲ ج۹)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا یسمیہ حکیما ولا ابا الحکم ولا ابا عیسی ولا عبد فلان (الی ان قال) اقول ویؤخذ من قولہ ولا عبد فلان منع التسمیۃ بعبد النبی ونقل المناوی عن الدمیری انہ قیل

بالجواز بقصد التشریف بالنسبۃ والاکثر علی المنع خشیۃ اعتقاد حقیقۃ العبودیۃ کما لا یجوز عبدالدار اھ (رد المحتار ص۲۶۸ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۷ جمادی الاولی سنہ ۸۹ھ

نام بدلنا یا متعدد نام رکھنا:

سوال: کیا نام تبدیل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس وجہ سے کہ پہلا نام معنی کے لحاظ سے اچھا نہ تھا یا بے معنی تھا یا دوسرا نام پسند آ گیا نیز کیا ایک شخص کے ایک سے زیادہ نام رکھے جا سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

برے نام کو اچھے نام سے بدل دینا ضروری ہے، بلا ضرورت نام بدلنے اور متعدد نام رکھنے میں کوئی مضایقہ نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت بحث ما تجوز التسمیۃ بہ من الاسماء ومالا تجوز: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یغیر الاسم القبیح الی الحسن جاءہ رجل یسمی اصرم فسماہ زرعۃ (رد المحتار ص۲۶۸ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۹ صفر سنہ ۹۲ھ

غیر قریشی کا قریشی کہلانا:

سوال: غیر قریشی کا اپنے کو قریشی کہلانا کیسا ہے؟ ہماری برادری شیخ، قصاب یا قصائی مشہور ومعروف ہے، کچھ لڑکے بی اے پڑھ گئے ہیں، انہوں نے اپنے کو قریشی کہنا شروع کر دیا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

غیر قریشی کا قریشی کہلانا یا کسی خاندان سے تعلق رکھنے والے کے لئے اپنے کو دوسرے خاندان کی طرف منسوب کرنا حرام اور سخت گناہ ہے، اس پر شدید وعید آئی ہے۔

عن سعد بن ابی وقاص وابی بکرۃ رضی اللہ تعالی عنہما قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ادعی الی غیر ابیہ وھو یعلم فالجنۃ علیہ

حرام متفق علیہ۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ترغبوا عن اٰبائکم فمن رغب عن ابیہ فقد کفر متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ ص۲۸۷ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۵ شعبان سنہ ۹۱ھ

عبد الرحمٰن یا عبد الرحیم نام رکھنا:

سوال: عبد الرحمٰن یا عبد الرحیم جیسے اسماء سے مضاف حذف کرکے صرف رحمٰن یا رحیم پکارنے کا عام دستور ہوگیا ہے کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

چونکہ ایسے اسماء میں مضاف محذوف معنوی ہوتا ہے اس لئے جائز تو ہے مگر کراہت سے خالی نہیں بالخصوص ان اسماء میں جو صرف ذات باری تعالی کے ساتھ مختص ہیں جیسے غفار، رحمٰن وغیرہ، ان میں حذف مضاف زیادہ قبیح ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۷ ذی الحجہ سنہ ۹۴ھ

پتنگ اڑانا جائز نہیں:

سوال: کیا پتنگ اڑانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پتنگ اڑانا جائز نہیں، اس میں مندرجہ ذیل مفاسد ہیں:

(۱) کبوتر کے پیچھے بھاگنے والے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان فرمایا ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا یتبع حمامۃ فقال شیطان یتبع شیطانۃ (ابوداود ص۳۴۲ ج ۲)

کبوتر بازی میں انہماک کی وجہ سے امور دینیہ ودنیویہ سے غفلت کا مفسدہ پتنگ بازی میں بھی پایا جاتا ہے، لہذا یہ وعید اس کو بھی شامل ہے۔

(۲) مسجد کی جماعت بلکہ خود نماز سے ہی غافل ہوجانا، شراب اور جوئے کے حرام ہونے کی اللہ تعالی نے یہی بیان فرمائی ہے، ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ۔

(۳) پتنگ اکثر مکانوں کی چھت پر کھڑے ہوکر اڑائے جاتے ہیں جس سے آس پاس

والے گھروں کی بے پردگی ہوتی ہے۔

④ بعض اوقات پتنگ اڑاتے اڑاتے پیچھے کو ہٹتے ہیں اور نیچے گر جاتے ہیں، چنانچہ اخبارات میں اس قسم کے واقعات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس میں اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا ہے جس پر آڑ نہ ہو۔

⑤ بے جا مال صرف کرنا تبذیر اور حرام ہے، قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو شیطان کے بھائی قرار دیا گیا ہے۔

پتنگ بازی کا باہم مقابلہ معصیت میں تسابق وتفاخر ہے جو حرام ہے اور اس پر کفر کا خطرہ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۱ محرم ۸۸ھ

تعدیۂ مرض کی تحقیق:

سوال: کسی علاقہ یا شہر میں کوئی وبا پھیل جائے تو وہاں سے دوسرے شہر یا محلہ کی طرف منتقل ہونا جائز ہے یا نہیں؟ نیز جانوروں میں کوئی وبا آجائے تو تندرست جانوروں کو الگ کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بعض احادیث سے عدوی کی نفی ہوتی ہے اور بعض سے ثبوت ملتا ہے۔

صورت تطبیق یہ ہے کہ احادیث نفی میں وہ عدوی مراد ہے جس کے قائل اہل جاہلیت تھے اور اب بھی اس کے معتقدین موجود ہیں۔ یعنی یہ اعتقاد کہ "بعض امراض میں یہ خاصیت طبعی اور لازمی ہے کبھی تخلف ہو ہی نہیں سکتا" اس اعتقاد کی نفی نص لا عدوی ولا طیرۃ کے علاوہ مشاہدہ سے بھی ہوتی ہے، مثلاً کسی مقام پر طاعون پھیلتا ہے تو اموات کی تعداد محفوظین کی تعداد سے بہت کم ہوتی ہے۔ اگر تعدیہ ضروری ہوتا تو اس کا عکس ہوتا بلکہ کوئی بھی نہ بچتا۔

اور جن احادیث میں پرہیز کا حکم ہے وہ بدرجۂ سبب ہے مگر اس سبب کی حیثیت اسباب ظاہرہ سے کم ہے، اس لئے پرہیز ضروری نہیں۔ فر من المجذوم فرارك من الاسد کا حکم ضعیف الاعتقاد لوگوں کے لئے ہے کہ ان کو اگر بمشیت الٰہیہ بیماری لگ گئی تو وہ لاعدوی

ولا جابرۃ جیسی احادیث کا انکار کر بیٹھیں گے جس میں ان کے سلب ایمان کا خطرہ ہے
گر فرار من الوباء سے چونکہ حدیث میں صراحۃً منع کیا گیا ہے اس لئے ایک شہر چھوڑ کر دوسرے شہر جانا جائز نہیں، البتہ ایک محلہ سے دوسرے محلہ یا ایک مکان سے دوسرے مکان میں جانا جائز ہے۔
اسی طرح مواشی کو بدرجہ سبب الگ کرنا جائز ہے، اعتقاد لزوم جائز نہیں۔
واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔
۲۶ ربیع الاول ۸۷ھ

طلب معاش کے لئے بدون اذن والدین سفر کرنا:

سوال: والدین اور بیوی کی اجازت کے بغیر روزگار کے لئے کسی دور شہر کا سفر کرنا کیسا ہے؟ جبکہ اس شہر میں روزگار نہ ملتا ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر سفر کی وجہ سے والدین یا بیوی بچوں کے ضیاع کا خوف ہو یعنی وہ خود غنی نہ ہوں یا ان کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ ہو تو اس صورت میں سفر نہ کرے اور اگر اپنے شہر میں روزگار کا کوئی انتظام نہ ہو سکتا ہو تو ان کے لئے نفقہ اور حفاظت کا معقول انتظام کرکے سفر کر سکتے ہیں، البتہ اگر سفر ایسا پر خطر ہے کہ ہلاکت کا ظن غالب ہے تو بہر صورت والدین کی اجازت کے بغیر سفر کرنا جائز نہیں۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالی: وله الخروج لطلب العلم الشرعی بلا اذن والدیه لو ملتحیا وتمامه فی الدرر۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی: (قوله وله الخروج الخ) ای ان لم یخف علی والدیه الضیعة بأن کانا موسرین ولم تکن نفقتهما علیه فی الخدمة ولو اراد الخروج الی الحج وکرها ذلك قالوا ان استغنی الاب عن خدمته فلا بأس والا فلا یسعه الخروج فان احتاجا الی النفقة ولا یقدر ان یخلف لهما نفقة کاملة اوامکنه الا ان الغالب علی الطریق الخوف فلا یخرج ولو الغالب السلامة یخرج وفی بعض الروایات لا یخرج الی الجهاد الا باذنهما ولو اذن احدهما فقط لا ینبغی له الخروج لان مراعاة حقهما

فرض عین والجہاد فرض کفایۃ (الی ان قال) ولو فی سفر تجارۃ او حج لا بأس به بلا اذن الابوین ان استغنیا عن خدمته ولو خرج المتعلم وضیع عیاله یراعی حق العیال اھ (رد المحتار ص ۲۶۱ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۷ جمادی الثانیہ سنہ ۸۳ ھ

بصورت استغناء والدین بلا اجازت سفر جائز ہے :

سوال : ایک شخص کی والدہ انتہائی ضعیف ہے، ان کی خدمت بہترین طریقہ سے ہو رہی ہے، ان کے صاحبزادے کی ان کو کوئی ضرورت نہیں، صاحبزادہ ایک دو سال کے سفر کے لئے جانا چاہتا ہے، والدہ اجازت تو دے رہی ہے مگر آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے صاحبزادہ کے فراق کا کافی صدمہ ہوگا۔ ایسی صورت میں سفر پر جانے سے صاحبزادہ گناہ گار تو نہیں ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر کسی دنیوی یا دینی حاجت کے لئے سفر کر رہا ہے تو جائز ہے بلکہ بوقت استغناء والدین ان کی اجازت کے بغیر بھی سفر کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ راستہ پر خطر نہ ہو۔ استغناء کا مطلب یہ ہے کہ والدین بیٹے کی جسمانی خدمت یا مالی تعاون کے محتاج نہ ہوں، طبعی صدمہ تو بہرحال ہوتا ہی ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وله الخروج لطلب العلم الشرعی بلا اذن والدیه۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (وله الخروج) ای ان لم یخف علی والدیه الضیعۃ بأن کانا موسرین ولم تکن نفقتهما علیه فی الخانیۃ ولو اراد الخروج الی الحج وکرها ذلك قالوا ان استغنی الاب عن خدمته فلا بأس والا فلا یسعه الخروج فان احتاجا الی النفقۃ ولا یقدر ان یخلف لهما نفقۃ کاملۃ او امکنه الا ان الغالب علی الطریق الخوف فلا یخرج ولو الغالب السلامۃ یخرج (الی ان قال) ولو اذن الابوان لا یلتفت الی غیرهما هذا فی سفر الجهاد فلو فی سفر تجارۃ او حج لا بأس به بلا اذن الابوین ان استغنیا عن خدمته اذ لیس فیه ابطال حقهما الا اذا کانت

الطریق مخوفا کالبحر فلا یخرج بلا اذنہما وان استغنیا عن خدمتہ (ردالمحتار ص۲۶۱ ج ۵) واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۹ شعبان ۹۸ھ

بدون اجازت والدین دوسری جگہ تدریس کرنا:

سوال: ایک شخص والدین کی رضا کے خلاف کسی دوسری جگہ تدریس کرتا ہے والدین کا اصرار ہے کہ وہ وہاں سے چھوڑ کر قریب کسی جگہ تدریس کرے، تو کیا اس حالت میں از روئے شرع اس شخص کے لئے اس جگہ تدریس کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دور حاضر قحط الرجال کا دور ہے، مدارس دینیہ وجامعات اسلامیہ میں علم وعمل کے لحاظ سے ماحول اس قدر ابتر ہو چکا ہے کہ ہر سال ہر جامعہ سے سینکڑوں فارغ ہونے والوں میں گنتی کے چند افراد علم وعمل کے اعتبار سے باصلاح ہوتے ہیں۔

راسخ فی العلم اور محقق علماء ایک ایک کرکے دنیا سے رخصت ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ان اکابر علماء کا منصب سنبھالنے کسی حد تک ان کی جانشینی کا حق ادا کرنے، اشاعت علم اور حفاظت دین کا فریضہ ادا کرنے اور اکابر کے خون پسینے سے سینچے ہوئے اس باغیچہ کو سرسبز و شاداب رکھنے کی امید اگر کی جا سکتی ہے تو ان ہی معدود باصلاحیت نوجوانوں سے کی جا سکتی ہے۔

دوسری طرف والدین اور اعزہ واقارب کے دین سے حد درجہ دور اور حب دنیا میں مبتلا ہونے کی وجہ سے حال یہ ہے کہ وہ کسی قیمت پر علم سے بہرہ مند اولاد کو کسی بہتر ادارے میں اطمینان سے کام کرنے کی بخوشی اجازت نہیں دیتے، وہ صرف اپنی سہولت، آسائش اور تعیش کو پیش نظر رکھتے ہیں، چنانچہ دنیا کمانے اگر کوئی لڑکا امریکہ یا یورپ بھی چلا جائے تو ان کو کوئی اشکال نہیں ہوتا۔

بعض تو دین کا کام کرنے ہی نہیں دیتے بلکہ دنیا کمانے پر لگا دیتے ہیں اور بعض قریب رہکر تدریس کرنے پر مجبور کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قریب رہ کر مدرس گھر کے مسائل میں الجھ جاتا ہے اور دلجمعی سے کام کرنا ممکن نہیں رہتا بلکہ بسا اوقات بہتر ماحول نہ ملنے کی وجہ سے رفتہ رفتہ تدریس سے دل اچاٹ ہو جاتا ہے اور ہر خدمت دین

سے ہاتھ دھو کر خالص دنیادار بن جاتا ہے بلکہ بعض اوقات برے ماحول کے اثر سے دین اور علماء دین سے متنفر ہو جاتا ہے اور طرح طرح کے فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس طرح وہ بجائے دین کی قابل قدر خدمت انجام دینے کے دین اور علماء دین کی بدنامی کا ذریعہ بنتا ہے اور بہت سے علم کا شوق رکھنے والوں کے لئے رکاوٹ بن جاتا ہے۔

اس بناء پر اگر گنے چنے نوجوانوں کو بھی بے دین والدین کی آسائش اور تعیش کی بھینٹ چڑھا دیا جائے تو دین و علم دین کا رہا سہا نام بھی دنیا سے مٹ جائے گا اور دین کا ایک مسئلہ بتانے والا بھی کوئی نہیں رہے گا۔

اس لئے والدین اور اعزہ نے جب اپنی اولاد میں سے کسی کو عالم بنانے کی سعادت حاصل کی تو اب اس کی خدمات دینیہ میں رکاوٹ بن کر شقاوت اپنے سر نہ لیں، بلکہ اس کو بخوشی خدمتِ دین کی اجازت دیں بلکہ اس کے ساتھ تعاون کر کے سعادتِ دائمہ کو اپنا مقدر بنائیں اور تدریس و خدمت دین کے لئے جگہ کے انتخاب میں اس کو پورا پورا اختیار دیں، وہ اپنی طبیعت اور صلاحیت کو مدنظر رکھ کر بہتر جگہ کا انتخاب کر سکتا ہے، وہی زیادہ بہتر سمجھ سکتا ہے کہ وہ کہاں زیادہ بہتر خدمت کر سکتا ہے اور اس کے لئے علمی و عملی ترقی کے مواقع کہاں زیادہ ہیں؟

خلاصہ یہ کہ دورِ حاضر میں کسی جگہ تدریس کے لئے والدین کی رضا ضروری نہیں بلکہ اگر والدین خدمت کے محتاج نہیں اور مدرس ان کی تمنا پوری کرنے میں اپنا دینی نقصان سمجھتا ہے اور دور رہ کر متعدی و غیر متعدی خدمات احسن طریقہ سے انجام دے سکتا ہے تو اس امر میں والدین کی اطاعت جائز نہیں۔

سفر تجارت کے لئے والدین کی اجازت ضروری نہیں حالانکہ یہ محض دنیوی اور ذاتی نوعیت کا نفع ہے تو علم دین جس پر پوری امت کی دنیوی و اخروی کامیابی موقوف ہے اس کے لئے سفر والدین کی اجازت پر کیسے موقوف ہو سکتا ہے؟

ہاں درج ذیل صورتوں میں والدین کی اجازت کے بغیر سفر کرنا یا دور رہنا جائز نہیں:

(۱) والدین جسمانی خدمت کے محتاج ہیں اور کوئی خدمت کرنے والا نہیں ہے۔

(۲) سفر ایسا پر خطر ہے کہ ہلاکت کا ظن غالب ہے۔

③ لڑکا امرد ہے، اس کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۸ رمحرم ۱۵ھ

ننگے سر اور ننگے پاؤں رہنا:

سوال: ننگے سر اور ننگے پاؤں رہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو عدم جواز کی کیا دلیل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ٹوپی یا عمامہ اور جوتا پہننا سنت ہے اور خلاف سنت وضع قطع کے برا اور قبیح ہونے میں کوئی شک نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں چیزوں کے استعمال پر مواظبت فرمائی ہے۔ نیز ننگے سر رہنا آج کل فساق و فجار کا شعار ہے اس لئے اس میں زیادہ قباحت ہے۔ نیز لباس اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جو زینت بھی ہے اور گرمی سردی وغیرہ تکالیف سے حفاظت بھی۔ اور نعمت کا ترک کفران نعمت ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۵ رجمادی الثانیہ ۸۷ھ

غیر عالم کو درس قرآن و حدیث دینا جائز نہیں:

سوال: آج کل عام طور پر ائمہ مساجد جو باقاعدہ سند یافتہ نہیں ہوتے اردو ترجمہ دیکھ کر اپنی اپنی مساجد میں درس قرآن و درس حدیث دیتے ہیں، کیا ان کا درس دینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جب تک کسی مستند عالم سے باقاعدہ علم دین حاصل نہ کیا ہو درس قرآن یا درس حدیث دینا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

غرۃ رجب ۸۷ھ

غسل خانے میں پیشاب کرنا:

غسلخانے میں پیشاب کرنا کیسا ہے جبکہ فرش پختہ ہو اور پیشاب کرکے پانی بہا دیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جائز ہے مگر احتراز بہتر ہے۔ اس سے وساوس پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یبولن احدکم فی مستحمہ ثم یغتسل او یتوضأ فیہ فان عامۃ الوسواس منہ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۸ رجب سنہ ۸۰ھ

ڈھنڈورا پٹوانا جائز ہے:

سوال: کسی چیز کا اعلان کرنے کے لئے ڈھول بجاکر ڈھنڈورا پٹوانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کسی نیک یا جائز کام کے لئے اس قسم کا اعلان کرنا جائز ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے اعلان کے لئے دف بجانے کی اجازت دی ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ ویندب اعلانہ) ای اظہارہ والضمیر راجع الی النکاح بمعنی العقد لحدیث الترمذی اعلنوا ھذا النکاح واجعلوہ فی المساجد واضربوا علیہ بالدفوف فتح (رد المحتار ص۲۶۱ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۴ رجب سنہ ۸۷ھ

جوان آدمی کا سفید بال چننا جائز ہے:

سوال: جوان آدمی کو نزلہ کی وجہ سے دو چار سفید بال آجائیں تو ان کا چننا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ازالۂ عیب کے لئے سفید بال چننا جائز ہے اور قبل از وقت بالوں کا سفید ہونا عیب ہے لہذا جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا بأس بنتف الشیب۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ ولا بأس بنتف الشیب) قیدہ فی البزازیۃ بأن لا یکون علی وجہ التزین (رد المحتار ص۲۹۱ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۷ رجب سنہ ۸۷ھ

سودخور سے رشتہ جوڑنا:

سوال: بنک یا بیمہ ملازم کے گھر میں اپنی لڑکی کا رشتہ کرنا یا ان سے لڑکی کا رشتہ لینا اور جہیز وغیرہ قبول کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۲ شعبان ۸۷ھ

گابھن گائے کو ذبح کے لئے فروخت کرنا:

سوال: گابھن گائے ذبح کرنے کے لئے قصاب کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

گابھن جانور کو ذبح کرنا جائز ہے لہذا قصاب کو فروخت کرنے میں کچھ حرج نہیں، البتہ اگر قریب الولادہ ہو تو ذبح کرنے کو بعض علماء نے مکروہ فرمایا ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: ولیس فی ذبح الام اضاعۃ الولد لعدم التیقن بموتہ۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ ولیس فی ذبح الام الخ) جواب عما یقال انہ لو لم یحل بذبح امہ لما حل ذبحھا حاملا لاتلاف الحیوان وتقریر الجواب ظاھر لکن فی الکفایۃ ان تقاربت الولادۃ یکرہ ذبحھا (رد المحتار ص۱۹۳ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۹ شوال ۸۷ھ

ممتحن کا نالائق طالب علم کو کامیاب کرنا جائز نہیں:

سوال: کسی ممتحن نے ایک لڑکے کو رعایۃً پاس کیا، اس کے بعد اس لڑکے کو ایک ملازمت ملی۔ اس لڑکے کے لئے اس ملازمت کے پیسے ناجائز تو نہیں ہونگے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر ملازمت کا کام کرنے کی پوری صلاحیت ہو تو ملازمت جائز ہے۔

اس کی آمدن پر ممتحن کے فعل کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ البتہ ممتحن محکمہ کی طرف سے امین تھا اور اس کا پابند کہ لائق طالب علم کو کامیاب کرے۔ اس نے نااہل کو کامیاب کر کے امانت میں خیانت اور بد دیانتی کا ارتکاب کیا، جس کا اسے گناہ ہوگا، اس پر توبہ و استغفار لازم ہے۔

قال اللہ تعالی: ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل الآیۃ (۴-۵۸) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

غرہ ذی القعدۃ ۱۳۹۸ھ

موذی جانوروں کو مارنا:

سوال: کتا، بلی، مکھی، چیونٹی، مکڑی وغیرہ تکلیف دہ جانوروں اور کیڑوں کو قتل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور قتل کرنے کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جانور اور حشرات الارض اگر ابتداءً بالاذی کریں تو ان کے قتل میں کوئی حرج نہیں ورنہ خلاف اولی ہے۔

سانپ اور بچھو چونکہ خلقۃً موذی ہی ہوتے ہیں اس لئے ان کو مارنا جائز بلکہ باعث ثواب ہے، کاٹنے والے کتے اور موذی بلی کا بھی یہی حکم ہے۔

موذی جانوروں اور حشرات الارض کو مارنے کے لئے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ جلد جان نکل جائے۔ آگ میں جلانا جائز نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وجاز قتل ما یضر منھا ککلب عقور وھرۃ تضر ویذبحھا ای الھرۃ ذبحا ولا یضربھا لانہ لا یفید ولا یحرقھا وفی المبتغی یکرہ احراق جراد وقمل وعقرب ولا بأس باحراق حطب فیھا النمل۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ ویذبحھا) الظاھر ان الکلب مثلھا تأمل (قولہ یکرہ احراق جراد) ای تحریما ومثل القمل البرغوث ومثل العقرب الحیۃ ط (رد المحتار ص ۲۹۹ ج ۵)

وفی الصدیقیۃ سئل النسفی عن الحشرات ھل یباح فی الشرع ابتداء من غیر ایذاء وھل یثاب علی قتلھم قال لا یثاب علی ذلک وان لم یوجد منہ الایذاء فالاولی ان لا یتعرض بقتل شیء منہ کذا فی جواھر الفتاوی (عالمگیریۃ ص۳۶۱ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲ رجب ۹۱ھ

چھپکلی کو مارنا ثواب ہے:

سوال: جنگلوں میں چھپکلی جیسی شکل کا ایک جانور پایا جاتا ہے اور رہائشی مکانوں میں چھپکلی کثرت سے پائی جاتی ہے۔ کیا ان دونوں کا مارنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں کا مارنا باعث اجر و ثواب ہے، حدیث میں "وزغ" کا لفظ ہے جو دونوں کو شامل ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مارنے پر اجر و ثواب کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ آتش نمرود میں پھونک مار کر اس کو تیز کرکے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ضرر پہنچانے میں تعاون کر رہی تھی۔

عن ام شریک رضی اللہ تعالی عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بقتل الوزغ وقال وکان ینفخ علی ابراھیم علیہ السلام (بخاری ص۴۷۲ ج ۱)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قتل وزغا فی اول ضربۃ کتبت لہ مائۃ حسنۃ وفی الثانیۃ دون ذلک وفی الثالثۃ دون ذلک (مسلم ص۲۳۶ ج ۲)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قتل وزغۃ بالضربۃ الاولی کان لہ کذا وکذا حسنۃ فان قتلہا فی الضربۃ الثانیۃ کان لہ کذا وکذا حسنۃ فان قتلہا فی الضربۃ الثالثۃ کان لہ کذا وکذا حسنۃ وفی الباب عن ابن مسعود وعائشۃ وام شریک و حدیث ابی ھریرۃ حدیث حسن صحیح (الترمذی ص۲۷۳ ج ۱)

قال الامام القرطبی رحمہ اللہ تعالی: وقال کعب وقتادۃ والزھری ولو

تبق یومئذ دابۃ الا اطفأت عن النار الا الوزغ فانھا کانت تنفخ علیہ - فلذلک امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقتلھا وسماھا فویسقۃ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۳)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم -

۱۰ رجب سنہ ۹۲ ھ

تحصیل ملازمت کے لئے ستر کھولنا:

سوال: حکومت نے ائرفورس میں مذہبی تعلیم کے سلسلے میں ایک نیا شعبہ کھولا ہے، جس میں علماء کو وارنٹ آفیسر (ریلیجس ٹیچر) کے عہدہ پر بھرتی کیا جاتا ہے۔ سرکاری قانون یہ ہے کہ بھرتی کے وقت طبی معاینہ کروانا ضروری ہے جس میں ستر کھولنا لازمی ہے. کیا مذکورہ صورت میں ستر کھولنا اور اعضاء مخصوصہ کا معاینہ کروانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ کوئی ایسی ضرورت نہیں جس کی بناء پر کسی کے سامنے ستر کھولنے کی اجازت ہو۔ تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ جن لوگوں کو مذہبی تعلیم کے لئے لیا جا رہا ہے ان کو مذہب کے خلاف کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے، جو لوگ ملازمت کے لئے ایسے گناہ کبیرہ اور حرام کے ارتکاب پر تیار ہوں گے وہ مذہب کی تعلیم جو کچھ دیں گے وہ ظاہر ہے، ایسے لوگوں سے مذہب کو فائدہ پہنچنے کی بجائے نقصان ہی پہنچے گا۔

بہرکیف بلا ضرورت شدیدہ کسی کو ستر دکھانا اور دیکھنا سخت گناہ اور حرام ہے اور سوال میں مذکورہ صورت ضرورت شدیدہ میں داخل نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

غرہ محرم سنہ ۹۵ ھ

گائے کا مصنوعی بچہ:

سوال: اگر گائے کا بچہ مر گیا تو دوسری کسی چیز سے بچہ کی صورت بنا کر گائے کے سامنے رکھ کر دودھ نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر بچے کا چہرہ اور آنکھیں پوری طرح نمایاں نہ ہوں ایسے ہی ایک شکل بنا دی گئی ہو تو جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۷ محرم سنہ ۹۵ ھ

چراگاہ میں سب کا حق ہوتا ہے:

سوال: ہمارے علاقہ میں تمام پہاڑ علاقہ وار منقسم ہیں۔ ایک گاؤں والے دوسرے گاؤں والوں کی چراگاہ میں اپنے مواشی نہیں لے جاسکتے۔ اگر کوئی لے جائے تو اس سے معاوضہ لیا جاتا ہے۔ یہ معاوضہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر معاوضہ نہ لیا جائے تو سارے لوگ اپنے مواشی ایک چراگاہ میں لے جاتے ہیں جس سے ان لوگوں کا نقصان ہوتا ہے جن کے حصے میں وہ چراگاہ ہے۔ اگر ایک گاؤں والے اپنی چراگاہ میں کسی کو نہ چھوڑیں تو علاقے کا حاکم جبراً بھیجتا ہے۔ ان حالات میں کیا کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پہاڑوں کو علاقہ وار اس طرح تقسیم کرنا کہ ایک قوم کے مواشی دوسری قوم کی چراگاہ میں نہ جاسکیں جائز نہیں۔ معاوضہ لینا اور بھی شدید ظلم ہے۔ تمام پہاڑی علاقوں اور اس کی گھاس میں تمام مسلمان برابر کے شریک ہیں۔

ارض مباحہ تو در کنار اپنی مملوکہ زمین کی خودرو گھاس سے بھی کسی کو روکنا جائز نہیں اگر مالک زمین میں داخل نہ ہونے دے تو اس پر لازم ہے کہ گھاس کاٹ کر طالب کے حوالہ کرے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وبیع ثوب من ثوبین والمراعی ای الکلأ واجارتھا اما بطلان بیعھا فلعدم الملک لحدیث الناس شرکاء فی ثلاث فی الماء والکلأ والنار واما بطلان اجارتھا فلانھا علی استھلاک عین ابن کمال وھذا اذا نبت بنفسہ وان انبتہ بسقی وتربیۃ ملکہ وجاز بیعہ عینی وقیل لا۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت (قولہ لحدیث الناس شرکاء فی ثلاث) ومعنی الشرکۃ فی النار الاصطلاء بھا وتجفیف الثیاب لااخذ الجمر الاباذن صاحبہ وفی الماء الشرب وسقی الدواب والاستقاء من الآبار والحیاض والانھار المملوکۃ وفی الکلأ الاحتشاش ولو فی ارض مملوکۃ غیر ان لصاحب الارض المنع من دخولہ ولغیرہ ان یقول ان لی فی ارضک حقا فاما ان توصلنی الیہ او تحشہ او تستقی وتدفعہ لی وصار کثوب رجل وقع فی دار رجل اما ان یاذن للمالک فی دخولہ لیأخذہ واما ان یخرجہ

الیه فتح ملخصا (رد المحتار ص۲۲۵ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۷ ربیع الاول ۸۰ھ

خنزیر اٹھانے میں کافر کا تعاون کرنا:

سوال: زید شکار کرنے گیا، وہاں اس سے پہلے ایک انگریز نے خنزیر کا شکار کیا ہوا تھا، انگریز نے زید سے کہا کہ اسے اٹھوا کر ذرا ہماری گاڑی میں رکھوادیں، زید نے انکار کر دیا۔ کافر نے کہا کہ اگر آپ کا کوئی جانور مر جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے اسے بھی تو آپ ہاتھ سے باہر پھینکتے ہیں۔ زید نے خنزیر تو نہیں اٹھایا مگر اس کے اس استدلال کا کوئی معقول جواب نہیں بن پڑا۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ کیا اس طرح کے کسی موقع پر خنزیر اٹھانے میں تعاون کرنا جائز ہے؟ کیا خنزیر کو ہاتھ لگانے سے ہاتھ ناپاک ہو جائے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس میں تذلیل مسلم ہے اس لئے جائز نہیں۔

انگریز کا استدلال باطل ہے، اس لئے کہ مردار جانور کو گھر سے حرام، نجس اور متعفن چیز باہر پھینکنے کے لئے اٹھایا جاتا ہے، اس میں کافر کے سامنے مسلم کی تذلیل نہیں، یہ تو مأمور بہ اور طاعت ہے۔

اگر خنزیر کے بال یا پکڑنے والے کا ہاتھ تر ہو تو ناپاک ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۴ ربیع الاول ۸۰ھ

اخبار میں مرد اور عورت کی تصویر دیکھنا:

سوال: اخبار کا مطالعہ کرتے وقت مردوں اور عورتوں کی تصاویر دیکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر ضرورت سے اخبار دیکھنا ہی ہو تو تصویریں دیکھنے سے حتی الامکان اجتناب کرنا چاہیئے۔ اور تصاویر کو قلم زد کر دینا چاہیئے۔ آج کل اخبار بینی ایک ذہنی تعیش بن گیا ہے جسے لوگ ضرورت سے تعبیر کرتے ہیں جو ایمان کی سخت کمزوری کی علامت

ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۷ ربیع الثانی ۸۸ھ

بنیت تبلیغ ارتکاب معصیت جائز نہیں:

سوال: اگر کسی فاسق کے ساتھ اس کے فسق میں شریک ہونے سے اس کی اصلاح کی امید ہو تو کیا ایسا کرنا جائز ہوگا؟ جیسے اہل بدعت کی مجالس بدعات میں شریک ہونا۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اصلاح وتبلیغ کی نیت سے معصیت کا ارتکاب ہرگز جائز نہیں۔ جب ارشاد وتبلیغ سے مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہے تو اس مقصد کی تحصیل کے لئے اس کی معصیت کا کیا مطلب؟ اگر کوئی شخص فاحشہ عورت کی اصلاح کی خاطر اس سے بدکاری کرے تو کیا کوئی احمق بھی اسے جائز کہہ سکتا ہے؟ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۱ شعبان ۸۸ھ

تنبیہ: اس مسئلہ کی مفصل ومدلل تحقیق رسالہ "تبلیغ کی شرعی حیثیت اور حدود" میں ہے، جس کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

کسی مصلحت سے گناہ کو جائز سمجھنا الحاد ہے:

سوال: ایک امر میں حکم شرعی کرنے یا نہ کرنے کا موجود ہے۔ مگر زید کہتا ہے کہ مصلحت کی بناء پر حکم شرعی کو چھوڑ دینا چاہئے۔ کیا زید کا یہ نظریہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مصلحت کی بناء پر حکم شرعی کو چھوڑنا الحاد اور بے دینی ہے۔ ایسا کہنے والا فاسق ہے اور آیت قرآنیہ "اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشَاوَةً" کا مصداق ایسے باطل نظریہ اور الحاد سے توبہ واستغفار لازم ہے۔

شریعت کا فیصلہ یہ ہے کہ مسائل پر مصالح کو مصالحہ کی طرح پیس ڈالو، جتنا زیادہ پیسو گے سالن اتنا ہی زیادہ لذیذ ہوگا۔

اس کی پوری تحقیق مفصل و مدلل رسالہ "سیاست اسلامیہ" مندرجہ "احسن الفتاویٰ" جلد ۶ میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غرۂ ربیع الآخر ۱۴۱۲ھ

عالم کا تصویر کھنچوانا زیادہ شنیع ہے:

سوال: اس زمانہ میں تصویر کھنچوانے کے جواز کا استنباط کیا گیا ہو تو دلائل سے واضح کریں، اگر نہیں تو پھر اس کی وضاحت کریں کہ کیا اس میں کسی عالم یا مفتی اور عامی آدمی میں کچھ فرق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

تصویر کھنچوانا باجماع امت حرام ہے۔

عوام کے مقابلہ میں کسی عالم یا مفتی کا تصویر کھنچوانا کئی وجوہ سے زیادہ شنیع اور قبیح ہے۔

(۱) اہل علم وفہم اور مقربین پر گرفت زیادہ سخت ہوتی ہے۔

(۲) علماء کی معصیت سے عوام معاصی پر جرأت کرنے لگتے ہیں۔

(۳) علماء کی مداہنت سے عوام اس گناہ کو جائز سمجھنے لگتے ہیں۔

تنبیہ: معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ بدون اجازت کسی کی تصویر لینا قانوناً منع ہے اس لئے اگر کسی کی تصویر غفلت میں لے لی گئی ہے تو اس پر فرض ہے کہ ایسے مجرم کو قانونی کارروائی کی دھمکی دے کر اس تصویر کے ضائع کرنے پر مجبور کرے، اگر وہ ضائع نہ کرے تو قانونی کارروائی کرنا شرعاً فرض ہے۔ خصوصاً علماء پر یہ فریضہ زیادہ مؤکد ہے، اس میں تساہل برتنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کی حفاظت فرمائیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غرۂ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ

گھوڑ دوڑ کے مقابلہ میں جانبین کو تعویذ دینا:

سوال: گدھوں گھوڑوں کی دوڑ کا مقابلہ کرنے والوں کو جیتنے کے لئے تعویذ دینا اور اس کی اجرت لینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

دوڑ میں اگر جانبین سے رقم لینے کی شرط ہو تو یہ فعل حرام ہے اور حرام فعل کے لئے تعویذ

دینا اور اس کی اجرت لینا بھی حرام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

غرۂ رمضان ۹۴ھ

کان ناک چھیدنا:

سوال: اکثر عورتیں خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتی ہوں کان اور ناک چھدواتی ہیں، کیا شرعًا کان ناک میں سوراخ کرنا جائز ہے اور کیا یہ تغییر الخلق نہیں؟ حدیث میں جسم گودنے اور گدوانے والی عورت پر لعنت کی گئی ہے۔ اس کی علت تغییر الخلق ہی ہے تو کان اور ناک میں سوراخ کرنا بطریق اولی تغییر الخلق ہے کیونکہ اس میں گوشت میں بھی سوراخ کیا جاتا ہے جبکہ گودنے میں صرف جلد میں سوراخ ہو جاتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

کانوں میں بالیاں پہننے کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رواج تھا اور اب بھی عرب میں اس کا رواج ہے، اس پر قیاس کرکے ناک چھیدنا بھی جائز ہے اگر یہ تغییر خلق اللہ میں داخل ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور نکیر فرماتے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: ويكره للولي الباس الخلخال او السوار للصبي ولا بأس بثقب اذن البنت والطفل استحسانا ملتقط قلت وهل يجوز الخزام في الانف لم أره۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله للصبي) اى الذكر لانه من زينة النساء ط (قوله والطفل) ظاهره ان المراد به الذكر مع ان ثقب الاذن لتعليق القرط وهو من زينة النساء فلا يحل للذكور والذى فى عامة الكتب وقدمناه عن التتارخانية لا بأس بثقب اذن الطفل من البنات وزاد في حاوي القدسي ولا يجوز ثقب أذان البنين فالصواب اسقاط الواو (قوله لم أره) قلت ان كان مما يتزين النساء به كما هو فى بعض البلاد فهو فيها كثقب القرط اه ط وقد نص الشافعية على جوازه مدني۔

(رد المحتار ص۲۶۲ ج ۵)

وفى الهندية: ولا بأس بثقب أذان النسوان كذا فى الظهيرية ولا بأس بثقب أذان الاطفال من البنات لانهم كانوا يفعلون ذلك فى

فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من غیر انکار کذا فی الکبری (عالمگیریۃ ص ۲۶۰ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۴ صفر ۸۹ھ

غیبت کی جائز اور ناجائز صورتوں کی تفصیل:

سوال: غیبت کسے کہتے ہیں، یہ گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ؟ بعض علماء کا کہنا ہے کہ علانیہ فسق و فجور کا ارتکاب کرنے والوں کی غیبت کرنا جائز ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ غیبت کی جائز و ناجائز صورتیں تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

کسی کے پس پشت اس کے کسی ایسے واقعی عیب کو ذکر کرنا کہ اس کو معلوم ہو جائے تو اسے ناگوار گزرے غیبت ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے جس پر قرآن و حدیث میں شدید ترین وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

غیبت کی ناجائز صورتیں:

(۱) غیبت کو حلال سمجھ کر کرنا، مثلاً غیبت کرنے والے کو غیبت سے روکا گیا تو اس نے جواب دیا کہ یہ غیبت نہیں ہے، اس لئے کہ میں سچ بول رہا ہوں۔

یہ کفر ہے، اس لئے کہ قطعی حرام کو حلال سمجھ رہا ہے۔

(۲) نام ذکر کئے بغیر کسی کی غیبت ایسے شخص کے سامنے کرنا جس کے نزدیک وہ شخص متعین و معلوم ہے۔

یہ نفاق و ریاء کا مجموعہ ہے۔

(۳) کسی متعین شخص کی غیبت کرنا۔

یہ گناہ کبیرہ ہے۔

غیبت کی جائز صورتیں:

(۱) دفع ظلم کے لئے قادر علی دفع الظلم کے سامنے غیبت کرنا۔

(۲) تغییر منکر کی نیت سے قدرت رکھنے والوں کے سامنے غیبت کرنا۔

(۳) حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے مفتی کے سامنے غیبت کرنا، لیکن نام کو مبہم رکھنا بہتر ہے۔

(۴) کسی کے شر سے بچانے کے لئے اس کی غیبت کرنا، جیسے شہود ورواۃ پر جرح کرنا۔

(۵) علانیہ گناہ کرنے والوں کی غیبت کرنا۔

البتہ صرف اسی گناہ کا تذکرہ جائز ہے جو وہ علانیہ کرتے ہوں، مخفی گناہوں کا ذکر جائز نہیں۔

(۶) تعارف کی غرض سے کسی کے عیب کا ذکر کرنا جیسے اعور واعمش وغیرہ۔ یہ اس شرط سے جائز ہے کہ اس کے بغیر تعارف ناممکن یا متعذر ہو۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتدرون ما الغیبۃ قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال ذکرك اخاك بما یکرہ قیل افرأیت ان کان فی اخی ما اقول قال ان کان فیہ ما تقول فقد اغتبتہ وان لم یکن فیہ ما تقول فقد بھتّہ رواہ مسلم (مشکوۃ ص۴۱۲)

وقال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالی تحت الآیۃ ایحب احدکم ان یأکل لحم اخیہ: والآیۃ دالۃ علی حرمۃ الغیبۃ، وقد نقل القرطبی وغیرہ الاجماع علی انہا من الکبائر وعن الغزالی وصاحب العدۃ انہما صرحا بأنہا من الصغائر وھو عجیب منھما لکثرۃ ما یدل علی انہا من الکبائر، وقصاری ما قیل فی وجہ القول بأنھا صغیرۃ انہ لو لم تکن کذلك یلزم فسق الناس کلھم الا الفذ النادر منھم وھذا حرج عظیم وتعقب بأن فشو المعصیۃ وارتکاب جمیع الناس لھا فضلا عن الاکثر لا یوجب ان تکون صغیرۃ، وھذا الذی دل علیہ الکلام من ارتکاب اکثر الناس لھا لم یکن قبل، علی ان الاصرار علیھا قریب منھا فی کثرۃ الفسوق فی الناس وھو کبیرۃ بالاجماع ویلزم علیہ الحرج العظیم وان لم یکن فی عظم الحرج السابق مع ان ھذا الدلیل لا یقاوم تلك الدلائل الکثیرۃ۔

(روح المعانی ص۱۵۹ ج۲۶)

وعن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاکم والکذب فان الکذب یھدی الی الفجور وان

الفجور يهدى الى النار وما يزال الرجل يكذب و يتحرى الكذب حتى يكتب عند الله كذابا متفق عليه (مشكوة ص۴۱۲)

وقال العلامة الألوسی رحمه الله تعالى: وقد تجب الغيبة لغرض صحيح شرعي لا يتوصل اليه الا بها وتنحصر فى ستة اسباب، الاول التظلم فلمن ظلم ان يشكو لمن يظن له قدرة على ازالة ظلمه او تخفيفه - الثانی الاستعانة على تغيير المنكر بذكره لمن يظن قدرته على ازالته - الثالث الاستفتاء فيجوز للمستفتى ان يقول للمفتى: ظلمنى فلان بكذا فهل يجوز له اوما طريق تحصيل حقى او نحو ذلك، والافضل ان يبهمه - الرابع تحذير المسلمين من الشر كجرح الشهود والرواة والمصنفين والمتصدين لافتاء او اقراء مع عدم اهلية فتجوز اجماعا بل تجب (الى ان قال) والخامس ان يتجاهر بفسقه كالمكاسين وشربة الخمر ظاهرا فيجوز ذكرهم بما تجاهروا فيه دون غيره الا ان يكون له سبب آخر مما مر (روح المعانى ص۱۵۸ ج۲۶)

وقال العلامة الحصكفى رحمه الله تعالى: فتباح غيبة مجهول ومتظاهر بقبيح ولمصاهرة ولسوء اعتقاد تحذيرا منه ولشكوى ظلامته للحاكم شرح وهبانية -

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى تحت (قوله فتباح غيبة مجهول الخ) وفى تنبيه الغافلين للفقيه ابى الليث الغيبة على اربعة اوجه فى وجه هى كفر بأن قيل له لا تغتب فيقول ليس هذا غيبة لانى صادق فيه فقد استحل ما حرم بالادلة القطعية وهو كفر وفى وجه هى نفاق بأن يغتاب من لا يسميه عند من يعرفه فهو مغتاب ويرى من نفسه انه متورع فهذا هو النفاق وفى وجه هى معصية وهو ان يغتاب معينا ويعلم انها معصية فعليه التوبة وفى وجه هى مباح وهو ان يغتاب معلنا بفسقه او صاحب بدعة وان اغتاب الفاسق ليحذره الناس يثاب عليه لانه من النهى عن المنكر اه اقول والاباحة لاتنافى الوجوب فى بعض المواضع الآتية (قوله ومتظاهر بقبيح) وهو الذى لا يستتر عنه ولا يؤثر عنده اذا قيل

عنه انه يفعل كذا اه ابن الشحنة قال فی تبيين المحارم فيجوز ذكره بما يجاهر به لا غيره قال صلی الله عليه وسلم من القی جلباب الحياء عن وجهه فلا غيبة له واما اذا كان مستترا فلا تجوز غيبته اه قلت و ما اشتهر بين العوام من انه لا غيبة لتارك الصلوة ان اريد به ذكره بذلك وكان متجاهرا فهو صحيح والا فلا (رد المحتار ص ۲۶۲ ج ۵) والله سبحانه وتعالی اعلم۔

۲۱ صفر ۸۹ھ

تصویر دار سائیکل پر سوار ہونا:

سوال: جو سائیکل کرایہ پر ملتی ہے بوقت ضرورت اس پر سوار ہونا پڑتا ہے، اس کے ڈنڈوں پر عورتوں کی تصویریں چسپاں ہوتی ہیں، کیا اس پر سوار ہونا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ایسی سائیکل پر سوار ہونا جائز نہیں، اگر بغیر تصویر کے سائیکل نہ ملتی ہو اور ضرورت شدیدہ ہو تو گنجائش ہے مگر تصویر کو کسی چیز سے چھپا دے، یہ بھی نہ ہو سکے تو تصویر سے حتی المقدور اغماض واجب ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۵ ربیع الاول ۸۹ھ

خاندانی منصوبہ بندی کی جائز صورتیں:

سوال: خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کے کئی طریقے ہیں:

(۱) عورت کی بچہ دانی نکال دی جاتی ہے۔
(۲) مرد کا اپریشن کیا جاتا ہے جس کے بعد وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتا۔
(۳) ادویہ استعمال کرائی جاتی ہیں۔
(۴) بوقت جماع پلاسٹک کی تھیلی استعمال کی جاتی ہے۔

دریافت طلب یہ ہے کہ کون سی صورتیں جائز ہیں اور کون سی ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

منصوبہ بندی قلت رزق کے خوف سے بہر صورت حرام ہے، البتہ اگر یہ نظریہ نہ ہو بلکہ عورت کی صحت یا بچوں کی تربیت پیش نظر ہو تو پلاسٹک کی تھیلی یا ادویہ کا

استعمال جائز ہے، بچہ دانی نکال دینا یا مرد کا اپریشن کرکے اسے ہمیشہ کے لئے بے کار بنا دینا جائز نہیں۔ تفصیل رسالہ "ضبط تولید و اسقاط حمل" مندرجہ احسن الفتاوی جلد ۸ میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۳ جمادی الثانیۃ سنہ ۸۹ھ

فاسق بیٹے سے قطع تعلق:

سوال: میرا لڑکا کھلم کھلا فسق و فجور میں مبتلا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے، مجھے بھی گالی گلوچ کرتا ہے، حتی کہ مجھے اس سے جان کا خطرہ ہے، میں نے اس سے قطع تعلق کرلیا ہے، کچھ رشتہ دار مصر ہیں کہ میں اسے معاف کردوں، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا ایسے لڑکے کو معاف کرکے اس سے تعلقات استوار کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہاں دو مسئلے الگ الگ ہیں، ایک معاف کردینا یعنی دنیا یا آخرت میں انتقام نہ لینا، یہ بہت بلند مقام ہے اور قرب و رضائے الٰہی کا بڑا ذریعہ ہے، شریعت نے اس کے فضائل تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔

دوسرا یہ کہ بیٹے سے تعلقات رکھنا، اس کا فیصلہ لڑکے کے آئندہ حالات سے متعلق اطمینان پر موقوف ہے، اگر اطمینان ہو کہ وہ اپنے حالات درست کرلے گا تو تعلقات استوار کرلئے جائیں ورنہ نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۲ رجب سنہ ۸۹ھ

مخمل کے مصلی پر نماز پڑھنا جائز ہے:

سوال: مخمل کے مصلی پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں، یہ ریشم کے حکم میں تو نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جو مصلی خالص ریشم کا ہو اس پر نماز پڑھنے میں اختلاف ہے۔ قول جواز راجح ہے، آج کل بازار سے جو مصلی ملتا ہے وہ خالص ریشم کا نہیں ہوتا، اس لئے اس پر نماز پڑھنا بالاتفاق جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: و یحل توسدہ وافتراشہ والنوم علیہ وقالا والشافعی ومالک رحمہم اللہ تعالی حرام وھو الصحیح کما فی المواھب قلت فلیحفظ ھذا لکنہ خلاف المشھور۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ لکنہ خلاف المشھور) قال فی الشرنبلالیۃ قلت ھذا التصحیح خلاف ما علیہ المتون المعتبرۃ المشھورۃ والشروح (رد المحتار ص۲۲۶ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۸ رجب سنہ ۸۹ھ

جعلی سرٹیفکیٹ بنواکر ملازمت کرنا:

سوال: کسی کو ایک ملازمت مل رہی ہے مگر شرط یہ ہے کہ پانچویں جماعت کا سرٹیفکیٹ ہو۔ وہ ان کے پاس نہیں۔ مگر جعلی بن سکتا ہے تو اس صورت میں کوئی گناہ ہے یا نہیں؟ نیز اس کی اس معاملہ میں اعانت کرنے والوں پر گناہ ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح ویلڈنگ وغیرہ کام کی مہارت کا جعلی سرٹیفکیٹ حاصل کرکے ملازمت حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس پر ملنے والی تنخواہ حلال ہوگی یا حرام؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ جھوٹ اور دھوکا ہے لہذا جائز نہیں، اس کی اعانت کرنے والے بھی گناہگار ہوں گے، البتہ جو کام اس کے ذمہ ہے اگر وہ اسے بحسن وخوبی انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے تو تنخواہ حلال ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ سنہ ۹۰ھ

میڈیکل بل کے لئے مقرر ڈاکٹر کا تشخیص میں رعایت کرنا:

سوال: حکومت کی طرف سے بعض ملازمین کو میڈیکل سہولتیں مہیا ہیں تشخیص کے لئے ہر محکمہ کا ڈاکٹر مقرر ہوتا ہے اس کی تشخیص ضروری ہے۔ اب اگر ایک آدمی کسی اور ڈاکٹر سے تشخیص کرائے اور متعلقہ ڈاکٹر سے مروت میں آکر بل پاس کرائے تو اس شخص کے لئے جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

متعلق ڈاکٹر اگر دوسرے ڈاکٹر کی تشخیص پر مطمئن ہو تو اس کا بل پاس کرنا جائز ہے

ورنہ نہیں، مروت کی بناء پر بل پاس کرنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۲ھ

دم کرکے گرہ لگانا:

سوال: چیچک کے واسطے دھاگہ میں سورۂ رحمٰن یا اور کوئی آیت پڑھ کر دم کرکے گرہ لگا کر بچوں کے گلے میں ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ حدیث میں ممانعت آئی ہے اب شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جائز ہے۔ ایام جاہلیت میں ایسی چیزوں کو مؤثر بالذات سمجھا جاتا تھا اس لئے حدیث میں اس سے ممانعت آئی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ سنہ ۹۰ھ

ریڈیو میں تلاوت وتفسیر:

سوال: ریڈیو میں قرآن کریم کی تلاوت اور تفسیر کرنا اور اسے سننا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس وقت استماع وانصات ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

محض تلاوت دو وجہ سے ناجائز ہے:

① عموماً تلاوت کرنے والا اجرت لیتا ہے اور تلاوت محضہ پر اجرت لینا حرام ہے۔

② اسی مجلس میں گانا بجانا بھی ہوتا ہے جس میں قرآن کریم کی توہین ہے لہٰذا اس کا سننا بھی جائز نہیں۔

تفسیر بیان کرنا اور اس پر اجرت لینا جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ سنہ ۹۰ھ

ٹی وی پر اسلامی نشریات سننا بھی حرام ہے:

سوال: ٹیلی ویژن پر کسی عالم کی تقریر سننا یا کرکٹ دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ٹی وی دیکھنا بہرحال وجوہ ذیل کی بناء پر حرام ہے:

① اس میں عموماً اصل کی بجائے فلم آتی ہے جو تصویر ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور

جس مجلس میں تصویر ہو وہاں جانا بھی حرام ہے۔ حدیث میں تصویر والوں پر لعنت وارد ہوئی ہے، جہاں تصویر ہوتی ہے وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔

(۲) اناؤنسر عورت ہوتی ہے اور عورت کا عکس دیکھنا بھی حرام ہے، خواہ تصویر ہو یا براہ راست عکس دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

(۳) اناؤنسر کے علاوہ بھی ٹی وی پر بہت سی عورتیں آتی ہیں جنہیں مرد دیکھتے ہیں اور ٹی وی پر آنے والے مردوں کو عورتیں دیکھتی ہیں۔ غیر محرم مرد و عورت کا ایک دوسرے کو بلا ضرورتِ شدیدہ دیکھنا حرام ہے۔

(۴) کشتی اور تیراکی وغیرہ کے مناظر میں ستر کھلتے ہیں، کسی کے سامنے ستر کھولنا اور کسی کا ستر دیکھنا حرام ہے۔

(۵) موسیقی اور دوسرے فواحش و بے حیائی پر مشتمل نشریات ہوتی ہیں جنہیں سننا اور دیکھنا حرام ہے۔

(۶) ٹی وی کے مفاسد مذکورہ کی وجہ سے معاشرہ میں بے حیائی، فحاشی، بدمعاشی، زنا اور ہر قسم کی بدکاری کا طوفان بپا ہوگیا ہے، حتی کہ سگے بھائی بہن اور باپ بیٹی کی آپس میں بدکاری سے متعلق ہمارے پاس استفتاء آنے لگے ہیں۔

(۷) تمام سائنسدانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ٹی وی دیکھنا بلکہ اس کے قریب بیٹھنا بھی صحت کے لئے سخت مضر ہے، ایک لڑکی کے دماغ کی رگ پھٹ گئی، دماغ کے اسپیشلسٹ نے بتایا کہ یہ ٹی وی دیکھنے کا نتیجہ ہے۔

ایک لڑکی کی بینائی کمزور ہوگئی، آنکھوں کے اسپیشلسٹ نے بتایا کہ یہ ٹی وی دیکھنے کی وجہ سے ہے، اگر آئندہ احتیاط نہ کی تو اندھی ہو جائے گی۔

(۸) بیشتر مضامین ایسے ہوتے ہیں جن میں نہ دین کا کوئی فائدہ ہوتا ہے نہ دنیا کا، اور ہر وہ چیز ممنوع ہے جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔

(۹) ٹی وی جیسے آلۂ لہو و لعب بے دینی، فواحش و منکرات کے مرکز پر دینی پروگرام دکھلائے جاتے ہیں اور انہیں اشاعت اسلام کا نام دیا جاتا ہے یہ دین کی سخت بے حرمتی ہے اور مسلمان کے لئے ناقابل برداشت توہین ہے۔

(۱۰) کوئی کتنا ہی اہتمام کرے کہ صرف جائز اشیاء ہی دیکھے گا تو بھی احتراز ناممکن ہے۔

(۱۱) اگر بطور فرض محال تسلیم کر لیا جائے کہ کسی حرام کام کے ارتکاب کے بغیر صرف جائز اشیاء کا دیکھنا ممکن ہے تو بھی اس میں یہ فساد ہے کہ شروع کرنے کے بعد اس کا شوق اور نشہ اتنا بڑھے گا کہ حرام اشیاء دیکھنے تک پہنچا کر چھوڑے گا اور ہر وہ کام جو حرام تک پہنچنے کا ذریعہ ہو حرام ہے اگرچہ وہ فی ذاتہ مباح ہو۔

(۱۲) کوئی دیندار شخص محرمات سے بچ کر ٹی وی دیکھنے کی کوشش کرے تو عوام اس سے ٹی وی کی مطلقاً اباحت پر استدلال کریں گے۔

ٹی وی کی تباہکاریوں کی تفصیل رسالہ "ٹی وی کا زہر ٹی بی سے مہلک تر" میں ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۹ محرم سنہ ۹۹ھ

انگریزی پڑھنا:

سوال: انگریزی پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو وجہ کیا ہے؟ آج کل اچھے خاصے لوگ اس طرف مائل نظر آتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

انگریزی پڑھنا جائز ہے مگر اسکول اور کالج وغیرہ کا ماحول بے دینی کا ہے جو بے دینی کی طرف داعی ہے لہٰذا اس سے احتراز لازم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۵ رجمادی الآخرۃ سنہ ۹۱ھ

مصنوعی مجسمہ کے کھلونے کا حکم:

سوال: بچوں کو کھلونے دینا کیسا ہے؟ جب کہ کھلونے میں جاندار جیسے مصنوعی انسان، گھوڑے، بکری وغیرہ کے بھی مجسمے ہوتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بچوں کو کھلونے دینا جائز ہے مگر جاندار کے مجسمے جیسے انسان، گھوڑا، بکری وغیرہ دینا جائز نہیں۔

تصویر کی حرمت کے دلائل اور احکام کی تفصیل رسالہ "النذیر العریان عن عذاب صورۃ الحیوان" میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ رجمادی الآخرۃ سنہ ۹۱ھ

بلدیہ سے مردہ جانوروں کا ٹھیکہ لینا:

سوال: زید نے بلدیہ کمیٹی سے مردہ جانوروں کا دس ہزار پر ایک سال کے لئے ٹھیکہ لیا ہے مثلاً جو جانور شہر میں مرجائے گا زید اس کو اٹھائے گا، اس کا چمڑا، ہڈی کام میں لائے گا، چربی پگھلا کر صابن بنانے والوں کو فروخت کرے گا۔ کیا زید کا یہ فعل شرعاً درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۷ رشوال سنہ ۹۱ھ

حالت اضطرار میں غیر کا مال کھانا:

سوال: ایک فقیر آدمی جس کے پاس کھانے پینے کے لئے کچھ نہ ہو، سوال کرنے سے بھی اس کی کفایت نہ ہوتی ہو، اس حالت میں اس کو کیا کرنا چاہیئے، اگر وہ حالت اضطرار میں کسی مالدار سے کھانا نہ دینے پر لڑائی کرکے اسی حالت میں مرگیا تو اس کی موت کس قسم کی موت ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

غیر کا مال اس کی طیب خاطر کے بغیر لینا حرام ہے،

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منہ۔

حالت اضطرار میں بھی جان بچانے کے لئے مال غیر بلا اجازت کھانے کی بہ نسبت بقدر ضرورت مردار کھا کر جان بچانا اھون ہے۔ البتہ مردار کا گوشت بھی میسر نہ ہو تو جان بچانے کے لئے بقدر ضرورت غیر کا مال بلا اجازت کھا سکتا ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فی جنایات الحج: او ھو مضطر الی اکلہ (الی قولہ) ویقدم المیتۃ علی الصید والصید علی مال الغیر ولحم الانسان الخ (رد المحتار ص ۲۱۲ ج ۲)

پھر تعجب اس پر ہے کہ جو شخص کھانے پر قدرت نہیں رکھتا وہ لڑائی پر کیسے تیار ہو جاتا ہے، اگر یہ شخص لڑائی میں مرگیا تو حرام موت مرا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۸ اربیع الثانی سنہ ۹۱ھ

بضرورت کتا پالنا:

سوال: حدیث میں آیا ہے کہ اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو تو کیا مطلقاً کتا پالنا جائز ہے یا ضرورت کے وقت کوئی گنجائش ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حفاظت یا شکار کے لئے کتا پالنا جائز ہے۔ حدیث میں ممانعت بلاضرورت پالنے سے ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۵ رجمادی الاخرۃ سنہ ۹۱ھ

پاسپورٹ سائز تصویر کھنچوانا اور اس کی اجرت لینا بھی حرام ہے:

سوال: پاسپورٹ سائز تصویر کھنچوانا اور اس کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حرام ہے، اس کی حرمت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لاشارات کتب حدیث میں بکثرت منقول ہیں۔

منہا: عن سعید بن ابی الحسن قال کنت عند ابن عباس اذ اتاہ رجل فقال یا ابن عباس انی انسان انما معیشتی من صنعۃ یدی وانی اصنع ہذہ التصاویر فقال ابن عباس لا احدثک الا ما سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول سمعتہ یقول من صور صورۃ فان اللہ معذبہ حتی ینفخ فیہا الروح ولیس بنافخ فیہا ابدا الحدیث (بخاری ج۱ ص۲۹۶)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۷ رجمادی الاخرۃ سنہ ۹۲ھ

بچوں کو فوٹو کے ذریعہ تعلیم دینا:

سوال: بچوں کو تعلیم دینے کے لئے تصاویر کا استعمال کہاں تک صحیح ہے؟

کیا اس مسئلہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی گڑیاں اور ذوالجناح

سے کچھ روشنی پڑسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حرام ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کھلونوں میں تصویر نہیں تھی۔

قال فی حاشیۃ المشکوۃ معزیا الی اللمعات: والمراد ھھنا ما تلعب بہ الصبیۃ من الخرق والرق ولم یکن لھا صور مشخصۃ کالتصاویر المحرمۃ فلاحاجۃ الی ما قیل ان عدم انکارہ صلی اللہ علیہ وسلم لعبھا بالصور وابقائھا فی بیتھا دال علی ان ذلک کان قبل التحریم وان اللعب الصغار مظنۃ للاستخفاف (حاشیۂ مشکوۃ ص۲۸۲ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۲ جمادی الثانیۃ سنہ ۹۲ھ

داڑھی منڈے کا مسجد میں بیان کرنا:

سوال: کیا داڑھی منڈا شخص مسجد میں وعظ اور بیان کرسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں دین اور منصب وعظ کی توہین ہے اس لئے جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۶ جمادی الآخرۃ سنہ ۹۲ھ

کافر کو ڈیکوریشن کا سامان دینا:

سوال: کافر لوگوں کی شادی وغیرہ میں مسلمان کو اپنا ڈیکوریشن کا سامان مثلاً دیگ، پلیٹ، گلاس وغیرہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وجاز بیع عصیر عنب ممن یعلم انہ یتخذ خمرا لان المعصیۃ لا تقوم بعینہ الخ (رد المحتار ص۲۵۲ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۴ رجب سنہ ۹۲ھ

حق وصول کرنے کے لئے جھوٹ بولنا:

سوال: زید نے بکر کی زمین پر جبراً قبضہ کرلیا ہے، اب مقدمہ چلا تو اس میں اگر

بکر اپنا حق وصول کرنے کے لئے جھوٹ بولے تو جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً زید کو بکر نے دو ہزار روپے دیئے ہوں اور وہ یہ کہہ دے کہ میں نے اسے پانچ ہزار دیئے ہیں تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟ جبکہ بغیر جھوٹ بولے کام ہی نہ چلے اور بغیر مقدمہ کئے فیصلہ ہی نہ ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

صریح جھوٹ بولنا جائز نہیں، موقع ضرورت میں توریہ جائز ہے یعنی ایسی بات کہہ سکتا ہے جو بظاہر خلاف واقع ہو مگر اس سے کوئی صحیح مطلب نکل سکتا ہو۔

قال الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: الکذب مباح لاحیاء حقہ ودفع الظلم عن نفسہ والمراد التعریض لان عین الکذب حرام (ردالمحتار ص۲۷۴ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

ذی القعدۃ سنہ ۹۲ھ

تبلیغی اجتماع میں بلند آواز سے دعاء کرنا:

سوال: تبلیغی جماعت کے اجتماع کے اختتام پر ہمیشہ بلند آواز سے دعاء ہوتی ہے اور سامعین زور زور سے آمین کہتے ہیں اور اکثر پر بہت گریہ طاری ہوتا ہے اور اس کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے، اکثر لوگ اس دعاء کو درس قرآن سے بھی زیادہ باعث ثواب سمجھتے ہیں، آیا دعاء کا یہ طریقہ شریعت کے موافق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دعاء کے لئے اجتماع ثابت نہیں، البتہ اجتماع کسی اور مقصد سے ہو تو اس میں اجتماعی دعاء جائز ہے۔ تبلیغی اجتماع سے مقصود دعاء نہیں بلکہ لوگوں کو دین کی طرف متوجہ کرنا اور دین کی تبلیغ مقصود ہوتی ہے، لہٰذا وہاں بلند آواز سے اجتماعی دعاء کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۸ ر صفر سنہ ۹۳ھ

ظلم سے بچنے کے لئے جھوٹ بولنا اور رشوت دینا:

سوال: حکومت جو عوام پر ٹیکس عائد کرتی ہے اس سے بچنے کے لئے جھوٹ بولنا اور رشوت دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حکومت مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ ٹیکس لگا سکتی ہے:

(۱) حکومت کو ضرورت ہو۔

(۲) ٹیکس بقدر ضرورت لگایا جائے۔

(۳) مصرف صحیح ہو۔

(۴) تعیین وتشخیص صحیح ہو۔

اگر شرائط مذکورہ میں سے کوئی بھی شرط مفقود ہو تو ٹیکس لگانا ظلم ہے اور اس سے بچنے کے لئے کوشش کرنا جائز ہے اور اگر رشوت دینے کی ضرورت پڑے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ صریح جھوٹ بولنا جائز نہیں، البتہ ایسی بات کہہ سکتا ہے جو درحقیقت تو خلاف واقع ہو مگر کوئی صحیح مطلب بن سکتا ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۷ رجب سنہ ۹۳ھ

بحرمت لا الٰہ الا اللہ کہنا:

سوال: بحق یا بحرمت لا الٰہ الا اللہ کہہ کر دعاء مانگنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

درست ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ ذی القعدۃ سنہ ۹۳ھ

زیارت والدین کے لئے پاسپورٹ بنوانا:

سوال: والدین کی زیارت کے لئے پاسپورٹ بنوانا جس میں فوٹو کی ضرورت پڑتی ہے، کیا ایسا پاسپورٹ بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

علماء وقت جواز کا فتویٰ دے رہے ہیں مجھے اس میں شرح صدر نہیں، عامی علماء وقت کے فتویٰ پر عمل کرے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۵ رمضان سنہ ۹۴ھ

اعلان توبہ کے بعد قطع تعلق جائز نہیں:

سوال: ایک عورت نے ایک شخص سے نا جائز تعلقات قائم کئے، پھر والدین کی رضامندی کے بغیر اسی جگہ جو کہ اس کا کفو بھی نہیں نکاح کر لیا جس سے اس کے تمام قبیلے والوں کی بے عزتی ہوئی اس بناء پر اس کے تمام رشتہ داروں نے اس سے قطع تعلق کر لیا، عرصہ دراز کے بعد اس کو ندامت ہوئی اور اپنے تمام رشتہ داروں سے معافی مانگی، تو کیا اب طلب معافی کے بعد بھی اس کے رشتہ داروں کا اس سے قطع تعلق کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مذکورہ عورت نے اپنے اس گناہ سے توبہ کر لی ہے اور جن لوگوں کو اس گناہ کا علم تھا ان سب کو اپنی توبہ کی اطلاع بھی کر دی ہے اور اپنے تمام اعزہ واقارب سے بھی معافی طلب کر لی ہے تو اس سے قطع تعلق جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۹ ذی الحجہ سنہ ۹۴ ھ

سانپ، بندر، ریچھ وغیرہ پالنا:

سوال: سانپ، بندر یا ریچھ وغیرہ کا پالنا اور ان سے لوگوں کو تماشا دکھانا، لوگوں کا اس پر پیسے دینا اور ان پیسوں کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ بظاہر تو لینا، دینا منع معلوم ہوتا ہے، اوّلاً تو اس میں حیوان کا حبس ہے جو ممنوع ہے، ثانیاً حیوان بھی ایسا کہ جس کا حکم قتل ہے۔ ثالثاً لوگوں کو لہو ولعب میں لگانا۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسے تماشے دکھانا اور دیکھنا جائز نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وفی البزازیۃ استماع صوت الملاهی کضرب قصب ونحوہ حرام لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام استماع الملاهی معصیۃ والجلوس علیها فسق والتلذذ بها کفر ای بالنعمۃ (ردالمحتار ص۲۲۲ ج ۵)

وقال ایضا: وکرہ کل لهو لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام کل لهو المسلم حرام الا ثلاثۃ ملاعبتہ اهلہ وتادیبہ لفرسہ ومناضلتہ بقوسہ

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ وکرہ کل لھو) ای کل لعب وعبث فالثلاثۃ بمعنی واحد کما فی شرح التأویلات والاطلاق شامل لنفس الفعل واستماعہ کالرقص والسخریۃ والتصفیق وضرب الاوتار من الطنبور والبربط الخ (رد المحتار ص۲۵۳ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۴ محرم سنہ ۹۵ھ

مروج کمیٹی کا حکم:

سوال: آج کل ہر علاقے میں یہ رواج ہے کہ چند افراد مل کر ایک کمیٹی بنا لیتے ہیں، ہر ماہ کمیٹی کا ہر رکن ایک متعین مقدار میں رقم جمع کرتا ہے، پھر جمع شدہ رقم پر قرعہ اندازی ہوتی ہے، ارکان کمیٹی میں سے جس کا نام قرعہ میں برآمد ہوا اس کو جمع شدہ کل رقم ادا کر دی جاتی ہے، ایسے ہر ماہ چکر چلتا ہے، باری باری ہر رکن کمیٹی کو اس اکٹھی رقم سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا رہتا ہے، اس کو امداد باہمی کی ایک شکل سمجھا جاتا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا شرعاً یہ صورت جائز ہے؟

بندہ کو اس معاملے میں چند شبہات ہیں:

① ہر رکن اس امید پر شریک ہوتا ہے کہ اس کی تھوڑی رقم ایک کثیر رقم کھینچ لائے گی، گویا ایک بڑی رقم بطور قرض حاصل کرنے کے لئے ایک چھوٹی رقم اپنی جیب سے نکالتا ہے، استقراض کی یہ شکل غلط ہے، کیونکہ کل قرض جر نفعا فھو ربوا فرمایا گیا ہے۔

② موجودہ صورت میں قرعہ اندازی سے قرض حاصل کرنا قمار نہ سہی، قمار کے مشابہ ضرور ہے۔

③ کوئی ممبر قرض کی رقم حاصل کرنے کے بعد اگر اپنا ماہانہ چندہ بند کر دے تو نزاع پیدا ہوگا، ظاہر ہے کہ ایسے معاملات شرعاً غلط ہوتے ہیں۔

④ یہ ممکن ہی نہیں بلکہ امر واقع ہے کہ جو واقعۃً ضرورت مند ہے، قرعہ میں نام نہ نکلنے کی وجہ سے عرصہ تک قرض حاصل کرنے سے محروم رہتا ہے اور اپنی احتیاج کے باوجود ہر ماہ چندہ کی رقم ادا کر کے مزید مشکلات کا شکار ہوتا ہے، لہٰذا یہ امداد باہمی نہیں بلکہ ایک حاجتمند پر ظلم ہے۔

⑤ ہر رکن کیٹی کو ہرماہ چندہ دیتا ہے جس کیٹی کا خود بھی رکن اور جزء ہے سو ہر فرد اپنے آپ کو قرض دینے والا ہوا یہ ایک مہمل امر ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کیٹی کا مروجہ طریقہ بلاشبہ ناجائز ہے، البتہ جواز کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ شرائط ذیل کی مکمل پابندی کی جائے:

① بنام کیٹی جمع کردہ رقم سب شرکاء کی رضا سے بلا قرعہ کسی ایک کو بطور قرض دی جائے یا بذریعہ قرعہ دی جائے مگر قرعہ کے نتائج کو لازم نہ قرار دیا جائے بلکہ سب شرکاء کی رضا سے صرف تسہیل انتخاب کا ایک ذریعہ سمجھا جائے۔

② ہر شریک کو ہر وقت الگ ہونے کا اختیار رہے، کوئی جبر نہ ہو بلکہ ایک یا چند مرتبہ رقم کسی شریک کو دے دینے کے بعد بھی ہر شریک کو علیحدہ ہو جانے کا پورا اختیار رہو اور اسے دی ہوئی رقم واپس لینے کے مطالبہ کا پورا حق ہو، اس پر شرکاء میں سے کسی کو اعتراض نہ ہو۔

③ ایک ماہ کی مدت کو لازم نہ قرار دیا جائے، ہر شریک کو ہر وقت بطور قرض دی ہوئی اپنی رقم کی واپسی کے مطالبہ کا حق ہو۔

شرائط مذکورہ کے تحت معاملہ کیا جائے تو اس پر سوال میں مندرجہ اشکالات وارد نہ ہوں گے۔ تفصیل یہ ہے:

① اس اشکال کے دو جواب ہیں:

① یہاں جر نفع مستقرض سے نہیں غیر سے ہے۔

② جب ہر شخص کو ہر وقت الگ ہونے کا اختیار ہوگا تو یہ نفع مشروط نہ ہوا۔

② شرط اول کے تحت قمار رہا نہ قمار سے مشابہت۔

③ یہ صورت تو ہر قرض میں ہوتی ہے کہ قرضخواہ کو مطالبہ کا حق ہوتا ہے، البتہ ایک ماہ کی تاجیل باطل ہے اور یہ بطلان شرط ثالث سے مرتفع ہوگیا۔

④ شرط ثانی کے تحت ہر شریک کو ہر مرحلہ پر اختیار ہوگا اور وہ جب چاہے گا اپنی دی ہوئی رقم واپس لے سکے گا تو یہ اشکال نہ رہا۔

⑤ قرض کمیٹی کو نہیں دیا جاتا بلکہ جس کے نام قرعہ نکلتا ہے اسے دیا جاتا ہے، کمیٹی کے منتظمین کا قبضہ وکالۃً ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۲ رجب سنہ ۹۵ھ

کھیلوں میں انہماک اور ان میں عزت سمجھنا:

سوال: کیا مسلمانوں کے لئے دنیا میں کافروں کے سامنے اپنی عزت قائم رکھنے کے لئے کھیلوں میں حصہ لینا، اس میں جیتنے کی کوشش کرنا اور دعائیں کرنا کروانا قرآن و حدیث سے ثابت ہے؟ اور کیا اس طرح واقعی عزت مل سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مسلمانوں کی عزت ووقار اور دنیا وآخرت کی سرخروئی صرف اس میں ہے کہ وہ صحیح معنوں میں مسلمان بنیں اور اسلام کے تمام احکام پر عمل کریں اور کفار پر اپنی دھاک بٹھانے اور ان کے سامنے اپنا سر اونچا رکھنے کے لئے جہاد کی تیاری کریں، ایسی ورزشیں کریں جن سے جسم مضبوط اور جہاد کے قابل بنے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم الآية

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں تربیت جہاد ہی کے ذریعہ کفار پر رعب ڈالا جاتا تھا، چنانچہ مسجد نبوی میں تیر اندازی کے مقابلے ہوتے تھے، اسی تربیت سے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے شہسوار مہارت حاصل کرکے جب کفار کے مقابلے میں میدان میں اترتے تو مربیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی "ارم یا سعد بابی وامی" کا نعرہ لگا کر ان کو تیر اندازی کے جوہر دکھانے پر ابھارتے تھے۔

اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ بچے، جوان، بوڑھے سب جذبۂ جہاد سے سرشار تھے، بچے پنجوں کے بل کھڑے ہو کر اپنا قد لمبا ظاہر کرکے جہاد میں جانے کی اجازت کے لئے بے تاب رہتے تھے، جوان نئی دلہن کے حقوق ادا کرنے کے بعد جہاد کی آواز سن کر غسل مکمل کئے بغیر میدان کی طرف دوڑ جاتے اور جام شہادت نوش فرمالیتے تھے۔ پاؤں سے معذور میدان جہاد کی طرف جاتے ہوئے "اللهم لا تردني الى اهلي" جیسی دعائیں

مانگا کرتے تھے۔ بوڑھے نوے سال کا بڑھاپا لے کر جہاد کے لئے نکلتے تھے اور راستے میں متوقع انتقال کے پیش نظر جنازے کو بھی میدان جہاد میں لے جاکر دفن کرنے کی وصیتیں کرتے تھے۔

ان قدسی صفات حضرات نے کبھی بھی کھیلوں کے مقابلے کرکے کفار پر رعب بٹھانے کا فلسفہ سوچا نہ اس میں اسلام کی سربلندی سمجھی۔

درحقیقت یہ اعداء اسلام کی گھناؤنی سازش ہے کہ مسلمان نوجوانوں کو لہو و لعب اور کھیل تماشے میں مشغول رکھو، تاکہ وہ اپنے دین کے تمام احکام سے غافل بلکہ عاری ہو جائیں، ہمارے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کریں، مکمل طور پر ہمارے رنگ میں رنگے جائیں اور ہمارے خلاف علم جہاد بلند کرنے کا تصور ہی ان کے ذہن سے مٹ جائے۔

افسوس! آج کی مسلم حکومتیں اور مسلمان نوجوان اپنی حیثیت کو بھول کر ذلت کے کس قدر عمیق گڑھے میں گر گئے اور دشمنان اسلام کی سازشوں کے جال میں پھنس کر فکر آخرت سے تو کوسوں دور ہوئے ہی تھے، منافع دنیویہ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے

"نسوا اللہ فانساھم انفسہم"

اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کو پس پشت ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت کے نفع کا شعور ان سے چھین لیا۔

چنانچہ کھیلوں کے مقابلوں میں کئی خلاف شرع امور کے ارتکاب، نماز، روزہ جیسے اہم فرائض سے غفلت بلکہ تنفر کے علاوہ قوم کا کروڑوں، اربوں روپے کا سرمایہ کھیل کے میدان بنانے، تماشائیوں کے بیٹھنے کا انتظام کرنے، غیر مسلم کھلاڑیوں کی آؤ بھگت اور یہود و ہنود کے ساتھ تعلقات نبھانے جیسی لغویات اور غیرت ایمانیہ کے خلاف حیا سوز حرکات پر خرچ ہوتا ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

بنابریں کھیل کے مروجہ مقابلوں کا کوئی جواز نہیں، اس لئے ان کے لئے کسی بھی قسم کا تعاون یا دعا کرنا کروانا جائز نہیں، بلکہ ہر شخص پر بقدر استطاعت مسلمان نوجوانوں اور حکومتوں کو ایسی تباہ کن سازشوں سے بچانے کی سعی کرنا فرض ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲ر شوال سنہ ۹۵ھ

مختلف خبریں سننا سنانا:

سوال: اندرون ملک یا باہر کے جو حالات مختلف ذرائع سے موصول ہوتے ہیں، ان کا سننا اور ایک دوسرے سے بیان کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، اس میں درج ذیل مفاسد ہیں:

(۱) اکثر خبریں فضول اور لایعنی ہوتی ہیں، جن میں نہ دین کا کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ دنیا کا۔ جو شخص لایعنی سے نہ بچے اللہ تعالیٰ کو اس کا اسلام پسند نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ"

(۲) اکثر باتیں غیر محقق ہوتی ہیں جن کا بیان کرنا اور پھیلانا جھوٹ میں داخل ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع"

(۳) کئی خبروں میں افتراء اور غیبت بھی ہوتی ہے، غیبت زنا سے بدتر ہے اور افتراء غیبت سے بھی بدتر۔

(۴) ان خبروں میں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈا اور سازشیں ہوتی ہیں حالات سے ناواقف سادہ لوح مسلمان غیر شعوری طور پر اس سے متأثر ہوتے ہیں اور دشمنان اسلام کے بیان کردہ خلاف واقع نقائص سے ان کے دلوں میں اسلام سے دوری اور نفرت پیدا ہوتی ہے۔

(۵) مختلف طبقات اور مختلف علاقوں کے درمیان عصبیت اور منافرت پیدا ہوتی ہے۔

(۶) طرح طرح کے فتنوں اور فسادات کی خبریں سن کر انتشار، خوف وہراس اور بزدلی پھیلتی ہے۔ قرآن مجید میں ایسی خبروں کو پھیلانا منافقین کی عادات قبیحہ میں ذکر کیا ہے۔

واذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ

دوسری جگہ ارشاد ہے:

لئن لم ینتہ المنافقون والذین فی قلوبہم مرض والمرجفون فی المدینۃ لنغرینک بہم ثم لا یجاورونک فیھا الا قلیلا۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۵ ذی القعدہ سنہ ۹۵ھ

ہاتھ میں چین والی گھڑی باندھنا:

سوال: بعض مفتی حضرات فرماتے ہیں کہ ہاتھ میں چین والی گھڑی باندھنا جائز نہیں اگر سخت ضرورت ہو تو جائز ہے مگر تقوی کے خلاف ہے۔ آپ کی تحقیق کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

چین کے استعمال کی دو صورتیں ہیں:

(۱) اس کا باندھنا بذات خود مقصود ہو جیسے زینت کے لئے لوگ باندھتے ہیں۔

(۲) بذات خود مقصود نہ ہو کسی دوسری چیز کے باندھنے کے لئے استعمال کی جائے۔

صورت اولی میں استعمال ناجائز اور ثانیہ میں بلا کراہت جائز ہے۔

خود گھڑی کی پشت جو کلائی کے ساتھ لگتی ہے وہ بھی تو کسی دھات ہی کی ہوتی ہے، مگر چونکہ وہ بھی خود مقصود نہیں اس لئے جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۲ ربیع الاول ۹۹ھ

نائی سے حجامت بنوانا:

سوال: نائی جو لوگوں کی ڈاڑھی مونڈتا اور کاٹتا ہو اور خلاف شرع بال بناتا ہو، اس سے حجامت بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر استرا، قینچی وغیرہ آلات حجامت کے بارے میں یقینی طور پر یہ معلوم نہ ہو سکے کہ حلال مال سے خریدے گئے ہیں یا حرام سے یا حلال و حرام مخلوط سے تو غلبہ کا اعتبار ہے، اگر حلال غالب ہے تو ان آلات کا استعمال جائز ہے ورنہ نہیں۔

اگر غلبہ کا علم نہ ہو سکے تو جائز ہے، مگر احتراز بہتر ہے۔

بیٹھنے کی کرسی وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

دکان کی قیمت خرید یا کرایہ میں حلال غالب ہو تو اس دکان میں داخل ہونا جائز ہے، ورنہ نہیں۔

مذکورہ تمام صورتوں میں حلال و حرام مخلوط ہونے کا یقین ہو جائے تو غلبہ کا اعتبار نہیں، حلال غالب ہو تو بھی ناجائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

(تفصیل رسالہ "حلال و حرام سے مخلوط مال کا حکم" میں ہے) ۲ محرم ۱۴۰۰ھ

سفارش کا حکم:

سوال: کسی سے سوال کرنا حرام ہے، اگر کسی صاحب منصب سے کسی مسکین مسلمان کو نوکری دلوانے کی سفارش کی جائے تو کیا یہ بھی ممنوع سوال میں داخل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر صاحب منصب پر آپ کی وجاہت کا اثر ایسا غالب ہو کہ جس کی وجہ سے وہ آپ کی سفارش کو رد نہ کر سکتا ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ وہ خلاف شرع یا خلاف قانون امر کا ارتکاب کر کے بھی آپ کی سفارش ضرور قبول کرے گا تو سفارش کرنا جائز نہیں۔ اور اگر اس کے ساتھ ایسی دوستی اور بے تکلفی ہو کہ اگر سفارش قبول کرنا خلاف شرع یا خلاف قانون ہو یا کسی مصلحت کے خلاف ہو تو وہ بلا تکلف انکار کر سکتا ہو اور اس کے انکار سے آپ کو بھی کوئی ناگواری نہ ہو تو سفارش کرنا جائز بلکہ باعث اجر ہے۔

عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اشفعوا ولتوجروا ویقضی اللہ علی لسان رسولہ ما شاء متفق علیہ (مشکوٰۃ ص۴۲۲) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۶ ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۰ھ

غیر زوج کا نطفہ رحم میں ڈالنا:

سوال: آج کل ایک قسم کا آلہ ایجاد ہوا ہے جس کے ذریعہ عورت کے رحم میں دوسرے اجنبی مردوں کی منی داخل کی جاتی ہے، جس سے عورت عموماً حاملہ ہو جاتی ہے اور بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ بچہ حرامی ہے یا نہیں؟ نیز اس طرح کے فعل کو زنا کہا جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ فعل حرام ہے لاستعمال جزء غیر الزوج، مگر زنا نہیں لعدم صدق تعریفہ علیہ۔ بچہ ثابت النسب ہوگا لان الولد للفراش۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۰ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا حکم:

سوال: توالد وتناسل کے طریق جدید "ٹیسٹ ٹیوب بے بی" کا شرعاً کیا

حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کی شرمگاہ یا رحم میں کوئی ایسا مرض ہو جو جسمانی تکلیف واذیت کا باعث ہو تو اس کا علاج طبیبہ سے کروانا جائز ہے، مرد طبیب سے جائز نہیں، البتہ اگر مرض مہلک یا ناقابل برداشت ہو اور طبیبہ میسر نہ ہو تو مرد طبیب سے علاج کروانا جائز ہے۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے طریق کار میں کسی ایسے مرض کا علاج نہیں کیا جاتا جس کی وجہ سے کسی جسمانی تکلیف میں ابتلاء ہو، یہ دفع مضرت بدنیہ نہیں بلکہ جلب منفعت ہے، اس لئے یہ عمل لیڈی ڈاکٹر سے بھی کروانا جائز نہیں، مرد ڈاکٹر سے کروانا انتہائی بے دینی کے علاوہ ایسی بے غیرتی وبے شرمی بھی ہے جس کے تصور سے بھی انسانیت کوسوں دور بھاگتی ہے۔ اللہ تعالی کو ناراض کرکے جو اولاد حاصل کی گئی وہ وبال ہی بنے گی۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: وقال فی الجوھرۃ: اذا کان المرض فی سائر بدنھا غیر الفرج یجوز النظر الیہ عند الدواء لانہ موضع ضرورۃ وان کان فی موضع الفرج فینبغی ان یعلم امرءۃ تداویھا فان لم توجد وخافوا علیھا ان تھلک او یصیبھا وجع لا تحتملہ یستر منھا کل شیء الا موضع العلۃ ثم یداویھا الرجل ویغض بصرہ ما استطاع الا عن موضع الجرح اھ فتأمل والظاھر ان ینبغی ھنا للوجوب (رد المحتار ص۲۳۷ ج۵)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۴ صفر ۱۴۱۰ھ

نابالغ بچوں سے خدمت لینا:

سوال: دیہات کی مساجد میں جو طلبہ رہتے ہیں ان میں نابالغ لڑکے بھی ہوتے ہیں جن کے ذمہ تمام کام ہوتے ہیں یہاں تک کہ ان نابالغ بچوں پر کبھی ظلم وزیادتی بھی ہو جاتی ہے، ان حالات میں نابالغ سے بلا اجرت کام لینا کیسا ہے؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

والدین واولیاء کی طرف سے دلالۃً کام لینے کی اجازت ہوتی ہے اس لئے کام لینا جائز ہے، بلکہ ان کی تربیت کے لئے کسی قدر کام لینا ضروری ہے۔ البتہ دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

(۱) تعلیم میں زیادہ حرج واقع نہ ہو۔

(۲) استطاعت وطاقت سے زیادہ کام نہ لیا جائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۴ ربیع الاول ۹۴ھ

خلاف قانون کسی ملک میں ٹھہرنا:

سوال: بعض لوگ حکومت سے عمرہ کی اجازت لے کر مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور عمرہ سے فارغ ہوکر واپس نہیں آتے، عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد سعودی حکومت کسی کو مستقل طور پر رہنے کی اجازت نہیں دیتی اور حکومت پاکستان نے بھی اجازت اس لئے دی کہ وہ عمرہ کے لئے جارہا ہے۔ اگر حکومت پاکستان کو یہ پتہ چل جائے کہ کوئی شخص وہاں جاکر عمرہ کے بعد مستقل رہائش کے لئے بندوبست کرلے گا تو وہ اسے ہرگز اجازت نہ دے، بہرحال بعض لوگ اس طرح غیر قانونی طور پر جاکر وہاں چوری چھپے رہ جاتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ لوگ شرعی اور قانونی اعتبار سے مجرم ہیں یا نہیں؟

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ حکومتوں کے قوانین سفر خلاف شریعت ہیں، شریعت میں کسی جگہ کے سفر کرنے کی ممانعت نہیں خصوصاً بلد حرام کا سفر تو موجب قرب الٰہی ہے، اس لئے اگر وہ عمرہ کا پاسپورٹ، ویزا لے کر جانے کے بعد وہیں قیام کرلیتے ہیں تو شرعاً مجرم نہیں ہیں۔

بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ملکی اور شہری نظام کو برقرار رکھنے کے لئے قوانین سفر، خصوصاً اجازت کے بغیر ایک ملکی کا دوسرے ملک میں نہ جانے کے قوانین خلاف شریعت نہیں۔

دوسرا یہ کہ اگرچہ قانون شرعی نہیں لیکن عمرہ کرنے والے نے پاکستانی حکومت اور سعودی حکومت کے ساتھ ویزا حاصل کرنے کے وقت گویا معاہدہ کیا ہے کہ وہ عمرہ کرکے واپس آئے گا وہیں پر قیام نہیں کرے گا۔

لہذا عمرہ کے بعد وہاں چوری چھپے رہ کر اس نے قانون کی خلاف ورزی کے ساتھ وعدہ اور معاہدہ کی بھی خلاف ورزی کی ہے اس لئے شرعاً وقانوناً مجرم ہے۔ صحیح کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ صورت شرعاً وقانوناً ہر طرح ناجائز ہے۔

قانوناً تو ظاہر ہے کہ پاسپورٹ اور ویزا میں جو تاریخ مقرر ہے اس تاریخ سے زائد ٹھہرنا جرم اور قانون شکنی ہے۔

شرعاً ناجائز ہونے کی کئی وجوہ ہیں:

(۱) پاسپورٹ اور ویزا حاصل کرنا ایک معاہدہ ہے اور عہد شکنی کو شریعت نے جرم عظیم قرار دیا ہے۔

(۲) مباحات میں حکومت کی اطاعت واجب ہے۔

(۳) جان وعزت کو خطرہ میں ڈالنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۵ ربیع الاول سنہ ۹۶ھ

ویزا کی مدت سے زیادہ قیام جائز نہیں:

سوال: میں مع اہل وعیال مکۃ المکرمہ میں اقامت کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں، لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ حکومت پاکستان کی طرف سے صرف دو ہفتے کا ویزا مل سکتا ہے کیونکہ عمرہ کے لئے جانے والوں کو دو ہفتے سے زائد عرصہ کا ویزا نہیں مل سکتا، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ دو ہفتے کا ویزا ختم ہوجانے کے بعد مکۃ المکرمہ میں چوری چھپے رہنا پڑے گا۔ کبھی گرفت میں آگیا تو فوراً واپس ہوجانے کا خطرہ ہے، اور اگر کوئی کام سعودی حکومت کی طرف سے مل گیا تو اطمینان سے قیام کی صورت بھی نکل آئے گی، اس صورت حال میں میرے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

امور مباحہ میں حکومت کے قانون کی خلاف ورزی سخت گناہ ہے۔ علاوہ ازیں نفس یا عزت کو خطرہ میں ڈالنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۷ ربیع الثانی سنہ ۹۶ھ

بجلی کے میٹر سے کنکشن دینا:

سوال: بعض لوگ چوری چھپے اپنے ہمسائے سے کچھ پیسے لے کر کنکشن دیتے ہیں حکومت اس کی اجازت نہیں دیتی، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں جب کہ حکومت سے بجلی خریدنے کی وجہ سے ملک آجاتی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ بیع نہیں بلکہ بجلی پہنچانے کا اجارہ ہے اور میٹر بھی اجارہ پر ہے اور مستأجر پر دوسرے کو نہ دینے کی پابندی میں اگر کوئی فائدہ ہو تو ایسی پابندی لگانا جائز ہے، بظاہر محکمہ کی نظر میں اس پابندی میں یقیناً کوئی فائدہ ملحوظ ہوگا، لہذا دوسرے کو دینا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۵ شعبان سنہ ۱۴۰۰ھ

اپنی زمین سے عام راستہ بند کرنا:

سوال: زید کی زمین کے قریب بکر کی زمین ہے جس میں ایک عام راستہ تھا جس پر عام لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی، بکر نے اپنی اس زمین کے چاروں طرف دیوار لگا کر اس عام راستہ کو بند کر دیا، مجبوراً لوگوں نے متصل زید کی زمین میں راستہ بنا لیا، زید نے بھی اس سے چشم پوشی کی، اب چند سال کے بعد زید نے اپنی اسی زمین میں نیا گھر بنایا، جس کی وجہ سے اب اپنی زمین کے اس راستہ کو بند کرنا چاہتا ہے کیونکہ اس راستے کی وجہ سے اس کو بہت نقصان ہوتا ہے، فصل کی خرابی کے علاوہ بے پردگی کا راستہ بھی کھل جاتا ہے، دیگران عام لوگوں کو اپنے کاروبار کے سرانجام دینے کے لئے اور راستہ بھی ہے مگر وہ کافی دور پڑتا ہے، اب شرعی فیصلہ کیا ہے؟ واضح فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

زید کو اپنی ملک میں سے راستہ بند کرنے کا حق ہے اگرچہ اس کو کوئی نقصان نہ ہو، اور جب اس کو بے پردگی اور فصل کی خرابی جیسے نقصانات درپیش ہیں تو اس فتنے کا سد باب اس پر فرض ہے، عوام کو چاہیئے کہ وہ دوسرا راستہ اختیار کریں، شرکاء فی العین بوقت مضرت اپنے شریک کے حصے میں تصرف نہیں کرسکتے تو بالکل اجنبی لوگ بطریق اولی

تصرف نہیں کر سکتے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وکل من شرکاء الملک اجنبی فی الامتناع عن تصرف مضر فی مال صاحبہ لعدم تضمنہا الوکالۃ (رد المحتار ص ۳۳۲ ج ۳)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۷ ربیع الثانی ۹۶ھ

خنزیر کے بالوں کے برش کا حکم:

سوال: آج کل دروازوں، کھڑکیوں اور دیواروں پر روغن کرنے کے لئے خنزیر کے بالوں کا برش استعمال ہوتا ہے، ایسے برش سے رنگی ہوئی لکڑی اور دیوار پاک ہے یا نہیں؟ اگر ناپاک ہے تو خشک ہونے کے بعد اس کے ساتھ گیلا کپڑا یا گیلا ہاتھ لگ جائے تو کیا وہ بھی ناپاک ہو جائے گا؟ نیز ایسے دروازوں، کھڑکیوں اور دیواروں کو پاک کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ مسجدوں میں رنگ کرنے کے لئے بھی یہی برش استعمال ہوتا ہے، تو کیا مسجد کے لئے ایسی نجس چیز کے استعمال کرنے کی شرعاً اجازت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مفتی بہ اور ظاہر مذہب پر خنزیر کے بال ناپاک ہیں، جس چیز میں ڈالے جائیں گے وہ بھی ناپاک ہو جائے گی، مگر امام محمد رحمہ اللہ تعالی کے نزدیک خنزیر کے بال پاک ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: (وشعر المیتۃ) غیر الخنزیر علی المذہب (الی قولہ) طاہر۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ علی المذہب) ای علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی الذی ہو ظاہر الروایۃ ان شعرہ نجس وصححہ فی البدائع ورجحہ فی الاختیار فلو صلی ومعہ منہ اکثر من قدر الدرہم لا تجوز ولو وقع فی ماء قلیل نجسہ وعند محمد رحمہ اللہ تعالی لا ینجسہ افادہ فی البحر وذکر فی الدرر انہ عند محمد رحمہ اللہ تعالی طاہر لضرورۃ استعمالہ للخرازین قال العلامۃ المقدسی وفی زماننا استغنوا عنہ ای فلا یجوز استعمالہ لزوال الضرورۃ الباعثۃ للحکم بالطہارۃ نوح آفندی (رد المحتار ص ۱۳۸ ج ۱)

وقال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ ای فلا یجوز استعمالہ لزوال الضرورۃ الخ) سیأتی لہ عن ط رد ما قالہ فی النہر فی بیان ثمرۃ الاختلاف فی جزء الحمام والعصفور ھل ھو طاھر او معفو عنہ من انہا تظھر فی ما لو وجدھا فی ثوب وعندہ ما ھو خال عنہ لا تجوز الصلوۃ علی العفو لانتفاء الضرورۃ وتجوز علی الطھارۃ قال ط فیہ نظر اذ مقتضاہ عدم جواز التطہر بھذا الماء حیث وجد غیرہ اھ فمقتضی ما قالہ ط انہ بزوال الضرورۃ الداعیۃ للطھارۃ لا تعود النجاسۃ وھو الظاھر اذ الضرورۃ ھی علۃ لقول الشارع بالطھارۃ علی ما قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ وبعد قولہ علینا اتباعہ حتی یوجد منہ ما یدل علی النجاسۃ ولذلک قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ بعدم فساد الماء وبصحۃ صلوۃ الحامل مع عدم وجود الضرورۃ حقیقۃ (التحریر المختار ص۲۵ ج۱)

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شعر خنزیر بہرحال پاک ہیں ان کے استعمال کی ضرورت ہو یا نہ ہو، چونکہ مفتی بہ قول نجاست کا ہے اس لئے ان کے استعمال سے حتی الامکان احتراز واجب ہے، صرف مواقع ضرورت میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، لکڑی کو روغن کرنا ضرورت میں داخل ہے، اس لئے کہ روغن کے بغیر لکڑی بہت جلد خراب ہو جاتی ہے اور خنزیر کے بالوں کے سوا کوئی اور برش استعمال کیا جائے تو برش بہت جلد ٹوٹ جاتا ہے اور کام کرنے میں محنت اور مشقت دو چند ہوتی ہے، نیز بال ٹوٹ کر لکڑی پر رہ جانے کی وجہ سے صفائی نہیں آتی۔ صفائی اور زینت اگرچہ ضرورت میں داخل نہیں مگر پہلی دو چیزیں یعنی برش کا بہت جلد ٹوٹنا اور محنت دوچند ہونا بلاشبہ ضرورت میں داخل ہیں، جوتے کی سلائی کو حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ضرورت قرار دیا ہے حالانکہ اس زمانے میں بھی جوتے کی سلائی کے دوسرے ذرائع بھی یقیناً موجود تھے، مگر ان میں مشقت اور خنزیر کے بال سے سلائی میں سہولت تھی، اس سہولت کو ضرورت قرار دے کر شعر خنزیر کے استعمال کو جائز قرار دیا گیا ہے، اس لئے دروازوں اور کھڑکیوں اور لوہے کے جنگلوں وغیرہ کی رنگائی میں طہارت کے قول کی گنجائش ہے۔

البتہ دیواروں پر رنگ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر کسی حد تک اس کی ضرورت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ سفیدی کرنے سے بھی حاصل ہو جاتی ہے، لہٰذا یہاں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اس قسم کی دیوار کو اگر دھو لیا جائے تو اوپر سے پاک ہو جائے گی، مگر اس کا اندر ناپاک رہے گا، دھونے سے فائدہ یہ ہوگا کہ اس پر گیلا ہاتھ یا گیلا کپڑا لگنے سے ناپاک نہ ہوگا۔

مساجد کی دیواروں کو روغن کرنے میں خنزیر کے بالوں کا برش استعمال کرنے سے احتراز لازم ہے، اگر ایسی دیوار کو دھو کر اوپر سے پاک بھی کر دیا گیا تو بھی اس کی اندرونی نجاست احترام مسجد کے خلاف ہے، لہٰذا اگر مسجد میں ایسے برش سے رنگ کر دیا گیا ہو تو اسے کھرچ کر اتار دینا چاہیے۔

قال ابن الهمام رحمه الله تعالى: وقد قيل ايضا ان الضرورة ليست ثابتة فى الخرز به بل يمكن ان يقام بغيره وقد كان ابن سيرين لا يلبس خفا خرز بشعر الخنزير فعلى هذا لا يجوز بيعه ولا الانتفاع به وروى ابو يوسف رحمه الله تعالى كراهة الانتفاع به لان ذلك العمل يتأتى بدونه كما ذكرنا الا ان يقال ذلك فرد تحمل مشقة فى خاصة نفسه فلا يجوز ان يلزم العموم حرجا مثله (فتح القدير ص۲۰۲ ج ۵)

قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: وحاصله ان تأتى الخرز بغيره من شخص حمل نفسه مشقة فى ذلك لا تزول به ضرورة الاحتياج اليه من عامة الناس (رد المحتار ص۲۱۱ ج ۴) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۱۸ جمادی الآخرۃ ۹۶ھ

امتحان میں نقل کرنا:

سوال: آج کل امتحان میں طلبہ امتحان گاہ میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں اور بتاتے ہیں یا نقل کرتے کراتے ہیں یا اپنے پاس کاغذات چھپا کر امتحان گاہ کے اندر لے جاتے ہیں، یہاں تک کہ کتابیں بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں حالانکہ ان سب امور کی حکومت کی طرف سے بھی ممانعت ہے، یہ چیزیں شریعت کی رو سے جائز ہیں یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

امتحان میں ایک دوسرے سے پوچھنا یا لکھے ہوئے کاغذ یا کتاب چھپا کر ساتھ لے جانا اور اس سے دیکھ کر سوالات کا جواب لکھنا وجوہ ذیل کی بناء پر شرعًا ناجائز اور حرام ہے :

① اس میں قانون کی خلاف ورزی ہے جو ناجائز ہے۔

② ممتحن کو دھوکا دیا جاتا ہے، اس لئے کہ ممتحن تو یہی سمجھے گا کہ یہ جواب طالب علم نے خود اپنی یاد داشت سے لکھا ہے۔

③ یہ ظاہر کرنا کہ یہ جواب لکھنے والے نے خود اپنی قابلیت سے لکھا ہے، جھوٹ ہے۔

④ اس قسم کے امتحان سے نالائق شخص اپنی لیاقت ظاہر کر کے مختلف محکموں میں ایسے کام پر لگے گا جس کی اس میں صلاحیت نہیں، جس میں ملک وملت کا سخت نقصان ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۵ رشعبان ۹۶ھ

گناہ میں والدین کی اطاعت جائز نہیں :

سوال : میرے والد صاحب بعض منکرات کے رد پر مجھے نہیں روکتے لیکن بعض منکرات کے رد پر مجھے روکتے ہیں اور مجھ سے ناراض بھی ہوتے ہیں، مثلاً الیکشن کے زمانے میں مجھے علماء حق کی حمایت سے روکتے ہیں تو کیا مجھے صورت ثانیہ میں خاموش رہنا چاہیئے یا حق کا اظہار کرنا چاہیئے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حق بات کی حمایت کرنا ضروری ہے، اگر اس سے والدین روکیں تو اس میں والدین کی اطاعت جائز نہیں، البتہ ان سے جھگڑا نہ کریں۔

قال علیہ الصلوۃ والسلام : لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۷ رشعبان ۹۶ھ

ڈاکٹری پڑھنا:

سوال: میڈیکل کی تعلیم جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مردوں کی چیرپھاڑ کرنا انسانی ڈھانچے کی بے حرمتی ہے اس لئے جائز نہیں، اگر جانوروں کے یا پلاسٹک کے ڈھانچے استعمال کئے جائیں تو ڈاکٹری پڑھنا جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۰ رشعبان ۹۶ھ

امرد اغیار کو سفر میں ساتھ لے جانا:

سوال: دورحاضر میں جب کہ مرض لواطت کی کثرت ہے، امرد اغیار کے ساتھ سفر کرنا خصوصاً امور غیر ضروریہ میں خواہ امور دنیویہ ہوں یا دینیہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بمقتضائے اتقوا مواضع التھمۃ امارد اغیار کو سفر میں ساتھ رکھنے سے احتراز لازم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۸ رمضان ۹۶ھ

انجکشن لگا کر دودھ نکالنا:

سوال: مواشی رکھنے والوں نے بھینس کا دودھ نکالنے کی ایک تدبیر نکالی ہے کہ جو بھینس دودھ نہ دے اور دو چار گھنٹے اس کے نیچے بیٹھے رہیں لیکن وہ لات مارتی ہے اب آسان طریقہ یہ نکالا ہے کہ میڈیکل اسٹور سے ایک دوا کی چھوٹی شیشی خرید کر سرنج میں بھر کر بھینس کو لگاتے ہیں جس سے بھینس اپنا پورا دودھ تھنوں میں اتار لیتی ہے جس سے آسانی سے اس کا دودھ نکالا جاتا ہے، کیا یہ صورت شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ طریقہ بلاشبہ جائز ہے، اللہ تعالی نے حیوانات کو انسان کے نفع کے لئے پیدا فرمایا ہے، اس لئے ان سے انتفاع میں ان کو کچھ تکلیف بھی ہو تو کچھ حرج نہیں،

اسی لئے گوشت کی بہتری کی غرض سے حیوان کا خصی کرنا بالاتفاق جائز ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی دنبوں کی قربانی کی ہے، خصی کرنے کی تکلیف انجکشن لگانے سے بھی بہت زیادہ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۸ شوال ۹۶ھ

زیارت قبور کے لئے سفر کرنا

سوال: بزرگوں کی زیارت کے لئے مستقل سفر کرکے جانا مثلاً کراچی سے لاہور داتا گنج بخش، ٹھٹھہ اور سیہون شریف جانا حصول مراد کے لئے قرآن وحدیث کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

غیر اللہ سے مانگنا بہر حال شرک ہے خواہ اولیاء اللہ کے مزار پر جاکر مانگیں یا اپنے مقام میں رہ کر مانگیں، البتہ اگر مراد مانگنا مقصود نہیں تو صرف زیارت کے لئے جانا بشرائط ذیل جائز ہے:

(۱) وہاں کسی قسم کی بدعات ومنکرات نہ ہوں۔
(۲) دیکھنے سننے والوں کو جانے والے کے مشرک یا مبتدع ہونے کا گمان نہ ہو۔
(۳) علماء محققین وموحدین صاحب مزار کی ولایت کے قائل ہوں۔

اس دور فساد میں شرائط مذکورہ کا وجود محال ہے اس لئے احتراز لازم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۱ ذی القعدۃ ۹۶ھ

حکم قرعہ اندازی:

سوال: قرعہ اندازی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حقوق میں قرعہ اندازی جائز نہیں، تبرع محض میں جائز ہے، مثلاً آپ کسی کو انعام دینا چاہیں اور بذریعہ قرعہ کسی کو ترجیح دیں یا تقسیم میں مساوی حصے کرکے محض انتخاب کی غرض سے قرعہ ڈالیں تو جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ ذی القعدۃ ۹۶ھ

رمضان میں ہوٹل کھلا رکھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی مسلمان منع کرنے کے باوجود رمضان میں ہوٹل کھولتا ہے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے۔ ایسے شخص کی کسی تقریب میں شریک ہونا یا رمضان دغیر رمضان میں دعوت قبول کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر کوئی شخص رمضان میں افطار کی تیاری کے لئے افطار سے قبل یا رات کو ہوٹل کھولے تو کوئی حرج نہیں۔ اور اگر دن کے وقت ہوٹل کھول کر لوگوں کو کھلاتا پلاتا رہے تو ایسا شخص فاسق مجاہر اور سزا کا مستحق ہے۔

حکومت پر فرض ہے کہ ایسے شخص کو کھلے میدان میں عبرتناک سزا دے۔

عامۃ المسلمین ایسے شخص سے زجراً تعلقات ختم کردیں، اس کی تقریبات میں شامل نہ ہوں، بغض فی اللہ کا مقتضی یہی ہے۔

ہاں جب وہ اپنے اس فعل شنیع سے توبہ کرلے اور آیندہ احتیاط کا وعدہ کرے تو تعلقات بحال کرلئے جائیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ رمضان ۹۶ھ

اثبات زنا کے لئے ڈاکٹری معاینہ:

سوال: جب کوئی عورت کسی مرد پر جبراً اس کے ساتھ زنا کرنے کا الزام لگاتی ہے تو عدالت دونوں کو معاینہ کے لئے ڈاکٹر کے پاس بھیجتی ہے، اس معاینہ میں ڈاکٹر کو مرد و عورت کی ایک ایک چیز خصوصاً شرمگاہ کو اچھی طرح دیکھنا پڑتا ہے۔ کیا شریعت میں یہ معاینہ معتبر ہے اور اس کی اجازت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اثبات زنا کا یہ طریقہ شرعاً معتبر نہیں، لہٰذا اس طرح شرمگاہ کا معاینہ کرنا کرانا حرام ہے۔

ڈاکٹر کے لئے شرمگاہ دیکھنے کی گنجائش صرف اس صورت میں ہے کہ موت یا تکلیف مالا یطاق میں مبتلا ہونے کا شدید خطرہ ہو۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وقال فی الجوھرۃ اذا کان

المرض فی سائر بدنها غیر الفرج یجوز النظر الیہ عند الدواء لانہ موضع ضرورۃ وان کان فی موضع الفرج فینبغی ان یعلم امرأۃ تداویہا فان لم توجد وخافوا علیہا ان تہلک او یصیبہا وجع لا تحتملہ یستروا منہا کل شیء الا موضع العلۃ ثم یداویہا الرجل و یغض بصرہ ما استطاع الا عن موضع الجرح اھ فتأمل۔ الظاہر ان ینبغی ھنا للوجوب۔ (ردالمحتار ص۲۳۷ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۶ رجب سنہ ۹۷ھ

ناجائز ملازمت چھوڑنا:

سوال: زید جہاز میں چیف آفیسر ہیں، ان کے فرائض میں سے ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ جہاز کے عملہ اور مسافروں کے لئے شراب خریدے اور بوقت طلب ان کو مہیا کرنے کا انتظام کرے، زید انتظامیہ سے کئی مرتبہ اس کو اس کے فرائض سے خارج کرنے کا مطالبہ کر چکا ہے، مگر انتظامیہ اور کپتان "عدم ادا فرض" (چارج شیٹ) کی دھمکی دیتے ہیں۔ کوشش کرنے سے پاکستانی جہاز پر ملازمت مل سکتی ہے مگر تنخواہ کا بہت فرق ہے۔ یہاں ساڑھے پانچ ہزار ہے اور پاکستانی جہاز پر سولہ سو ہوگی۔ ایسی صورت میں یہ ملازمت زید کے لئے جائز ہے یا ترک کر دے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس ملازمت کا چھوڑنا فرض ہے، بالخصوص جبکہ پاکستانی جہاز پر ملازمت بھی مل سکتی ہے، حلال کی قلیل آمدن میں حرام کی کثیر آمدن سے کہیں زیادہ برکت ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غرۂ جمادی الآخرہ سنہ ۹۸ھ

طلبہ کو سزا دینا:

سوال: بالغ یا نابالغ بچوں کو پڑھائی میں کوتاہی یا کسی غلطی پر سزا دی جا سکتی ہے یا نہیں، نیز سزا کے لئے شرعاً کوئی حد مقرر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بوقت ضرورت بقدر ضرورت طلبہ کو سزا دینا جائز ہے، سزا کی کوئی حد مقرر نہیں،

طبائع وقویٰ کے اختلاف سے حکم مختلف ہوگا، البتہ اصولی طور پر چند امور کی پابندی ضروری ہے:

① چہرہ پر نہ مارا جائے۔

② اتنا نہ مارا جائے کہ زخمی ہو جائے۔

③ تحمل سے زائد نہ ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۴ صفر سنہ ۹۷ھ

بھینس کے بچے کو ذبح کرنا ظلم ہے:

سوال: ہمارے شہر میں یہ رواج ہے کہ بھینس کے اگر بچہ مذکر پیدا ہو تو اسے فوراً بھینس کو دکھائے بغیر ذبح کر دیتے ہیں اور اگر مؤنث ہو تو اسے زندہ رکھ لیتے ہیں، تو کیا مذکر بچہ کو فوراً ذبح کرنا شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ اس کی ماں پر کھلا ظلم ہے، لہٰذا ذابح گناہگار ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۷ رجب سنہ ۹۸ھ

مکان کی بنیاد کسی بزرگ سے رکھوانا:

سوال: مکان کی بنیاد کسی بزرگ سے رکھوانا اور کھودنے کے بعد دعاء کرنا کرانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

آج کل یہ کام بھی ایک رسم بن گیا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ عموماً صاحب خانہ کے حالات واعمال سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کو دین سے کوئی تعلق نہیں، کسی بزرگ سے بنیاد رکھوا کر پھر اسی مکان میں تصاویر، گانا بجانا اور دوسرے علانیہ معاصی کا ارتکاب کیا جاتا ہے، اگر کسی کے قلب میں واقعۃً فکر آخرت ہو اور مکان میں برکت کے لئے خود اپنے اعمال کی بھی اصلاح ضروری سمجھتا ہو پھر بلا تکلف کبھی کسی بزرگ سے بنیاد رکھوانے کا موقع مل گیا، کھانے پینے کے تکلفات اور دوسرے خرافات سے بچ کر بنیاد رکھوائی تو کچھ حرج نہیں، بلکہ مستحسن ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۷ صفر سنہ ۹۹ھ

مکان کی بنیاد میں بکرے کا خون ڈالنا:

سوال: آج کل جب کوئی شخص مکان تعمیر کرتا ہے تو اس کی بنیادوں میں بکرا ذبح کرکے اس کا خون ڈالتا ہے اور گوشت اپنے احباب اور فقراء میں تقسیم کرتا ہے کیا شرعی لحاظ سے اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، یہ ہندؤں اور بت پرستوں کا عقیدہ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۰ ربیع الاول سنہ ۹۹ھ

ٹڈی کو گرم پانی میں ڈالنا:

سوال: اگر ٹڈی کو مارنے کے لئے گرم پانی میں ڈالا جائے تو کیا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ ویسے مشکل سے مرتی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

زندہ جانور کو گرم پانی میں ڈالنا گناہ ہے، پھر اگر پانی تیز گرم ہے اور ٹڈی کو اس میں اتنی دیر رکھا گیا کہ اس کے فضلہ کی نجاست گوشت میں سرایت کر گئی تو یہ ٹڈی حرام ہوگی اب اس کے پاک کرنے کی کوئی صورت نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وکذا دجاجۃ ملقاۃ حالۃ غلی الماء للنتف قبل شقہا فتح۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: قال فی الفتح انہا لا تطہر ابدا لکن علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی تطہر والعلۃ واللہ اعلم تشربہا النجاسۃ بواسطۃ الغلیان وعلیہ اشتہر ان اللحم السمیط بمصر نجس لکن العلۃ المذکورۃ لا تثبت ما لم یمکث اللحم بعد الغلیان زمانا یقع فی مثلہ التشرب والدخول فی باطن اللحم الخ (رد المحتار ص ۲۲۳ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۲ صفر سنہ ۹۹ھ

ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں ڈالنا:

سوال : ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ ایک صاحب مکروہ بتلاتے ہیں، کیا ان کا کہنا صحیح ہے؟ اگر واقعی مکروہ ہے تو مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟ اور مسجد، عام مجلس، اپنے گھر کے اندر اور تنہائی میں سب کا ایک ہی حکم ہے یا کچھ فرق ہے؟ باحوالہ تحریر فرما کر تشفی فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

نماز کی حالت میں اور ان حالات میں جو نماز کے حکم میں ہیں مثلاً نماز کی طرف جاتے ہوئے یا نماز کے انتظار میں بیٹھنے کی حالت میں مکروہ تحریمی ہے اور عام حالات میں بلا حاجت مکروہ تنزیہی ہے، انگلیاں چٹخانے کا بھی یہی حکم ہے۔

قال الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وفرقعة الاصابع وتشبیکها ولو منتظرا لصلاة او ماشیا الیها للنهی ولا یکره خارجها لحاجة۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: المراد بخارجها ما لیس من توابعها لان السعی الیها والجلوس فی المسجد لاجلها فی حکمها کما مر لحدیث الصحیحین لا یزال احدکم فی صلوة ما دامت الصلاة تحبسه واراد بالحاجة نحو اراحة الاصابع فلو بدون حاجة بل علی سبیل العبث کرهت تنزیها والکراهة فی الفرقعة خارجها منصوص علیها۔ واما التشبیك فقال فی الحلیة لم اقف لمشایخنا فیه علی شیء والظاهر انه لو لغیر عبث بل لغرض صحیح ولو لاراحة الاصابع لا یکره فقد صح عنه صلی اللہ علیه وسلم انه قال المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضه بعضا وشبك اصابعه فانه لافادة تمثیل المعنی وهو التعاضد والتناصر بهذه الصورة الحسیة۔ (رد المحتار ص ۴۳۲ ج ۱) واللہ سبحانه وتعالی اعلم

۱۶ ربیع الثانی

کوکھ پر ہاتھ رکھنا:

سوال: کوکھ پر ہاتھ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز میں مکروہ تحریمی ہے اور عام حالات میں مکروہ تنزیہی۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی فی مکروھات الصلوۃ: التخصر وضع الید علی الخاصرۃ للنھی ویکرہ خارجھا تنزیھا۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: قال فی البحر والذی یظھر ان الکراھۃ تحریمیۃ فی الصلاۃ للنھی المذکور ولان فیہ ترک سنۃ الوضع کما فی الھدایۃ لکن العلۃ الثانیۃ لاتقتضی کراھۃ التحریم نعم تقتضی کراھۃ وضع الید علی عضو اٰخر غیر الخاصرۃ (رد المحتار ص۴۳۲ ج۱) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۶ ربیع الثانی سنہ ۹۹ھ

حکومت کا کسی کی ذاتی ملکیت میں تصرف کرنا:

سوال: کیا کوئی مسلم حکومت بغیر معاوضہ ادا کئے کسی بھی مسلمان شخص کی ملکیت جائیداد غیر منقولہ خصوصاً زرعی اراضی لینے اور مالک کو اس کی ملکیت سے ہمیشہ کے لئے محروم کرنے کی مجاز ہے؟ خواہ اس جائیداد کو تحویل میں لینے کا مقصد کچھ بھی ہو، میں شرعی عدالت میں مقدمہ کرنا چاہتا ہوں کہ گذشتہ حکومتوں نے لوگوں کی ملکیت قطعی بغیر کسی معاوضہ کے حاصل کرلی، کیا یہ شریعت اسلامیہ میں جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کسی کے لئے ملک غیر میں اس کی رضا کے بغیر کسی قسم کا تصرف جائز نہیں، اس کی حرمت قرآن وحدیث کے علاوہ مسلمات عقلیہ میں سے ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۲ ربیع الثانی سنہ ۹۹ھ

غیر اللہ کو شہنشاہ کہنا جائز نہیں:

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا کسی بادشاہ کو شہنشاہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

غیر اللہ پر اس کے اطلاق کی حدیث میں ممانعت آئی ہے، شہنشاہ اصل میں شاہ شاہاں تھا یعنی بادشاہوں کا بادشاہ اور یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ ربیع الثانی ۹۹ھ

بغرض تداوی داغ دینا:

سوال: کسی مرض کی وجہ سے حیوان یا انسان کو داغ دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (تنبیہ) لا بأس بکیّ البھائم للعلامۃ وثقب اذن الطفل من البنات لانھم کانوا یفعلونہ فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من غیر انکار ولا بأس بکی الصبیان لداء اتفاقی (ردالمحتار ص۲۴۹ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۵ جمادی الاولیٰ ۹۹ھ

علم جفر ورمل حرام ہے:

سوال: علم جفر کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگ اس علم کے ذریعہ شادی وغیرہ کا استخارہ بھی لیتے ہیں، اس علم کے نتیجے کو صحیح سمجھنے اور یقین رکھنے سے ایمان پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس جیسی کفریات کا سیکھنا سکھانا اور اس کے مدعی کے پاس کوئی بات پوچھنے جانا حرام اور اس کے نتائج کو یقینی سمجھنا کفر ہے۔

تعریف علم الجفر والجامعۃ

ھو عبارۃ عن العلم الاجمالی بلوح القضاء والقدر المحتوی علی کل ما کان وما یکون کلیا وجزئیا:

والجفر عبارۃ عن لوح القضاء الذی ھو العقل الکل والجامعۃ لوح القدر الذی ھو نفس الکل وقد ادعی طائفۃ ان الامام علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ وضع الحروف الثمانیۃ والعشرین علی طریقۃ البسط الاعظم فی جلد الجفر یستخرج منھا بطرق مخصوصۃ وشرائط معینۃ الفاظ مخصوصۃ یستخرج منھا ما فی لوح القضاء والقدر (مفتاح السعادۃ ومصباح السیادۃ ص۵۵ ج ۲)

وفی المنجد: علم الجفر ویسمی علم الحروف: علم یدعی اصحابہ انھم یعرفون بہ الحوادث الی انقراض العالم (المنجد ص۹۴)

حکمہ: حکمہ حکم علم الرمل لانھما متحدان فی الغرض فھو حرام مثلہ۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی فی حکم الرمل: وقد علمت انہ حرام قطعا واصلہ لادریس علیہ السلام ط ای فھو شریعۃ منسوخۃ وفی فتاوی ابن حجر ان تعلمہ وتعلیمہ حرام شدیدا التحریم لما فیہ من ایھام العوام ان فاعلہ یشارک اللہ تعالی فی غیبہ (رد المحتار ص۳۱ ج ۱)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۰ محرم ۱۴۰۰ھ

عشاء کے بعد کراہت سمر:

سوال: عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کے بارے میں جو حدیث پاک آئی ہے جس کا مضمون اس قسم کا ہے: "درس وتدریس یا مہمان یا اہلیہ کے علاوہ باقی سے باتیں کرنا ممنوع ہے" تو اگر ممنوع سے مراد لغو باتیں لی جائیں تو وہ تو ہر وقت حرام ہیں اور اگر مباح باتیں مراد ہوں تو اس میں اکثریت مبتلا ہے کیونکہ بعض دنیوی امور کے مشورے بعد از عشاء ہی ہوا کرتے ہیں۔ یہ منع کس قسم کا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کراہت کی علت نماز فجر با جماعت یا اس میں انشراح یا قیام لیل یا اس میں انشراح فوت ہونے کا خوف ہے، ان امور کے تفاوت درجات کے مطابق عشاء کے بعد امور دنیا میں شغل کی کراہت متفاوت ہوگی۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: قال فی البرھان ویکرہ النوم قبلھا والحدیث بعدھا لنھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عنھما الاحدیثا فی خیر لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا سمر بعد الصلوۃ یعنی العشاء الاخیرۃ الا لاحد رجلین مصل او مسافر وفی روایۃ او عرس اھ وقال الطحاوی انما کرہ النوم قبلھا لمن خشی علیہ فوت وقتھا او فوت الجماعۃ فیھا واما من وکل نفسہ الی من یوقظہ فیباح لہ النوم اھ وقال الزیلعی وانما کرہ الحدیث بعدھا لانہ ربما یؤدی الی اللغو او الی تفویت الصبح او قیام اللیل لمن لہ عادۃ بہ واذا کان لحاجۃ مھمۃ فلا بأس وکذا قراءۃ القرآن والذکر وحکایات الصالحین والفقہ والحدیث مع الضیف اھ والمعنی فیہ ان یکون اختتام الصحیفۃ بالعبادۃ کما جعل ابتداءھا بھا لیمحی ما بینھما من الزلات ولذا کرہ الکلام قبل صلوۃ الفجر وتمامہ فی الامداد ویؤخذ من کلام الزیلعی انہ لو کان لحاجۃ لا یکرہ وان خشی فوت الصبح لانہ لیس فی النوم تفریط وانما التفریط علی من اخرج الصلوۃ عن وقتھا کما فی حدیث مسلم نعم لو غلب علی ظنہ تفویت الصبح لا یحل لانہ یکون تفریطا تأمل (رد المحتار ص۲۴۶ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۲ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۰ھ

اخبار بینی:

سوال: بعض لوگ مساجد میں اخبار بینی کے عادی ہیں، جب ان کو روکا جاتا ہے تو دلیل اور جواب میں بعض علماء کرام کا عمل پیش کرتے ہیں تو ان کو کہا جاتا ہے کہ علماء حجج اربعہ میں سے کوئی حجت نہیں، اگر وہ حجج اربعہ میں سے کوئی حجت پیش کریں تو ہم ماننے کے لیے تیار ہیں اور بھی اس قسم کی باتیں دلیل میں پیش کرتے ہیں، اگر آپ از روئے شرع اس کی تشریح فرمادیں تو بہت فائدہ ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بلا ضرورت اخبار دیکھنا ویسے ہی گناہ ہے اور مسجد میں گناہ کرنا مزید باعث عذاب ہے۔

اخبار بینی کے چند مفاسد:

(۱) اضاعت وقت اور فضول ولایعنی خبریں دیکھنا جن میں نہ آخرت کا فائدہ نہ دنیا کا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص لایعنی امور سے نہیں بچتا اس کا اسلام پسندیدہ نہیں۔

"من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ"

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے علم سے پناہ مانگی ہے جس میں دین کا یا دنیا کا کوئی فائدہ نہ ہو۔

"اللھم انی اعوذ بک من علم لا ینفع"

(۲) اخبار میں بالعموم بہت سی باتیں اسلام کے خلاف ہوتی ہیں، اخبار دیکھنے سے ان خلاف شرع باتوں کی اشاعت میں تعاون ہوتا ہے۔

(۳) اخبار کی اکثر خبریں غیر مصدقہ ہوتی ہیں اور بعض یقیناً غلط ہوتی ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غیر مصدق خبر نقل کرنے والا بھی جھوٹوں کی فہرست میں داخل ہے۔

"کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع"

(۴) اخبار تصویر سے خالی نہیں ہوتا، اور تصویر دیکھنا گناہ ہے، اخبار بینی کے مفاسد کی تفصیل حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے رسالہ "اخبار بینی" میں ہے جو امداد الفتاوی میں شائع ہو چکا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۰ جمادی الآخرۃ ۱۴۰۱ھ

اسکول کی تعلیم:

سوال: حضرت والا کے "وصیت نامہ" ص۴ پر وصیت ۱۱ میں ہے: "اپنی اولاد کو اسکول اور کالج کی تعلیم سے اس طرح بچائیں جس طرح شیر یا بھیڑیئے سے بچایا جاتا ہے الخ"

اور حضرت تھانوی قدس سرہ "بہشتی زیور حصہ چہارم ص۲۲۴" کی آخری سطر میں لکھتے ہیں: "لڑکیوں کو اتنا لکھنا سکھا دو کہ ضروری خط اور گھر کا حساب وکتاب لکھ سکیں۔"

اتنا تو سمجھ میں آتا ہے کہ ان دونوں مذکورہ اقوال میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ جو منع حضرت کا مقصود ہے وہ اس ماحول اور اس کالج وغیرہ کے طرز تعلیم سے منع کرنا ہے اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو ترغیب دی ہے یا تو اس صورت میں ہے کہ محرم سے ہو، یا اگر محرم سے نہ ہو تو شریعت کے اصول کے ماتحت پردہ کا معقول انتظام ہو، لیکن باعث سؤال بات یہ ہے کہ بچوں اور بچیوں کو کسی حال بھی اسکول نہ بھیجا جائے یا کہ اتنی گنجائش ہے کہ ضرورت کے مطابق لکھنا پڑھنا سیکھ لیں، اگر اتنی بھی گنجائش نہیں تو کیا ان کے لئے بقدر ضرورت سیکھنا ضروری ہے؟ اگر ضروری ہو تو اسکول کالج کے علاوہ ان کو کیسے پڑھایا جائے؟ اور کیا بجائے اسکول کی کتابوں میں پڑھانے کے ان کو تعلیم الاسلام، بہشتی زیور، باقی دینی رسائل پڑھانے کیسے ہیں؟ کہ اس میں پڑھنے کے ساتھ پڑھانا بھی سیکھ لیں گے اور ذہن بھی دینی بنتا جائے گا، اس بارے میں اپنی مفید رائے سے مطلع فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مقصود برے ماحول سے حفاظت ہے اس کا جو طریقہ بھی ہو، مثلاً کسی اسکول کا ماحول اچھا ہو یا گھر پر پڑھانے کے لئے کسی کو مقرر کیا جائے یا خود گھر میں پڑھایا جائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۴ر جمادی الآخرۃ سنہ ۱۴۰۰ھ

شراب کی بوتل استعمال میں لانا:

سوال: شراب کی وہ بوتلیں جنہیں اچھی طرح صاف کر لیا گیا ہو ان میں شربت وغیرہ استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے مگر گناہ کی یادگار سے بچنا بہتر ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۵ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

دیوث سے تعلق رکھنا جائز نہیں:

سوال: ہمارے محلہ میں ایک شخص کا اپنے رشتہ دار کے ہاں آنا جانا ہے اور وہ اس کی لڑکی سے غلط مراسم قائم کئے ہوئے ہے، اس لڑکی کے والدین اور

دوسرے محلے والے سب لوگوں کو اس کا علم ہے، اس کے باوجود وہ اس کا کوئی سد باب نہیں کرتے تو کیا ایسے شخص سے تعلقات رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ شخص دیوث ہے، جب تک زانی سے حفاظت کی تدبیر نہیں کرتا اس وقت تک اس کے ساتھ تعلق رکھنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۱ رجب سنہ ۱۴۰۱ھ

جانور کی آنکھ انسان کو لگانا جائز ہے:

سوال: جس طرح مردہ انسانوں کی آنکھ دوسرے لگاتے ہیں، جانور کی آنکھ بھی انسان کو لگ جاتی ہے تو آیا اس کا لگانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جانور کی آنکھ لگانا جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۴ رجب سنہ ۱۴۰۱ھ

اڈنٹی کارڈ بنوانا جائز نہیں:

سوال: حکومت نے مدارس عربیہ کے طلبہ کے لئے بسوں اور ہوائی جہاز کے کرایہ میں رعایتی شرح کا اعلان کیا ہے، لیکن اس کی تحصیل کے لئے اڈنٹی کارڈ اور اس پر تصویر لازمی ہے اور دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ عربی مدارس کے طلبہ عموماً غریب ہوتے ہیں، بسا اوقات پورا کرایہ نہ ہونے کی وجہ سے ضروری سفر بھی ملتوی کرنا پڑتا ہے، نیز کارڈ نہ ہونے کی وجہ سے ایک تسلیم شدہ حق سے محرومی بھی ہے۔

سوال یہ ہے کہ ایسے طلبہ کے لئے کرایہ میں تخفیف کی غرض سے تصویر کھنچوانا اور اس کو شناختی کارڈ پر چسپاں کرکے اپنے پاس محفوظ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

وجہ اشکال یہ ہے کہ اس کارڈ میں ایک پہلو جلب منفعت کا بھی ہے اس لئے کہ اگر کوئی کارڈ نہ بنوائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اس کو کرایہ میں رعایت نہ ملے گی اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ طلبہ کو نصف کرایہ پر سفر کرنے کا حق ہے اور ان کا

یہ حق تصویر کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، اس لئے اس کو دفع مضرت بھی کہا جا سکتا ہے، لہٰذا ان دونوں پہلوؤں میں کون سے پہلو کو غالب قرار دیا جائے؟

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تصویر کے عدم جواز کے لئے اس کا سایہ دار ہونا ضروری ہے۔

کما فی حاشیۃ الحطاب المواق علی مختصر خلیل ص۴ ج ۴ والشرح الصغیر للصاوی علی شرح الدردیر ص۵۰۱ ج ۲) کتاب النکاح باب الولیمۃ والمغنی لابن قدامۃ ص۲ ج ۷ والانصاف للمرداوی ص۳۳۶ ج ۸ وغیرذلک من کتب المالکیۃ۔

توکیا اس قسم کے شناختی کارڈ کے لئے جو ضرورت بمعنی اضطرار میں تو یقیناً داخل نہیں، لیکن حاجت میں داخل سمجھا جا سکتا ہے' ایسی تصویر کو گوارا کرنا ممکن ہے یا نہیں؟ جبکہ یہ تصویر سایہ دار نہیں ہوتی اور کیا یہ اس مجتہد فیہا مسئلہ میں داخل ہے؟ دارالعلوم کراچی ۱۴

۲-۵-۱۴۰۴ھ

الجواب باسم ملہم الصواب

اڈنٹی کارڈ درج ذیل مفاسد کثیرہ خطیرہ کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے:

① یہ تمام تر رعایت تصویر جیسی لعنت پر موقوف ہے۔

والموقوف علی الحرام حرام۔

تصویر پر سخت وعیدیں مشہور و معروف ہیں، تصویر کی حرمت پر دس روایات تو صرف صحیح بخاری میں موجود ہیں۔

لکن حبک الشیء یعمی ویصم۔

② اس رعایت خبیثہ کی وجہ سے طلبہ میں آوارگی اور بدمحنتی جنم لے رہی ہے ضرورت بے ضرورت جب اور جہاں جی چاہے چلے جاتے ہیں، حالانکہ زمانہ کے علمی تنزل کا تقاضا تو یہ تھا کہ عوام کی بنسبت طلبہ کے کرایوں میں معتد بہ اضافہ کر دیا جاتا تاکہ اسفار غیر ضروریہ سے نجات پا کر سکون واطمینان سے محنت کر سکیں

③ حکومت نے پرائیویٹ بسوں پر یہ رعایت ظلما اور جبرا رکھی ہے، ایسی

صورت میں اسے قبول کرنا حکومت کے ساتھ ظلم میں اعانت اور حرام کام میں حمایت ہے۔

والظالمون عونه سواء فی الوزر

اور بموجب حدیث:

لا یحل مال امریٔ مسلم الا بطیب نفس منه

سراسر ناجائز اور حرام ہے، ظلم اور غصب کو وصول حق کا نام دینا اسلام کے خلاف بہت بڑے اور انتہائی خطرناک فتنہ "اشتراکیت" کا پڑھایا ہوا سبق ہے۔

(۴) معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ پرائیویٹ بسوں کے مالکین چونکہ اس پر راضی نہیں، اس لئے طلبہ اور کنڈیکٹروں کے مابین کشیدگی ہو جاتی ہے، اہل مشاہدہ بخوبی واقف ہیں کہ اس وقت طلبۂ علم دین کی کس قدر اہانت ہوتی ہے، علم کی ذلت، دین کی حقارت، اس وقت عوام علماء دین کے حق میں گستاخی کرتے ہوئے کفریہ کلمات تک بک دیتے ہیں، یہ اسی رعایت کا نتیجہ ہے۔

(۵) بہت سے لوگوں کا یہ بھی مشاہدہ ہے کہ طلبہ نے بوقت مزاحمت بس اور اہل بس پر مشتعل ہو کر حملہ کر دیا، بیسیوں دفعہ بسیں جلانے کے واقعات اخبار میں شائع ہوئے، قتل و قتال تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ چونکہ اہل مدارس کا طلبہ پر ضابطہ نہیں، اس لئے وہ اس رعایت کی آڑ لے کر بہت سے ناجائز امور کا ارتکاب کر لیتے ہیں۔

(۶) ایک بہت بڑا مفسدہ یہ بھی ہے کہ اس میں حکومت و ارباب اقتدار کے سامنے اظہار احتیاج ہے جو اہل علم کے لئے تباہ کن و رسوا کن ہے، افسوس بالائے افسوس یہ کہ یہ مطالبہ خود اہل مدارس کی طرف سے کیا گیا ہے اور متعدد بار اخباروں میں شائع ہوا ہے۔

اس دور کی حکومتوں سے ادنی رعایت بھی حاصل کرنا دین کے لئے سخت مضر بلکہ مہلک ہے، جن مدارس نے حکومت سے امداد لی ہے آئندہ کے لئے ان کی زبان حق گوئی سے بند ہو گئی اور حکومت اس احسان کے عوض ان سے بہت سے خلاف شریعت کام کرا لیتی ہے۔

جو کام ایسے اور اتنے ناجائز امور پر مشتمل ہو وہ سراسر مضرت ہی مضرت ہے اور اس کے ترک ہی میں دفع مضرت ہے۔

لان ادنی المعصیۃ مضرۃ کبیرۃ۔

لہٰذا سوال جلب منفعت و دفع مضرت کا قیاس باطل محض ہے، اس فلسفہ کے تحت چوری، رشوت خوری اور ڈاکہ زنی سب کبائر حلال ہو جائیں گے واللازم باطل فالملزوم مثلہ۔

مذہب غیر پر فتویٰ دینا ضرورت شدیدہ سے ہوتا ہے اور یہاں مذکورہ بالا قباحتوں کی وجہ سے اس کی حرمت پر فتویٰ دینے ہی میں ضرورت شدیدہ ہے۔ علاوہ ازیں سوال میں درج کردہ مذہب بعض مالکیہ کا ہے جسے محققین نے "مذہب باطل" فرمایا ہے۔ اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے مطلقاً عدم جواز نقل فرمایا ہے کما فی شرح مسلم للنووی۔

قول جواز روایت و درایت دونوں کے سراسر خلاف ہے۔

طلبہ کا عدم رعایت سے خائف و پریشان ہونا بے دینی اور حب دنیا کی وجہ سے ہے، افسوس کہ اہل مدارس طلبہ کے اس مرض کا علاج معاصی سے کر رہے ہیں۔

ع چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

اور افسوس کہ اس دور کے علماء کی نظر اللہ تعالیٰ و حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح اور صریح ارشادات سے ہٹ کر دنیائے مردار پر ہے، اگر ایسی ہی ضرورتوں سے حرام کام جائز ہونے لگے تو اس میں اڈنٹی کارڈ کی کیا خصوصیت ہے؟ طلبہ کے لئے چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، جیب تراشنا سب امور جائز ہوں گے، اس لئے کہ ضرورت ہے اور پھر طلبہ ہی کیا ہر ایسے ضرورتمند کے لئے سب کچھ جائز ہو جائے گا۔

بیمہ اور بنک میں تو اس سے زیادہ مصالح و ضرورات ہیں اور شراب میں منافع خود قرآن سے ثابت ہیں، ان کے بارے میں کیا خیال رکھا جائے گا؟

اہل مدارس طلبہ کی علمی، عملی اور اخلاقی کمزوری دور کرنے کی بجائے ان کی آخرت و دنیا دونوں کو تباہ کر رہے ہیں، طلبہ کو سفر کی اجازت اور وہ بھی صریح حرام کام سے تصور سے بالاتر ہے ؎

یہ اعمال بد کی ہے پاداش ورنہ
کہیں شیر بھی جوتے جاتے ہیں ہل میں

قال اللہ تعالیٰ:

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ان اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ لکل شیء قدرا۔

ومن یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسرا۔

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

من کان للہ کان اللہ لہ۔

من کانت الآخرۃ ھمہ جعل اللہ غناہ فی قلبہ وجمع لہ شملہ واتتہ الدنیا وھی راغمۃ ومن کانت الدنیا ھمہ جعل اللہ فقرہ بین عینیہ وفرق علیہ شملہ ولم تأتہ من الدنیا الا ما قدر لہ، رواہ الترمذی۔

لا یحملنکم استبطاء الرزق ان تطلبوہ بمعاصی اللہ فانہ لا یدرک ما عند اللہ الا بطاعتہ" رواہ فی شرح السنۃ۔

وان الرزق لیطلب العبد کما یطلبہ اجلہ رواہ ابو نعیم

(۷) جب ثابت ہوگیا کہ ایسی بدترین رعایت کے لئے تصویر کھنچوانا ناجائز اور حرام ہے تو بلا ضرورت تصویر رکھنے کا گناہ کتنا بڑا ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱۷ جمادی الاولی ۱۴۰۴ھ

شطرنج، لوڈو اور بارہ گوٹی کھیلنا جائز نہیں:

سوال: شطرنج کی حرمت کی علت کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ اس میں تصاویر ہوتی ہیں اور جوا کی قسم ہے اس لئے حرام ہے، کیرم بورڈ اور بارہ گوٹی وغیرہ میں تصاویر نہیں اور ان میں ذہنی ورزش کا فائدہ بھی ہے؟ اس لئے اس قسم کے کھیل جوا کے طور پر نہ کھیلے جائیں تو جائز ہونے چاہئیں۔ ذرا تفصیل سے تحریر فرمائیں کہ ان کھیلوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر ناجائز ہیں تو عدم جواز کی علت کیا ہے؟ نیز کھیلوں کے جواز و عدم جواز کا کوئی کلیہ تحریر فرمائیں جس کے تحت ہر کھیل کا حکم معلوم کیا جاسکے، بینوا بالتفصیل اجرکم الجلیل۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حرمت شطرنج کی علت صرف تصاویر اور جوا ہی نہیں، اگر تصاویر اور جوا کا وجود شطرنج کے لئے لازم ہوتا تو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی کراہت تنزیہیہ کا قول نہ فرماتے۔

قاعدہ یہ ہے کہ جس کھیل میں بھی ذہنی ورزش ہوگی وہ ناجائز ہوگا، اور جو ذہنی ورزش سے پاک ہو وہ جائز ہے، خواہ اس میں جسمانی ورزش ہو یا محض دل ودماغ کی تفریح، جیسے لٹو، چکئی، بچوں کے کھلونے اور سیر و تفریح وغیرہ وجوہ الفرق تین ہیں :

(۱) دل ودماغ کے سامنے مقاصد اصلیہ بہت کثیر ہیں بلکہ مقاصد آخرت تو غیر متناہیہ ہیں اس لئے انہیں کسی مقصد کی تحصیل کے لئے ذہنی ورزش کو ذریعہ بنانے کی ضرورت نہیں بلکہ فرصت ہی نہیں ؎

آں خیالاتی کہ دام اولیاءست
عکس مہرویان بستان خداست

جسمانی صحت کے لئے جسمانی ورزش کی ضرورت ہے، اس لئے جائز بلکہ بقدر ضرورت واجب و موجب اجر ہے ۔ اسی طرح دل ودماغ کی تفریح کا سامان بھی صحت جسمانیہ کے لئے نافع ہونے کی وجہ سے جائز و باعث اجر ہے بشرطیکہ وہ ذہنی ورزش سے پاک ہو، حقیقت تو یہ ہے کہ دل ودماغ کی تفریح اور ورزش دونوں کا اجتماع محال ہے، دماغی تفریح صحت جسمانیہ کے لئے نافع اور دماغی ورزش مضر ہے۔

اگر کسی کو بارہ ٹینی جیسی ذہنی ورزش میں دماغی فرحت محسوس ہو تو اس کی مثال کھجلی کے مرض جیسی ہے جس میں کھجلانے سے وقتی طور پر لذت وسکون ملتا ہے مگر بعد میں سخت تکلیف واذیت۔

دماغ بادشاہ ہے اور پورا جسم اس کی فوج ہے، فوج کے لئے پریڈ اور جنگی مشقیں کرنا لازم ہے اس لئے کہ یہ تحصیل مقصد کا ذریعہ ہے مگر بادشاہ کے لئے جس طرح جسمانی پریڈ مضر ہے اسی طرح فکری پریڈ بھی سخت مضر ہے۔ حکومت کا بقاء اس پر موقوف ہے کہ بادشاہ دماغ کو فکری پریڈ میں لگانے کی بجائے براہ راست تحصیل مقاصد کی طرف متوجہ رکھے۔

② ذہنی ورزش دل و دماغ کے مقاصد اصلیہ کی تحصیل میں مخل ہونے کے علاوہ جسمانی صحت کے لئے بھی سخت مضر ہے۔ اس کے برعکس جسمانی ورزش اور تفریح صحت جسمانیہ کے لئے نافع ہونے کے ساتھ دل و دماغ کے مقاصد اصلیہ کی تحصیل میں بھی معین و مددگار ہے۔

اس وجہ ثانی اور وجہ اول میں یہ فرق ہے کہ اول میں مقصود یہ ہے کہ ورزش ذہنی کی ضرورت نہیں اس لئے عبث ولہو میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے اور وجہ ثانی میں یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ صحت جسمانیہ اور دل و دماغ کے مقاصد کی تحصیل کے لئے سخت مضر ہے۔

③ ذہنی ورزش میں ایسا انہاک ہوجاتا ہے جو مشاغل دینیہ و دنیویہ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ جسمانی ورزش میں اتنا انہماک نہیں ہوتا، اس فرق کی دو وجوہ ہیں:

① جسمانی ورزش میں کچھ وقت کے بعد تھکاوٹ کا احساس اس سے روک دیتا ہے، گویا الارم اور منبہ کا کام دیتا ہے، ذہنی ورزش میں ایسا کوئی منبہ نہیں۔

② جسمانی ورزش میں دماغ کسی قدر آزاد ہوتا ہے، کھیل میں مشغول تو ہوتا ہے مگر اتنا نہیں کہ دوسری جانب توجہ کا ہوش ہی نہ رہے اور ذہنی ورزش میں مکمل طور پر اسی طرف مشغول ہوتا ہے۔

لوگ جسے "ذہنی ورزش" کہتے ہیں وہ درحقیقت "تفکر بے مقصد" ہے جو نعمت فکر کو بے محل صرف کرنے کی وجہ سے تبذیر ہے۔

تحقیق حکم کی غرض سے اس قسم کے مروجہ کھیلوں کے نقشے اور کھیل جاننے والے دارالافتاء میں بلائے گئے، بندہ نے چند علماء کو ساتھ بٹھا کر ان کے طریق کار کا معاینہ کرکے فیصلہ کیا کہ ان میں سے کس میں تفکر بے مقصد ہے اور کس میں محض دماغی تفریح، تفصیل درج ذیل ہے:

تفکر بے مقصد	دماغی تفریح
① شطرنج ② تاش	① کیرم بورڈ

(۳) ڈرافٹ (۴) لوڈو (۵) سوان جوڑ (۲) لوڈو کا حاشیہ
(۶) اٹھارہ گوٹی، بارہ گوٹی، نو گوٹی (۳) لوڈو کی پشت
(۷) اڈہ کھڈہ، چوسر، چوپڑ، چینگل چرا چنگاپوہ، نرد بازی، پچیسی (۴) دو گوٹی (کیونکہ اس میں عدم تفکر ضروری ہوتا ہے)

مندرجہ بالا دماغی تفریح کے کھیلوں کا تفصیل مذکور کے تحت اگرچہ جواز معلوم ہوتا ہے مگر ان میں فسادات ذیل کی وجہ سے یہ بھی جائز نہیں:

(۱) ان سے ذہنی ورزش والے کھیلوں میں ابتلاء کا خطرہ ہے
(۲) ناجائز کھیلوں کے ساتھ مشابہت ہے۔
(۳) بے دین لوگوں کا شعار ہے۔
(۴) دیکھنے والوں کے لئے موقع اشتباہ و باعث سوء ظن۔
(۵) انہماک کی وجہ سے دین و دنیا کے اہم کاموں سے غفلت۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۴ رجب ۱۴۱۰ھ

دینی تنظیموں کا انگریزی نام رکھنا:

سوال: آج کل بعض دینی تنظیموں کا نام مشایخ کی طرف منسوب کرتے ہوئے انگریزی الفاظ شامل کر کے رکھنے کا رواج چل پڑا ہے، کیا ان کا یہ فعل شرعاً جائز ہے؟ مثلاً شیخ الہند اکیڈمی، شاہ ولی اللہ اکیڈمی وغیرہ۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگرچہ اس قسم کے امور کو بہت معمولی خیال کیا جاتا ہے اور اکثر علماء بھی اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے اور اس رواج کو صحیح قرار دینے کے لئے مختلف تاویلات اور بہانے ڈھونڈے جاتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس رواج کے محرکات و نتائج پر سرسری نظر بھی ڈالی جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا اصل سبب انگریزوں کی برتری اور اپنی کمتری کا احساس ہے، یہی وجہ ہے کہ آج کے بے ضمیر مسلمان کھانے، پینے، چلنے پھرنے، لباس و پوشاک، بول چال غرض ہر چیز میں انگریزوں کی نقل کرتے ہیں اور اس پر فخر بھی کرتے ہیں، علماء تک اسلامی تاریخ کی بجائے انگریزی تاریخ استعمال کرتے ہیں اور اس میں مطلقاً کوئی حرج

محسوس نہیں کرتے، بلکہ اس میں اپنا اعزاز اور وقار سمجھتے ہیں، جس صورت کے بارے میں استفتاء کیا گیا ہے یہ بھی اس مرعوب ذہنیت کا کرشمہ ہے، جن اکابر نے انگریز کی مخالفت میں سر دھڑ کی بازی لگا کر ان کو اس خطہ سے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا، آج انہی کے مبارک ناموں کے ساتھ انگریزی کے الفاظ لگا کر ان کی توہین کی جا رہی ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ خود کو علماء کہنے اور سمجھنے والے عربی جیسی مبارک اور مسلمانوں کے لئے اہم واعظم زبان پر انگریز جیسے دشمنان اسلام کی زبان کو ترجیح دیتے ہیں جو علم و علماء کے اقدار اور دینی غیرت کے سخت خلاف ہے، اس نیت سے انگریزی سیکھنا کہ دنیوی ضروری معاملات میں ان سے معاملہ کر سکیں بلاشبہ جائز اور بعض حالات میں واجب بھی ہے، لیکن مجلسوں یا تنظیموں اور کتب خانوں کے نام رکھنے میں ایسی کوئی ضرورت نہیں، اور یہ بلاشبہ انگریزی زہر کا اثر ہے، تجارب سے ثابت ہوا کہ ایسے امور میں یا تو انگریزوں سے تشبہ کا قصد ہوتا ہے یا پھر ان کے نقالوں کے ساتھ، کہ آج کے فاسق معاشرہ میں ایسے ناموں کو باعث اعزاز سمجھا جاتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن شرائط پر یہود و نصاریٰ کو معافی دی تھی ان میں ایک شرط یہ بھی تھی:

"وان لا یتکلموا بکلامنا"

اور آج اس کے برعکس مسلمان کافروں جیسا کلام کرتے ہیں، اور تعجب بالائے تعجب یہ کہ اسے قابل فخر بھی سمجھتے ہیں ع

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

الغرض! شیخ الہند جیسے مقدس برگزیدہ اور دشمن انگریز کے اسم گرامی کے ساتھ انگریزی الفاظ لگانا تفصیل بالا کے پیش نظر نہایت قبیح وشنیع ہے، دینی غیرت کے سخت خلاف ہے، علم و علماء کے اقدار کے منافی ہے، اکابر کے لئے باعث اذیت ہے، فاسق معاشرے کا زہریلا اثر ہے اور بلا ضرورت دینیہ ودنیویہ عربی پر انگریزی کو ترجیح دینا ہے، علماء وقت پر لازم ہے کہ ایسے منکرات پر بروقت گرفت کیا کریں ورنہ اس تساہل کا نتیجہ بدیہی ہے کہ بہت جلد دیندار معاشرہ بھی مکمل طور پر انگریزی معاشرہ بن جائے گا اور مسلمانوں کے پاس اسلام کی ایک چیز بھی باقی نہ رہے گی، اور پھر اس کی اصلاح کی بھی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔

آخر میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی احکام القرآن سے شمسی تاریخ استعمال کرنے کے بارے میں یہ درد دل لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

ویبعد منه کل البعدان یمیل الی هذا الضد بحیث لا یبقی له میل الی المطلوب الشرعی بالمرۃ کما هو مشاهد من غوائل اکثر المسلمین فی هذا الزمان بل ومن عادۃ کثیر من العلماء والی الله المشتکی من انقلاب القلوب ومیلها الی العیوب المؤدیۃ الی الذنوب وکل ذلك مع دعواهم بغض النصاری وقد اشرب فی قلوبهم حب النصرانیۃ اعاذنا الله تعالی من ذلك ورزقنا من حب السنۃ النبویۃ والغوائل الاسلامیۃ انه سمیع مجیب (احکام القرآن ص۱۹۵ ج ۱) والله سبحانه وتعالی اعلم۔

۲۱ رمضان سنہ ۱۴۱۱ھ

انگریزی تاریخ کا استعمال:

سوال: مہتمم صاحب کا خیال ہے کہ امور مدرسہ میں انگریزی تاریخ استعمال کی جائے، تعطیلات بھی انگریزی مہینوں کے اعتبار سے جون، جولائی میں ہوں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ نیز مکاتبات و مخاطبات اور عام بول چال میں انگریزی تاریخ استعمال کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مکاتبات و مخاطبات، عام بول چال اور دیگر امور میں انگریزی تاریخ کا استعمال بلا ضرورت شدیدہ قبیح و شنیع ہے۔ اس میں عیسائیوں کے نظریۂ باطلہ کی تائید کا شائبہ اور ان کو خوش کرنے کا مفسدہ پایا جاتا ہے۔ انگریزی تاریخ کی ابتداء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء سے ہوئی ہے جبکہ عیسائیوں کا نظریہ یہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا تھا، اس سے اس تاریخ کی ابتداء ہوئی ہے۔

قال حکیم الامۃ رحمه الله تعالی: ومن ههنا علم ان استعمال الحساب الشمسی فی المکاتبات والمخاطبات والمعاملات وان کان جائزا فلا ریب انه خلاف الاولی لکونه خلاف سنۃ رسول الله صلی الله

علیہ وسلم وسنۃ اصحابہ والسلف الصالحین وایضا فلما کان مدار الاحکام الشرعیۃ والعبادات الدینیۃ علی الحساب القمری کان حفظہ وضبطہ فرضا علی الکفایۃ واحسن طرقہ وایسرھا ان یستعمل فی المکاتبات والمخاطبات والمعاملات الیومیۃ ولا یخفی ان الاتیان بفرض الکفایۃ عبادۃ وما کان طریقا الی حفظہ فھو عبادۃ ایضا فاستعمال الحساب القمری مطلوب شرعا وبعید من المسلم ان یترک المطلوب الشرعی و یستعمل الحساب الشمسی الذی ھو ضدہ فی الجملۃ ویبعد منہ کل البعد ان یمیل الی ھذا الضد بحیث لا یبقی لہ میل الی المطلوب الشرعی بالمرۃ کما ھو مشاھد من عوائد اکثر المسلمین فی ھذا الزمان بل ومن عادۃ کثیر من العلماء ایضا فالی اللہ المشتکی من انقلاب القلوب ومیلھا الی العیوب المؤدیۃ الی الذنوب وکل ذلک مع دعواھم بغض النصاری وقد اشربت قلوبھم حب النصرانیۃ اعاذنا اللہ من ذلک ورزقنا حب السنۃ النبویۃ والعوائد الاسلامیۃ انہ سمیع مجیب (احکام القرآن ص۱۹۷ ج۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۰ صفر سنہ ۱۴۱۵ھ

اس زمانے میں مباہلہ جائز نہیں:

سوال: مباہلہ کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا یا اب بھی مشروع ہے؟ اگر جائز ہے تو صرف کفار سے یا مسلمانوں کے آپس میں اختلافات میں بھی؟ بیان القرآن میں جواز لکھا ہے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ تعیین حق و باطل کے لئے دلائل شرعیہ بس ہیں مباہلہ پر موقوف نہیں۔

اس پر اشکال ہے کہ پھر مباہلہ کا کیا فائدہ؟ حکم فیصل تحریر فرما کر رہنمائی فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصاریٰ سے مباہلہ کا حکم فرمایا تھا اور نصاریٰ کی ہلاکت کی بشارت دی تھی، مباہلہ کا حکم قرآن کریم میں مذکور ہے اور ہلاکت

کی بشارت حدیث میں مأثور ہے، اس طرح مباہلہ کا ایک خاص متعین نتیجہ موعود تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مباہلہ پر متعین نتیجہ کا ترتب کسی دلیل سے ثابت نہیں، لہٰذا بے سود بلکہ بعض اوقات مضر ہونے کی وجہ سے اس کی مشروعیت محل نظر ہے۔

حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کی بھی آخری تحقیق یہی ہے، ولفظہ:

"میرے خیال میں اس کی تحقیق بھی ضروری ہے کہ آیا مباہلہ اب بھی مشروع ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ اس کا اثر متعین کیا ہے؟ اور اس اثر کے یقینی ہونے کی کیا دلیل ہے؟

اس کی تحقیق اس لئے ضروری ہے کہ اگر اس مباہلہ کا کوئی موعود یقینی اثر متعین نہ ہو اور ممکن ہے کہ اس کے بعد اتفاقی طور پر اہل حق کو کوئی ابتلاء پیش آجاوے تو عام دیکھنے والوں کو التباس نہ ہو جاوے جس سے اور الٹا ضرر ہو اور اگر ایسا ہو تو اس کے جواب کے لئے کس طرح تیار رہنا چاہیئے۔

اور اگر اس کا کوئی اطمینان کسی دلیل یقینی سے نہ ہو تو مباہلہ کی درخواست میں بجائے مباہلہ کے اس صحیح تحقیق کو جواب میں کیوں نہ پیش کر دیا جائے جو کہ دلیل سے ثابت ہو۔

گو لوگوں نے اس کی مشروعیت پر آیت لعان سے استدلال کیا ہے مگر وہاں تو نتیجہ تفریق ہے اور یہاں جس نتیجہ کی توقع ہو سکتی ہے اس کے ترتب کی کوئی دلیل ہونا چاہیئے، اس لئے اس کا اس پر قیاس مع الفارق ہے۔" (بوادر النوادر ص ۱ ج ۱)

اگر مباہلہ کی مشروعیت کسی دلیل سے ثابت بھی ہو جائے تو بھی اس زمانہ میں مفاسد ذیل کی وجہ سے جائز نہیں۔

① بیان القرآن میں مباہلہ کا فائدہ "قطع نزاع لسانی" لکھا ہے، اس زمانہ میں عوام وخواص مباہلہ کی اس حقیقت سے بالکل بے خبر ہیں۔

② ان کو اگر سمجھا بھی دیا جائے کہ مباہلہ کی حقیقت صرف "قطع نزاع لسانی" ہے تو بھی اس سے نزاع ختم ہونے کی بجائے اور زیادہ بڑھتا ہے، جانبین ایک دوسرے پر طرح طرح کے الزامات لگا کر بے شمار نئے نزاعات کھڑے کر دیتے ہیں۔

③ ہر فریق دوسرے کی ہر آفت ومصیبت کو مباہلہ کا نتیجہ قرار دینے لگتا ہے۔

④ اہل حق پر قدرۃً کوئی ابتلاء آگیا تو عوام کی گمراہی کا باعث ہوگا۔

⑤ اس زمانہ میں عوام وخواص کا عقیدہ راسخہ یہ ہے کہ مباہلہ پر نتیجہ متعینہ کا ترتب لازم ہے، اس کو اللہ تعالی کا قطعی فیصلہ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ خیال بالکل بے دلیل اور سراسر غلط ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زوجین میں لعان ہوا مگر سوائے تفریق کے کسی پر کوئی آفت نہ آئی۔

اس حقیقت کے مطابق اگر اس دور میں مباہلہ کے بعد فریقین میں کسی پر بھی کوئی آفت نہ آئی تو لوگوں کو بزعم خویش اللہ تعالی کے قطعی فیصلہ میں تردد ہوگا جو کفر ہے۔

⑥ نصوص شرعیہ وعلماء اسلام کے مقابلہ میں جاہل وگمراہ پیر مباہلہ کی دہائی دے کر عوام میں اپنا مقام پیدا کرنا چاہتے ہیں، لہذا ان کی طرف سے دعوت مباہلہ کو قبول کرلینا ہی ان کی کامیابی ہے۔

⑦ اگر ہر جاہل پیر کی دعوت مباہلہ کو علماء اسلام قبول کرکے اپنا قیمتی وقت ضائع کرنے لگیں اور اللہ تعالی ان سے اپنے دین کی جو اہم خدمات جلیلہ لے رہے ہیں ان میں نقص وخلل ڈالنے لگیں تو یہی شیطان اور اس کے اولیاء کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

حضرت ابن مسعود وابن عباس رضی اللہ تعالی عنہم سے مخالف کو دعوت مباہلہ دینا منقول ہے۔

قال العلامة ابن نجیم رحمہ اللہ تعالی: فان قلت هل یشرع الدعاء باللعن علی الکاذب المعین قلت قال فی غایة البیان من العدة وعن ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنه انه قال من شاء باهلته ان سورة النساء القصری نزلت بعد التی فی سورة البقرة ای من شاء المباهلة ای الملاعنة باهلته وکانوا یقولون اذا اختلفوا فی شیء بهلة اللہ علی الکاذب منا قالوا هی مشروعة فی زماننا ایضا اھ (البحر الرائق ص۱۲۲ ج۴)

وکذا نقل عنه العلامة ابن عابدین رحمه اللہ تعالی (رد المحتار ص۵۸۹ ج۲)

وقال العلامة الآلوسی رحمه اللہ تعالی: ومن ذهب الی جواز المباهلة الیوم علی طرز ما صنع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم استدل بما اخرجه عبید ابن حمید عن قیس بن سعد ان ابن عباس رضی اللہ تعالی عنهما کان بینه

وبین اخر شیء فدعاہ الی المباھلۃ وقرأ الآیۃ ورفع یدیہ فاستقبل الرکن (روح المعانی ص۱۸۰ ج ۳)

اگر یہ روایات باسناد صحیحہ ثابت ہوجائیں تو ان حضرات کا یہ عمل غرض قطع نزاع لسانی پر محمول ہوگا جو اس زمانہ میں مفقود ہے۔

علاوہ ازیں ان کے زمانہ میں وہ دوسرے مفاسد بھی نہیں تھے جن کی تفصیل اوپر لکھی گئی ہے، لہٰذا اب مباہلہ جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۷ صفر ۱۴۱۲ھ

مشت زنی حرام ہے:

سوال: مشت زنی کرنا کیسا ہے؟ ناجائز ہے تو کون سا گناہ ہے، صغیرہ یا کبیرہ؟ کیا کوئی صورت ایسی ہے جس میں اس کی گنجائش ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مشت زنی حرام اور گناہ کبیرہ ہے، قرآن وحدیث میں اس پر بہت سخت وعیدیں آئی ہیں۔ اگر زنا میں مبتلی ہونے کا سخت خطرہ ہو اور اس حرکت شنیعہ کے سوا بچنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو شاید اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں۔

قال اللہ تعالیٰ: والذین ھم لفروجھم حافظون الاعلی ازواجھم الآیۃ

قال القاضی ثناء اللہ الفانی فتی رحمہ اللہ تعالیٰ: فی ھذہ الآیۃ دلیل علی ان الاستمناء بالید حرام وھو قول العلماء قال ابن جریج سألت عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ فقال مکروہ سمعت ان قوما یحشرون وایدیھم حبالی واظن انھم ھؤلاء وعن سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ قال عذب اللہ امۃ کانوا یعبثون بمذاکیرھم (تفسیر مظہری ص۳۶۶ ج ۶)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وکذا الاستمناء بالکف وان کرہ تحریما لحدیث "ناکح الید ملعون" ولو خاف الزنا یرجی ان لاوبال علیہ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ویدل ایضا علی ماقلت ما فی الزیلعی حیث استدل علی عدم حلہ بالکف بقولہ تعالیٰ والذین ھم لفروجھم حافظون الآیۃ وقال فلم یبح الاستمتاع الا بھما ای بالزوجۃ والامۃ فافاد عدم حل الاستمتاع ای قضاء الشھوۃ بغیرھما (رد المحتار ص۱۰۶ ج ۲)

وقال العلامۃ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: (ناکح الکف ملعون) ای مطرود عن منازل الابرار وافاد الحدیث لعنہ علی العموم ولعن المعین لا یجوز (و) وان الکف تجیء یوم القیامۃ حبلی وانہ یخلق خلق من ذلک الماء لا رأس لہ یطالب فاعل ذلک باتمام خلقہ نعوذ باللہ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر ص۱۵۲ ج۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۸ / شعبان سنہ ۱۴۱۴ھ

شیعہ، قادیانی اور ذکری کے ساتھ معاملات

سوال: شیعہ، مرزائی اور ذکری دوسرے عام کفار ہندو، سکھ وغیرہ جیسے ہیں یا ان کا حکم الگ ہے؟ ان کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے کر لیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب باسم ملہم الصواب

شیعہ کی جملہ اقسام، قادیانی، ذکری، منکرین حدیث اور انجمن دینداران سب زندیق ہیں، جن کے احکام دوسرے کفار بلکہ مرتدین سے بھی زیادہ سخت ہیں، ان کے ساتھ خرید و فروخت وغیرہ ہر قسم کا لین دین ناجائز ہے اور ان سے دوستانہ تعلق رکھنا اور محبت سے پیش آنا غیرت ایمانیہ کے خلاف ہے، حتی الامکان ان کے ساتھ ہر قسم کے معاملات سے بچنا فرض ہے۔

اگر کسی نے ان کے ساتھ کوئی معاملہ بیع یا اجارہ وغیرہ کر لیا تو منعقد نہیں ہوگا، البتہ صاحبین رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عدم جواز کے باوجود عقد نافذ ہو جائے گا، بوقت ابتلاء عام و ضرورت شدیدہ اس قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

تعریف زندیق:

لغت میں بے دین اور بد اعتقاد کو کہتے ہیں۔

اصطلاح شریعت میں جو اسلام ظاہر کرتا ہو اور باطن میں عقائد کفریہ رکھتا ہو یا عقائد کفریہ ظاہر کرتا ہو اور غلط تاویلات سے اپنے ان عقائد کفریہ کو عقائد اسلام قرار دیتا ہو۔

قال العلامۃ التفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ: وان کان مع اعترافہ بنبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واظہارہ شعائر الاسلام یبطن عقائد ھی کفر

بالاتفاق خص باسم الزندیق (شرح المقاصد ص۲۶۹ ج۲)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللّٰہ تعالیٰ: واما فی اصطلاح الشرع فالفرق اظہر لاعتبارھم ابطان الکفر والاعتراف بنبوۃ نبینا صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی ما فی شرح المقاصد (رد المحتار ص۲۹۶ ج۳)

وقال ایضا: (قولہ المعروف) ای بالزندقۃ الذی یدعوالناس الی زندقتہ۔

فان قلت: کیف یکون معروفا داعیا الی الضلال وقد اعتبر فی مفہومہ الشرعی ان یبطن الکفر؟

قلت لابعد فیہ فان الزندیق یموہ کفرہ ویروج عقیدتہ الفاسدۃ ویخرجھا فی الصورۃ الصحیحۃ وھذا معنی ابطان الکفر، فلا ینافی اظہارہ الدعوی الی الضلال وکونہ معروفا بالاضلال ابن کمال (رد المحتار ص۲۹۶ ج۳)

وقال الشاہ ولی اللّٰہ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ: ان المخالف للدین الحق ان لم یعترف بہ ولم یذعن لہ لاظاھرا ولاباطنا فھو کافر وان اعترف بلسانہ وقلبہ علی الکفر فھو المنافق وان اعترف بہ ظاھرا لکنہ یفسر بعض ماثبت من الدین ضرورۃ بخلاف ما فسرہ الصحابۃ والتابعون واجتمعت علیہ الامۃ فھو الزندیق (المسوی ص۱۳۰ ج۲)

وقال العلامۃ الکشمیری رحمہ اللّٰہ تعالیٰ: قلت الزندیق مزخرف معانی الالفاظ مع ابقاء الفاظ الاسلام کھذا اللعین فی القادیان یدعی انہ یؤمن بختم النبوۃ ثم یخترع لہ معنی من عندہ یصلح لہ بعدہ الختم دلیلا علی فتح باب النبوۃ فھذا ھو الزندقۃ حقا ای التغییر فی المصادیق و تبدیل المعانی علی خلاف ما عرفت عند اھل الشرع وصرفھا الی اھوائہ مع ابقاء اللفظ علی ظاھرہ والعیاذ باللّٰہ (فیض الباری ص۴۲ ج۲)۔

وقال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاری رحمہ اللّٰہ تعالیٰ: ثم عندھما تصرفات المرتد متی نفذت نفذت فی کسب الاسلام والردۃ جمیعا واختلف المشایخ فی مذھب ابی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ قال بعضھم

تصرفاته فی کسب الردة نافذة فی ظاهر مذهبه وانما التوقف فی تصرفاته فی کسب الاسلام والی هذا مال شیخ الاسلام خواهر زاده رحمه الله تعالی واستدل بمسألة ذکرها فی کتاب الرهن وصورتها: المرتد اذا قضی دینا وجب علیه بعد الردة من کسب الردة جاز عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی، قال شیخ الاسلام: هذا، وروی الحسن عن ابی حنیفة رحمه الله تعالی فی غیر روایة الاصول ان تصرفه فی کسب الردة یتوقف ولکن ما ذکر فی ظاهر الروایة اصح وذکر شمس الائمة السرخسی رحمه الله تعالی ان الصحیح ان تصرف المرتد یتوقف فی الکسبین جمیعا قال شمس الائمة: هذا وما ذکر فی کتاب الرهن ان المرتد اذا قضی دینا وجب علیه بعد الردة من کسب الردة جاز فذلک علی روایة ابی یوسف عن ابی حنیفة رحمهما الله تعالی فاما علی روایة الحسن رحمه الله تعالی فلا ینفذ کما اذا کان فی کسب الاسلام قال: والصحیح روایة الحسن۔ قال شمس الائمة: الحاصل ان الروایات قد اختلفت عن ابی حنیفة رحمه الله تعالی فی قضاء دیون المرتد ففی روایة ابی یوسف یبدأ بکسب الردة فان لم یف یقضی من کسب الاسلام وفی روایة الحسن عنه: یبدأ من کسب الاسلام فان لم یف یقضی من کسب الردة وفی روایة زفر رحمه الله تعالی: دین الردة یقضی من کسب الردة ودین الاسلام یقضی من کسب الاسلام والصحیح روایة الحسن (التتارخانیة ص۵۵۵ ج۵)

وقال العلامة السید محمد ابو السعود المصری الحنفی رحمه الله تعالی: (قوله هذا عند ابی حنیفة) اعلم ان تصرفات المرتد یتوقف فی الکسبین جمیعا وهو الصحیح وقال بعض المشایخ ان تصرفه فی کسب الردة نافذ فی ظاهر الروایة وموقوف فی روایة الحسن والاول اصح وهذا کله عند الامام واما عندهما فتصرفاته نافذة فی الکسبین قهستانی (قوله وعندهما) والخلاف بینهم فی تصرفات وقعت قبل اللحاق واما بعده قبل الحکم فهی موقوفة بالاجماع کولایته علی اولاده الصغار

قہستانی عن المحیط (فتح المعین ص۲۶۴ ج۲)

وھکذا قال القہستانی رحمہ اللہ تعالی (جامع الرموز ص۵۸۵ ج۲)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: واعلم ان تصرفات المرتد علی اربعۃ اقسام فینفذ منہ اتفاقا مالا یعتمد تمام ولایۃ وھی خمس الاستیلاد والطلاق وقبول الھبۃ وتسلیم الشفعۃ والحجر علی عبدہ و یبطل منہ اتفاقا مایعتمد الملۃ وھی خمس النکاح والذبیحۃ والصید والشہادۃ والارث۔

ویتوقف منہ اتفاقا مایعتمد المساواۃ وھو المفاوضۃ اوولایۃ متعدیۃ وھو التصرف علی ولدہ الصغیر ویتوقف منہ عند الامام وینفذ عندھما کل ما کان مبادلۃ مال بمال او عقد تبرع کالمبایعۃ والصرف والسلم والعتق والتدبیر والکتابۃ والھبۃ والرھن والاجارۃ والصلح من اقرار وقبض الدین لانہ مبادلۃ حکمیۃ والوصیۃ وبقی ایمانہ وعقلہ ولاشک فی بطلانھما واما ایداعہ واستیداعہ والتقاطہ ولقطتہ فینبغی عدم جوازھا نھر ان اسلم نفذ وان ھلک بموت او لحق بدار الحرب وحکم بلحاقہ بطل ذلک کلہ فان جاء مسلما قبلہ قبل الحکم فکأنہ لم یرتد۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ فینبغی عدم جوازھا) عبارۃ النھر: فلا ینبغی التردد فی جوازھا منہ اھ فلفظہ عدم من سبق القلم (قولہ ویتوقف منہ عند الامام رحمہ اللہ تعالی) بناء علی زوال الملک کما سلف نھر (قولہ وینفذ عندھما) الا انہ عند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی تصح کما تصح من الصحیح لان الظاھر عودہ الی الاسلام و عند محمد رحمہ اللہ تعالی کما تصح من المریض لانھا تفضی الی القتل ظاھرا اط عن البحر (رد المحتار ص۳۰۱ ج۳) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔ غرۂ محرم ۱۴۱۵ھ

(مرتد اور باغیوں کے ساتھ تعلقات کے مسائل جلد اول کتاب الایمان والعقائد اور جلد سادس باب المرتد والبغاۃ اور تتمہ میں بھی ہیں)

دنیوی غرض سے عمل بمذہب غیر حرام ہے:

سوال: حنفی عالم غیر احناف کی مسجد میں امامت کرتا ہے، یہ اس کی ملازمت ہے۔ اگر مسلک حنفی کے مطابق نماز پڑھائے تو معزول ہو جائے گا، ایسی حالت میں مسلک احناف کو حق سمجھتے ہوئے ملازمت باقی رکھنے کے لئے غیر حنفی طریقہ پر نماز پڑھنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: قال فی جواهر الفتاوی: لو ان رجلا من اهل الاجتهاد برئ من مذهبه فی مسألة او فی اکثرها باجتهاد لما وضح له من دلیل الکتاب او السنة او غیرهما من الحجج لم یکن ملوما ولا مذموما بل کان مأجورا محمودا وهو فی سعة منه وهکذا افعال الائمة المتقدمین فاما الذی لم یکن من اهل الاجتهاد فانتقل من قول الی قول من غیر دلیل لکن لما یرغب من غرض الدنیا وشهوتها فهو مذموم اثم مستوجب للتأدیب والتعزیر لارتکابه المنکر فی الدین واستخفافه بدینه ومذهبه اه

ونقل السیوطی رحمه الله تعالی فی رسالته المسماة بجزیل المواهب فی اختلاف المذاهب من فصل الانتقال من مذهب الی مذهب وهو جائز الی ان قال: اقول للمنتقل احوال الاول ان یکون السبب الحامل له علی الانتقال امرا دنیویا کحصول وظیفة او مرتب او قرب من الملوك واهل الدنیا فهذا حکمه کمهاجر ام قیس لان الامور بمقاصدها ثم له حالان الاول ان یکون عاریا من معرفة الفقه لیس له فی مذهب امامه سوی اسم شافعی او حنفی کغالب متعممی زماننا ارباب الوظائف فی المدارس حتی ان رجلا سأل شیخنا العلامة الکافیجی رحمه الله تعالی مرة یکتب له علی قصة تعلیقا بولایة اول وظیفة تشغر بالشیخونیة فقال له ما مذهبك قال مذهبی خبز وطعام یعنی وظیفة اما فی الشافعیة او المالکیة او الحنابلة فان الحنیفة فی الشیخونیة لاخبز لهم ولا طعام فهذا امره فی الانتقال اخف

لا یصل إلی حد التحریم لانه الی الآن عامی لا مذھب له یحققه فھو یستأنف مذھبا جدیدا ثانیھما ان یکون فقیھا فی مذھب ویرید الانتقال لھذا الغرض فھذا امره اشد وعندی انه یصل الی حد التحریم لانه تلاعب بالاحکام الشرعیة لمجرد غرض الدنیا (العقود الدریة ص۳۲۷ ج ۲) واللہ سبحانه وتعالی اعلم۔

۱۰ ربیع الآخر ۱۴۱۵ھ

فون سننا لازم نہیں:

سوال: اگر فون کی گھنٹی بج رہی ہو تو فون اٹھانا اور سننا واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملھم الصواب

واجب نہیں، کیونکہ اگر کوئی شخص دور سے ملنے آئے اور دروازے پر دستک دے تو اہل خانہ پر اس سے ملنا لازم نہیں۔

قال اللہ تعالی: یایھا الذین اٰمنوا لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستأنسوا وتسلموا علی اھلھا (الی قوله) وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا ھو ازکی لکم (۲۴ ـ ۱۸)

فون تو انسان اپنے گھر یا کہیں دور سے کرتا ہے، اس سے ملنا بطریق اولی لازم نہیں۔ واللہ سبحانه وتعالی اعلم۔

۲ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ

تعویذ کا حکم:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ رقیہ (دم) تو ثابت ہے لیکن تمیمہ (تعویذ) ثابت نہیں بلکہ شرک ہے اس لئے اول جائز اور ثانی ناجائز ہے۔ کیا واقعی تعویذ کا ثبوت نہیں اگر ہے تو شرائط جواز کیا ہیں، نیز حساب ابجد سے تعویذ لکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

احادیث صحیحہ صریحہ کثیرہ سے رقیہ (دم) کا ثبوت بے غبار ہے، تمیمہ (تعویذ) کی مندرجہ ذیل صورتیں ناجائز ہیں:

① ٹوٹکا، جو پیتل، تانبے یا لوہے وغیرہ کے ٹکڑے کو باندھ کر کیا جاتا ہے۔

(۲) ایسا تعویذ جس میں اسماء اللہ تعالیٰ، آیات قرآنیہ، ادرادعیۂ ماثورہ نہ ہوں بلکہ کلمات شرکیہ ہوں۔

(۳) تعویذ کو مؤثر بالذات سمجھا جائے جیسا کہ زمانہ رجاہلیت میں تھا اور اب بھی بعض جہال یونہی سمجھتے ہیں۔

یہ صورتیں بلاشبہ ناجائز، حرام اور شرک ہیں۔

تمیمہ میں اسماء اللہ تعالیٰ، آیات قرآنیہ اور ادعیۂ ماثورہ ہوں تو یہ جائز اور ثابت ہے اس کو ناجائز اور شرک کہنا جہالت ہے کیونکہ اس قسم کے تعویذ میں مؤثر بالذات صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھا جاتا ہے۔

تعویذ کو شرک کہنے والوں پر لازم ہے کہ شرک کی ایسی تعریف کریں جس میں تعویذ تو داخل اور دعاء، دواء رقیہ خارج ہو جائیں۔

حاصل یہ کہ جواز تمیمہ کے لئے تین شرائط ہیں:

(۱) لغت مفہومہ میں ہو۔

(۲) ماثور و منقول ہو

(۳) اس کے نافع بالذات ہونے کا اعتقاد نہ ہو۔

حساب ابجد سے تعویذ لکھنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ بھی لغت مفہومہ ہے

حوالات الحدیث والفقہ:

(۱) عن عوف بن مالك الاشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا نرقی فی الجاھلیۃ فقلنا یا رسول اللہ کیف تری فی ذلك فقال اعرضوا علی رقاکم لا بأس بالرقی مالم یکن فیہ شرك (صحیح مسلم ص۲۲۴ ج ۲)

(۲) عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بعثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سریۃ فنزلنا بقوم فسألناھم القراء فلم یقرونا فلدغ سیدھم فأتونا فقالوا اھل فیکم من یرقی من العقرب قلت نعم انا ولکن لا ارقیہ حتی تعطونا غنما قالوا فانا نعطیکم ثلاثین شاۃ فقبلنا فقرأت علیہ الحمد سبع مرات الخ (الجامع للترمذی ص۲۶ ج ۲)

(۳) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم یعوذ الحسن والحسین یقول اعیذکما بکلمات اللہ التامۃ من کل شیطان وھامۃ ومن کل عین لامۃ ویقول ھکذا کان ابراھیم علیہ السلام یعوذ اسحق واسمعیل (الجامع للترمذی ص۲۶ ج ۲)

(۴) عن عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا قالت لیست التمیمۃ ما تعلق بہ بعد البلاء انما التمیمۃ ما تعلق بہ قبل البلاء، رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد (الترغیب ص۲۷ ج ۵)

(۵) ان عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت لیست تمیمۃ ما علق بعد ان یقع البلاء (شرح معانی الآثار ص۳۲۳ ج ۲)

(۶) وکان عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما یعلمھن من عقل من بنیہ ومن لم یعقل کتبہ فاعقلہ علیہ (ابوداود ص۹۴ ج ۲)

(۷) وقال الحافظ رحمہ اللہ تعالی: والتمائم جمع تمیمۃ وھی خرزۃ او قلادۃ تعلق فی الرأس کانوا فی الجاھلیۃ یعتقدون ان ذلک یدفع الآفات الخ (فتح الباری ص۱۶۶ ج ۱۰)

(۸) وقال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالی: واما ما کان من الآیات القرآنیۃ والاسماء والصفات الربانیۃ والدعوات المأثورۃ النبویۃ فلا بأس بل یستحب سواء کان تعویذا او رقیۃ او نشرۃ واما علی لغۃ العبرانیۃ ونحوھا فیمتنع لاحتمال الشرک فیھا (مرقاۃ ص۳۲۱ ج ۸)

(۹) وقال ایضا: (او تعلقت تمیمۃ) ای اخذتھا علاقۃ والمراد من التمیمۃ ما کان تمائم الجاھلیۃ ورقاھا فان القسم الذی یختص باسماء اللہ تعالی وکلماتہ غیر داخل فی جملتہ بل ھو مستحب مرجو البرکۃ عرف ذلک من اصل السنۃ وقیل یمنع اذا کان ھناک نوع قدح فی التوکل الخ (المرقاۃ ص۳۲۲ ج ۸)

(۱۰) وقال ایضا: (والتمائم) جمع التمیمۃ وھی التعویذۃ التی تعلق علی الصبی اطلقہ الطیبی لکن ینبغی ان یقید بان لا یکون فیھا اسماء اللہ تعالی وآیاتہ المتلوۃ والدعوات المأثورۃ وقیل ھی خرزات کانت للعرب

تعلق علی الصبی لدفع العین بزعمھم وھو باطل ثم اتسعوا فیھا حتی سموا بھا کل عوذۃ ذکرہ بعض الشراح وھو کلام حسن وتحقیق مستحسن (المرقاۃ ص۳۱۸ ج ۸)

(۱۱) وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا بأس بالمعاذات اذا کتب فیھا القراٰن او اسماء اللہ تعالیٰ (رد المحتار ص۳۶۳ ج ۶)

(۱۲) وقال ایضا: (قولہ التمیمۃ المکروھۃ) اقول الذی رأیتہ فی المجتبی التمیمۃ المکروھۃ ما کان بغیر القراٰن وقیل ھی الخرزۃ التی تعلقھا الجاھلیۃ اھ فلتراجع نسخۃ اخری وفی المغرب: وبعضھم یتوھم ان المعاذات ھی التمائم ولیس کذلک انما التمیمۃ الخرزۃ (الی ان قال) وفی الشلبی عن ابن الاثیر التمائم جمع تمیمۃ وھی خرزات کانت العرب تعلقھا علی اولادھم یتقون بھا العین فی زعمھم وابطلھا الاسلام۔ والحدیث الآخر" من علق تمیمۃ فلا اتم اللہ لہ" لانھم یعتقدون انھا تمام الدواء والشفاء بل جعلوھا شرکاء لانھم ارادوا بھا دفع المقادیر المکتوبۃ علیھم وطلبوا دفع الاذی من غیر اللہ تعالیٰ الذی ھو دافعہ اھ ط (الی ان قال) وعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یعوذ نفسہ قال رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعلی الجواز عمل الناس الیوم وبہ وردت الآثار (رد المحتار ص۲۳۲ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۱ / جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ

شیطانی گولے کی تباہ کاریاں:

سوال: ورزش کی نیت سے فٹ بال کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ورزش کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جس کا تعلق براہ راست جہاد سے ہو۔

اس کے جواز کے لئے یہ شرط ہے کہ مقام ایسا منتخب کیا جائے جس میں جہاد کی مشق کرنے سے گردونواح میں کسی قسم کے جانی یا مالی نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ ہو، خود ورزش کرنے والوں کا خطرے سے محفوظ ہونا ضروری نہیں، اگر کوئی مر بھی گیا تو

شہید ہوگا۔

(۲) جس کا براہ راست جہاد کی تربیت سے تعلق نہیں۔

ایسی ورزش تحفظ صحت اور دینی و دنیوی امور میں معین ہونے کی وجہ سے فی نفسہ جائز بلکہ کسی قدر ضروری ہے مگر اس کے لئے یہ شرائط ہیں:

(۱) شرط مذکور، یعنی گرد و نواح میں کسی قسم کے جانی و مالی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۲) خود ورزش کرنے والے کو یا اس کے ساتھ شرکاء میں سے کسی کو کسی قسم کے جسمانی یا مالی نقصان یا ایذاء پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۳) اس میں ورزش کے مفہوم پر کھیل کود، لہو و لعب اور تماشا کا پہلو غالب نہ ہو۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل شیء یلھو بہ الرجل باطل الا رمیہ بقوسہ وتأدیبہ فرسہ وملاعبتہ امرأتہ فانھن من الحق رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ص۳۳۷ ج۲)

عن سعید بن الجبیر رضی اللہ تعالی عنہ ان قریبا لعبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالی عنہ خذف قال فنھاہ وقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن الخذف وقال انھا لا تصید صیدا ولا تنکأ عدوا ولکنھا تکسر السن وتفقأ العین قال فعاد فقال احدثك ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عنہ ثم تخذف لا اکلمك ابدا (صحیح مسلم ص۱۵۲ ج۲)

گیند اور فٹ بال:

یہ درج ذیل فسادات کی بناء پر جائز نہیں:

(۱) اس میں کھیل کے شرکاء کو سخت جسمانی نقصان پہنچتا ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں ہیں، بعض کی ٹانگیں ٹوٹنا اور بعض کے پیٹ میں چوٹ لگنے سے برلب مرگ ہوجانا ہم نے خود دیکھا ہے۔

(۲) قریب سے گزرنے والوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ بعض کی آنکھیں پھوٹنے اور بعض کے چہرے مسخ ہونے کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔

اس شیطانی تماشے کے نواح میں شارع عام پر کوئی انسان بلکہ کوئی حیوان بھی اطمنان سے نہیں گذر سکتا۔

(۳) مالی نقصان، جب یہ کسی عمارت کے قریب کھیلتے ہیں تو کتنے لوگوں کے مکانوں کی کھڑکیاں توڑ دیتے ہیں، اس کے بے شمار واقعات ہیں، دوبار تو ہمارے ساتھ یہ حادثہ ہوچکا ہے۔

(۴) بسا اوقات دنگا وفساد۔

اس شیطانی گولے کے مالی، جسمانی، جانی اور دینی وایمانی نقصانات پوری دنیا میں مسلّم، ہر شخص کے مشاہد، بدیہی بلکہ روز روشن کی طرح اجلی البدیہیات سے ہیں، مجھے گوشہ نشینی کے باوجود اس شیطانی حرکت کی جن تباہ کاریوں کا مشاہدہ اور یقینی علم ہے خیال تھا کہ ان میں سے مثال کے طور پر چشم عبرت کے لئے چند واقعات لکھ دوں مگر اس سے دو امر مانع ہوئے۔

(۱) ان کی فہرست بہت طویل ہے اور اگر انتخاب کروں تو کیسے؟ کیونکہ ایک سے بڑھ کر ایک۔

(۲) ایسی حقیقت بدیہیہ کی مثالیں لکھنا اس کو نظری یا غیر ظاہر قرار دینے کے مترادف ہے۔

اس مہلک شیطانی گولے کی تباہ کاریاں اللہ کی نافرمانیوں پر عذاب ہے۔

ولنذیقنهم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر لعلهم یرجعون۔

پھر ایسے عذاب الیم کو بچشم خود دیکھنے بلکہ اپنی جان پر بیتنے کے باوجود اللہ تعالی کے ان دشمنوں کو عبرت وہدایت کی توفیق نہ ملنا عذاب پر عذاب۔ ضعف الحیوۃ وضعف الممات۔

نفس وشیطان کے بندوں پر عذاب الٰہی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان کو اپنے دنیوی نفع ونقصان کا بھی ہوش نہیں رہتا۔ نسوا اللّٰه فانسٰهم انفسهم۔

(۳) اس میں ورزش کے مفہوم پر تماشے کا مفہوم غالب ہے، اس پر دلائل:

(۱) کسی ورزش کو پوری دنیا میں کوئی کھیل نہیں کہتا۔ پہلوان ورزشیں کرتے ہیں۔ ڈاکٹر مختلف امراض کے لئے ورزشیں بتاتے ہیں کوئی بھی اسکو

کھیل نہیں کہتا۔ گیند اور فٹ بال کو کوئی بھی ورزش نہیں کہتا، کھیل کہتے ہیں۔

(۲) ورزش کو دیکھنے کے لئے دوسرے لوگ جمع نہیں ہوتے، کوئی ایک آدمی چلا گیا تو الگ بات ہے، فٹ بال کو دیکھنے بہت لوگ آتے ہیں، مولوی لوگ بھی آتے ہیں۔ ایک شخص نے صرف فٹ بال کا مقابلہ دیکھنے کے لئے نیا ٹی وی خریدا اور گھروالوں سے یوں جھوٹ بولا اور یوں فریب دیا کہ فٹ بال کا مقابلہ دیکھنے کے لئے ٹی وی کے جواز کا میں نے فلاں سے فتوی لیا ہے۔

مجھ پر افتراء باندھا کہ اس نے جواز کا فتوی دیا ہے۔

(۳) فٹ بال وغیرہ کے مقابلہ کو دیکھنے کے لئے لوگ ٹی وی پر گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں، کسی ورزش کو دکھانے کے لئے کسی حکومت میں کسی ملک میں کوئی نظم نہیں۔

(۴) ورزش میں کوئی شخص ایسا مگن نہیں ہوتا کہ ضرورت سے زائد کرتا ہی چلا جائے، وقت متعین ہوتا ہے، آدھا گھنٹہ، گھنٹہ جب وقت گذر جاتا ہے تو پھر اس کا شوق نہیں رہتا۔ اس شیطانی دھندے کا حال یہ ہے کہ شروع کیا تو ہوش نہیں رہتا، کھیلتے ہی چلے جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ ورزش نہیں بلکہ کھیل تماشا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

تفریحی تالاب میں تیراکی سیکھنا:

غرۂ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ

سوال: تفریح یا تیراکی سیکھنے کے لئے ایسے تالاب میں نہانا جائز ہے یا نہیں جہاں بے دین، فساق و فجار کا ہجوم ہوتا ہے، جن کے ران کھلے ہوتے ہیں؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم بنیت جہاد تیراکی سیکھنے جاتے ہیں، جب بازاروں میں منکرات والی دکانوں پر اپنی حاجت سے جانا جائز ہے تو بضرورت جہاد ایسے تالاب میں نہانا بطریق اولی جائز ہونا چاہیے۔

اس بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تالاب میں نہانے کو حاجات عامہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں، اس لئے اس سے احتراز لازم ہے، بالخصوص علماء و صلحاء کے لئے زیادہ قبیح ہے۔

ھذا، ومسألۃ دخول الحمام مشھورۃ فی کتب المذھب مزبورۃ۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

غرۂ صفر ۱۴۱۷ھ

نابالغ کا ستر دیکھنا:

سوال: نابالغ بچے کے ستر کو دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ عورت غلیظہ وخفیفہ میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بہت چھوٹے بچے کی عورت غلیظہ وخفیفہ دونوں کو دیکھنا جائز ہے، سات سال کی عمر تک صرف خفیفہ کا دیکھنا جائز ہے، غلیظہ کا دیکھنا جائز نہیں۔

سات سال سے زیادہ عمر کا بچہ اس مسئلہ میں بالغ کے حکم میں ہے، لہذا اس عمر کے بعد غلیظہ وخفیفہ دونوں کا دیکھنا ناجائز ہے۔

حد صغر میں چار سال تک کی عمر کا قول بلانسبت مذکور ہے، مگر تحقیق سے ثابت ہوا کہ اس عمر میں بچہ استنجاء وغیرہ میں مستغنی نہیں ہو سکتا اس لئے اس میں رأی مبتلی بہ کا اعتبار ہونا چاہیئے۔

عورت غلیظہ سے مراد پیشاب و پاخانہ کا مقام اور ان کے اردگرد کا حصہ ہے اور عورت خفیفہ سے ان مواضع کے سوا باقی حصہ۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وفی السراج لا عورۃ للصغیر جدا ثم مادام لم یشتہ فقبل ودبر ثم تغلظ الی عشر سنین ثم کبالغ (الی قولہ) والغلیظۃ قبل ودبر وما حولہما والخفیفۃ ماعدا ذلک۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ لا عورۃ للصغیر جدا) وکذا الصغیرۃ کما فی السراج فیباح النظر والمس کما فی المعراج قال ح وفسرہ شیخنا بابن اربع فما دونہا ولم ادر لمن عزاہ (رد المحتار ص۲۷۳ ج۱)

وقال ایضا: (ثم یتغلظ بعد ذلک الی عشر سنین) قال فی النہر: وکان ینبغی اعتبار السبع لانہم یومرون بالصلاۃ اذا بلغوا ھذا السن الخ (البحر ص۲۷۴ ج۱)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔ ۲۰ جمادی الثانیۃ ۱۴۱۷ھ

مال حرام سے خریدا ہوا مال بھی حرام ہے:

یہ مسئلہ کھانے پینے کی اشیاء کے باب میں عنوان "مال حرام سے خریدا ہوا طعام بھی حرام ہے" کے تحت گزر چکا ہے۔

آلات معصیت توڑنے کا حکم:

سوال: گانے بجانے کے آلات اور شراب کے برتن توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز توڑنے والے پر ضمان ہے یا نہیں؟ اگر یہ آلات ذمی کے پاس ہوں تو پھر کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

آلاتِ معصیت کا توڑنا جائز ہے اور مندرجہ ذیل تین صورتوں میں توڑنے پر بالاتفاق ضمان نہیں:

(۱) اس آلہ کو لہو ولعب کے سوا کسی اور کام میں استعمال نہ کیا جا سکتا ہو۔

(۲) امام کی اجازت سے توڑا ہو۔

(۳) آلات لہو ولعب مغنی کے پاس ہوں اور شراب کے مٹکے خمار یعنی شراب بیچنے والے کے پاس ہوں۔

جہاں یہ تینوں صورتیں منتفی ہوں، یعنی آلہ میں جائز امر میں استعمال کرنے کی صلاحیت ہو، امام کی اجازت نہ ہو، مغنی یا خمار کے پاس نہ ہو تو وجوب ضمان میں اختلاف ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک لکڑی وغیرہ اجزاء جو لہو ولعب کے کام نہ آسکیں ان کی قیمت واجب ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ بھی واجب نہیں، فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے لفساد الزمان۔

ذمی بھی بحکم مسلم ہے، البتہ وہ اگر علانیہ خمر کی بیع نہ کرتا ہو تو اس کے حق میں آلہ معصیت نہ ہونے کی وجہ سے ضمان واجب ہوگا۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وضمن بکسر معزف بکسر المیم آلۃ اللهو ولو لکافر ابن کمال قیمته خشبا منحوتا صالحا لغیر اللهو وضمن القیمۃ لا المثل باراقۃ سکر ومنصف سیجیء بیانه فی الاشربۃ وصح بیعها کلها وقالا لا یضمن ولا یصح بیعها وعلیه الفتوی ملتقی ودرر وزیلعی وغیرها واقرہ المصنف۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله وقالا الخ) هذا الاختلاف فی الضمان دون اباحۃ اتلاف المعازف وفیما یصلح لعمل آخر والا لم یضمن شیئا اتفاقا وفیما اذا فعل بلا اذن الامام والا لم یضمن

اتفاقا و فی غیر عود المغنی وجابیة الخمار و الا لم یضمن اتفاقا لانه لو لم یکسرها عاد لفعله القبیح وفیما اذا کان لمسلم فلو لذمی ضمن اتفاقا قیمته بالغا ما بلغ وکذا لو کسر صلیبه لانه مال متقوم فی حقه قلت لکن جزم القهستانی و ابن الکمال ان الذمی کالمسلم فلیحرر درمنتقی اقول وجزم به فی الاختیار ایضا و لعله اقتصر فی الهدایة علی ذکر المسلم لکونه محل الخلاف وبه یتحرر المقام فتدبر (ردالمحتار ص۲۳۴ ج ۵)

وقال العلامة مجد الدین الموصلی رحمه الله تعالی: ویجب فی کسر المعازف قیمتها لغیر اللهو وسواء کانت لمسلم او ذمی کالبربط والطبل والدف والمزمار والجنك والعود ونحوها ویجوز بیعها وقالا: لا یضمن ولا یجوز بیعها لانها اعدت للمعاصی فلا تضمن کالخمر ومتلفها یتأول النهی عن المنکر وانه مأمور به شرعا فلا یضمن کاذن القاضی وبل اولی (الاختیار ص۶۵ ج ۳) والله سبحانه وتعالی اعلم۔

۲۶ ذی الحجہ سنہ ۱۴۱۷ھ

حکم الاستمناء بید الزوجة:

سوال: بیوی کے پیٹ، ران اور ہاتھ سے استمتاع کرتے ہوئے انزال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز بیوی کا شوہر کے ہاتھ سے استمتاع کے بعد انزال کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بضرورت تسکین بلا کراہت جائز ہے، بلا ضرورت مکروہ تنزیہی ہے۔

قال ابن عابدین رحمه الله تعالی معزیا لمعراج الدرایة: ویجوز ان یستمنی بید زوجته وخادمته وسیذکر الشارح فی الحدود عن الجوهرة انه یکره ولعل المراد به کراهة التنزیه فلا ینافی قول المعراج یجوز تأمل (رد المحتار ص۲۷۰ ج ۲) والله سبحانه وتعالی اعلم۔

۱۱ ربیع الاول سنہ ۱۴۱۸ھ

حق طبع محفوظ رکھنا جائز نہیں:

تتمہ میں رسالہ "القول الصدوق لبیع الحقوق" میں ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ — (۷:۳۲)

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى جَمِيْلٌ يُّحِبُّ الْجَمَالَ (مسلم، ترمذی)

الاکتحال للرجال

فقہ کی بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بقصدِ زینت سُرمہ لگانا مَردوں کے لیے مکروہ ہے۔

زیرِ نظر تحقیق میں اس کی وضاحت کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ مَردوں کے لئے بھی بقصدِ زینت سُرمہ لگانا بلا کراہت ——— جائز ہے ———

مکتبہ فاروق

بقصدِ زینت سُرمہ لگانا جائز ہے

سوال ① ولا بأس بالاکتحال للرجال اذا قصد به التداوی دون الزینة (ھدایة ص ۲۰۱ ج ا کتاب الصوم)

② ولا بأس بالاثمد للرجال باتفاق المشایخ ویکرہ الکحل بالاسود بالاتفاق اذا قصد به الزینة واختلفوا فیما اذا لم یقصد به الزینة عامتہم علی انہ لا یکرہ کذا فی جواھر الاخلاطی (عالمگیریة کتاب الکراھیة)

ان عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مُردوں کے لئے بقصد زینت سیاہ سرمہ کا استعمال مکروہ ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

یعنی تداوی کے بغیر مُردوں کے لئے سیاہ سرمہ کا استعمال زینت کے ارادے سے جائز ہے یا مکروہ ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عادۃً مستمرہ کے طور پر سرمہ لگاتے تھے اور دوسروں کو بھی "علیکم" جیسے الفاظ دوام و استمرار و التزام سے تاکید فرماتے تھے، اگر مُردوں کے لئے قصدِ زینت میں کوئی کراہت ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ضرور تنبیہ فرماتے، موقع تنبیہ میں سکوت دلیل عدمِ کراہت ہے۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلقۃً "اکحل" پیدا فرمایا تھا، اگر سرمہ لگانے میں تشبہ بالنساء ہے تو یہ بہت بڑا عیب ہے، اس سے لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلقۃً معیب پیدا فرمایا، تو یہ نقص ہوا حالانکہ اسکو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال میں شمار کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ہر قسم کے عیوب جسمانیہ سے بھی منزہ و مبرا پیدا فرمایا ہے تو کیا کسی کی عقل یہ تسلیم کر سکتی ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں پیدائشی طور پر اتنا بڑا عیب رکھدیا ہو۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ مردوں کو بقصد زینت سرمہ لگانا بلا کراہت جائز ہے، شریعت نے مردوں کے لئے مہندی وغیرہ جیسی رنگ دار زینت کی ممانعت سے اس کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جیسا کہ بالوں میں خضاب غیر اسود مستثنیٰ ہے۔

رہا یہ احتمال کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و عمل "اثمد" کے ساتھ خاص ہو، اور یہ احتمال کہ "اثمد" سیاہ نہیں ہوتا ہوگا، ایسے احتمالات بعیدہ تسلیم کر لینے کے باوجود بھی مظنۂ قصد زینت موجود ہے، معہذا نہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قصد زینت کی کراہت منقول ہے نہ کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور نہ ہی حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ سے بلکہ اس کے برعکس امام ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ سے جواز بلا کراہت کی تصریح منقول ہے ونصہ :

الکحل یشتمل علی منفعتین احداھما زینۃ والثانیۃ تطیب فاذا استعمل للزینۃ فھو مستثنی من التصنع الذی یلبس الصنعۃ بالخلقۃ کالوصل والوشم والتفلج والتنمص رحمۃ من اللہ لخلقہ ورخصۃ منہ لعبادہ واذا استعمل بنیۃ التطبب لتقویۃ البصر من ضعف یعتورہ واستنبات الشعر الذی یجمع النور للادراک ویصد الاشعۃ الغالبۃ لہ ثم ان کحل الزینۃ لاحد لہ شرعا وانما ھو یقدر الحاجۃ فی بدوہ وخفائہ الخ (شرح الشمائل للمناوی علی ھامش جمع الوسائل ص ۱۰۴ ج ۱)

حقیقت مذکورہ کے پیش نظر حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے قول کراہت کے دو محمل بیان فرمائے ہیں :

① زینت میں اس قدر افراط جو تشبہ بالنساء تک مفضی ہو۔

② نمائش و فخر مقصود ہو۔

قال الامام ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ :

(قولہ دون الزینۃ) لانہ تعورف من زینۃ النساء ثم قید دھن الشارب بذلک ایضا ولیس فیہ ذلک وفی الکافی یستحب دھن شعر الوجہ اذا لم یکن من قصدہ الزینۃ بہ وردت السنۃ فقیدہ بانتفاء ھذا القصد فکانہ واللہ اعلم لانہ تبرج بالزینۃ وقد روی ابو داؤد والنسائی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکرہ عشر خلال ذکر منھا التبرج بالزینۃ لغیر محلھا وسنوردہ بتمامہ ان شاء اللہ تعالیٰ فی کتاب الکراھیۃ ۔ وفی المؤطا عن ابی قتادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لی جمۃ افارجلھا قال نعم واکرمھا فکان ابو قتادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ربما دھنھا

فی الیوم مرتین من اجل قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاحظ النفس الطالبۃ للزینۃ الظاھرۃ وذلک لان الاکرام والجمال المطلوب یتحقق مع دون ھذا المقدار وفی سنن النسائی ان رجلا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقال لہ عبیدۃ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ینھی عن کثیر من الارفاہ فسئل ابن بریدۃ رضی اللہ تعالی عنہ عن الارفاہ قال الترجیل والمراد واللہ اعلم الترجیل الزائد الذی یخرج الی حد الزینۃ لا ما کان لقصد رفع اذی الشعر والشعث ھذا ولا تلازم بین قصد الجمال وقصد الزینۃ فالقصد الاول لدفع الشین واقامۃ ما بہ الوقار واظھار النعمۃ شکرا لا فخرا وھو اثر ادب النفس وشھامتھا والثانی اثر ضعفھا وقالوا بالخضاب وردت السنۃ ولم یکن لقصد الزینۃ ثم بعد ذلک ان حصلت زینۃ فقد حصلت فی ضمن قصد مطلوب فلا یضرہ اذا لم یکن ملتفتا الیہ (فتح القدیر ص ۲۷۶ ج ۲)

وقال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالی بعد نقل ما مر عن الفتح :

ولھذا قال الولوالجی فی فتاواہ لبس الثیاب الجمیلۃ مباح اذا کان لا یتکبر لان التکبر حرام وتفسیرہ ان یکون معھا کما کان قبلھا اھ (البحر الرائق ص ۲۸۱ ج ۲)

وکذا نقل العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی عن الفتح والبحر (رد المحتار ص ۱۲۳ ج ۲)

تحریرات مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سرمہ لگانا، تیل لگانا، کنگھی، خضاب (غیر اسود) اور ثیاب جمیلہ وغیرہ اسباب آرائش وزیبائش سب کا ایک ہی حکم ہے، یعنی بغرض زیبائش مباح بلکہ مندوب اور بغرض نمائش ناجائز وحرام۔ واللہ تعالی اعلم

۴ شعبان ۱۴۱۱ ہجری

الاکتحال للرجال ـــــــــــ ۴

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

توقیع الاعیان

علی

حرمۃ ترقیع الانسان

انسانی اعضاء کی پیوند کاری

مکتبہ فاروق
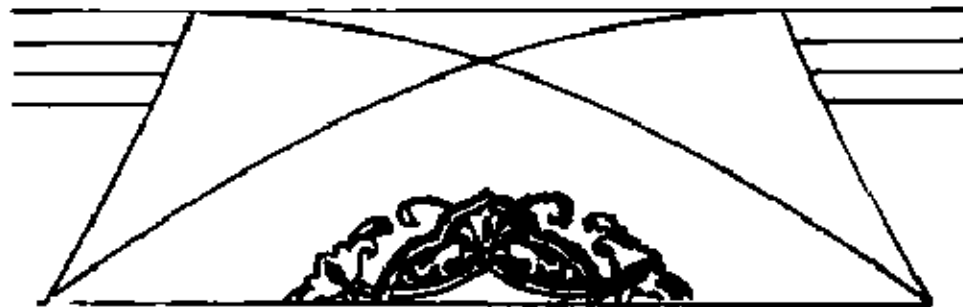
انسانی اعضار کی پیوند کاری اور خون دینا

سوال :

دو مریض ہیں جن میں سے ایک کی قوت باہ بالکل زائل ہو چکی ہے اور وہ شادی شدہ ہے، دوسرے مریض کی قوتِ باہ تو ٹھیک ہے مگر وہ کسی اور مرض میں مبتلا ہے دونوں مریض ایک سول سرجن کے زیر علاج ہیں، جس مریض کی مردانہ قوت ٹھیک تھی اس کا انتقال ہو گیا، سول سرجن نے اس مردہ کا آلۂ تناسل کاٹ کر دوسرے مریض کے لگا دیا اس کی قوتِ باہ بحال ہو گئی اور بیوی کی ضرورت پوری کرنے کے قابل ہو گیا اور اولاد بھی پیدا ہونے لگی، کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ اگر سول سرجن ایسا نہ کرے تو وہ مریض ٹھیک نہیں ہو سکتا اس کی زندگی تباہ ہو جائے گی، اگر یہ صورت شرعاً جائز نہیں تو کیا یہ شخص اپنی بیوی کو طلاق دیدے؟ فعل مذکور کے جواز کا ایک فتویٰ ارسال ہے اس سے متعلق بھی اپنی تحقیق تحریر فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

یہاں چند سوال پیدا ہوتے ہیں :

① استعمال جزء الآدمی للتداوی جائز ہے یا نہیں ؟

② اگر جائز ہے تو پیوست کردہ جزء کا قطع واجب ہے یا نہیں ؟

③ اگر قطع واجب نہیں تو ایسے آلہ کا استعمال للجماع جائز ہے یا نہیں ؟

④ اگر جماع جائز نہیں تو کیا بیوی کو طلاق دینا واجب ہے ؟

⑤ اولاد ثابت النسب ہوگی یا نہیں ؟

ان امورِ خمسہ کے جوابات بالترتیب تحریر کئے جاتے ہیں :

① قال فی العلائیۃ ویقدم المضطر المیتۃ علی الصید (صید الحرم) والصید علی مال الغیر ولحم الانسان قیل والخنزیر ولو المیت نبیًّا لم یحل بحال کما لا یأکل طعام مضطر آخر (ردّ المحتار ص۲۳۲ ج ۲)

الضرر لا یزال بالضرر ولا یأکل المضطر طعام مضطر آخر ولا شیئا من بدنه (الاشباہ ص ۱۱۰)

مضطر لم یجد میتة وخاف الهلاک فقال له رجل اقطع یدی وکلها او قال اقطع منی قطعة وکلها لا یسعه ان یفعل ذلک ولا یصح امره به کما لا یسع للمضطر ان یقطع قطعة من نفسه فیأکل (خانیة ص ۴۰۸ ج ۳، عالمگیریة ص ۳۳۸ ج ۵، شامیة ص ۲۹۵ ج ۵)

روی عن ابی امامة بن سهل بن حنیف ان النبی صلی الله علیه وسلم داوی وجهه یوم احد بعظم بال، فیه دلیل جواز المداواة بعظم بال وهذا لان العظم لا یتنجس بالموت علی اصلنا لانه لا حیاة فیه الا ان یکون عظم الانسان او عظم الخنزیر فانه یکره التداوی به لان الخنزیر نجس العین فعظمه نجس کلحمه لا یجوز الانتفاع به بحال والآدمی محترم بعد موته علی ما کان علیه فی حیاته فکما لا یجوز التداوی بشیء من الآدمی الحی اکراما له فکذلک لا یجوز التداوی بعظم المیت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کسر عظم المیت ککسر عظم الحی (شرح السیر الکبیر ص ۸۸ ج ۱)

الانتفاع باجزاء الآدمی لم یجز قیل للنجاسة وقیل للکرامة هو الصحیح کذا فی جواهر الاخلاطی (عالمگیریة ص ۳۵۴ ج ۵)

واذا کان برجل جراحة یکره المعالجة بعظم الخنزیر والانسان لانه یحرم الانتفاع به کذا فی الکبری (عالمگیریة ص ۳۵۴ ج ۵)

ولو سقط سنه یکره ان یأخذ سن میت فیشدها مکان الاولی بالاجماع وکذا یکره ان یعید تلک السنة الساقطة مکانها عند ابی حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالی ولکن یأخذ سن شاة ذکیة فیشدها مکانها وقال ابو یوسف رحمه الله تعالی لا بأس بسنه ویکره سن غیره (بدائع ص ۱۳۲ ج ۵)

لا بأس بان یسعط الرجل بلبن المرأة ویشربه للدواء (عالمگیریة ص ۳۵۵ ج ۵)

عبارات بالا سے مندرجہ ذیل اُمور ثابت ہوئے :

① صرف مضطر جان بچانے کے لئے مُردہ انسان کا گوشت کھا سکتا ہے، اس

سے معلوم ہوا کہ مُردہ کے کسی عضو کو علاج کے طور پر استعمال کرنا جائز نہیں اگرچہ مریض کو ہلاکت کا خطرہ ہو، اسے اکل مضطر پر قیاس کرنا دو وجہ سے صحیح نہیں:

(۱) اکل سے شبع وحیات متیقن ہے اور تداوی سے صحت متیقن نہیں۔

قال فی العلائیۃ الاکل للغذاء والشرب للعطش ولو من حرام او مال غیرہ وان ضمنہ یثاب علیہ،

وفی الشامیۃ بخلاف من امتنع عن التداوی حتی مات اذ لا یتیقن بانہ یشفیہ (رد المحتار ص ۲۹۵ ج ۵)

الرجل استطلق بطنہ اورمدت عیناہ فلم یعالج حتی اضعفہ واضناہ ومات منہ لا اثم علیہ فرق بین ھذا وبین ما اذا جاع ولم یأکل مع القدرۃ حتی مات حیث یأثم والفرق ان الاکل مقدار قوتہ شبع بیقین فکان ترکہ اھلاکا ولا کذلک المعالجۃ والتداوی کذا فی الظھیریۃ (عالمگیریۃ ص ۲۳۶ ج ۶)

(۲) اکل کی صورت میں عضو مأکول بالکل ہلاک ولاشیء ہوجاتا ہے جبکہ پیوند لگایا ہوا عضو باقی رہتا ہے۔

انہی وجوہ کی بناء پر فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی مضطر کے لئے اکل میتۃ انسان کی اجازت دیتے ہیں مگر تداوی کے لئے عظم انسان کے پیوند کو ناجائز فرماتے ہیں، ونصہ: واذا کسر للمرأۃ عظم فطار فلا یجوز ان ترقعہ الا بعظم ما یؤکل لحمہ ذکیا وکذلک ان سقطت سنہ صارت میتۃ فلا یجوز لہ ان یعیدھا بعدما بانت فلا یعید سن شیء غیر سن ذکی یؤکل لحمہ وان رقع عظمہ بعظم میتۃ او ذکی لا یؤکل لحمہ او عظم انسان فھو کالمیتۃ فعلیہ قلعہ واعادۃ کل صلاۃ صلاھا وھو علیہ فان لم یقلعہ جبرہ السلطان علی قلعہ (الام ص ۵۴ ج ۱)

(۴) مضطر زندہ انسان کا گوشت اور خود اپنا کوئی عضو نہیں کھا سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آجکل مریض کے کسی حصہ سے گوشت اتار کر دوسری جگہ چڑھانے کا جو معمول ہے یہ ناجائز ہے، جب حالتِ اضطرار میں جان بچانے کے لئے اپنے یا دوسرے کے گوشت یا کھال کو کاٹ کر استعمال کرنا جائز نہیں تو تداوی کے لئے

بطریق اولیٰ جائز نہ ہوگا۔

بعض علماء نے مریض کے اپنے عضو سے اس کے دوسرے کسی عضو کو پیوند لگانے کے جواز پر بدائع کا جزئیہ مذکورہ بالا پیش کیا ہے۔

یہ قیاس اس لئے صحیح نہیں کہ کسی عضو کو اسی کی اصل جگہ پر لگانے کو مرمت کرنا نہیں سمجھا جاتا اس لئے اس میں اہانت نہیں، دوسری جگہ لگانا مرمت کہلاتا ہے جو اہانت ہے۔ ولذا قال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ:

واعادۃ جزء منفصل الی مکانہ لیلتئم یجوز کما اذا قطع شیء من عضوہ فاعادہ الی مکانہ ولا اھانۃ فی استعمال جزء نفسہ فی الاعادۃ الی مکانہ (بدائع ص ۱۳۳ ج ۵) اس لئے اس جزئیہ سے دوسری جگہ نقل کرنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا، معہذا بوقت ضرورت شدیدہ ان علماء کی توسیع پر عمل کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

(۳) زندہ انسان کے گوشت کے سوا باقی اجزاء خون اور دودھ وغیرہ پر تداوی بالمحرم کا حکم ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت شدیدہ جان بچانے کے لئے عمل نقل دم جائز ہے، مگر خون کی خرید و فروخت جائز نہیں، اگر خون مفت نہ مل سکے اور سخت مجبوری ہو تو خریدنے کی گنجائش ہے، بیچنے والا بہر حال گنہگار ہوگا۔

اعضاء کو دودھ اور خون پر قیاس کرنا صحیح نہیں، کیونکہ دودھ کی تو تخلیق ہی افراز و ارضاع کے لئے ہے۔

خون کا بوجوہ ذیل فرق ہے:

(۱) بسا اوقات خون کا اخراج ناگزیر ہوتا ہے، بلکہ قصداً اخراج کی بجائے قدرۃً نکسیر وغیرہ کے ذریعہ اخراج ہوتا رہتا ہے۔

(۲) خون کے اخراج میں کسی عضو کی قطع و برید نہیں ہوتی۔

(۳) لحوق شین بھی نہیں ہوتا۔

(۴) خون دینا تغذیہ ہے، تداوی نہیں۔

(۴) قال فی البحر معزیاً الی الذخیرۃ سقط سنہ فاخذ سن الکلب فوضعہ موضع سنہ (الی قولہ) ان کان یمکن قلع سن الکلب بغیر ضرر

يقلع وان كان لايمكن الا بضرر لايقلع (البحر الرائق ص۲۰۵ ج۸)
چونکہ آلۂ تناسل کا قطع بلاضرر ممکن نہیں لہٰذا اس کا قطع کرنا واجب نہیں۔

(۳) اس کے استعمال للبول اور مس للاستنجاء وغیرہ پر مجبور ہونے کی وجہ سے مأخوذ نہ ہوگا مگر استعمال للجماع پر مجبور نہیں لہٰذا اپنے اصل (حرمۃ استعمال جزء الآدمی) کے مطابق جماع حرام ہوگا، میاں بیوی دونوں گنہگار ہونگے، بیوی کے لئے اس کا دیکھنا اور چھونا جائز نہیں۔

قال فی شرح المنية ان الثانی (ستر الغليظة والخفيفة) هو المأخوذ به لقوله عليه الصلوة والسلام لعلی رضی الله تعالیٰ عنه لا تنظر الی فخذ حی ولا ميت ولان ما كان عورة لايسقط بالموت ولذا لايجوز مسه
(رد المحتار ص۸۰۰ ج۱)

وفی البحر فی باب شروط الصلوٰة كل عضو هو عورة من المرأة اذا انفصل عنها هل يجوز النظر اليه فيه روايتان، الثانية لايجوز وهو الاصح وكذا الذكر المقطوع من الرجل وشعر عانته اذا حلق على هذا والاصح انه لايجوز (حموی علی الاشباه ص۱۸۸ ج۱)

(۴) بیوی کے مطالبہ پر طلاق دینا واجب ہے ومسئلة العنين والمجبوب مشهورة وفی كتب المذهب مزبورة۔

(۵) ثبوت النسب کا تعلق نطفہ سے ہے، لہٰذا یہ اولاد ثابت النسب ہوگی، ونظائرها متكاثرة فی الكتب المتوافرة۔

جواز کے فتویٰ پر تنقید

اس فتویٰ میں ترقیع انسان کا جواز ثابت کرنے کے لئے گیارہ دلائل پیش کئے گئے ہیں:

(۱) ولابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ ان الاطراف يسلك بها مسلك الاموال فيجری فيها البذل بخلاف النفس فانه لو قال اقطع يدی فقطعه لايجب عليه الضمان وهذا اعمال البذل الا انه لايباح لعدم الفائدة وهذا البذل

مفید لانہ فاع الخصومۃ فصار کقطع الید للأکلۃ و قطع السن للوجع

(ھدایۃ ص ۱۰۹ کتاب الدعوی)

تنقید :

اوّلاً اباحت قطع ید وقطع سن وغیرہ خود صاحب جزر کے نفع بلکہ دفع ضرر کیلئے ہے۔

ثانیاً اس میں صرف قطع الجزر کی اباحت ہے نہ کہ اسکے استعمال کی۔

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ مضطر جان بچانے کے لئے اپنا گوشت نہیں کھا سکتا تو تداوی کے لئے یہ کیسے جائز ہوگا؟ اجزار آدمی کے بدل واستعمال اور بیع وشرار کی حرمت پر صریح عبارات اس قدر کثرت سے موجود ہیں کہ ان کا احصار مشکل ہے، پس جزئیہ مذکورہ میں صرف بدل کا لفظ آجانے سے پورے ذخیرۂ حدیث وفقہ کے خلاف جواز بیع و شرار وغیرہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا کتنی بڑی جرأت ہے۔

(۲) جواز شق بطن المیت لاخراج الولد اذا کانت ترجی حیاتہ وقد امر بہ ابوحنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فعاش الولد کما فی الملتقط (الاشباہ ص ۱۱۲ ج ۱)

تنقید :

اس عبارت سے تو صرف جواز قطع المیت بلکہ شق المیت ثابت ہوا نہ کہ استعمال جزر کا جواز،

شق المیت بھی احیار نفس کے لئے نہ کہ محض تداوی کے لئے۔

یہ حادثہ سے نجات دلانے کے قبیل سے ہے جو مضطر کے اکل میتہ کی طرح فرض ہے جبکہ تداوی فرض نہیں۔

علاوہ ازیں یہ بھی تولید کا ایک متبادل طریق ہے۔

(۳) وان اضطر ولم یجد شیئا فھل یجوز لہ ان یقطع شیئا من بدنہ ویأکلہ وجھان قال ابواسحاق یجوز لانہ احیاء نفس بعضو فجاز کما یجوز ان یقطع عضوا اذا وقعت فیہ الأکلۃ لاحیاء نفسہ الخ (شرح المہذب للنووی ص ۴۱ ج ۹)

(۴) وقال الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ یأکل لحم بنی آدم (الی قولہ) والصحیح عندی ان لا یأکل الآدمی الا اذا تحقق ان ذلک ینجیہ ویحییہ

(احکام القرآن لابن العربی ص ۵۸ ج ۱)

توقیع الاعیان ——————— ۷

تنقید :

اس میں اکل مضطر کا مسئلہ ہے۔ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ اس پر تداوی کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔

علاوہ ازیں تداوی ببعض الانسان کی حرمت فقہ حنفی کے علاوہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی صراحۃً ثابت ہے، وقد مرّ نصوصہم۔

(۵) ویجوز للعلیل شرب الدم والبول واکل المیتۃ للتداوی اذا اخبرہ الطبیب ان شفاءہ فیہ ولم یجد من المباح ما یقوم مقامہ وان قال الطبیب یتعجل شفاؤک فیہ وجہان (الہندیۃ ص ۳۳۵ ج ۵)

(۶) اذا سال الدم عن انف انسان ولا ینقطع حتی یخشی علیہ الموت وقد علم انہ لو کتبت الفاتحۃ والاخلاص بذلک الدم علی جبہتہ ینقطع فلا یرخص فیہ، وقیل یرخص کما رخص فی شرب الخمر للعطشان واکل المیتۃ فی المخمصۃ وھو الفتوی نقلا عن الخانیۃ (رد المحتار ص ۱۹۳ ج ۱)

تنقید :

ان جزئیات میں تداوی بالحرام کا بیان ہے اور اوپر تحریر کیا جاچکا ہے کہ لحم الانسان اس سے مستثنیٰ ہے۔ جب مضطر جان بچانے کے لئے لحم الانسان نہیں کھا سکتا تو اس سے تداوی کیسے جائز ہوگی؟ ہاں مضطر کے لئے مردہ انسان کا گوشت کھانے کے جواز کا قول ملتا ہے مگر اس پر تداوی کا قیاس صحیح نہیں کما حررنا۔

(۷) وسبب الاباحۃ الحاجۃ الی حفظ النفس عن الہلاک لکون ہذہ المصلحۃ اعظم من مصلحۃ اجتناب النجاسات والصیانۃ عن تناول المستخبثات (المغنی ص ۴۱۶ ج ۹)

(۸) الضرورۃ تبیح المحظورات ومن ثم جاز اکل المیتۃ عند المخمصۃ واساغۃ اللقمۃ بالخمر والتلفظ بکلمۃ الکفر للاکراہ وکذا اتلاف مال الغیر (الاشباہ ص ۱۰۸ ج ۱)

تنقید :

ضرورت کی وجہ سے اباحت محظورات میں تفصیل ہے، ہر ضرورت سے ہر محظور

مباح نہیں ہوجاتا، چنانچہ لحم الانبیاء علیہم السلام اور مال المضطر کسی حال میں بھی مباح نہیں، کما قدمناہ عن الشامیۃ وغیرھا۔

⑨ قولہ للضرورۃ: فی فتح القدیر ھٰھنا خمسۃ مراتب ضرورۃ وحاجۃ ومنفعۃ وزینۃ وفضول۔

فالضرورۃ بلوغہ حداً ان لم یتناول الممنوع ھلک او قارب وھذا یبیح تناول الحرام۔

والحاجۃ کالجائع الذی لو لم یجد ما یأکل لم یھلک غیر انہ یکون فی جھد مشقۃ وھذا لا یبیح الحرام ویبیح فطر الصوم۔

والمنفعۃ کالذی یشتھی خبز البر ولحم الغنم والطعام الدسم۔

والزینۃ کالمشتھی لحلوی والسکر۔

والفضول التوسع باکل الحرام والمشتبہ (شرح الحموی ص ۱۰۸ ج ۱)

تنقید:

اس عبارت میں الحاجۃ کی تفسیر میں تصریح ہے کہ جب تک خوف ہلاک غالب نہ ہو اسوقت تک اکل الحرام کی اجازت نہیں تو خوف ہلاکت کے بغیر تداوی کے لئے کیسے جائز ہوگا۔ خصوصاً جبکہ تداوی اکل سے اہون ہے کما قدمناہ مراراً۔

⑩ لوکان احدھما اعظم ضرراً من الآخر فان الاشد یزال لا الاخف (الاشباہ ص ۱۱۲ ج ۱)

⑪ قاعدہ رابعۃ: اذا تعارض مفسدتان روعی اعظمھما ضرراً بارتکاب اخفھما (الاشباہ ص ۱۱۲ ج ۱)

تنقید:

کسی انسان کی قوت بینائی یا قوت مردمی کا نقص یا فقدان بدستور باقی رہنے میں زیادہ ضرر ہے یا کہ اس کی خاطر دوسرے انسان کی تذلیل و تحقیر، قطع و برید اور آنکھیں نکالنے میں؟

ایک شخص کے فائدہ کے لئے دوسرے کو نقصان پہنچانا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ جلب منفعت سے دفع مضرت مقدم ہے، یا یوں کہا جائے کہ احداث ضرر سے ابقاء ضرر اہون ہے۔

پھر تعجب اس پر ہے کہ جزئیات کثیرہ صریحہ کے ہوتے ہوئے کلیات سے غلط استنباط کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟

اس فتویٰ کے آخر میں انسان کو پیوند لگانے کی غرض سے ضرورت کی تعریف میں بھی بلا دلیل پیوند لگا دیا ہے، فرماتے ہیں:

"ضرورت کی تعریف جیسا کہ شارح نے کی ہے پیش نظر رکھی جائے، اس کو معیار نہ بنالیا جائے، کیونکہ انسان کی کرامت کو شریعت نے بڑی حیثیت دی ہے"

تو کیا انسان کے مرجانے سے اس کی کرامت ختم ہوجائے گی کہ اس کی بے حرمتی، اعضاء کاٹنا اور آنکھیں نکالنا اور ان کی خرید و فروخت جائز ہوجائے پھر قوت بصارت یا قوت رجولیت کے فقدان کا مہلک ہونا تو درکنار اس سے عام صحت پر بھی کوئی برا اثر نہیں پڑتا، ایسے امراض کے علاج کی خاطر انسان کی بے حرمتی کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ربیع الآخر ۸۷ھ

الحاق:

① بندہ کی اس تحریر کے بعد دارالعلوم کراچی، مدرسہ نیوٹاؤن اور دارالافتاء والارشاد کی مشترک "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" نے بالاتفاق بندہ کی تحقیق کے موافق ہی حرمت کا فیصلہ کیا، اس لئے بندہ نے اپنے اس زیر نظر رسالہ کا نام "توقیع الاعیان علی حرمۃ ترقیع الانسان" تجویز کیا۔

"مجلس تحقیق" کی مشترک کارروائی اور سب ارکان کے متفقہ فیصلہ کو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا، جو مستقل رسالہ کی صورت میں بنام "انسانی اعضاء کی پیوند کاری" شائع ہوچکا ہے۔

② بندہ کی تحریر کے بائیس برس بعد اس موضوع پر مختلف ممالک کے اہل قلم کے دس ضخیم مطبوعہ مقالے میرے سامنے آئے جن میں سے آٹھ میں ترقیع انسان کی حلت ثابت کرنے پر زور قلم صرف کیا گیا ہے مگر ان میں محررہ دلائل میں سے کوئی ایک دلیل بھی مثبت مدعیٰ نہیں، بلکہ سب دلائل ایسے ساقط ہیں کہ لائق اعتناء

ہی نہیں، معہذا ان میں سے دو دلائل سے متعلق کچھ لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

(۱) عن عبادۃ رضی اللہ تعالی عنہ من تصدق بشیء من جسدہ اعطی بقدر ما تصدق (الجامع الصغیر ص ۱۶۸ ج ۲)

اس سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کسی کو اپنے جسم کا کوئی حصہ دیدینا صدقہ ہے جس پر اجر ملتا ہے۔

ایسی سطح کے لوگ بھی جب مفکر اسلام بن گئے تو اس دین کا اللہ ہی حافظ ہے۔ قرآن وحدیث کا ادنیٰ علم رکھنے والا بھی اس حدیث کا مطلب سمجھ سکتا ہے کہ یہ جنایت سے متعلق ہے، یعنی کسی نے کسی پر جنایت کی مثلاً کسی کا ہاتھ کاٹ دیا، مجنی علیہ نے قصاص لینے کی بجائے معاف کردیا تو یہ اس کی طرف سے مجنی علیہ پر صدقہ ہے یہ حدیث آیت کریمہ:

ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص ط فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ ط

کی تفسیر ہے، چنانچہ مسند احمد رحمہ اللہ تعالی میں یہی حدیث ان ہی حضرت عبادہ رضی اللہ تعالی عنہ سے یوں ہے:

ان عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من رجل یجرح فی جسدہ جراحۃ فیتصدق بھا الا کفر اللہ عنہ مثل ما تصدق بہ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۶)

قال الھیثمی رجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد ج ۶)

امام احمد رحمہ اللہ تعالی کی یہ حدیث بھی الجامع الصغیر جلد ۲ ص ۱۴۹ میں موجود ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

وقال العلامۃ القاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ تعالی فی تفسیر قولہ تعالی:

فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ ای للمتصدق کذا قال عبد اللہ بن عمرو بن العاص والحسن والشعبی وقتادۃ۔

اخرج ابن مردویہ عن رجل من الانصار عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ قال ھو الرجل یکسر سنہ او یقطع یدہ او یقطع

شیء منہ اویجرح فی بدنہ فیعفو عن ذلک فیحط عنہ قدر خطایاہ فان ربع الدیۃ فربع خطایاہ وان کان الثلث فثلث خطایاہ وان کانت الدیۃ حطت منہ خطایاہ کذلک،

وروی الطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن عبادۃ الصامت رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تصدق من جسدہ بشیء کفر اللہ بقدرہ من ذنوبہ،

والطبرانی والبیہقی عن سخبرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ابتلی فصبر واعطی فشکر وظلم فغفر وظلم فاستغفر اولئک لھم الامن وھم مھتدون،

وروی الترمذی وابن ماجۃ عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالی عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من رجل یصاب بشیء فی جسدہ فتصدق بہ الا رفعہ اللہ بہ درجۃ وحط عنہ خطیئۃ (تفسیر مظہری ج ۳ ص ۱۲۲)

(۲) امام نووی رحمہ اللہ تعالی کی تصنیف "منہاج الطالبین" سے ترقیع بعظم الانسان کا جواز نقل کیا ہے۔

جوابات :

(۱) اوپر امام شافعی رحمہ اللہ تعالی سے ترقیع بعظم الانسان کی حرمت کی تصریح گزر چکی ہے، امام کے قول کے مقابلہ میں اس کے کسی مقلد کا قول کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

(۲) امام نووی رحمہ اللہ تعالی نے اس مسئلہ کے بیان میں متقدمین فی المذہب میں سے کسی کا حوالہ نہیں دیا، اور یہ بھی ممکن نہیں کہ انھوں نے اپنے امام سے لیا ہو، اگر آپ امام کے تلمیذ ہوتے یا آپ نے امام کا زمانہ پایا ہوتا یا امام سے زمانہ قریب میں گزرے ہوتے تو اس کا امکان تھا کہ انھوں نے امام سے بلا واسطہ یا بالواسطہ سنا ہو، مگر دونوں کے درمیان تقریباً ساڑھے چار سو سال کا زمانہ ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کی وفات ۲۰۴ھ ہجری میں ہوئی اور امام نووی رحمہ اللہ تعالی کی ولادت ۶۳۱ھ اور وفات ۶۷۶ھ ہجری میں ہوئی ہے۔

(۳) مقلد کے لئے بلا ضرورت شدیدہ وبدون شرائط معہودہ دوسرے امام کا قول

لینا جائز نہیں تو اس کے کسی مقلد کا ایسا قول لینا کیسے جائز ہو سکتا ہے جو اسکے اپنے امام کی نص صریح کے خلاف ہے۔

(۴) منہاج مع الشرح تحفۃ المحتاج اور اس کے بعد حاشیۃ الشروانی کی پوری عبارت درج ذیل ہے:

فی المنهاج مع شرحه تحفة المحتاج (ولو وصل) معصوم اذغيرة لايأتى فيه التفصيل الآتى على الاوجه لانه لما اهدر لم يبال بضرره فى جنب حق الله تعالى وان خشى منه فوات نفسه (عظمه) لاختلاله وخشية مبيح تيمم ان لم يصله (بنجس) من العظم ولو مغلظا ومثل ذلك بالاولى دهنه بمغلظ او ربطه به (لفقد الطاهر) الصالح للوصل كان قال خبير ثقة ان النجس او المغلظ اسرع فى الجبر او مع وجوده وهو من أدمى محترم (فمعذور) فى ذلك فتصح صلاته للضرورة ولا يلزمه نزعه وان وجد طاهرا صالحا كما اطلقاه وينبغى حمله على ما اذا كان فيه مشقة لاتحتمل عادة وان لم تبح التيمم ولا ايقاس بما يأتى لعذره هنا لاثم (والا) بان وصله بنجس مع وجود طاهر صالح ومثله ما لو وصله بعظم أدمى محترم مع وجود نجس او طاهر صالح (وجب نزعه ان لم يخف ضررا ظاهرا) وهو ما يبيح التيمم وان تألم واستتر باللحم فان امتنع اجبره عليه الامام او نائبه وجوبا كرد المغصوب ولا تصح صلاته قبل بنزع النجس لتعديه بحمله مع سهولة ازالته فان خاف ذلك ولو تحوشين وبطء برء لم يلزمه نزعه لعذره بل يحرم كما فى الانوار وتصح صلاته معه بلا اعادة (قيل) يلزمه نزعه (وان خاف) مبيح تيمم لتعديه (فان مات) من لزمه النزع قبله (لم ينزع) اى لم يجب نزعه (على الصحيح) لان فيه هتكا لحرمته او لسقوط الصلاة المأمور بالنزع لاجلها قال الرافعى فيحرم على الاول دون الثانى وقضية اقتصار المجموع وغيره عليه اعتماد عدم الحرمة بل قال بعضهم انه اولى من الابقاء لكن الذى صرح به جمع ونقله فى البيان عن الاصحاب حرمته مع تعليلهم بالثانى وقيل يجب نزعه لئلا يلقى الله تعالى حاملا لنجاسة اى فى القبر او مطلقا بناء على ما قيل ان العائد اجزاء الميت عند الموت

والمشهور انہ جمیع اجزائہ الاصلیۃ فتعین ان مرادہ الاول ویجری ذلک کلہ فیمن داوی جرحہ او حشاہ بنجس او خاطہ بہ او شق جلدہ فخرج منہ دم کثیر ثم بنی علیہ اللحم لان الدم صار ظاہرا فلم یکف استتارہ کما لو قطعت اذنہ ثم لصقت بحرارۃ الدم وفی الوشم وان فعل بہ صغیرا علی الاوجہ و توہم فرق انما یتأتی من حیث الاثم وعدمہ فمتی امکنہ ازالتہ من غیر مشقۃ فیما لم یتعد بہ وخوف مبیح تیمم فیما تعدی بہ نظیر ما مر فی الوصل لزمہ ولم تصح صلاتہ وتنجس بہ ما لاقاہ والا فلا فتصح امامتہ،

وفی حاشیۃ الشروانی رحمہ اللہ تعالی (ولو وصل عظمہ الخ) ظاہرہ ولو کان الواصل غیر معصوم لکن قیدہ حج بالمعصوم ولعل عدم تقیید الشارح م ر ای والمغنی بالمعصوم جری علی ما قدمہ فی التیمم من ان الزانی المحصن ونحوہ معصوم علی نفسہ وتقیید حج جری علی ما قدمہ ثم من انہ ہدر ع ش (قولہ لاختلالہ) ای بکسر ونحوہ نہایۃ ومغنی (قولہ وخشیۃ مبیح تیمم الخ) یؤخذ منہ انہ لو کان النجس صالحا والطاہر کذلک الا ان الاول یعید العضو لما کان علیہ من غیر شین فاحش والثانی مع الشین الفاحش فینبغی تقدیم الاول ع ش (قولہ من العظم الخ) ولو وجد عظم میتۃ لا یؤکل لحمہا وعظم مغلظ وکل منہما صالح وجب تقدیم الاول ولو وجد عظم میتۃ ما یؤکل وعظم میتۃ ما لا یؤکل من غیر مغلظ وکل منہما صالح تخیر فی التقدیم لانہما مستویان فی النجاسۃ فیما یظہر فیہما وکذا یجب تقدیم عظم الخنزیر علی الکلب للخلاف عندنا فی الخنزیر دون الکلب ع ش (قولہ ومثل ذلک بالاولی الخ) لعل وجہہا ان العظم یدوم ومع ذلک عفی عنہ والدہن ونحوہ مما لا یدوم فہو اولی بالعفو ع ش (قول المتن لفقد الطاہر) ای بمحل یصل الیہ قبل تلف العضو او زیادۃ ضررہ اخذا مما تقدم فیمن عجز عن تکبیرۃ الاحرام او نحوہا حیث قالوا یجب علیہ السفر للتعلم وان طال وفرقوا بینہ وبین ما یطلب منہ الماء فی التیمم بمشقۃ تکرار الطالب للماء بخلافہ ہنا وعبارۃ سم علی حج لم یبین ضابط الفقد ولا یبعد ضبطہ بعدم القدرۃ علیہ بلا مشقۃ

لا تحتمل عادۃ وینبغی وجوب الطلب عند احتمال وجودہ لکن الی حد یجب الطلب منہ انتہی اقول ولا نظر لہذا التوقف ع ش وھو الظاھر وما نقلہ عن سم ھو الموافق لما فی ایدینا من نسخہ وفی البصری بعد نقلہ عبارۃ سم من نسخۃ سقیمۃ ما نصہ وکان فی آخر عبارۃ سم سقطا واصلہا ان وجد بمحل یجب الطلب للماء منہ کأنہ یشیر بذلک الی مجیء التفصیل المار فی التیمم ولیس ببعید اھ (قولہ کأن قال خبیر ثقۃ الخ) وفاقا للمغنی وخلافا للنہایۃ عبارتہ ولو قال اھل الخبرۃ فان لحم الآدمی لا ینجبر سریعا الا بعظم نحو کلب قال الاسنوی فیتجہ انہ عذر وھو قیاس ما ذکروہ فی التیمم فی بطء البرء انتہی وما تفقہہ مردود والفرق بینہما ظاھر وعظم غیرہ من الآدمیین فی تحریم الوصل بہ ووجوب نزعہ کالعظم النجس ولا فرق فی الآدمی بین ان یکون محترما او لا کمرتد وحربی خلافا لبعض المتأخرین فقد نص فی المختصر بقولہ ولا یصل الی ما انکسر من عظمہ الا بعظم ما یؤکل لحمہ ذکیا ویؤخذ منہ انہ لا یجوز الجبر بعظم الآدمی مطلقا فلو وجد نجسا یصلح وعظم آدمی کذلک وجب تقدیم الاول اھ وفی سم بعد ذکرھا ووافقہ ع ش والرشیدی ما نصہ وقضیتہ ای قولہ م ر وجب تقدیم الاول انہ لو لم یجد نجسا یصلح جاز بعظم الآدمی اھ قال ع ش قولہ م ر خلافا لبعض المتأخرین ھو السبکی تبعا للامام وغیرہ منہج ونقلہ المحلی عن قضیۃ کلام التتمۃ وقولہ م ر وھو قیاس ما ذکروا الخ جری علیہ حج وقولہ وعظم غیرہ الخ ای غیر الواصل من الآدمیین و مفہومہ ان عظم نفسہ لا یمتنع وصلہ بہ ونقل عن حج فی شرح العباب جواز ذلک نقلا عن البلقینی وغیرہ لکن عبارۃ ابن عبد الحق وعظم الآدمی ولو من نفسہ فی تحریم الوصل بہ ووجوب نزعہ کالنجس اھ صریحۃ فی الامتناع وینبغی ان محل الامتناع بعظم نفسہ اذا اراد نقلہ الی غیر محلہ اما اذا وصل عظم یدہ بیدہ مثلا فی المحل الذی ابین منہ فالظاھر الجواز لانہ اصلاح للمنفصل منہ ثم ظاھر اطلاق الوصل بعظم الآدمی ای اذا فقد

غایۃ مطلقا انہ لافرق بین کونہ من ذکر او انثی فیجوز للرجل الوصل بعظم الانثی وعکسہ ثم ینبغی انہ لا ینتقض وضوءہ ووضوء غیرہ بمسہ وان کان ظاہرا مکشوفا ولم تحلہ الحیاۃ لان العضو المبان لا ینتقض الوضوء بمسہ الا اذا کان من الفرج واطلق علیہ اسمہ وقولہ م ر مطلقا ای حیث وجد ما یصلح للجبر ولو نجسا وقولہ م ر فلو وجد نجسا ای ولو مغلظا اھ ع ش (قولہ محترم) لیس بقید عند النہایۃ والمغنی کما مر (قولہ فتصح صلاتہ الخ) قال م ر وحیث عذر ولم یجب النزع صار لذلک العظم النجس ولو قبل استتارہ باللحم حکم جزئیۃ الظاہر حتی لا یضر مس غیرہ لہ مع الرطوبۃ وحملہ بہ فی الصلاۃ ولا ینجس ماء قلیلا لاقاہ انتہی اھ سم (قولہ وان وجد الخ) ولم یخف من نزعہ ضررا خلافا لبعض المتأخرین نہایۃ ومغنی (قولہ وینبغی الخ) تقدم عن النہایۃ والمغنی آنفا خلافہ (قولہ وان لم تبح التیمم) قریب لذلک من لزوم اتحاد الشقیقین سم (قولہ مع وجود طاہر الخ) ای او لم یحتج للوصل نہایۃ ومغنی (قولہ محترم) لیس بقید عند النہایۃ والمغنی کما مر (قولہ مع وجود نجس الخ) یفہم انہ لو لم یجد الا عظم آدمی وصل بہ وہو ظاہر وینبغی تقدیم عظم الکافر علی غیرہ وان العالم وغیرہ سواء وان ذلک فی غیر النبی ع ش وفی سم والرشیدی مثلہ الا قولہ وینبغی الخ قول المتن (وجب نزعہ الخ) ای وان لم یکن الواصل مکلفا مختارا عند الشارح کما یاتی فی الوشم ویشترط ان یکون مکلفا مختارا عند النہایۃ والمغنی قول المتن (ان لم یخف ضررا الخ) ینبغی ان یکون موضعہ اذا کان المقلوع منہ ممن یجب علیہ الصلاۃ فان کان ممن لا یجب علیہ الصلوۃ کما لو وصلہ ثم جن فلا یجبر علی قلعہ الا اذا افاق او حاضت لم تجبر الا بعد الطہر ویشہد لذلک ما سیأتی فی عدم النزع اذا مات لعدم تکلیفہ اھ حاشیۃ الشہاب الرملی علی شرح الروض ای ومع ذلک فینبغی انہ اذا لاقی مائعا او ماء قلیلا نجسہ ولو قیل بوجوب النزع علی ولیہ مراعاۃ للاصلح فی حقہ لم یکن بعیدا وقد یتوقف ایضا فی عدم وجوب النزع علی الحائض لان العلۃ فی وجوب النزع حملہ لنجاسۃ تعدی بہا وان لم تصح منہ الصلاۃ لمانع قام بہ ع ش (قولہ ولا تصح صلاتہ الخ) وینبغی علی قیاس ذلک نجاسۃ الماء القلیل والمائع بملاقاۃ عضوہ الموصول

بالنجس قبل استتارہ بالجلد وبعدم صحۃ غسل عضوہ المذکور عن الطہارۃ لنجاسۃ الماء المماس للنجس المتصل بہ بخلاف ما اذا لم یجب النزع فینبغی م ر عدم نجاسۃ الماء القلیل بملاقاتہ وصحۃ غسلہ عن الطہارۃ للعفو عن النجس حینئذ وتنزیلہ منزلۃ جزئہ الطاہر سم (قولہ ولو نحو شین) ظاہرہ ولو کان فی عضو باطن ع ش (قولہ علی الاول) ہو قولہ لان فیہ الخ و (قولہ دون الثانی) ہو قولہ او لسقوط الخ (قولہ علیہ) ای الثانی (قولہ والمشہور) ای الذی ہو مذہب اہل السنۃ مغنی و نہایۃ (قولہ لکن الذی صرح بہ جمع ونقلہ الخ) وہذا ہو المعتمد مغنی ونہایۃ وقضیۃ صحۃ غسلہ وان لم یستتر العظم النجس باللحم مع انہ فی حال الحیاۃ لایصح غسلہ فی ہذہ الحالۃ وکانہم اغتفروا ذلک لضرورۃ ہتک حرمتہ سم علی المنہج اھ ع ش (قولہ الاول) ای فی القبر (قولہ دم کثیر) ای لانہ بفعلہ فلم یعف عنہ مع کثرتہ سم (قولہ کما لو قطعت اذنہ الخ) ای وانفصلت بالکلیۃ بخلاف ما اذا بقی لہا تعلق بجلد ثم لصقت بحرارۃ الدم فلا تلزمہ ازالتہا مطلقا وتصح صلاتہ و امامتہ (قولہ وان فعل بہ صغیرا الخ) ہذا ممنوع بل لا لزوم ہنا وفیما لو اکرہ مطلقا م ر اھ سم عبارۃ النہایۃ فعلم من ذلک ای من ان الوشم کالجابر فی تفصیلہ المذکور ان من فعل الوشم برضاہ فی حال تکلیفہ ولم یخف من ازالتہ ضررا یبیح التیمم منع ارتفاع الحدث عن محلہ لتنجسہ والا عذر فی بقائہ وعفی عنہ بالنسبۃ لہ ولغیرہ وصحت طہارتہ وامامتہ وحیث لم یعذر فیہ ولاقی ماء قلیلا او مائعا او رطبا نجسہ کذا افتی بہ الوالد رحمہ اللہ تعالی اھ وفی المغنی ما یوافقہ وعبارۃ ع ش قال فی الذخائر فی العظم قال بعض اصحابنا ہذا الکلام فیہ اذ فعلہ بنفسہ او فعل بہ باختیارہ فان فعل بہ مکرہا لم تلزمہ ازالتہ قولا واحدا قلت وفی معناہ الصبی اذا وشمتہ امہ بغیر اختیارہ فبلغ واما الکافر اذا وشم نفسہ او وشم باختیارہ فی الشرک ثم اسلم فالمتجہ وجوب الکشط علیہ بعد الاسلام لتعدیہ ولانہ کان عاصیا بالفعل بخلاف المکرہ والصبی سم علی المنہج اھ (قولہ فیما لم یتعد بہ) ای علی بحثہ السابق فی سم ای بقولہ وینبغی حملہ الخ الذی خالفہ النہایۃ والمغنی کما مر (تحفۃ المحتاج ص ۱۲۵ تا ۱۲۶ ج ۲)

نووی، ہیتمی اور شروانی رحمہم اللہ تعالیٰ کے مباحث مذکورہ سے امور ذیل مستفاد ہوئے:

① امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی نصّ صریح کے خلاف ان کے مقلدین کے اقوال میں غیر معمولی اختلاف و اضطراب ہے۔

② ہم نے ابتداء بحث میں اکل عضو کی بنسبت ترقیع کے زیادہ قبیح ہونے کی دو وجوہ تحریر کی ہیں، جن میں دوسری یہ ہے کہ اکل میں افناء ہے اور ترقیع میں ابقاء، اس کی تائید علامہ شروانی رحمہ اللہ تعالیٰ اور انکے اسلاف سے بھی ہوگئی، حیث قال:

(قوله ومثل ذلك بالاولی الخ) لعل وجهها ان العظم يدوم ومع ذلك عفی عنه والدهن ونحوه مما لا يدوم فهو اولی بالعفو ع ش (تحفۃ المحتاج ج ۲ ص ۱۲۵)

③ ہم نے یہ بھی لکھا ہے کہ انسان کے اپنے عضو سے ترقیع کو عضو کے اصل مقام میں اعادہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں،

علامہ شروانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کی تائید بھی مل گئی، ونصہ:

وينبغی ان محل الامتناع بعظم نفسه اذا اراد نقله الی غير محله اما اذا وصل عظم يده بيده مثلاً فی المحل الذی ابين منه فالظاهر الجواز لانه اصلاح للمنفصل عنه (تحفۃ المحتاج ج ۲ ص ۱۲۶)

④ علامہ ہیتمی و علامہ شروانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے عضو مقطوع کے اصل مقام سے الصاق بحرارۃ الدم کو ممنوع قرار دیا ہے،

قال العلامۃ الهيتمی رحمه الله تعالیٰ:

ويجری ذلك كله فيمن داوی جرحه او حشاه بنجس او خاطه به او شق جلده فخرج منه دم كثير ثم بنی عليه اللحم لان الدم صار ظاهرا فلم يكف استتاره كما لو قطعت اذنه ثم لصقت بحرارة الدم۔

وقال العلامۃ الشروانی رحمه الله تعالیٰ: (قوله كما لو قطعت اذنه الخ) ای وانفصلت بالكلية بخلاف ما اذا بقی لها تعلق بجلد ثم لصقت بحرارة الدم فلا تلزمه ازالتها مطلقا وتصح صلاته وامامته (تحفۃ المحتاج ص ۱۲۷ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

رشید احمد

غرۃ رمضان ۱۴۱۰ھ عند نداء العصر

ومن الناس من يشتري لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم ويتخذها هزوا أولئك لهم عذاب مهين (۳۱ — ۶)

افاضہ

حضرت فقیہ العصر دامت برکاتہم

تحریر

حضرت مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی مدظلہ

مکتبۂ فاروق

ٹی وی کے مفاسد :

تصویر سازی کی لعنت

تصویر بینی کی لعنت

تصویر نمائی کی لعنت

ملائکہ رحمت کی بجائے ملائکہ لعنت

مال ضائع کرنا

گانا باجا سننے کی لعنت

حیاء اور شرم وغیرت کا جنازہ

دل کی سیاہی اور ظلمت وکدورت

دل میں گناہوں سے الفت پیدا ہونا

وقت جیسی قیمتی دولت ضائع کرنا

صحت جسمانیہ ، دماغ ، اعصاب اور بینائی کا دیوالہ

جرائم کی تعلیم اور دنیا میں جرائم پھیلانا

شعائر دین کی بے حرمتی

ٹی وی کے احکام :

ٹی وی دیکھنا ، خریدنا ، بیچنا ، مرمت کرنا حرام ہے۔

ایسے لوگوں کی اذان ، اقامت ، امامت جائز نہیں۔

ان کی شہادت قبول نہیں۔

ٹی وی کی لعنت

سوال: ٹی وی آجکل گھر گھر میں موجود ہے، کیا بے دین، کیا دیندار، سبھی لوگ شوق سے اسے دیکھتے ہیں، لوگوں کا کہنا ہے کہ اس میں کوئی گناہ نہیں بلکہ آجکل ٹی وی ذریعۂ تعلیم ہے، اسمیں خانۂ کعبہ، مسجد نبوی، فیصل مسجد، جدید ایجادات، نت نئی مشینریاں اور دنیا بھر کے عجائبات دکھائے جاتے ہیں، مزید براں علماء کرام کی تقاریر، نعتیں اور قرآن مجید کی تلاوت سنائی جاتی ہے۔

غرض یہ بڑوں اور بچوں کی تعلیم و تربیت کا بہترین ذریعہ ہے۔

کیا ان فوائد کے پیشِ نظر ٹی وی رکھنا یا دیکھنا شرعاً درست ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

ٹی وی کی تباہ کاریاں کسی ذی ہوش انسان پر مخفی نہیں، موجودہ معاشرے میں ٹی وی کا کردار دیکھتے ہوئے بھی کوئی شخص اس کے منافع گنانے پر مصر ہے تو اس کی مثال اس احمق سے کچھ مختلف نہیں جس کے سامنے آگ کا الاؤ جل رہا ہے اس کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں اور اس کی لپٹ ارد گرد کی ہر چیز کو جھلسائے دے رہی ہے۔ عقلمند لوگ تو یہ منظر دیکھ کر دُور دُور بھاگ رہے ہیں، مگر یہ ڈھٹائی سے کھڑا آگ کے منافع گنا رہا ہے، اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ مجھے یا تو قائل کرو ورنہ میں بیوی بچوں سمیت اس دہکتی آگ میں کود جاؤں گا۔ ایسے شخص کو کیا جواب دیا جائے سوائے اس کے کہ اپنے دماغ کا علاج کراؤ؟

غرض ٹی وی کے مفاسد اور اس کی زیاں کاریاں کوئی نظریاتی مسئلہ نہیں کہ دلائل کے ذریعہ اسے سمجھایا جائے، یہ تو ایک چشم دید حقیقت اور سامنے کی بات ہے کہ ٹی وی کی لعنت انسانی معاشرے کے صحت مند ڈھانچے کو ٹی بی کی طرح تلپٹ کئے جا رہی ہے، مگر افسوس! کہ اسکی رنگینیوں نے اچھے بھلے لوگوں کی نظروں کو خیرہ کر دیا ہے، اس لئے ہم قدرے تفصیل سے اس کے مفاسد پر روشنی ڈالتے ہیں، شاید کسی چشم بینا کے لئے بصیرت کا سامان بن جائے۔

ٹی وی کے مفاسد:

(۱) تصویر بینی:

ٹی وی میں تصویر دیکھنا کہنے کو تو ایک گناہ ہے مگر بنظر غائر دیکھا جائے تو لاتعداد گناہوں کا پشتارہ ہے، مثلاً:

(۱) آلۂ معصیت کا استعمال۔

(۲) اس کی خریداری پر مال ضائع کرنا۔

(۳) تصویر سازی۔

(۴) تصویر بینی۔

(۵) تصویر نمائی۔

(۶) ملائکہ رحمت سے دوری۔

(۷) استحقاق لعنت۔

(۸) کفار سے مشابہت۔

(۹) مردوں کا غیر محرم عورتوں کو دیکھنا۔

(۱۰) غیر محرم عورتوں کی آواز سننا۔

(۱۱) عورتوں کا غیر محرم مردوں کو دیکھنا۔

(۱۲) بلاضرورت غیر محرم مردوں کی آواز سننا۔

(۱۳) پہلوان، تیراک اور کھلاڑی عموماً نیم برہنہ ہوتے ہیں، انھیں دیکھنے کا گناہ۔

تقریباً یہ تمام گناہ اپنی جگہ کبیرہ اور سخت وعیدوں کے مصداق ہیں۔ مثلاً آلات معصیت اور ان میں مال ضائع کرنے کے متعلق ارشاد ہے:

ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا ھزوا اولئک لھم عذاب مھین (۳۱: ۶)

"اور بعضا آدمی ایسا ہے جو ان باتوں کا خریدار بنتا ہے جو غافل کرنے والی ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے بوجھے گمراہ کرے، اور اس کا مذاق اڑائے، ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔"

لھو الحدیث کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

الغناء والذی لا الٰہ الا ھو یرددھا ثلاث مرات (تفسیر ابن جریر ص۳۶ ج۲۱)

"اس سے مراد گانا ہے، اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، تین بار یہ جملہ دہرایا۔"

امام مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ھو اشتراء المغنی والمغنیۃ والاستماع الیہ والیٰ مثلہ من الباطل۔

(تفسیر ابن جریر ص۳۷ ج۲۱)

"اس سے مراد گانے والا غلام یا گانے والی لونڈی خریدنا اور ان سے گانا سننا اور گانے جیسی دیگر خرافات سننا ہے۔"

تصویر احادیث کی روشنی میں:

رحمت الٰہیہ سے دوری کا سبب ہے۔

صفت تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا مقابلہ ہے۔

مستوجب اشد العذاب ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر ساز پر لعنت بھیجی۔

یہ تمام احادیث مفصل طور پر ہم نے رسالہ "النذیر العریان عن عذاب صورۃ الحیوان" میں درج کر دی ہیں۔

عورتوں کی بے پردگی اور عریانی تو حکومت الٰہیہ سے کھلی بغاوت کا اعلان ہے، پردہ سے متعلق متعدد قرآنی آیات کے علاوہ ستر سے زائد احادیث منقول ہیں، پردہ کے مفصل احکام رسالہ "ہدایۃ المرتاب فی فرضیۃ الحجاب" (پردۂ شرعی قرآن کی روشنی میں) میں ملاحظہ ہوں۔

ٹی وی دیکھنے والے بیک وقت ان تمام گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں، اگر کسی میں شمہ برابر بھی عقل وادراک اور ایمانی رحس ہو تو سوچ کر فیصلہ کرے کہ اس دوران کیا کھو رہا ہے؟ کیا پا رہا ہے؟

(۲) غناء و مزامیر سننے کا گناہ:

ساز باجے اور گانے بھی ٹی وی کا لازمہ ہیں، یوں تو یہ کام بہر حال قطعی حرام ہے مگر چونکہ کار پردازان ٹی وی نے ہر گناہ کو بام عروج تک پہنچانے کا ٹھیکہ اٹھایا ہے اس لئے ٹی وی کے گانے فحش سے فحش ہوتے ہیں اور بالعموم فاحشہ عورتوں کی آواز میں پیش کئے جاتے ہیں،

عورتیں بھی کیسی ؟ بے پردہ جوان ! نیم عریاں ! متحرک و رقصاں ! اور پوری طرح فتنہ ساماں !

ظلمٰت بعضہا فوق بعض۔

گانا بجانا حدیث کی رو سے دل میں نفاق کی تخم ریزی کرتا ہے :

الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء الزرع (ابوداؤد، بیہقی)

"گانا دل میں نفاق کو اگاتا ہے جیسا کہ پانی کھیتی کو اگاتا ہے۔"

نیز گانے کو زنا کا منتر کہا گیا ہے :

الغناء رقیۃ الزنا (تلبیس ابلیس ص۲۹)

"گانا زنا کا منتر ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے ارشاد :

واستفزز من استطعت منہم بصوتک میں جس شیطانی آواز کا ذکر ہے اس کی ایک معروف تفسیر گانے بجانے سے کی گئی ہے (تفسیر ابن جریر ص۱۵/۸۱ وعامۃ التفاسیر) گانے بجانے کے متعلق مفصّل روایات ہم نے رسالہ "المصابیح الغرار للوقایۃ عن عذاب الغنار" میں درج کر دی ہیں۔

غرضیکہ یہ گناہ ٹی وی کے گناہوں میں نمایاں ترین گناہ ہے اور اکثر ٹی وی بین اس میں مبتلا ہیں، بسا اوقات ان کے گھروں سے راگ باجوں اور فلمی گانوں کا وہ شور اٹھتا ہے کہ آس پاس کے لوگوں کو کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی، ان کا کاروبار تلپٹ، نیندیں حرام اور جینا دو بھر ہو جاتا ہے، ایسا بھی بارہا دیکھنے میں آیا کہ کسی مسجد کے متصل مکان یا دوکان سے ٹی وی کا شور بلند ہوا اور بیچارے نمازیوں کی نماز غارت کر کے رکھدی، بندہ نے خود دیکھا :

"بیچارے بوڑھے نمازی چیخ چیخ اٹھے کہ خدارا ہمیں نماز تو پڑھ لینے دو۔"

کوئی بتائے کہ یہ مسلمانوں کی ادائیں ہیں یا کفار کی حرکتیں ؟ ع

عار دارد کفر از اسلام تو

پڑوسی خواہ کافر ہی کیوں نہ ہو اس کے حقوق کا اندازہ ان احادیث سے لگا لیجئے :

واللہ لایؤمن ! واللہ لایؤمن ! واللہ لایؤمن ! قیل من یا رسول اللہ ! قال الذی لایأمن جارہ بوائقہ (بخاری ومسلم)

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، واللہ! مؤمن نہیں ہوسکتا، واللہ! مؤمن نہیں ہوسکتا، واللہ! مؤمن نہیں ہوسکتا۔ عرض کیا گیا: کون یا رسول اللہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ شخص جس کی ایذا سے پڑوسی محفوظ نہیں۔“

مزید ارشاد فرمایا:

من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلا یؤذ جارہ (بخاری ومسلم)

”جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو ایذاء نہ دے۔“

(۳) حیاء وغیرت کا جنازہ نکل جانا:

حیاء شعبۂ ایمان اور جوہر انسان ہے، حدیث میں ہے:

الحیاء شعبۃ من الایمان (بخاری ومسلم)

”شرم وحیاء ایمان کی شاخ ہے۔“

اذا لم تستحی فاصنع ماشئت (بخاری ومسلم)

”بیحیا باش وہرچہ خواہی کن۔“

مگر ٹی وی، وی سی آر اور سنیماؤں کی بہتات نے دنیا کو بیحیائی کا گہوارہ بنادیا ہے، ہر سو بے پردگی، عریانی اور فواحش ومنکرات کی یلغار ہے۔

ٹی وی کی ایجاد سے پہلے ہر منکر کا دائرۂ فساد اس کے وجود تک محدود تھا، اس طرح ہر شخص کے لئے ہر آن ہر گناہ میں شرکت ممکن نہ تھی، مگر ٹی وی کی ایجاد نے اس ناممکن کو ممکن بنادیا، دنیا بھر کی بیحیائی، ناگفتنی ہر طرف سے سمٹ کر بیک وقت ٹی وی میں سماگئی۔

ہمارے ذرائع ابلاغ معاشرہ میں بیحیائی کو کس قدر فروغ دے رہے ہیں؟ اس کا اندازہ کسی شخص کے لئے مشکل نہیں، زنا، ہم جنس پرستی بلکہ جانوروں سے بدفعلی اس بدقسمت معاشرہ میں کوئی انہونے واقعات نہیں رہے، نوبت بایں جا رسید کہ اب سگے بہن بھائیوں بلکہ باپ بیٹی تک میں ناجائز تعلقات کے واقعات رونما ہورہے ہیں، یالیتنی مت قبل ھذا و.....

(۴) دل پر کدورت چھانا:

گناہوں کی نحوست سے انسان کے دل پر سیاہی چھاجاتی ہے، کما جاء فی الحدیث، ٹی وی دیکھنے کا یہ نتیجہ بدیہی عام طور پر مشاہد ہے، کسی بھی ٹی وی بین سے اس موضوع

پر گفتگو کرکے دیکھ لیجئے، سیدھے منہ گناہ کا اعتراف کرنے کی بجائے ٹی وی کے فوائد گنانا شروع کر دیگا، ایک قطعی حرام کو جائز قرار دینے کا یہ رجحان دینی لحاظ سے جتنا کچھ خطرناک ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

⑤ گناہ کی شناعت دل سے نکل جانا:

جو لوگ ٹی وی کی لعنت کو جائز نہیں سمجھتے مگر دیکھنے سے باز بھی نہیں آتے وہ اس شیطانی فریب میں تو یقیناً مبتلا ہیں کہ نجات کے لئے ترک منکرات کی ضرورت نہیں، بلکہ صدقہ وخیرات' خواہ مالِ حرام ہی سے ہو، اور اذکار واوراد و نوافل کا اہتمام نجات کے لئے کافی ہے، حالانکہ مسلمان کے دین کے لئے گناہ سم قاتل ہیں۔

بعض گناہوں کا زہر تو اتنا متعدی ہوتا ہے کہ وہ انسان کی نیکیوں کو بھی غارت کر دیتا ہے۔ اس لئے قرآن وحدیث میں جس قدر زور گناہوں سے اجتناب پر دیا گیا ہے اتنا زور کسی نفل عبادت پر نہیں دیا گیا، مثلاً:

وذروا ظاهر الاثم وباطنه الآية

لا تقربوا الزنا الآية

لا تقربوا الفواحش الآية

يا ايها الناس اتقوا ربكم الآية

وغيرها من آيات كثيرة۔

اتق المحارم الحديث

والمهاجر من هجر ما نهى الله عنه۔

المهاجر من هجر الخطايا والذنوب۔

والمجاهد من جاهد نفسه۔

ليس الشديد بالصرعة الحديث۔

وغيرها من احاديث كثيرة شهيرة۔

گناہ چھوڑنے کی بجائے جو شخص صرف نفل عبادات میں کوشاں ہے اور انہی کو وسیلۂ نجات قرار دیتا ہے اس کی مثال اس احمق سے چنداں مختلف نہیں جو ایک سرنگوں گرتی عمارت کی بنیادیں مستحکم کرنیکی بجائے اسکی کھوکھلی دیواروں پر رنگ و روغن کرنے میں مصروف ہے۔

⑥ قیمتی وقت کا ضیاع :

اس فانی زندگی کے چند گنے چنے سانس انسان کا سرمایۂ حیات ہیں اس کا ایک ایک لمحہ دنیا و مافیہا سے گراں بہا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :

من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ (مالک، احمد، ترمذی)

"مسلمان کے دین کی خوبی یہ ہے کہ بے فائدہ کام چھوڑ دے"

اور ارشاد ہے :

علامۃ اعراضہ تعالیٰ عن العبد اشتغالہ بمالا یعنیہ (مکتوبات امام ربانی)

"انسان کا کسی بے فائدہ کام میں مشغول ہونا اس کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہیں"

مزید ارشاد ہے :

لیس یتحسر اھل الجنۃ الا علی ساعۃ مرت بھم ولم یذکر اللہ تعالیٰ فیھا

(طبرانی کبیر، ابن السنی)

"اہل جنت کو کسی چیز پر حسرت نہ ہوگی سوائے اس گھڑی کے جو ذکر اللہ سے غفلت میں گزری"

وہ غفلت کیش مسلمان جن کا کوئی دن ٹی وی دیکھے بغیر نہیں گزرتا کسی دن بیٹھ کر سوچیں کہ آنے والی زندگی میں اپنے لئے کتنی بڑی حسرت کا سامان کر رہے ہیں۔

⑦ صحت جسمانیہ بالخصوص دماغی صلاحیتوں اور بینائی کا دیوالا نکل جانا :

جسمانی صحت اور اعضاء کی سلامتی ہزار نعمتوں کی ایک نعمت ہے، مگر اکثر لوگ اس نعمتِ بے بہا کی قدر و قیمت سے بے خبر ہیں، حدیث میں ہے :

نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس الصحۃ والفراغ (بخاری)

"تندرستی اور فراغت دو ایسی نعمتیں ہیں جن میں اکثر لوگ نقصان میں ہیں" ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

ٹی وی کے پرستار اتنے بڑے نقصان سے آنکھیں بند کئے جسم و جان ایسی متاعِ عزیز کو بھی داؤ پر لگا رہے ہیں۔

جب سے ٹی وی کی ایجاد ہوئی ہے ڈاکٹر اس کے جسمانی نقصانات سے آگاہ کرتے آرہے ہیں، جرمنی کا مشہور ڈاکٹر والٹر بوہلر لکھتا ہے:

"بعض چھوٹے چھوٹے جانور چوہا چڑیا وغیرہ اگر ٹی وی کے سامنے رکھدیئے جائیں تو اس کی اسکرین کی شعاعوں کی تیزی سے کچھ دیر کے بعد یہ مرجائیں۔"

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انسانی صحت اس سے کس قدر متأثر ہوتی ہوگی؟

یہاں کراچی میں ایک لڑکی کی دماغ کی رگ پھٹ گئی، دماغی امراض کے مشہور اسپیشلسٹ ڈاکٹر جمعہ خاں نے معاینہ کرکے بتایا:

"یہ دماغی رگ ٹی وی دیکھنے سے پھٹی ہے۔"

ایک لڑکی آنکھوں کے اسپیشلسٹ کے پاس نظر ٹیسٹ کرانے آئی، ڈاکٹر نے کہا:

"اس کی نظر ٹی وی دیکھنے سے کمزور ہورہی ہے۔"

اس قسم کے واقعات حدِ احصار سے باہر ہیں، کہاں تک درج کئے جائیں؟

ماہرینِ فن کا فیصلہ ہے کہ ایک کمرے میں ٹی وی چل رہا ہو تو ساتھ والے کمرے میں بیٹھنے والے لوگوں کی صحت بھی اس سے متأثر ہوتی ہے۔

یہ بھی سامنے کی بات ہے کہ جن لڑکوں کو ٹی وی کی لت پڑجاتی ہے وہ پڑھنے سے تو اُچاٹ ہو ہی جاتے ہیں کسی اور کام کے بھی نہیں رہتے نہ دین کے نہ دنیا کے۔

خسر الدنیا والاٰخرۃ

"دنیا و آخرت دونوں تباہ"

یہ نقصان کا ایک پہلو تھا دوسری طرف نوخیز لڑکوں لڑکیوں میں شہوانی جذبات اور جنسی انارکی کی جو آگ ٹی وی اور وی سی آر نے برپا کی ہے اس کی تپش سے پورا معاشرہ سلگ رہا ہے، عشق و محبت کی فحش داستانیں اور مرد و عورت کے ملاپ کے ناگفتہ بہ ننگے مناظر پیش کرکرکے وہ خام ذہنوں کے جنسی جذبات کو مسلسل انگیخت کرتے ہیں، نتیجہ یہ کہ یہ لاشعور نئی نسل بالغ ہونے سے پہلے ہی بالغ ہورہی ہے، پھر وفورِ جذبات سے بے قابو ہوکر تسکین کے لئے وہ غیر فطری طور طریقے اختیار کررہی ہے جنہیں صفحۂ قرطاس پر لانے سے قلم شرمارہا ہے۔ ع

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

ایک شخص اپنی روسیاہی کا قصہ لکھ کر بغرض استفتاء خود دارالافتاء میں آیا جس کا خلاصہ یہ ہے:

"وہ، اس کی بیوی اور بیٹی وی سی آر دیکھ رہے تھے، کچھ دیر بعد بیوی بستر پر جاکر سو گئی تو اس نے اپنی بیٹی سے منہ کالا کیا اور مکمل طور پر کیا۔"

بیوی کو علم ہو گیا ہوگا، اس نے استفتاء پر مجبور کیا ہوگا، ورنہ ٹی وی، وی سی آر کے سامنے یہ بہت معمولی بات ہے، واللہ علم روزانہ کتنے ایسے واقعات ہو رہے ہیں۔ ایسی قوم طرح طرح کے عذابوں میں نہ پسے تو اور کیا ہو؟

آفرین ہے ان سنگ دل والدین پر جو یہ سب کچھ سننے دیکھنے کے باوجود بچوں کی تفریح اور ذہنی نشوونما کے لئے گھر میں ٹی وی رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ع

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اپنے جگر گوشوں کے ساتھ اس سے بڑھ کر دشمنی کا مظاہرہ کیا ہوگا؟

قرآن مجید علی الاعلان کہہ رہا ہے:

یاایھا الذین اٰمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا وقودھا الناس والحجارۃ الآیۃ (۶۶: ۶)

"اے ایمان والو! تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔"

اس کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

روی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال حین نزلت یا رسول اللہ! نقی انفسنا فکیف لنا باھلینا فقال علیہ الصلوٰۃ والسلام تنھوھن عما نھاکم اللہ عنہ وتأمروھن بما امرکم اللہ بہ فیکون ذلک وقایۃ بینھن وبین النار۔

واخرج ابن المنذر والحاکم وصححہ وجماعۃ عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال فی الاٰیۃ علموا انفسکم واھلیکم الخیر وادبوھم۔

والمراد بالاھل علی ما قیل ما یشمل الزوجۃ والولد والعبد والامۃ واستدل بھا علی انہ یجب علی الرجل تعلم ما یجب من الفرائض وتعلیمہ لھؤلاء۔

وادخل بعضھم الاولاد فی الانفس لان الولد بعض من ابیہ۔

وفی الحدیث رحم اللہ رجلا قال یا اھلاہ صلوتکم صیامکم زکاتکم

مسکینکم یتیمکم جیرانکم لعل اللّٰہ یجمعکم معہٗ فی الجنۃ۔

وقیل ان اشد الناس عذابًا یوم القیٰمۃ من جہل اہلہ (روح المعانی ص۱۳۶ ج۲۸)

"جب یہ آیت اُتری تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنی جانوں کا تو دوزخ سے بچاؤ کرتے ہیں اپنے گھر والوں کو کیسے بچائیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے تمھیں منع فرمایا ہے ان سے انھیں منع کرو، اور جن کاموں کا تمھیں حکم فرمایا ہے ان کا انھیں حکم کرو، سو یہ چیز ان کے لئے آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بن جائے گی۔

امام ابن المنذر وامام حاکم نے اپنی تصحیح کے ساتھ اور محدثین کی ایک جماعت نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کی تفسیر یوں نقل کی ہے:

"اپنے نفسوں کو اور اپنے گھر والوں کو خیر کی تعلیم دو اور انھیں دین کے طور طریقے سکھاؤ۔"

اور آیت میں اہل سے بیوی، اولاد، غلام اور لونڈی مراد ہیں، آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ مسلمان پر تمام فرائض کا سیکھنا اور مذکورہ افراد کو سکھانا واجب ہے۔

اور بعض حضرات نے اولاد کو انفس میں داخل کیا ہے اسلئے کہ اولاد بھی باپ کا جزء ہے۔

اور حدیث میں ہے: اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جو گھر والوں کو بیدار رکھے کہ اے اہل خانہ! اپنی نماز، روزے اور زکوٰۃ کی فکر کرو، اپنے مسکین، یتیم اور پڑوسیوں کی خبرگیری کرو، شاید اللہ تعالیٰ تمھیں انکے ساتھ جنت میں جمع کر دے

کہا گیا ہے کہ روز قیامت شدید ترین عذاب اس شخص کو ہوگا جس نے اپنے گھر والوں کو دین سے بے خبر جاہل رکھا۔"

مگر یہاں "جب باڑھ ہی کھیت کو کھانے لگے تو رکھوالی کون کرے" کے مصداق والدین خود اولاد کو دین سے برگشتہ کر رہے ہیں، ٹی وی اور وی سی آر کے ذریعہ اسے گناہوں کا رسیا

بنا رہے ہیں، یہی اولاد پل بڑھ کر کل والدین کے سر ہو جائے انھیں گالیاں بکے ان سے غیر انسانی سلوک کرے تو اچنبھے کی بات نہیں، کہ یہ اسکول وکالج اور ٹی وی، وی سی آر کی تعلیم و تربیت کا منطقی نتیجہ ہے۔ "جیسی کرنی ویسی بھرنی" دنیا کا مسلم اصول ہے، آخرت میں بھی یہ اولاد یقیناً والدین کی گریبان گیر ہوگی۔

⑧ جرائم کو ہوا دینا:

ٹی وی صرف تفریح و تماشہ یا طرب وعیش کا ہی ایک آلہ نہیں بلکہ دنیا میں رونما ہونے والے بڑے بڑے جرائم کا "ٹریننگ سینٹر" بھی ہے، اخباروں میں اس قسم کی خبریں بارہا شائع ہو چکی ہیں کہ بڑی بڑی وارداتوں میں پکڑے جانے والے نوجوانوں نے سزایاب ہونے کے بعد از خود اعتراف کیا:

"ڈکیتی کا یہ پروگرام ہم نے فلاں ٹی وی ڈرامہ دیکھ کر ترتیب دیا تھا"

جنوبی افریقہ کی "مجلس علماء" کی جانب سے شائع شدہ کتاب "اسلام اینڈ ٹیلیویژن" میں واقعہ لکھا ہے:

"ٹی وی میں پیش کیا گیا "عورت کی آبروریزی کا منظر" حقیقت بن کر سامنے آگیا جب ایک بدمعاش ہو بہو اسی طرح چھری چاقو لیکر ایک عورت کے گھر گھس گیا، اسکی آبروریزی کی اور رقم چھین کر بھاگ گیا، تفتیش کے لئے اس کے گھر پولیس آئی تو پولیس افسر بے ساختہ بول اٹھا:

"ملزم نے یقیناً وہ ٹی وی ڈرامہ دیکھ کر ہی یہ واردات کی ہے جس میں یہ منظر پیش کیا گیا تھا"

⑨ شعائر دینیہ کی بے حرمتی:

ٹی وی میں ضمنی طور پر کچھ دینی پروگرام مثلاً حج کے مناظر، اذان، تلاوت اور نعتیہ کلام وغیرہ پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ دین کی کوئی خدمت نہیں بلکہ دینی احکام کے ساتھ بھونڈا مذاق ہے، قرآن مجید نے اسے کفار کا عمل بتا کر مسلمانوں کو ان سے بیزار رہنے کی تاکید فرمائی ہے:

یٰایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزوا ولعبا من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم والکفار اولیاء واتقوا اللہ ان کنتم مؤمنین (۵: ۵۷)

"اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے جو ایسے ہیں کہ انھوں

نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے ان کو اور دوسرے کفار کو دوست مت بناؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو۔"

اس میں دین کی بے وقعتی تو ہے ہی مزید ایک بڑا مفسدہ یہ ہے کہ عوام ٹی وی کی ایسی بیحیائی کو جائز مباح بلکہ اشاعت دین کا ایک ذریعہ باور کرنے لگے ہیں۔

(۱۰) معاشرے میں مذکورہ بالا تمام گناہوں کی تشہیر و ترویج کا وبال عظیم :

ٹی وی، وی سی آر کے ذریعہ دنیا بھر میں جتنی بیحیائی پھیل رہی ہے اسمیں انکے تمام پرستار (تاجر، خریدار، مشتہر، بنانے اور مرمّت کرنے والے، دیکھنے دکھانے والے) سب برابر کے شریک و حصّہ دار ہیں، کسی نیکی یا بُرائی میں حصہ دار بننے کے لئے اس تک چل کر جانا اور بنفس نفیس شریک ہونا ضروری نہیں بلکہ گھر بیٹھے اسے سراہنا، دل سے راضی رہنا یا کسی بھی انداز سے اس کی حوصلہ افزائی کرنا اسمیں شرکت کے مترادف ہے، چنانچہ حدیث ہے :

اذا عملت الخطیئۃ فی الارض فمن شھدھا فکرھھا کان کمن غاب عنھا و من غاب عنھا فرضیھا کان کمن شھدھا (ای باشرھا وشارک اھلھا) (سنن ابی داؤد ص ۲۴۹ ج ۲)

"جب زمین میں کہیں گناہ ہوتا ہے تو جو شخص موقع پر موجود ہونے کے باوجود اسے دل سے ناپسند کرے تو وہ (حکماً) اس شخص کی مانند ہے جو اس سے غائب ہو۔ اور جو شخص وہاں سے غائب ہونیکے باوجود اس پر دل سے راضی ہو وہ (حکماً) اس شخص کی مانند ہے جو موقع پر موجود (اور شریک گناہ) ہے۔"

یہ ظاہر و باہر حقیقت محتاج دلیل نہیں کہ اس وقت پورے انسانی معاشرہ میں فحاشی و عریانی کو فروغ دینے میں جو کردار اکیلا ٹی وی ادا کر رہا ہے وہ دنیا بھر کی رنڈیاں، بھانڈ، بھڑوے میراثی مل کر بھی ادا نہ کر سکتے، ٹی وی نے گھر گھر سنیما ہال کھولدیئے۔ کچھ عرصہ پیشتر جس گناہ کے ارتکاب کے لئے لوگ اوٹ تلاش کرتے تھے آج ٹی وی کی بدولت وہ گناہ نہ صرف جائز قرار پایا بلکہ فیشن بن چکا ہے، گناہوں کی اس بہتات نے معاشرہ کو جہنم کدہ بنا دیا ہے۔ اس تمام بگاڑ کا سہرا انہی لوگوں کے سر ہے جو اس "سرچشمۂ فساد" کی تشہیر و ترویج میں کسی بھی درجہ میں دخیل ہیں، یہ لوگ فقط اپنی ذات کے ہی نہیں بلکہ پورے معاشرہ کے بدخواہ اور دشمن ہیں، اور اس قرآنی وعید میں داخل ہیں :

انّ الّذین یحبّون ان تشیع الفاحشۃ فی الّذین اٰمنوا لھم عذاب الیم فی

الدنیا والاٰخرۃ واللّٰہ یعلم وانتم لا تعلمون (۲۴ : ۱۹)

"جو لوگ چاہتے ہیں کہ بیحیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

عذرِ گناہ :

ٹی وی کے ان مہیب اور ہولناک نتائج کو دیکھ کر کوئی بھی ذی ہوش انسان اسے اپنے لئے، اپنی اولاد کے لئے یا معاشرہ کے کسی فرد کے لئے مفید قرار نہیں دے سکتا، مگر اس موٹی سی حقیقت کو سمجھنے کے لئے بھی کچھ انسانی حس درکار ہے، افسوس کہ ٹی وی اپنے دلدادوں کے دل و دماغ سے اس "حس" کو کھرچ کھرچ کر ایسا صاف کر دیتی ہے کہ انھیں خیر و شر کے درمیان کوئی تمیز نہیں رہتی۔

سوال میں مذکور تقریر جس میں ٹی وی کے فائدے گنائے گئے ہیں انہی ٹی وی گزیدہ لوگوں کی زبانی دہرائی گئی ہے۔ ان سے کوئی پوچھے کہ دنیا کی وہ کون سی برائی ہے جسے تمہاری اس منطق کی رُو سے خیر و بھلائی ثابت نہیں کیا جا سکتا؟ کیا آدم خور درندے، سانپ، بچھو، سنکھیا بھی اپنے اندر فائدے کا ایک پہلو نہیں رکھتے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ کوئی احمق سے احمق انسان بھی انھیں ہاتھ لگانے کو تیار نہیں؟ سچ ہے :

"بے دینی کی سب سے پہلی زد عقل پر پڑتی ہے۔"

بعض لوگ ٹی وی کے طرفداروں کی یہ تقریر سُن کر کہ "ٹی وی کی سکرین پر براہِ راست پیش ہونے والے مناظر تصویر نہیں بلکہ عکس ہیں" طول طویل بحث چھیڑ دیتے ہیں۔

ہم اس بحث کو اس لئے بے سود سمجھتے ہیں کہ ٹی وی کا اصل حکم اس پر موقوف نہیں، یہ مناظر تصویر ہوں تو بھی حرام ہیں عکس ہوں تو بھی قطعی حرام۔ اگر بقول انکے یہ عکس ہے تو بھی بے پردہ فاحشہ عورتوں کے عکس دیکھنا کس نے جائز قرار دیا؟ عورتوں کیلئے نیم برہنہ مردوں کے عکس دیکھنے کی کس نے اجازت دی؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ عکس ایک پہلو سے اصل صورت سے بھی زیادہ مہلک اور خطرناک ہے، کہنے والے نے سچ ہی کہا ہے ؎

تری تصویر میں اک چیز تجھ سے بھی نرالی ہے ✽ کہ جتنا چاہو چپکا لو نہ جھڑکی ہے نہ گالی ہے

اگر اسے عکس تسلیم کر کے ہم جائز قرار دیں تو خارجی مفاسد کی بنا پر ایک جائز کام بھی ناجائز ہو جاتا ہے، اور ٹی وی تو ہے ہی "مجمعۂ فساد" اس کے تمام مفاسد سے آنکھیں بند

کر کے اسے جائز کیسے قرار دیا جائے؟

اگر خارجی مفاسد سے بھی قطع نظر کرتے ہوئے یہ فرض کر لیا جائے کہ براہ راست پیش کئے جانے والے مناظر "عکس" ہیں اور پہلے سے فلمائے گئے مناظر "تصویر"۔ تو ہر ٹی وی بین ہر وقت یہ چھان بین کیسے کریگا کہ اس وقت یہ پروگرام براہ راست نشر ہو رہا ہے یا اس کی فلم دکھائی جا رہی ہے؟ جبکہ عموماً ٹی وی پروگرام فلم ہی کی صورت میں دکھائے جاتے ہیں۔

ویڈیو کیسٹ:

یہ اپنی فتنہ سامانی میں ٹی وی سے بھی دو گام آگے ہے، اسمیں تو ہوتی ہی محفوظ تصویر ہے۔

بعض لوگ یہاں بھی وہی تقریر شروع کر دیتے ہیں کہ اس کی تصویر بھی پانی یا آئینہ میں دیکھنے والے عکس جیسی ہے، حالانکہ کوئی عقل کا کورا بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ تصویر و عکس دو بالکل متضاد چیزیں ہیں، تصویر کسی چیز کا پائیدار اور محفوظ نقش ہوتا ہے، عکس ناپائیدار اور وقتی نقش ہوتا ہے، اصل کے غائب ہوتے ہی اسکا عکس بھی غائب ہو جاتا ہے۔

ویڈیو کے فیتے میں تصویر محفوظ ہوتی ہے، جب چاہیں جتنی بار چاہیں ٹی وی کی سکرین پر اس کا نظارہ کر لیں، اور یہ تصویر تابع اصل نہیں بلکہ اس سے بالکل لاتعلق اور بے نیاز ہے، کتنے ہی لوگ ہیں جو مر کھپ گئے، دنیا میں ان کا نام و نشان نہیں، مگر ان کی متحرک تصویریں ویڈیو کیسٹ میں محفوظ ہیں۔ ایسی تصویر کو کوئی پاگل بھی عکس نہیں کہتا۔ صرف اتنی سی بات کو لیکر کہ ویڈیو کے فیتے میں ہمیں تصویر نظر نہیں آتی تصویر کے وجود کا انکار کر دینا کھلا مغالطہ ہے۔

اگر یہ منطق تسلیم کر لی جائے کہ فیتے میں تصویر محفوظ نہیں بلکہ معدوم ہے اور ویڈیو کیسٹ میں محفوظ نقوش ٹی وی اسکرین پر جاکر تصویر بنا دیتے ہیں تو اس لا حاصل تقریر سے اصل حکم پر کیا اثر پڑا؟ تصویر محفوظ ماننے کی تقدیر پر ٹی وی صرف تصویر نمائی کا ایک آلہ تھا اب تصویر سازی کا آلہ بھی قرار پایا، کہ صرف تصویر دکھاتا ہی نہیں بناتا بھی ہے، اب تو اس کی قباحت دوچند ہو گئی، یک نہ شد دو شد۔

مختصر یہ کہ ٹی وی ویڈیو کیسٹ کی تصویر کے متعلق زائد از زائد یہ کہا جا سکتا ہے کہ سائنس کی ترقی کے فن تصویر سازی کو ترقی دیکر اسمیں مزید جدت پیدا کر دی اور تصویر سازی کا ایک دقیق انوکھا طریقہ ایجاد کر لیا۔

مگر یاد رکھیے تصویر خواہ کسی قسم کی ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وعید سے خارج نہیں:

اشد الناس عذابا یوم القیمۃ المصوّرون۔

"روز قیامت تصویر سازوں کو سب سے سخت عذاب ہوگا۔"

لعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ..... المصوّر

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر ساز پر لعنت بھیجی۔"

یہ چند سطریں ہم نے ان لوگوں کی تردید میں لکھ دیں جو عکس کی اوٹ لیکر ٹی وی کی لعنت کے لئے جواز کا چور دروازہ کھولنا چاہتے ہیں ورنہ یہ شروع ہی میں ہم لکھ چکے ہیں کہ ٹی وی کی حرمت و شناعت اس بحث پر موقوف نہیں۔

ایک سوال:

آخر میں ان لوگوں سے جو عکس عکس کی رٹ لگاتے نہیں تھکتے ایک سوال ہے کہ اگر آپ کی اپنی بہو بیٹیاں ٹی وی اسکرین پر اسی طرح نمودار ہوں اور اچھلتی کودتی ساری دنیا کو دعوت نظارہ پیش کریں تو خدا لگتی کہیے کیا آپ اپنے تئیں بھی یہ سوچ سوچ کر مطمئن ہو جائیں گے کہ "یہ ایک عکس ہی تو ہے" یا غیرت و حمیت سے زمین میں گڑ جائیں گے؟

آں کہ بر خود نپسندی بر دیگراں مپسند۔

"جو چیز اپنے لئے پسند نہیں کرتے دوسروں کے لئے کیسے پسند کرتے ہو۔"

کچھ مغرب زدہ روشن خیال قسم کے لوگ علماء کرام پر طعن کرتے ہیں کہ یہ حضرات قدامت پسند اور تنگ نظر ہیں، انھیں معلوم نہیں کہ آج ٹی وی متمدن زندگی کا ایک لازمی جزء بن چکا ہے، علم و ادب فلسفہ و سائنس بلکہ دین کی تبلیغ و اشاعت کا ایک بہترین ذریعہ ہے، مگر علماء چاہتے ہیں کہ ٹی وی سے نیکی کا یہ عنصر ختم کر کے اسے بالکل آزاد و بے مہار چھوڑ دیا جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علم و ادب یا دین کی اشاعت سے کوئی مسلمان منع نہیں کرتا، بالخصوص علماء کرام کی تو پوری زندگیاں ہی علوم دینیہ کی اشاعت کے لئے وقف ہیں، ان پر یہ تہمت تھوپنا تو حقیقت کا منہ چڑانا ہے، مگر دین میں تحصیل علم کے کچھ آداب و اصول ہیں، ٹی وی تحصیل علم کا آلہ نہیں بلکہ مغنیہ عورتوں، گویوں، میراثیوں اور ڈھولکیوں کا گہوارہ ہے، گندگی کے اس جوہڑ میں بیٹھ کر دین کی تبلیغ کرنا دینی خدمت نہیں بلکہ دین کے ساتھ بدترین مذاق ہے۔

ٹی وی کا زہر ------------ ۱۷

کسی معترض میں انصاف و دیانت کی رمق ہو تو وہی بتائے کہ ٹی وی یوں تو دن رات فلمی ایکٹروں، ایکٹرسوں اور نیم عریاں کھلاڑیوں کے لئے وقف ہے، ان کے جھرمٹ میں ذرا سی دیر کو کسی سرکاری مولوی یا درباری شاعر و نعت خواں کو باریابی کا موقع دید ینا ٹی وی کی تطہیر ہے یا بیت الخلاء کو عبادت گاہ بنانے کی حماقت؟

کوئی ٹی وی کا دلدادہ بتا سکتا ہے کہ ٹی وی کے دینی پروگرام جو سالہا سال سے چل رہے ہیں ان کو دیکھ کر آج تک کتنے کافر مشرف باسلام ہوئے؟ کتنے بے نماز نمازی بن گئے؟ اور خود آپ پر اس کا کتنا اثر ہوا؟

افسوس! دنیا کے ہر فن ہر ہنر کو سیکھنے کے لیے یہ لوگ ماہرین فن کے پاس چل کر جاتے ہیں، ان کی بھاری فیسیں ادا کرتے اور ہر طرح سے نازبرداری کرتے ہیں، مگر دین ہی انکی نظر میں ایک کار لایعنی ہے جسے گھر بیٹھے تماشا دیکھتے ہوئے حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس سے بڑھ کر دین کی بے وقعتی کیا ہوگی؟

کون نہیں جانتا کہ ٹی وی پروگراموں میں دینی امور کی یہ آمیزش بھی صرف ذائقہ بدلنے کے لئے وقتی سی بات ہوتی ہے۔

اگر کسی وقت ملک میں اسلامی حکومت قائم ہو اور وہ ٹی وی کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لیکر اسے موجودہ منکرات سے پاک کردے، ٹی وی میں عورتوں کا گزر نہ ہو، کسی جاندار کی تصویر کبھی پیش نہ کی جائے، اس کا پورا عملہ صالح مردوں پر مشتمل ہو جو اسے عوامی خواہشات کے تابع رکھنے کی بجائے مفید مقاصد میں استعمال کرے، استعمال کی مخصوص حدود و شرائط وقت کے محقق سے طے کرالے تو در یں حالات ٹی وی واقعی آلۂ خیر بن جائے گا اور علماء کو اس پر کوئی اعتراض نہ رہے گا، مگر بحالات موجودہ یہ قطعاً آلۂ شر ہے اور اس کے قلب ماہیت کے دُور دُور تک کوئی آثار نظر نہیں آتے۔

علماء کسی نئی ایجاد کے مخالف نہیں، وہ ہر قیمت پر دین کا تقدس برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔

عناد و تعنت پر مبنی ایک اعتراض کی نامعقولیت ولغویت ظاہر کرنیکی غرض سے یہ مفروضہ لکھدیا ہے ورنہ یہ حقیقت واضح ہے کہ ٹی وی کی بطریق مذکور تطہیر کے لئے عرصۂ دراز چاہیئے، وہ بھی اس شرط سے کہ فی الحال ٹی وی پر فوراً ایسی مکمل پابندی لگائی جائے کہ پوری مملکت سے اس کا وجود ہی ختم کردیا جائے، ٹی وی کی موجودگی میں اس سے فحاشی و

بے دینی کے ہر لمحہ بڑھنے والے سیلاب و طغیانی پر بندش لگانا ناممکن ہے، ٹی وی کے زہر کو اس سے مسموم معاشرہ کی رگ و پے سے نکالنے کے لئے چند سال کافی نہیں، صدیوں کی ضرورت ہے۔

یہ خیال صحیح نہیں کہ حکومت چاہے تو موجودہ حالات میں بھی پابندیاں عائد کرکے تطہیر کرسکتی ہے۔ اس لئے کہ جب تک حکومت کی اصلاح نہ ہوگی وہ جہنم سے نجات کیوں چاہے گی ؟ اور جمہوری طرز حکومت میں حکومت کی اصلاح عوام کی اصلاح پر موقوف ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ موجودہ حالات میں ٹی وی کی تطہیر کے مشورے اور بصورت تطہیر جواز استعمال کے فتوے سب خام خیالی اور خواب ہیں یا محض زبان وقلم کی تفریح کا سامان۔

کرشمۂ جہالت :

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم صرف کارآمد پروگرام دیکھتے ہیں، فحش اور دوسرے ناجائز پروگرام نہیں دیکھتے۔

ان کی یہ منطق تلبیس ابلیس و فریب نفس وشیطان ہے، ہم نے ٹی وی کے جو فسادات لکھے ہیں انکے پیش نظر اس آلۂ شیطان کو کسی حال میں اور کسی نیت سے بھی دیکھنا جائز نہیں۔ جائز پروگرام دیکھنے کے عدم جواز کی وجوہ ہم دوبارہ لکھ دیتے ہیں :

(۱) تصویر یا عکس، ان دونوں کے فسادات کی تفصیل گزر چکی ہے۔

(۲) عورت کی تصویر یا عکس، اناؤنسر بہر حال عورت ہوتی ہے۔

(۳) کھیل اور تیراکی کے مناظر میں ستر کھلا ہوتا ہے۔

(۴) فحاشی کے اس اڈے میں مناظر حج اور دوسرے دینی پروگرام پیش کرنا اور انکا دیکھنا دین اسلام کی توہین ہے اور بہت سخت گمراہی بلکہ خطرۂ ایمان۔

(۵) ٹی وی دیکھنے والا حدِ جواز پر قائم نہیں رہ سکتا، یہ نشہ کبھی نہ کبھی حرام میں مبتلی کرکے چھوڑتا ہے اور قاعدہ ہے :

الامر المفضی الی الحرام حرام۔

"جو کام حرام میں ابتلاء کا سبب ہو وہ بھی حرام ہے"

(۶) نماز میں تاخیر یا ترک جماعت کا سبب ہے۔

(۷) صحت جسمانیہ، دماغ، اعصاب اور بینائی کو نقصان پہنچتا ہے۔

(۸) بالفرض کوئی شخص دیکھنے میں حدود وقیود کی پابندی کرلے تو اس کے عمل سے عوام

مطلقاً جواز پر استدلال کر کے فواحش و معاصی میں بھی مبتلی ہونگے جن کا گناہ اور وبال اس پر بھی پڑیگا جوان کی بے دینی اور فسق و فجور کا سبب بنا۔

ٹی وی کے احکام:

○ ٹی وی اپنی موجودہ صورت میں ڈھول سارنگی اور بینڈ باجوں کی طرح لہو لعب کا ایک آلہ ہے بلکہ مفاسد کے لحاظ سے دیگر آلات معاصی سے بڑھ کر ضرر رساں و تباہ کن ہے، اسلئے اسکا بیچنا، خریدنا، اجارہ پر دینا لینا، ہبہ کرنا، ہبہ میں قبول کرنا، مرمت کرنا، پاس رکھنا، اسکی تصویر دیکھنا، دکھانا یا ایسے مکان میں بیٹھنا جس میں ٹی وی چل رہا ہو یہ تمام کام حرام ہیں۔

○ جس مسلمان کو اس کبیرہ گناہ سے توبہ کی توفیق ہو وہ اسے توڑ پھوڑ کر ضائع کرے، ہاں اس میں کوئی کل پرزہ اس قسم کا موجود ہو جو کسی دوسرے مباح کام میں آسکتا ہو تو اسکے نکال لینے میں مضایقہ نہیں نیز جس شخص یا کمپنی سے ٹی وی خریدا تھا قیمت خرید یا اس سے کم پر اسے واپس بھی کیا جا سکتا ہے۔

○ کوئی شخص کسی مسلمان کا ٹی وی توڑ دے تو اس پر ضمان نہیں، مگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو توڑنا جائز نہیں۔

○ جو لوگ ٹی وی، وی سی آر اور تصاویر کا کاروبار کرتے ہیں انکی کمائی حرام ہے، لہٰذا انسے لین دین، ان کی دعوت کھانا، ہدیہ لینا، غرض کسی شکل میں بھی انکے مال سے انتفاع جائز نہیں۔

○ چونکہ ٹی وی آلۂ لہو ولعب ہے، اسلئے اسمیں حج کے مناظر، اذان تلاوت، حمد و نعت اور دوسرے کسی قسم کے دینی پروگرام نشر کرنا ناجائز اور قطعی حرام ہے، اس گناہ کو نیکی تصور کرنے میں کفر کا اندیشہ ہے۔

○ جو شخص مذکورۃ الصدر گناہوں میں سے کسی گناہ کا مرتکب ہو وہ فاسق ہے، لہٰذا اس کی اذان و اقامت مکروہ ہے۔ اسے باختیار خود امام بنانا جائز نہیں، اگر بن گیا تو فرض نماز اسکی اقتدار میں ادا کرنا درست ہے، بشرطیکہ امامت کی دوسری شرطیں اسمیں پائی جاتی ہوں۔

تراویح اور وتر اس کی اقتدار میں جائز نہیں۔ اس کی شہادت مردود ہے۔

○ ایسے مخصوص مقامات جہاں دورِ حاضر میں ٹی وی کا استعمال ناگزیر ہے، جیسے حفاظتی تدابیر، ایٹمی تنصیبات، سائنسی مراکز، ڈاکٹری کی مہارت کے لئے عملی تجربات، ایسے مواقع میں بوقت ضرورت بقدر ضرورت جائز ہے، واللہ ھو العاصم من جمیع الفتن۔

محمد ابراہیم

نائب مفتی دار الافتاء والارشاد

۶ ذی قعدہ ۱۴۱۲ ہجری

الحاقۃ

غلبۂ شہوت سے اپنی ماں پر جھپٹ پڑا :

ایک شخص نے دارالافتاء سے خود اپنے بارے میں یوں استفتاء کیا :

"میں اپنی ماں کے ساتھ ایک فحش پروگرام دیکھ رہا تھا، شہوت کی آگ بھڑک اُٹھی آلۂ تناسل میں انتشار پیدا ہوا اور جوش شہوت میں بے اختیار ماں کو پکڑ لیا۔"

وی سی آر کے سامنے بیٹی کے ساتھ بدکاری کا قصہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔

ایسے شرمناک اور حیا سوز واقعات قیدِ تحریر میں لاتے ہوئے قلم تھرا رہا ہے مگر دل پر پتھر رکھ کر صرف اس مقصد سے اس قسم کے واقعات شائع کئے جا رہے ہیں کہ شاید ان لوگوں کے لئے تازیانۂ عبرت بنیں جو تفریح کے نام سے اس بیحیائی کو فروغ دینے میں مصروف ہیں۔

ان حقائق کا مشاہدہ کرنے کے باوجود اگر یہ لوگ اپنی روش نہیں بدلتے تو یہ باور کئے بغیر چارہ نہیں کہ شاید ان کی لغت میں دین وایمان، شرم وحیا اور غیرت وحمیت کے الفاظ مہمل اور بے معنی الفاظ ہیں ؏

حمیت نام تھا جس کا گئی مسلم گھرانوں سے

آنکھوں دیکھا عبرتناک عذاب :

رمضان المبارک کی بات ہے کہ افطاری سے کچھ دیر پہلے ماں نے بیٹی سے کہا :

"آؤ میرے ساتھ مل کر افطاری کے لئے تیاری میں میری مدد کرو۔"

بیٹی نے جواب دیا :

"امی! مجھے تو ٹی وی پر پروگرام دیکھنا ہے وہ دیکھ لوں تو پھر کام کروں گی۔"

یہ کہہ کر اوپر چھت پر چلی گئی کمرے میں ٹی وی رکھا تھا اس لڑکی نے ماں کے ڈر سے کہ کہیں مجھے زبردستی کام کے لئے نہ اُٹھا کر لے جائے دروازہ بھی اندر سے بند کر لیا، اِدھر ماں بیٹی کو آوازیں دیتی رہی، بیٹی نے ایک نہ سُنی کافی وقت گزر گیا، گھر میں سب مرد بھی آ گئے، افطاری ہو گئی لیکن لڑکی ابھی تک کمرے سے نکلی نہیں، ماں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے آواز نہ آئی، دل ڈر گیا، اس کے باپ اور بھائیوں سے کہا، انھوں نے دروازہ توڑا اور اندر

داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ لڑکی زمین پر اوندھے منہ پڑی ہے، اس کو دیکھا تو وہ مرچکی تھی اب حالت یہ ہوئی کہ لڑکی زمین کے ساتھ چمٹی ہوئی تھی، اٹھانے سے اٹھتی نہیں تھی، سب اس کو اٹھا اٹھاکر تھک گئے، اب حیران کہ کیا کریں، کسی کے ذہن میں اچانک ایک بات آئی، اس نے جو اٹھ کر ٹی وی کو اٹھایا تو لڑکی بھی اٹھی، اب تو یہ ہوا کہ اگر ٹی وی اٹھاتے تو لڑکی اٹھتی ورنہ بالکل کوئی اس کو نہ اٹھا سکتا، آخر انھوں نے لڑکی کے ساتھ ٹی وی کو بھی اٹھایا اور اس کو نیچے لائے اور غسل دیکر کفن وغیرہ پہناکر جب جنازہ اٹھایا تو حیران رہ گئے کہ چارپائی تو ٹس سے مس نہیں ہوتی، بالآخر انھوں نے ٹی وی کو اٹھایا اور قبرستان تک لے گئے، اب انھوں نے لڑکی کو قبر میں دفن کیا اور ٹی وی کو اٹھاکر گھر لانے لگے، جونہی انھوں نے ٹی وی کو اٹھایا تو میت قبر سے باہر آپڑی، انھوں نے پھر اس کو دفن کیا اور ٹی وی کو اٹھایا تو پھر میت باہر آپڑی، اب تو سب کو بہت پریشانی ہوئی، انھوں نے لڑکی کو ٹی وی سمیت قبر میں دفن کردیا۔

اب اس کا جو حشر ہوا ہوگا وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ (رسالہ ختم نبوت جلد ۷ شمارہ ۱۸)

ٹی وی کے فضائی اثرات :

روزنامہ "مسلمان" مدراس نے مورخہ ۵ اگست ۹۲ء کی اشاعت میں لکھا ہے :

"رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ گھریلو الیکٹرانکس مثلاً ٹی وی سے جو زہریلے مادے گیسوں کی شکل میں خارج ہوتے ہیں وہ نیوکلیائی تجربہ گاہ پر بم پھٹنے کے بعد پائے جانے والے اثرات سے ۵ گنا زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔"

(رسالہ ختم نبوت جلد ۱۱ شمارہ ۴۴)

دنیا ہی میں عذاب عظیم :

۳۰ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو جب کہ ہر طرف مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا مسلمانوں کی جائیداد کو آگ لگائی جارہی تھی عورتوں کی بے حرمتی کی جارہی تھی، تو ۳۱ اکتوبر ۹۰ء کو میں استخارہ کی نیت سے سوگیا، خواب میں ایک بزرگ تشریف لاتے ہیں، میں نے ان سے عرض کیا :

"حضرت مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے ان کے مال و جائیداد کو آگ لگائی جارہی ہے، عورتوں کی بے حرمتی کی جارہی ہے، ہر طرف مسلمان پریشان حال ہیں وہ عمل بتایئے جس سے مسلمانوں کی پریشانیاں دور ہوجائیں۔" اُن بزرگ نے فرمایا :

"کوٹھوں پر سے چھتریاں اُتروا دو۔"

یعنی ٹیلیویژن کے انٹینا اتروادو۔ (رسالہ ٹی وی کی تباہ کاریاں)

عذاب قبر:

دو دوست تھے ایک جدہ میں رہتا تھا دوسرا ریاض میں، دونوں میں گہری دوستی تھی، دونوں ہی دیندار و پرہیزگار تھے۔ ریاض والے دوست کے گھر والوں نے بہت ضد کی کہ وہ گھر میں ٹی وی لے آئے، اپنے بچوں اور بیوی کے اصرار پر اس نے اپنے گھر والوں کے لئے ٹی وی خرید لیا، کچھ دنوں بعد اس کا انتقال ہوگیا، جدہ والے دوست نے اس کو تین مرتبہ خواب میں دیکھا، ہر مرتبہ اس کو عذاب کی حالت میں پایا اور اس نے خواب میں تینوں مرتبہ اس جدہ والے دوست سے کہا:

"خدا کے لئے میرے گھر والوں سے کہو کہ وہ گھر سے ٹی وی نکال دیں، کیونکہ جب سے ان لوگوں نے مجھے دفن کیا ہے مجھ پر اس ٹی وی کی وجہ سے عذاب مسلط ہے، کیونکہ میں نے خرید کر گھر میں رکھا تھا وہ لوگ اس بے حیائی سے مزے لے رہے ہیں اور میں عذاب میں گرفتار ہوں۔"

جدہ والا دوست جہاز کے ذریعہ ریاض پہنچا اور اس کے گھر والوں کو خواب سنایا اور یہ بھی بتایا کہ میں نے تین مرتبہ ایسا دیکھا ہے۔ گھر والے سن کر رونے لگے، اسکا بڑا بیٹا اٹھا اور غصہ میں ٹی وی کو اٹھا کر پٹخا، اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے، اٹھا کر کوڑے کے ڈبے میں پھینک دیا۔

جدہ والا دوست جب جدہ واپس پہنچا تو اس نے پھر دوست کو خواب میں دیکھا اس بار وہ اچھی حالت میں تھا، اس کے چہرے پر ایک رونق تھی، اس نے اپنے ہمدرد دوست کو دعا دی کہ اللہ جل جلالہ تجھے بھی مصیبتوں سے نجات دلائے جس طرح تو نے میری پریشانی دور کرائی (حوالہ بالا)

ٹی وی کو تباہ کر دو اس سے قبل کہ یہ تمہیں برباد کر دے:

شیخ عبداللہ حمید سابق جسٹس سپریم کورٹ آف سعودیہ عربیہ نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے:

"ایک جرمنی کے ماہر اجتماعیات نے مختلف درسگاہوں اور اداروں کے براہ راست بھرپور مطالعہ کے بعد سوسائٹی اور نئی نسل پر ٹی وی کے خطرات کا گہرائی سے جائزہ لے کر کہا کہ ٹی وی اور اس کے نظام کو تباہ کر دو اس سے قبل کہ یہ تمہیں برباد کر دے" (حوالہ بالا)

ٹیلیویژن بچوں پر تباہ کن اثرات مرتب کرتا ہے:

ٹیلیویژن پر تشدد اور جنس سے متعلق پروگرام بچوں پر تباہ کن اثرات مرتب کرتے ہیں،

یہ بات برطانیہ کے وزیر صحت نے کہی ہے، ان کا کہنا ہے کہ حکومت کو ٹیلیویژن نشریات پر کنٹرول کرنا چاہیئے اور اس کے ساتھ ساتھ والدین بھی بچوں پر پابندی لگائیں اور ان کو ایک حد میں رکھیں جس سے آگے بچے قدم نہ اٹھائیں۔ انھوں نے کہا کہ والدین کو اُن کی ذمہ داری محسوس کرنی چاہیئے اور بچوں کو عزت کرنا اور بُرے بھلے کی تمیز کرنا سیکھنا چاہیئے۔ (حوالۂ بالا بحوالہ روزنامہ نوائے وقت ۵ اپریل ۹۳ء)

ٹی وی سے کینسر:

ڈاکٹر این ویگور مشہور جرنلسٹ اور عیسائی مشن کی معزز رکن ہیں اپنی کتاب (WHYSUFFER) میں لکھتی ہیں:

"سچائی تو یہ ہے کہ ٹی وی ایک طرح کی ایکسرے مشین ہے، ڈاکٹر جس ایکسرے مشین کا استعمال کرتے ہیں اس میں خطرات سے بچنے کا مناسب انتظام ہوتا ہے، جبکہ ٹی وی میں اب تک ایسا کوئی انتظام نہیں ہے، ایکسرے کی کرنیں بہت ہلاک ہوتی ہیں، انسان کے نازک اعضاء وجوارح پر اس کے اثرات کیسے مرتب ہو رہے ہیں؟ اس خیال ہی سے کلیجہ کانپ اُٹھتا ہے۔"

وہ مزید لکھتی ہیں:

"لڑکے اور لڑکیاں ٹی وی سیٹ کے سامنے بیٹھ کر پروگرام دیکھتے ہیں، امریکہ کے بوسٹن نامی شہر میں صرف ایک ہسپتال میں خونی کینسر کے شکار چھ سو لڑکے لڑکیاں زیر علاج ہیں۔"

ڈاکٹر "گروڈبے" لکھتے ہیں:

"سیاہ سفید ٹی وی سیٹ میں ۱۹ کلو والٹ، رنگین ٹی وی میں ۲۵ کلو والٹ تک کی ٹیوب ہوتی ہیں، شروع میں ۱۶، ۱۶ کلو والٹ والی ایکسرے مشین بھی ان کا استعمال کرنے والے ٹیکنیشن کے جسموں میں کینسر کا کیڑا پیدا کر دیتی تھی، اندازہ کیجئے کہ جب ۱۶ کلو والٹ کی ایکسرے مشین بھی کینسر پیدا کر دیتی تھی تو ٹی وی جو ۱۹ اور ۲۵ کلو والٹ کے ہوتے ہیں وہ کیا کچھ تباہی نہ کرتے ہوں گے۔"

عکسی تصویر کے مشہور ماہر "ڈاکٹر آئنکروب" نے شیکاگو امریکہ کے ایک ہسپتال میں جان کنی کے عالم میں نہایت تلخی کے ساتھ یہ تاکید کی:

"گھروں میں ٹی وی کا وجود ایک جان لیوا کینسر کی مانند ہے جو بچوں کے جسموں میں

ٹی وی کا زہر ـــــــــ ۲۴

رفتہ رفتہ سرایت کرتا ہے۔"

شیخ عبداللہ بن حمید سابق چیف جسٹس سعودیہ عربیہ نے اسی ڈاکٹر آئلکروبٹے بارہ میں لکھا ہے:

"یہ ڈاکٹر بھی ٹی وی کی شعاعوں سے پیدا شدہ مہلک مرض کینسر کا شکار تھا، اسکی وفات سے پیشتر کینسر کے جراثیم کے استحصال کے لئے چھیانوے دفعہ اسکا سرجری آپریشن کیا گیا مگر اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا، کیونکہ یہ مرض اپنی انتہاء کو پہنچ چکا تھا اور اس کا بازو نیز چہرہ کا کافی حصہ کٹ کر گر گیا تھا" (حوالہ بالا)

فالج اور اندھاپن:

اس کے علاوہ ٹی وی سے اور بھی جسمانی نقصانات ہوتے ہیں مثلاً بعض تجربات نے پتہ دیا ہے کہ اس سے فالج ہوتا ہے نیز اس کی شعاعوں سے آنکھوں کی بینائی پر نہایت مضر اثرات پڑتے ہیں۔

ڈاکٹر "ایچ پی شوین" کا تجربہ ہے کہ "ایک حاملہ کتیا پر دو ماہ تک ٹی وی کی شعاعیں پڑنے دیں، اس کے بعد کتیا نے چار بچوں کو جنم دیا، یہ چاروں بچے فالج زدہ تھے، ان میں تین تو اندھے بھی تھے۔"

ایک اور شخص نے دو طوطے خریدے طوطے کا پنجرہ ٹی وی سیٹ کے سامنے رکھ دیا گیا نتیجہ یہ نکلا کہ طوطوں کے پیر بیکار ہو گئے (حوالہ بالا)

بنک پر ڈکیتی:

دہلی میں ایک بنک پر ڈکیتی کا واقعہ ہوا جس میں چوروں کی ایک نوجوان ٹولی گرفتار ہوئی، ان میں سے اکثر نوجوان کسی نہ کسی کالج کے طالب علم تھے، ان کے نوجوان لیڈر (GANGLEADER) نے عدالت میں بیان دیا کہ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے فلم "بے ایمان" دیکھ کر یہ حرکت کی لیکن بدقسمتی سے پکڑے گئے (رسالہ سینما بینی اور اسکے مہلک اثرات)

ٹی وی اور امراض چشم:

حال ہی میں ماہر امراض چشم ڈاکٹر این این سود نے نئی دہلی کے راجندر پرشاد آپتھک سینٹر میں لکچر دیتے ہوئے بتایا ہے کہ سینما اور ٹیلی ویژن دیکھنے سے آنکھوں کا مرض گلوکوما (GLUCOMA) ہو سکتا ہے (حوالہ بالا بحوالہ رہنمائے دکن یکم اپریل ۱۹۸۲ء)

ٹی وی سے عذاب قبر:

فیصل آباد میں ایک شخص نے بچوں کے لئے ٹی وی خریدا، یہ شخص مرگیا تو اس نے خواب میں اپنے پڑوسی سے کہا:

"ہر روز ٹی وی کے پرزے آگ میں گرم کرکے ان سے مجھے عذاب دیا جارہا ہے، خدا کے لئے میرے حال پر رحم کرو، اس ٹی وی کو گھر سے نکالو۔"

ٹی وی سے عذاب قبر کے قصے اوپر بھی لکھے جاچکے ہیں۔

بیٹیوں سے بدکاری:

وی سی آر دیکھتے ہوئے بیٹی سے بدکاری کا ایک قصہ پہلے لکھا جاچکا ہے، اب ٹی وی سے تعلیم پاکر دو بیٹیوں سے بدکاری کا مشغلہ مسلسل جاری رکھنے کا قصہ سنیئے:

"ابھی چند ماہ پیشتر یہ خبر اخباروں میں شائع ہوئی اور لاکھوں لوگوں کی نظر سے گزری کہ کراچی میں ایک درندہ صفت انسان اپنی دو جوان بیٹیوں سے منہ کالا کرتا رہا، پکڑے جانے کے بعد اس نے برملا اعتراف کیا:

"اس نے فلاں فلمی پروگرام دیکھ کر اس گناہ کی جرأت کی۔"

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ:

وَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝

"تمہیں دنیوی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے اور تمہیں اللہ کے بارے میں شیطان ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے۔"

محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد:

اَكْثِرُوْا مِنْ ذِكْرِ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ۔

"موت کو کثرت سے یاد کیا کرو جو تمام لذتوں کا یکسر خاتمہ کرنے والی ہے"

سہ

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو بانداز بہار آئی ہے

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب
حلال وحرام سے
مخلوط مال
کا
حکم
حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عباراتِ مختلفہ کی تخریج وتوجیہ
عباراتِ متعارضہ میں تطبیق وترجیح
مسئلہ کے ہر پہلو کی تفصیل اور تحریر دلائل میں منفرد تحقیق

حلال وحرام مال سے
مخلوط مال کا حکم

اس مسئلہ میں عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے، اس لئے اکابر علماء کرام و ارباب فتویٰ کے اقوال وفتاویٰ بھی باہم مختلف ہیں۔

اس رسالہ میں

استیعاب جزئیات وتحریر دلائل کے ساتھ مندرجہ ذیل صورتوں کا حکم لکھا گیا ہے:

① خلط متیقن ہو، خواہ حلال غالب ہو یا حرام۔
② خلط مشتبہ ہو، حلال غالب ہو۔
③ خلط مشتبہ ہو، حرام غالب ہو یا دونوں برابر ہوں۔
④ حلال وحرام میں سے کسی کے غلبہ کا علم نہ ہو۔
⑤ حلال وحرام میں امتیاز ہو مگر یہ معلوم نہ ہو کہ حلال سے ہے یا حرام سے۔
⑥ حرام کو مصرف میں لانے کی تدبیر۔

حلال وحرام سے مخلوط مال

سوال : حلال وحرام سے مخلوط مال کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟ اردو فتاویٰ میں اس کے حکم میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، لہٰذا گزارش ہے کہ مفصل تحریر فرماکر تشفی فرمائیں۔

بندہ کی ایک تحریر برائے اصلاح پیش خدمت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) مغصوب غیر مخلوط خالص حرام ہے، وتنتقل حرمتہ من ذمۃ الی ذمۃ وان تداولتہ الایدی وتبدلت الاملاک بشرط العلم، والخبث فیہ لعدم الملک، البتہ جب مالک معلوم نہ ہو تو فقیر کے لئے حلال طیب ہے۔

قال فی الدر:

واما الخبث لعدم الملک کالغصب فیعم فیھما (شامیۃ ص ۹۷ ج ۵)

وکذا فی منحۃ الخالق بھامش البحر (ص ۹۸ ج ۶)

وفی الخانیۃ: وان کان غیر مختلط لایجوز للفقراء ان یأخذوا اذا علموا انہ مال الغیر (خانیۃ بھامش الھندیۃ ص۴۰۲ ج ۳)

وفی الخلاصۃ: لکن من غصب غصبہ ان کان لم یخلطہ بدراھم اخریٰ۔

(خلاصۃ ص ۳۴۵ ج ۱)

وفی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر: ان علم ان العین التی یغلب علی الظن انھم اخذوھا من الغیر بالظلم قائمۃ وباعوھا فی الاسواق فانہ لاینبغی شراؤھا منھم وان تداولتہ الایدی (طحطاوی علی الدر ص ۱۹۲ ج ۴)

قلت: لاینبغی بمعنی لایحل کما ھو الظاھر۔

وفی الشامیۃ عن الحموی: وما نقل عن بعض الحنفیۃ من ان الحرام لایتعدی الی ذمتین سألت عنہ الشھاب بن الشلبی فقال ھو محمول علی ما اذا لم یعلم بذلک اما لو رای المکاس مثلا یأخذ من احد شیئا من المکس ثم یعطیہ اخر ثم یأخذ من ذلک الاخر

أخرفهو حرام اھ (شامیۃ ص ۹۸ ج ۵)

وفی الھندیۃ : وان دفع عین المغصوب من غیر خلط لم یجز (ھندیۃ ص ۳۴۲ ج ۵)

وغیر ذلک من العبارات الآتیۃ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۲) مال مغصوب خلط سے قبل خالص حرام تھا لیکن جب اپنے مال میں یا غیر کے مال میں خلط کر دیا (بحیث لا یمکن التمییز) تو خالط اس کا مالک بن گیا اور وہ اس کے لئے خالص حرام نہ رہا، لیکن اس سے انتفاع قبل اختیار الضمان حرام ہے۔

(۳) مال مخلوط پر خالط کی ملک خبیث شراء فاسد کی طرح ہے۔

(۴) مال مخلوط کا شراء وغیرہ مکروہ ہے۔

(۵) اس کے باوجود مشتری و موہوب لہٗ کے لئے وہ حلال طیّب ہے۔ چونکہ نمبر۵ کے دلائل میں اوپر کے نمبروں کے دلائل بھی آرہے ہیں اس لئے طوالت کے خوف سے الگ نہیں لکھے گئے۔

نمبر ۵ کے دلائل :

(۱) فی الھندیۃ : قیل لہ (ای لابی نصیر) لو ان فقیرا یأخذ جائزۃ السلطان مع علمہ ان السلطان یأخذھا غصبا ایحل لہ قال ان خلط ذلک بدراھم اخریٰ فانہ لا بأس بہ وان دفع عین المغصوب من غیر خلط لم یجز (ھندیۃ ص ۳۴۲ ج ۵)

(۲) قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ : ھذا الجواب خرج علیٰ قیاس قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ لان من اصلہ ان الدراھم المغصوبۃ من اناس متی خلط البعض بالبعض فقد ملکھا الغاصب ووجب علیہ مثل ما غصب وقالا لا یملک تلک الدراھم وھی علیٰ ملک صاحبھا فلا یحل لہ الاخذ کذا فی الحاوی للفتاویٰ (ھندیۃ ص ۳۴۲ ج ۵)

جب صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں لا یحل لہ الاخذ ہے تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یحل لہ الاخذ ہوگا۔

(۳) وفی الخلاصۃ : من لا تحل لہ الصدقۃ فالافضل ان لا یأخذ جائزۃ السلطان لکن ھذا اذا کان یؤدی من بیت المال فان کان یؤدی من موروث لہ جاز وان لم یکن من موروث لکن من غصب غصبہ ان کان لم یخلطہ بدراھم اخریٰ لا یحل وان خلط لا بأس بہ لانہ صار ملکا لہ بالخلط عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ (خلاصۃ ص ۳۴۵ ج ۱)

④ وفیہا ایضًا : وقولہ ارفق للناس اذ اموالہ لاتخلوا عن الغصب (حوالہ بالا)

وفی الدر : لوخلط السلطان المال المغصوب بما لہ ملکہ (الی) لان الخلط استھلاک اذا لم یمکن تمییزہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وقولہ ارفق للناس اذ قلما یخلو مال عن غصب (شامیۃ ص ۲۹۰ ج ۲)

یہ قول ارفق جبھی ہوسکتا ہے کہ دوسروں کے لئے بصورت تملیک حلال ہو۔ التحریر المختار میں للناس کی شرح للفقراء سے کی ہے یہ صحیح نہیں، ویدل علیہ ماقلنا عن الخلاصۃ۔

⑤ وفی الشامیۃ عن المجتبیٰ : مات وکسبہ حرام فالمیراث حلال ثم رمز وقال لانأخذ بھذہ الروایۃ وھو حرام مطلقا علی الورثۃ فتنبہ اھ ح ومفادہ الحرمۃ وان لم یعلم اربابہ وینبغی تقییدہ بما اذا کان عین الحرام لیوافق مانقلناہ اذلواختلط بحیث لایتمیز یملکہ ملکا خبیثا لکن لایحل لہ التصرف فیہ مالم یؤد بدلہ کما حققناہ قبیل باب الزکوٰۃ (شامیۃ ص ۹۹ ج ۵)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر عین حرام نہ ہو اور ملاک بھی معلوم نہ ہوں تو ورثہ کے لئے حرام نہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عین حرام کا مقابل مخلوط ہے۔

⑥ وفی الخانیۃ : واذا مات عامل من عمال السلطان واوصی ان یعطی الحنطۃ للفقراء قالوا ان کان ما اخذہ من الناس مختلطا بمالہ لابأس بہ وان کان غیر مختلط لایجوز للفقراء اذا علموا انہ مال الغیر فان کان ذلک الغیر معلوما ردہ علیہ وان لم یعلم الاخذ انہ من مالہ او مال الغیر فھو حلال حتیٰ یتبین انہ حرام (خانیۃ بھامش الھندیۃ ص ۴۰۰ ج ۳)

⑦ وفیہا ایضًا : قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ : ان کان مختلطا بمالہ علی قول ابی یوسف ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ ھو علی ملک صاحبہ لایجوز اخذہ الا لیردہ علی صاحبہ وعلی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ یملک المال بالخلط ویکون للاخذ ان یأخذ اذا کان فی بقیۃ مال المیت وفاء بمقدار ما یؤدی بہ حق الخصماء (حوالہ بالا)

⑧ وفی الطحطاوی علی الدر : سئل عما یبیعہ الاتراک فی الاسواق وغالب مالھم الحرام ویجری بینھم الربا والعقود الفاسدۃ واجیب بانہ علی ثلاثۃ اوجہ الاول

ان علم ان العین التی یغلب علی الظن انہم اخذوھا من الغیر بالظلم قائمۃ وباعوھا فی الاسواق فانہ لاینبغی شراؤھا منہم وان تداولتہ الایدی الثانی ان یعلم ان العین قائمۃ الا انہ اختلط بالغیر بحیث لایمکن التمییز عنہ فعلی اصل ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ بالخلط یدخل فی ملکہ الا انہ لاینبغی ان یشتری منہ حتی یرضی الخصم بدفع العوض فان اشتراہ یدخل فی ملکہ مع الکراھۃ۔

(طحطاوی علی الدر ص۱۹۲ ج۴)

⑨ وفی المرقاۃ : ان ما اشتبہ امرہ فی التحلیل والتحریم ولایعرف لہ اصل متقدم فالورع ان یترکہ ویجتنبہ ویدخل فی ھذا الباب معاملۃ من فی مالہ شبھۃ او خالطہ ربا فالاولی ان یحترز عنہا ویترکہا ولایحکم بفسادھا مالم یتیقن ان عینہ حرام فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رھن درعہ من یھودی بشعیر اخذہ لقوت اھلہ مع انہم یربون فی معاملاتہم ویستحلون اثمان الخمور وعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال لاتسأل السلاطین فان اعطوک من غیر مسألۃ فاقبل منہم فانہم یصیبون من الحلال اکثر مما یعطونک۔

(مرقاۃ ص۳۷ ج۶)

ونقلہ فی بذل المجھود بزیادۃ وصفہم اللہ تعالیٰ بانہم سماعون للکذب اکالون للسحت (بذل المجھود ص ۲۲۸ ج ۵)

⑩ وفی الشامیۃ : (قولہ لان الخلط استھلاک) ای بمنزلۃ ان حق الغیر یتعلق بالذمۃ لابالاعیان ط (وبعید ذلک) انہ لماخلطہا ملکہا فصار مثلہا دینا فی ذمتہ لاعینہا (شامیۃ ص ۲۹۰، ۲۹۱ ج ۲)

⑪ وفیہا : سئل ابوجعفر رحمہ اللہ تعالیٰ فیمن اکتسب مالہ من امراء السلطان وجمع المال من اخذ الغرامات المحرمات وغیر ذلک ھل یحل لمن عرف ذلک ان یأکل من طعامہ ؟ قال احب الی ان لایأکل منہ ویسعہ حکما ان یأکلہ ان کان ذلک الطعام لم یکن فی ید المطعم غصبا او رشوۃ اھ

اسے مخلوط پر حمل کرنا ضروری ہے، اولاً تو خط کشیدہ عبارت سے خلط مفہوم ہو رہا ہے، کوئی بھی حرام خور ایسا نہیں ہوتا جو حرام کو الگ رکھتا ہو اور حلال کو الگ، لہٰذا دلالت عرف و

دلالت حال سے اسے خلط پر محمول کیا جائے گا۔

نیز علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے "ملکہ بالخلط" کے بعد متصل ذکر فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں بھی یہ خلط کی صورت ہے۔

ثانیاً اگر اسے اموال متمیزہ پر حمل کیا جائے تو اس پر دو اشکال ہوں گے:

① غلبہ کی قید نہیں۔ حرمت کے معاملہ میں اتنی اہم قید چھوڑنا بعید از قیاس ہے۔

② دیانت اور حکم کا فرق مخلوط ہی میں جاری ہوتا ہے، اموال متمیزہ میں اگر غلبہ حرام کا ہو تو پورا حرام ہے دیانۃً و قضاءً، اور اگر غالب حلال ہے تو دیانۃً و حکماً بھی پورا حلال ہے البتہ اگر اسے اس پر حمل کیا جائے کہ نہ تو خلط متیقن ہے اور نہ ہی غلبہ کا علم ہے تو یہ کسی درجہ میں محمل بن سکتا ہے، اگرچہ خلاف ظاہر ہے۔

⑫ وفیہا ایضاً بعد الجواب المذکور: ای ان لم یکن عین الغصب او الرشوۃ لانہ لم یملکہ فھو نفس الحرام فلا یحل لہ ولا لغیرہ (شامیۃ ص ۲۹۲ ج ۲)

معلوم ہوا کہ اگر عین غصب نہ ہو بلکہ مخلوط ہو تو غاصب اس کا مالک ہو گیا اور یہ اس کے لئے نفس حرام نہیں۔ بلکہ باصلہ حلال ہے عارض یعنی عدم ادا ضمان کی وجہ سے انتفاع و تصرف حرام ہے اور جب ایک چیز اول کے لئے باصلہ حلال ہو تو دوسرے کی ملک میں جانے سے وہ حلال طیب ہو گی اور حرمت عارضہ ختم ہو جائے گی۔

⑬ قال العلامۃ الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ: ان المراد لیس ھو نفس الحرام لانہ ملکہ بالخلط وانما الحرام التصرف فیہ قبل اداء بدلہ۔ ففی البزازیۃ قبیل کتاب الزکوٰۃ ما یأخذہ من المال ظلما ویخلطہ بمالہ او بمال مظلوم اٰخر یصیر ملکا لہ وینقطع حق الاول فلا یکون اخذہ عندنا حراما محضا نعم لا یباح الانتفاع بہ قبل اداء البدل فی الصحیح من المذھب (شامیۃ ص ۲۹۲ ج ۲)

بعینہ یہی الفاظ مقبوض بشراء فاسد میں ذکر کئے جاتے ہیں مع ھذا وہاں دوسرے کی ملک میں جانے سے وہ طیب ہو جاتا ہے تو یہاں بھی یہی حکم ہو گا۔

⑭ وفی الشامیۃ عن البزازیۃ: اخذ مورثہ رشوۃ او ظلما ان علم ذلک بعینہ لا یحل لہ اخذہ والا فلہ اخذہ حکما اما فی الدیانۃ فیتصدق بہ بنیۃ ارضاء الخصماء اھ (رد المحتار ص ۹۹ ج ۵)

حلال وحرام مخلوط

(۱۵) فی الشامیۃ: والحاصل انہ ان علم ارباب الاموال وجب ردہ علیہم والا فان علم عین الحرام لایحل ویتصدق بنیۃ صاحبہ وان کان مالا مختلطا مجتمعا من الحرام ولا یعلم اربابہ ولا شیئا بعینہ حل لہ حکما والاحسن دیانۃ التنزہ عنہ (حوالۂ بالا)

(۱۶) وفیہا ایضا: وفی الخانیۃ: امرأۃ زوجہا فی ارض الجور ان اکلت من طعامہ ولم یکن عین ذلک الطعام غصبا فہی فی سعۃ من اکلہ وکذا لو اشتری طعاما او کسوۃ من مال اصلہ لیس بطیب فہی فی سعۃ من تناولہ والاثم علی الزوج اھ (حوالۂ بالا)

(۱۷) وفی البدائع: واما صفۃ الملک الثابت للغاصب فی المضمون فلاخلاف بین اصحابنا فی ان الملک الثابت لہ یظہر فی حق نفاذ التصرفات حتی لو باعہ او وھبہ او تصدق بہ قبل اداء الضمان ینفذ کما تنفذ ھذہ التصرفات فی المشتری شراء فاسدا واختلفوا فی انہ ھل یباح لہ الانتفاع بہ بان یاکلہ بنفسہ او یطعمہ غیرہ قبل اداء الضمان فاذا حصل فیہ فضل ھل یتصدق بالفضل؟ قال ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ومحمد رحمہ اللہ تعالیٰ لایحل لہ الانتفاع حتی یرضی صاحبہ وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ یحل لہ الانتفاع ولا یلزمہ التصدق وھو قول الحسن وزفر رحمہما اللہ تعالیٰ وھو القیاس وقول ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ استحسان وجہ القیاس ان المغصوب مضمون لاشک فیہ وھو مملوک للغاصب من وقت الغصب علی اصل اصحابنا فلا معنی للمنع من الانتفاع وتوقیف الحل علی رضا غیر المالک کما فی سائر املاکہ ویطیب لہ الربح لانہ ربح ما ھو مضمون ومملوک وربح ما ھو مضمون مملوک یطیب لہ عندہ ۔ وجہ الاستحسان ما روی انہ علیہ الصلاۃ والسلام اضافہ قوم من الانصار فقدموا الیہ شاۃ مصلیۃ فجعل علیہ الصلاۃ والسلام یمضغہ ولا یسیغہ فقال علیہ الصلاۃ والسلام ان ھذہ الشاۃ لتخبرنی انہا ذبحت بغیر حق فقالوا ھذہ الشاۃ لجارلنا ذبحناھا لنرضیہ بثمنہا فقال علیہ الصلاۃ والسلام اطعموھا الاساری امر علیہ الصلاۃ والسلام بان یطعموھا الاساری ولم ینتفع بہ ولا اطلق لاصحابہ

الانتفاع بها ولو کان حلا لا طیبا لاطلق مع خصاصتهم وشدة حاجتهم الی الاکل (بدائع ص۱۵۳ ج ۷)

اس میں مغصوب مضمون کو شراء فاسد کی طرح قرار دیا گیا ہے، نیز روایت مذکورہ سے تصدق پر استدلال واضح دلیل ہے کہ دوسرے کے لئے بصورت تملیک حلال طیب ہے، اگر یہ شاۃ مصلیہ نفس حرام ہوتی اور اسمیں حرمت متعدی ہوتی تو اساریٰ کے لئے کیسے حلال ہوگئی؟ فقیر کے لئے مال حرام جب حلال ہے کہ اس کا مالک معلوم نہو اور یہاں مالک معلوم تھا۔

ففی العنایة: فقال علیه الصلاة والسلام اطعموها الاساری قال محمد رحمه الله تعالی یعنی المحبسین فامره بالتصدق مع کون المالك معلوما بیان ان الغاصب قد ملکها لان مال الغیر یحفظ علیه عینه اذا امکن وثمنه بعد البیع اذا تعذر علیه حفظ عینه ولما امر بالتصدق بها دل علی انه ملکها وعلی حرمة الانتفاع للغاصب قبل الارضاء (عنایة بهامش نتائج الافکار ص ۳۷۸ ج ۷)

(۱۸) وفی الهدایة: اطعموها الاساری افاد الامر بالتصدق زوال ملك المالك وحرمة الانتفاع للغاصب (الی) ونفاذ بیعه وهبته مع الحرمة لقیام الملك کما فی الملك الفاسد (بنایة ص۸۲۹ ج ۳)

(۱۹) وفی البنایة: قال محمد بن الحسن فی الآثار اخبرنا ابوحنیفة عن عاصم ابن کلیب عن ابیه به ثم قال ولو کان هذا اللحم باقیا علی ملك مالکه الاول لما امر به النبی صلی الله علیه وسلم ان یطعم للاساری ولکن لما رآه خرج عن ملك الاول وصار مضمونا علی الذی اخذه امر باطعامه لان من ضمن شیئا فصار له عن وجه غصب فان الاولی ان یتصدق به ولایأکله واخرج الدارقطنی (الی) قلت لابی حنیفة رحمه الله تعالی من این اخذت قولك فی الرجل الذی یعمل فی مال الرجل بغیر اذنه انه یتصدق بالذبح قال اخذته من حدیث عاصم بن کلیب هذا اهـ

فان قلت قال البیهقی وهذا لانه کان یخشی علیها الفساد وصاحبها کان غائبا فرأی من المصلحة ان یطعمها الاساری ثم یضمن لصاحبها قلت الامام اذا خاف التلف علی ملك غائب یبیعه ویحبس ثمنه علیه فلا یجوز ان یتصدق

بہ (حوالۂ بالا)

(۲۰) وفی المجمع: ملکہ ولایحل انتفاعہ بہ ای المغصوب المغیر قبل اداء الضمان (الی) لکن جاز للغاصب بیعہ وھبتہ لانہ مملوک لہ بجھۃ محظورۃ کالمقبوض بالبیع الفاسد (مجمع الانھر ص ۴۶۰ ج ۲)

(۲۱) وفی النوازل: ولکن لایطیب لہ ولاینتفع بھا حتی یؤدی استحسانا بقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اطعموھا الاساری وھذا یفید زوال ملک المالک وحرمۃ الانتفاع للغاصب، وفی القیاس یحل (الی) کما یجوز تصرفہ کالبیع والھبۃ (فتاوی النوازل ص ۲۱۴)

(۲۲) وفی التبیین: ولنا انہ استھلک العین (الی) والمحظور لغیرہ لایمتنع ان یکون سببا لحکم شرعی الاتری ان الصلاۃ فی الارض المغصوبۃ تجوز وتکون سببا لحصول الثواب الجزیل فما ظنک بالملک (الی) لان العین تبدلت وتجدد لھا اسم آخر فصارت کعین اخری حصلھا بکسبہ فیملکھا غیر انہ لایجوز لہ الانتفاع بہ قبل ان یؤدی الضمان کی لایلزم منہ فتح باب الغصب وفی منعہ حسم مادتہ ویدل علیہ قولہ علیہ الصلاۃ والسلام فی الشاۃ المذبوحۃ بغیر اذن مالکھا بعد الطبخ اطعموھا الاساری ولو جاز الانتفاع بہ اولم یملکہ لما قال ذلک والقیاس ان یجوز الانتفاع بہ وھو قول زفر والحسن و روایۃ عن ابی حنیفۃ رحمھم اللہ تعالی لوجود الملک المطلق للتصرف ولھذا ینفذ تصرفہ فیہ کالتملیک لغیرہ ووجہ الاستحسان ما بیناہ ونفاذ تصرفہ فیہ لوجود الملک وذلک لایدل علی الحل الاتری ان المشتری شراء فاسدا ینفذ تصرفہ فیہ مع انہ لایحل لہ الانتفاع بہ (تبیین الحقائق ص ۲۲۷ ج ۵)

وکذا فی تکملۃ البحر (ص ۱۱۵ ج ۸)

(۲۳) وفی الاشباہ: واما مسألۃ ما اذا اختلط الحلال بالحرام فی البلد فانہ یجوز الشراء والاخذ الا ان تقوم دلالۃ علی انہ من الحرام کذا فی الاصل (الاشباہ والنظائر ص ۱۲۸ ج ۱)

وفی الحاشیۃ للحموی: (قولہ واما مسألۃ ما اذا اختلط الحلال بالحرام الخ)

فی التمرتاشی فی باب مسائل متفرقۃ من کتاب الکراھیۃ ما نصہ لرجل مال حلال اختلطہ مال من الربوا او الرشاء او الغلول او السحت او من مال الغصب او السرقۃ او الخیانۃ او من مال یتیم فصار ماله کلہ شبھۃ لیس لاحد ان یشارکہ او یبایعہ او یستقرض منہ او یقبل ھدیتہ او یأکل فی بیتہ (حوالۂ بالا)

اس میں مال مخلوط کو مشتبہ فرمایا ہے، ایسے مال کا شراء اگرچہ مکروہ ہے معہذا مشتری کے لئے وہ حلال ہوگا اس کی تائید نمبر ۹ میں مرقاۃ وبذل المجہود کی عبارات سے گزر چکی ہے۔

بعض عبارات کے ظاہر سے مفہوم ہوتا ہے کہ مال مخلوط میں بھی حرمت متعدی ہوگی جو درج ذیل ہیں۔

① قال العلامۃ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: الحرام ینتقل من ذمۃ الی ذمۃ وبہ یعلم حرمۃ شراء المنھوب وطعام الغصب ولو استھلکہ بالطبخ۔

(طحطاوی علی الدر ص۱۹۲ ج ۳)

جواب: حرمت شراء حرمت مشتری کو لازم نہیں، بیع فاسد میں شراء ناجائز ہے معہذا مشتری کو حلال طیب ہے۔

قال فی الشامیۃ: طاب (ای المشتری شراء فاسدا) للمشتری وھذا لاینافی ان نفس الشراء مکروہ لحصولہ للبائع بسبب حرام (شامیۃ ص۹۸ ج ۵)

گزشتہ عبارات کے نمبر ۸ میں علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مخلوط اور غیر مخلوط میں جو فرق کیا ہے کہ غیر مخلوط کا شراء ناجائز ہے وان تداولتہ الایدی اور مخلوط کا شراء مکروہ ہے، یہاں وان تداولتہ الایدی نہیں فرمایا۔

② وفی الدر: الحرام ینتقل فلو دخل بامان واخذ مال حربی بلا رضاہ واخرجہ الینا ملکہ وصح بیعہ لکن لایطیب لہ ولا للمشتری منہ بخلاف البیع الفاسد فانہ لایطیب لہ لفساد عقدہ ویطیب للمشتری منہ لصحۃ عقدہ،

وفی الشامیۃ: (قولہ ولا للمشتری منہ) فیکون بشرائہ منہ مسیئا لانہ ملکہ بکسب خبیث وفی شرائہ تقریر للخبث ویؤمر بما یؤمر بہ البائع من ردہ علی الحربی لان وجوب الرد علی البائع انما کان لمراعاۃ ملک الحربی ولاجل غدر الامان وھذا المعنی قائم فی ملک المشتری کما فی ملک البائع الذی اخرجہ

بخلاف المشتری شراء فاسدا اذا باعہ من غیرہ بیعا صحیحا فان الثانی لا یؤمر بالرد وان کان البائع مامورا بہ لان الموجب للرد قد زال ببیعہ لان وجوب الرد بفساد البیع حکمہ مقصور علی ملک المشتری وقد زال ملکہ بالبیع من غیرہ۔

ثم اعلم انہ ذکر فی شرح السیر الکبیر فی الباب الثانی والستین بعد المائۃ انہ ان لم یردہ یکرہ للمسلمین شراؤہ منہ لانہ ملک خبیث بمنزلۃ المشتری فاسدا اذا اراد بیع المشتری بعد القبض یکرہ شراؤہ منہ وان نفذ فیہ بیعہ وعتقہ لانہ ملک حصل لہ بسبب حرام شرعا اھ فھذا مخالف لقولہ ویطیب للمشتری وقد یجاب بان ما اخرجہ من دار الحرب لما وجب علی المشتری ردہ علی الحربی لبقاء المعنی الموجب علی البائع ردہ تمکن الخبث فیہ فلم یطب للمشتری ایضا کالبائع بخلاف البیع الفاسد فان ردہ واجب علی البائع قبل البیع لا علی المشتری لعدم بقاء المعنی الموجب للرد کما قدمناہ فلم یتمکن الخبث فیہ فلذا طاب للمشتری وھذا لا ینافی ان نفس الشراء مکروہ لحصولہ للبائع بسبب حرام ولان فیہ اعراضا عن الفسخ الواجب ھذا ما ظھر لی۔

(رد المحتار ص ۹۸ ج ۵)

جواب :

یہ خلط کی صورت ہی نہیں، جیسا کہ لفظ "رد" اس کی واضح دلیل ہے، لہٰذا غیر کا حق عین سے متعلق ہے۔ مال مخلوط بمنزلۂ مستہلک ہے وہاں مالک کا حق عین سے منقطع ہوکر مثل اور ذمہ میں بدل جاتا ہے۔

اس ایک صورت میں "لا یطیب" فرمانا اور مال مخلوط میں جمیع تصرفات غاصب کو شراء فاسد کی طرح نافذ قرار دیکر "لا یطیب" کا استثناء نہ فرمانا مستقل دلیل ہے کہ وہاں حرمت متعدی نہیں ہوتی، لان السکوت فی معرض البیان بیان۔

③ وفی الدر: او اختلط المغصوب بملک الغاصب۔

وفی الشامیۃ: (قولہ بملک الغاصب) وکذا بمغصوب آخر لما فی التتارخانیۃ عن الینابیع غصب من کل واحد منھما الفا فخلطھما لم یسعہ ان یشتری بھما شیئا مأکولا فیأکلہ ولا یحل لہ اکل ما اشتری

حتی یؤدی عوضہ (شامیۃ ص۱۹۱ ج ۶)

جواب :

یہاں خود غاصب کے لئے عدم حلت مذکور ہے اور کلام اس میں ہے کہ مال مخلوط دوسرے کی ملک میں جانے سے حلال طیب ہوگا یا نہیں؟ یعنی دراہم مغصوبہ مخلوطہ جب بائع کی ملک میں پہنچے تو اس کے لئے وہ حلال ہیں یا نہیں؟ اسی جزئیہ سے حلت ثابت ہورہی ہے لان السکوت دلیل علیہ، ورنہ یہاں تصریح ضروری تھی کہ دوسرے کے لئے بھی حرام ہیں۔ اگر یہاں سے حلت کے ثبوت میں تأمل ہو تو دلائل سابقہ سے حلت کا حکم لگایا جائے گا، خود علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے چند سطور بعد یہ جزئیہ نقل فرمایا ہے:

وفی جامع الجوامع اشتری الزوج طعاما اوکسوۃ من مال خبیث جاز للمرأۃ اکلہ ولبسھا والاثم علی الزوج (شامیۃ ص۱۹۱ ج ۶)

یہاں مال خبیث سے مخلوط مراد ہے کیونکہ خالص حرام میں حرمت برابر متعدی رہتی ہے وان تداولتہ الایدی وتبدلت الاملاک، فتعین ان المراد من الخبیث مالا یکون عینہ حراما۔

ویفسرہ ما فی الشامیۃ عن الخانیۃ: امرأۃ زوجھا فی ارض الجور ان اکلت من طعامہ ولم یکن عین ذلک الطعام غصبا فھی فی سعۃ من اکلہ الخ۔

(حاشیۃ ابن عابدین ص۹۹ ج ۵)

(۴) وقال العلامۃ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی رسالۃ الشرنبلالی رحمہ اللہ تعالیٰ المؤلفۃ فی الرد علی من نسب الی مذھب ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ان الحرام لا یتعدی الی ذمتین ما نصہ قال نصیر رحمہ اللہ تعالیٰ فی ایام غارۃ المسلمین لا یشتری من العساکر شیء لانہ حرام ملک الغیر ولا یباع منھم شیء بالدراھم لانھم خلطوا الدراھم واطلاقہ عدم الحل بالشراء والبیع بتلک الدراھم ظاھر علی قول مشایخنا قبل اداء الضمان (طحطاوی علی الدر ص۱۹۲ ج ۴)

جواب :

"لانہ حرام ملک الغیر" سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مال مخلوط نہیں لان ملک الغاصب وملک المغصوب منہ یزول بالخلط، وحقہ فی الذمۃ لا فی العین۔

اور دراہم مخلوطہ کے ساتھ بیع سے منع فرمایا ہے لیکن اس کا دلیل حرمت ہونا محل تأمل ہے۔

(۶) مال مخلوط میں غلبہ کی قید نہیں، عبارات سابقہ ملاحظہ ہوں۔

(۷) اگر اموال مخلوط نہیں بلکہ متمیزہ ہیں مگر آخذ کو یہ معلوم نہیں کہ متمیز حرام سے دے رہا ہے یا متمیز حلال سے تو اعتبار غالب کا ہوگا۔

ففی الاشباہ : اذا کان غالب مال المهدی حلالا فلا بأس بقبول هدیته واکل ماله مالم یتبین انه من حرام وان کان غالب ماله الحرام لا یقبلها ولا یأکل الا اذا قال انه حلال ورثه او استقرضه (الاشباہ ص ۱۴۷ ج ۱)

وکذا فی الخانیة والهندیة والبزازیة وغیرها من کتب الفقه۔

تنبیہ :

الاشباہ میں مذکورہ مسئلہ کے بعد یہ تحریر ہے :

واما مسألة ما اذا اختلط الحلال بالحرام فی البلد فانه یجوز الشراء والاخذ الا ان تقوم دلالة علی انه من الحرام (الاشباہ ص ۱۴۸ ج ۱)

اس سے ثابت ہوا کہ اوپر کا جزئیہ خلط سے متعلق نہیں، بلکہ اموال متمیزہ سے متعلق ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ خلط میں غلبہ کی قید نہیں، حموی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر حاشیہ میں تمرتاشی سے صورت خلط ذکر کی ہے اس میں بھی غلبہ کی قید نہیں۔

فائدۃ :

علم بالغلبہ کے اسباب میں سے ایک سبب دلالت حال بھی ہے :

ففی الاختیار : لا یجوز قبول هدیة امراء الجور الا اذا علم ان اکثر ماله حلال لان الغالب فی مالهم الحرمة (قوله الا اذا علم) بان کان صاحب تجارة او زرع فلا بأس لان اموال الناس لا تخلو عن قلیل حرام والمعتبر الغالب وکذلك اکل طعامهم (الاختیار ص ۱۶۱ ج ۴)

لیکن اگر سلطان کے حال سے یہ معلوم ہو کہ اس کے مال میں غالب حرام نہیں ہوگا تو اخذ و شراء جائز ہوگا۔

وروی عن ابن سیرین ان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما کان یأخذ جوائز السلطان اھ (مرقاۃ ص ۳۳ ج ۶)

قلت : لان الغالب فی مال السلاطین اذ ذاک حلال ۔

وقال الامام الغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ : ان السلاطین فی زماننا ھذا ظلمۃ قلما یأخذون شیئا علی وجھہ بحقہ فلا تحل معاملتھم ولا معاملۃ من یتعلق بھم الخ

(مرقاۃ ص ۳۷ ج ۶)

(۸) اگر خلط اور تمییز میں سے کسی کا علم نہیں لیکن یہ معلوم ہے کہ آمدن حلال وحرام دونوں سے مرکب ہے تو ایسے شخص سے شراء وغیرہ جائز ہے لاحتمال کونہ من الحلال والاصل الحل مگر بہتر یہ ہے کہ اجتناب کیا جائے ۔

ففی الھندیۃ : قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ اختلف الناس فی اخذ الجائزۃ من السلطان قال بعضھم یجوز ما لم یعلم انہ یعطیہ من حرام قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ وبہ نأخذ ما لم نعرف شیئا حراما بعینہ وھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ واصحابہ کذا فی الظھیریۃ (ھندیۃ ص ۳۴۲ ج ۵)

وفیھا ایضا : ولا ینبغی للناس ان یأکلوا من اطعمۃ الظلمۃ لتقبیح الامر علیھم وزجرھم عما یرتکبون وان کان یحل ، وسئل ابوبکر عن الذی لا یحل لہ اخذ الصدقۃ فالافضل لہ ان یقبل جائزۃ السلطان ویفرقھا علی من یحل لہ او لا یقبل ؟ قال لا یقبل لانہ یشبہ اخذ الصدقۃ (حوالۂ بالا)

وفی الخانیۃ : وان کان غیر مختلط لا یجوز للفقراء ان یأخذوا اذا علموا انہ مال الغیر فان کان الغیر معلوما ردہ علیہ وان لم یعلم الآخذ انہ من مالہ او مال الغیر فھو حلال حتی یتبین انہ حرام (خانیۃ بھامش الھندیۃ ص ۴۰۰ ج ۳)

وفی الخلاصۃ : اذا قدم السلطان شیئا من المأکولات ان اشتراہ یحل وان لم یشترہ لکن الرجل لا یعلم ان فی الطعام شیئا مغصوبا بعینہ یباح اکلہ (خلاصۃ ص ۳۵۸ ج ۴) وکذا فی الھندیۃ (ص ۳۴۲ ج ۵)

وفی الشامیۃ : وکان العلامۃ بخوارزم لا یأکل من طعامھم ویأکل جوائزھم فقیل لہ فیہ فقال تقدیم الطعام یکون اباحۃ والمباح لہ یتلفہ علی ملک المبیح فیکون آکلا طعام

الظالم والجائزۃ تملیك فیتصرف فی ملك نفسه (شامیۃ ص۲۹۲ ج ۲)

اس جزئیہ کو خلط پر حمل کرنا درست نہیں کیونکہ مخلوط اگرچہ تملیک سے حلال ہوجاتا ہے معہذا اخذ وشراء ناجائز ہے، اسی طرح اسے علم بالغلبہ پر بھی حمل نہیں کیا جاسکتا، اس کا محمل صرف اور صرف یہ ہے کہ نہ غلبہ کا علم ہے اور نہ ہی خلط کا، چونکہ ایسے مال سے احتراز کرنا چاہیئے اس لئے علامہ کا یہ معمول احتیاط پر مبنی ہے، والا فھو حلال کما قدمنا عن الخانیۃ

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جزئیہ بالا کے بعد یہ فرمایا ہے:

ولعله مبنی علی القول بان الحرام لا یتعدی الی ذمتین

لیکن اسے علامۂ خوارزم کے معمول کی بناء قرار دینا صحیح نہیں، اگر اس کی بناء یہ ہوتی تو "فیکون اکلا طعام الظالم" کی بجائے "فیکون اکل الحرام" ہوتا، "طعام الظالم" کا لفظ خود بتا رہا ہے کہ یہ از قبیل ورع وتقویٰ ہے، ویدل علیه ما قدمنا عن الھندیۃ من قوله ولا ینبغی للناس الخ۔

وفی المرقاۃ: والاثم ما حاك فی النفس وتردد فی الصدر وان افتاك الناس ای وان قالوا لك انه حق فلا تأخذ بقولهم فانه قد یوقع فی الغلط واکل الشبھۃ کأن تری من له مال حلال وحرام فلا تأخذ منه شیئا وان افتاك المفتی مخافۃ ان تأکل الحرام لان الفتوی غیر التقوی (مرقاۃ ص ۴۵ ج ۶)

الجواب باسم ملھم الصواب

اصلاح الکلام فی احکام الخلط بین الحلال والحرام:

ص۳ (۳) مال مخلوط ومشتری فاسدا میں بوجوہ ذیل فرق ہے:

(۱) شراء فاسد میں عقد صلبا صحیح ہے۔

(۲) بائع کی رضا سے ہے۔

(۳) بائع کو عوض مل چکا ہے، بخلاف خلط المغصوب فی الوجوہ الثلاثۃ۔

علاوہ ازیں کتب فقہ میں تصریح ہے کہ مغصوب مخلوط تبدل ملک سے حلال نہیں ہوتا۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمه اللہ تعالیٰ تحت (قوله وھو حرام مطلقا علی الورثۃ) ما ترکه میراثا فانه عین المال الحرام وان ملکه بالقبض والخلط عند الامام رحمه اللہ تعالیٰ فانه لا یحل له التصرف فیه قبل اداء ضمانه وکذا لوارثه ثم الظاھر

ان حرمتہ علی الورثۃ فی الدیانۃ لا الحکم فلا یجوز لولی القاصر التصدق ویضمنہ القاصر اذا بلغ تأمل (رد المحتار ص ۳۸۶ ج ۶)

مزید متعدد دلائل آگے تنقید کے ضمن میں آرہے ہیں۔

ص۴ (۵) یہ نمبر ۳ پر متفرع ہے، ولم یثبت ھو بل ثبت خلافہ۔

ص۴ (۱) (۲) للفقیر لا للغنی۔

ص۴ (۳) "لا بأس بہ" کی تعلیل "لانہ صار ملکا لہ" غیر تام ہے، بتسلیم صحت خود غاصب کے لئے بھی حلت ثابت ہوگی، وھو باطل، لہٰذا اس کی توجیہ یوں ہوگی کہ اخذ حلال ہے، لان المعطی یعطی ملکہ، انتفاع حلال نہیں، للخبث۔ بخلاف المشتری فاسدا فانہ یکرہ شراؤہ لکونہ مانعا من الرد الواجب علی المشتری الاول، وحل الانتفاع لزوال الخبث العارض۔

یا یہ مطلب ہے کہ انتفاع حلال مع الکراھۃ ہے کما للغاصب نفسہ۔

ص۵ (۴) ارفق ہونے کی یہ وجوہ ہوسکتی ہیں:

(۱) یہ مال اختیار ضمان سے حلال ہوجاتا ہے۔

(۲) حرمۃ لعدم الملک کی بنسبت خبث لفساد الملک اہون ہے۔

(۳) عبارت شامیہ کو عبارت خلاصہ پر محمول کرنا ضروری نہیں، اسلئے علامہ رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی توجیہ میں کوئی اشکال نہیں، بالخصوص جبکہ خلاصہ کی تعلیل معلوم ہے۔

ص۵ (۵) (۶) (۷) حی و میت میں یہ فرق ہے کہ حق ملاک غاصب پر واجب فی الذمہ ہے لہٰذا ملاک کا علم و عدم علم اور مال میں وفاء و عدم وفاء برابر ہے بخلاف میت کہ اس کے ذمہ وجوب نہیں ہوسکتا، حق ملاک اس کے ترکہ میں ہے، اس لئے ترکہ میں وفاء کی قید لگائی گئی،

ایفاء کی دو صورتیں ہیں، بصورت علم ملاک ادا رضمان ورنہ تصدق۔

دلیل خامس سے عدم علم ملاک کا استنباط واضح نہیں، نیز اس صورت میں وارث کے لئے حلت خلاف اصول ہے، اور "اذ لو اختلط الخ" سے غاصب کے لئے حرمت اور اسکے وارث کے لئے حلت کا استخراج غیر معقول ہے، البتہ دلیل سادس و سابع میں معقول ہے، لکون الموصی لہم فقراء۔

اس عبارت کی یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ غیر مخلوط حرام لعدم الملک ہے اور وہ بعینہ واجب الرد ہے اور مخلوط میں حرمۃ لعدم الملک نہیں بلکہ للخبث ہے، اور یہ مال واجب الرد نہیں بلکہ اختیار ضمان سے حلال ہوجائے گا۔

قید "وفاء" کی وجہ سے بعض کا خیال ہے کہ غاصب کے لئے مال مخلوط سے اپنے حصہ کی مقدار حلال ہے۔

حق ومیت میں وجہ الفرق کی تقریر مذکور سے معلوم ہوا کہ یہ استنباط صحیح نہیں۔

علاوہ ازیں فی نفسہ بھی یہ خیال صحیح نہیں، اس لئے کہ حق غیر مخلوط کے ہر جزء میں موجود ہونے کی وجہ سے مخلوط کے ہر جزء میں خبث ساری ہے۔

عبارت سادسہ وسابعہ کو قول کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے کیونکہ نفس خلط کے غصب کی بنسبت اسکا شراء بمال مغصوب زیادہ ظاہر ہے۔

ص۵ (۸) یدخل فی ملکہ مع الکراھۃ سے متبادر یہ ہے کہ انتفاع مکروہ ہے۔

ص۶ (۹) یہ ایسے اموال سے متعلق ہے جن کا خلط متیقن نہو، ان میں اموال متمیزہ کی طرح غلبہ کا اعتبار ہے، غلبہ کا علم نہو تو جائز ہے تورع اولیٰ ہے۔

قول علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ "فانہم یصیبون من الحلال اکثر مما یعطونک" سے غلبۂ حلال ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا اس سے احتمال حلت کو ترجیح دیکر حکم جواز کی تقویت مقصود ہے، نفس جواز اس پر موقوف نہیں، جب تک غلبۂ حرام کا یقین نہو گنجائش ہے۔

البتہ "او خالطہ ربا" سے اختلاط معلوم ہوتا ہے، مگر سیاق پر نظر کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں شبہۂ خلط مراد ہے، اگر تیقن خلط مراد لیا جائے تو یہ اس لئے قابل قبول نہیں کہ اس کی تائید میں کوئی روایت مذہب نہیں ملی۔

ص۶ (۱۰) اس سے کس پر استدلال ہے؟

ص۶ (۱۱) یہ حالت اشتباہ پر محمول ہے، یعنی جب خلط متیقن نہو، کیونکہ بصورت خلط ملک غاصب سے کھانا تو بالاتفاق حرام ہے۔ ویمکن حملہ علی قول الکرخی رحمہ اللہ تعالیٰ لما قد منا فی العبارۃ السادسۃ والسابعۃ۔

ص۷ (۱۱) (۱) مال مشتبہ میں غلبہ کی قید ہے ہی نہیں کہ اسکا ترک لازم آئے۔

ص۷ (۱۱) (۲) دیانت وحکم کا فرق مال مخلوط میں نہیں، مال مشتبہ میں ہے۔

ص (۱۳) (۱۳) مال مخلوط کو مشتری فاسد کی طرح قرار دینے پر متفرع ہے، وجرد نا بطلانہ۔

دلیل نمبر ۱۳ میں عبارت بزازیہ "فلا یکون اخذہ عندنا حراما محضا" میں اخذ من الغاصب مراد ہے، کیونکہ اخذ غاصب تو بہر حال حرام محض ہے خواہ وہ بعد میں خلط ہی کرلے، اس سے ثابت ہوا کہ اس کے بعد "لا یباح الانتفاع بہ الخ" بھی اخذ من الغاصب کے بارے میں ہے، لہٰذا یہ اس پر واضح دلیل ہے کہ مال مخلوط تبدل ملک سے حلال نہیں ہوتا۔

ص (۱۴) مال مشتبہ سے متعلق ہے، خلط متیقن نہیں۔

ص (۱۵) اس میں اُمور ذیل توجہ طلب ہیں:

(۱) علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ درمختار کی اس عبارت کا حاصل ذکر فرمایا ہے جو یہاں ہے، اور علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خود کتاب الحظر والاباحۃ میں اس کے خلاف مطلقاً حرمت کو ترجیح دی ہے۔

(۲) علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر منیۃ المفتی، بزازیہ، ذخیرہ، خانیہ سے چار جزئیات پیش فرمائے ہیں۔

جزئیہ اولیٰ، مال مشتبہ کے بارے میں ہے اس لئے تصدق واجب نہیں۔

بزازیہ کے جزئیہ سے وجوب تصدق ثابت ہوتا ہے۔

ذخیرہ کے جزئیہ میں مال مشتبہ کا حکم ہے۔

خانیہ کے جزئیہ کا جزء اول مال مشتبہ کے بارے میں ہے، اور جزء ثانی "لو اشتری طعاما الخ" قول کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ پر مبنی ہے۔

اس کی تفصیل آئندہ نمبر ۱۴ میں آرہی ہے۔

(۳) خود علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الحظر والاباحۃ میں وارث پر حرمت تحریر فرمائی ہے۔

ونصہ: وان ملکہ بالقبض والخلط عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ فانہ لا یحل لہ التصرف فیہ قبل اداء ضمانہ ولا لوارثہ ثم الظاھر ان حرمتہ علی الورثۃ فی الدیانۃ لا الحکم فلا یجوز لولی القاصر التصدق ویضمنہ القاصر اذا بلغ تأمل۔ (رد المحتار ص ۳۸۶ ج ۶)

(۴) اس بحث کے آخر میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

اذ لو اختلط بحیث لا یتمیز یملکہ ملکا خبیثا لکن لا یحل لہ التصرف فیہ مالم یؤد بدلہ ،

یہ تعلیل غاصب اور اس کے وارث دونوں کو شامل ہے۔

اس کی مزید تفصیل نمبر ۵ میں گزر چکی ہے۔

صہ (۱۶) اس میں تبدل ملک نہیں بلکہ اباحۃ ہے، جس میں حرمت پر اتفاق ہے، اسلئے اسے مال مخلوط پر محمول کرنا صحیح نہیں، ویسے بھی اس میں خلط پر کوئی قرینہ نہیں، لہٰذا یہ مال مشتبہ کے بارے میں ہے، اور "لو اشتری طعاما اوکسوۃ من مال اصلہ لیس بطیب الخ" قول کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ پر محمول ہے۔

اس تحریر کے بعد خود شامیہ میں بھی اس کی تصریح مل گئی۔

ونصھا : (قولہ وھو حرام علی الورثۃ) ای سواء علموا اربابہ اولا فان علموا اربابہ ردوہ علیھم والا تصدقوا بہ کما قدمناہ انفا عن الزیلعی، اقول ولا یشکل ذلک بما قدمناہ انفا عن الذخیرۃ والخانیۃ لان الطعام او الکسوۃ لیس عین المال الحرام فانہ اذا اشتری بہ شیئا یحل اکلہ علی تفصیل تقدم فی کتاب الغصب (رد المحتار صہ ۳۸۶ ج ۶)

صہ (۱۷) مشتری فاسد اسے تشبیہ من کل الوجوہ مقصود نہیں، صرف نفاذ تصرفات میں تشبیہ مقصود ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : ثم اعلم انہ ذکر فی شرح السیر الکبیر فی الباب الثانی والستین بعد المائۃ انہ ان لم یردہ یکرہ للمسلمین شراؤہ منہ لانہ ملک خبیث بمنزلۃ المشتری فاسدا اذا اراد بیع المشتری بعد القبض یکرہ شراؤہ منہ وان نفذ بیعہ وعتقہ لانہ ملک حصل لہ بسبب حرام شرعا اھ فھذا مخالف لقولہ ویطیب للمشتری وقد یجاب بان ما اخرجہ من دار الحرب لما وجب علیہ المشتری ردہ علی الحربی لبقاء المعنی الموجب علی البائع ردہ تمکن الخبث فیہ فلم یطب للمشتری ایضا کالبائع بخلاف البیع الفاسد فان ردہ واجب علی البائع قبل البیع لا علی المشتری لعدم بقاء المعنی الموجب للرد کما قدمناہ فلم یتمکن

الخبث فیہ فلا اطاب للمشتری وھذا لا ینافی ان نفس الشراء مکروہ لحصولہ للبائع لسبب حرام ولان فیہ اعراضا عن الفسخ الواجب ھذا ما ظھرلی (ردالمحتار ص۹۸ ج ۵)

اس سے ثابت ہوا کہ مال مخلوط من کل الوجوہ مشتری فاسدا کی طرح نہیں، بلکہ مال حربی کی طرح ہے، جو صرف نفاذ تصرفات میں مشتری فاسد ا کی طرح ہے، حکم حلت میں اس سے مختلف ہے۔

اسی نمبر۱۷ میں بدائع سے منقول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس پر نص صریح ہے کہ مال مخلوط تبدل ملک کے بعد بھی حرام رہتا ہے، اگر اس کی کوئی گنجائش ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت ذابح کو اپنے لئے تملیک کا حکم فرماتے، کما قال صلی اللہ علیہ وسلم للحم تصدق علی بریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

لہا صدقۃ ولنا ھدیۃ۔

اس وقت طعام کی سخت ضرورت بھی تھی اور تحلیل بھی بہت سہل تھی اس کے باوجود ایسا نہیں کیا گیا۔

علاوہ ازیں اطعام اساری میں بھی تملیک متیقن نہیں بلکہ احتمال اباحۃ غالب ہے۔
صورت تحلیل اختیار نہ فرمانے کی یہ توجیہ صحیح نہیں کہ یہ طعام عین حرام تھا، عین حرام نہ ہونے پر تین دلائل ہیں:

(۱) بوجہ ذبح وطبخ غاصب پر مضمون اور اس کی ملک ہوگیا تھا۔
(۲) خلط تو ابل کی وجہ سے مال مخلوط ہوگیا۔
(۳) اگر عین حرام ہوتا تو فقراء کے لئے بھی حلال نہ ہوتا۔

آپ کے خیال کے مطابق یہ جواب ہو سکتا ہے کہ اگرچہ تناول حلال تھا مگر اخذ مکروہ تھا اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور ہدیہ قبول نہ فرمایا۔

یہ جواب اس لئے صحیح نہیں کہ یہ شراء فاسد کی طرح ہونے پر متفرع ہے جس کا ابطال اوپر متعدد بار کیا جا چکا ہے۔

ص۹ (۱۸) شراء فاسد سے تشبیہ من کل الوجوہ نہیں، کما حررنا مرارا۔
ص۹ (۱۹) حکم تصدق سے ثابت ہوا کہ بصورت ہدیہ و بیع وغیرہ تبدل ملک سبب حلت نہیں۔
ص۱۰ (۲۰) بحکم شراء فاسد صرف نفاذ تصرفات میں ہے، وتقدم مرارا۔

صنا (۳۱) وجہ استدلال ؟

صنا (۳۲) بحکم شراء فاسد من وجہ ہے، کما تقدم مرارا۔

صنا (۳۳) منع قبول ہدیہ سے حرمت اکل معلوم ہوتی ہے، اس میں نمبر ۹ کا حوالہ دیا ہے، اس کا جواب وہیں نمبر ۹ میں لکھدیا ہے۔

صلا (۱) یہ نص صریح ہے کہ مال مخلوط تبدل ملک سے حلال نہیں ہوتا، اس کے جواب میں شراء فاسد پر قیاس باطل ہے۔

صلا (۲) مال مخلوط مال حربی کی طرح ہے مشتریٰ فاسدا کی طرح نہیں، مال مخلوط و مشتریٰ فاسدا میں وجوہ فرق اوپر بیان کی جاچکی ہیں۔

اسی نمبر ۲ کے آخر میں شرح السیر الکبیر کی جو عبارت ہے اسمیں مال حربی کو بمنزلۃ المشتریٰ فاسدا کہا ہے، حالانکہ یہ تشبیہ بالاتفاق صرف نفاذ تصرفات میں ہے، حلت میں نہیں، فکذا المال المخلوط۔

مال مخلوط کو مشتریٰ فاسدا سے جہاں بھی تشبیہ دی گئی ہے وہاں وجہ شبہ صرف نفاذ تصرفات بیان کی گئی ہے، حلت کا ذکر کہیں بھی نہیں، اس سے وجہ شبہ میں حصر ثابت ہوتا ہے لان مفہوم الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ حجۃ۔

ص۱۲ (۳) جزئیہ تتارخانیہ سے استدلال تام نہیں، اور جزئیہ جامع الجوامع و خانیہ کا جواب لکھا جاچکا ہے کہ یہ قول کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ پر مبنی ہے۔

ص۱۳ (۴) یہ حرمت بیع و شراء پر صریح دلیل ہے، شراء فاسد پر قیاس کرکے حلت مشتریٰ کا خیال باطل ہے، کما حررنا۔

ص۱۴ (۷) اما مسألۃ ما اذا اختلط الحلال والحرام فی البلد الخ،

یہ مال مخلوط بالیقین سے متعلق نہیں بلکہ مال مشتبہ سے متعلق ہے، یہاں اختلاط سے مراد یہ ہے کہ بازار میں حلال و حرام دونوں قسم کا مال ہے مگر مشتری کو متعین طور پر کسی چیز کے بارے میں حلت یا حرمت کا علم نہیں۔

جس مال کے مخلوط ہونے کا یقین ہو اس کا شراء اور مشتری کے لئے اس سے انتفاع حرام ہے، کما حررنا۔

ص۱۵ (۸) عن الخلاصۃ : ان اشتراہ یحل،

مبنی علی قول الکرخی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ص۱۶ س۲۲ قولك : مخلوط اگرچہ تملیک سے حلال ہوجاتا ہے ۔

قلت : حلال نہیں ہوتا ۔

خلاصہ :

(۱) خلط متیقن ہو تو مخلوط غاصب وآخذ من الغاصب دونوں کے لئے قبل اختیار الضمان حرام ہے، خواہ حلال غالب ہو یا مغلوب ۔

(۲) اموال متمیزہ میں غلبہ کا اعتبار ہے جب یہ معلوم نہ ہوسکے کہ کس میں سے ہے ۔

(۳) خلط مشتبہ ہو تو بھی اموال متمیزہ کی طرح غلبہ کا اعتبار ہے ۔

(۴) صورت ثانیہ وثالثہ میں غلبہ کا علم نہ ہوسکے تو اجتناب اولیٰ ہے ۔

(۵) صور جواز میں جہاں بھی "اشتری" آیا ہے وہ قول کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ پر مبنی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مشتری حرام نہیں، اداء الثمن من الحرام کا گناہ ہوگا ۔

(۶) کتاب الآثار وغیرہ کی سب روایات اشتباہ پر محمول ہیں ۔

(۷) جواز کی دوسری سب روایات قول مرجوح پر مبنی ہیں۔

میں اس تحریر کے وقت عبارت ۱۵ کے سوا دوسری عبارات کی تحقیق کے لئے ان کے مواضع کا مراجعہ اور انکے سیاق وسباق کا ملاحظہ نہیں کرسکا ۔

ثم بعد الفراغ من هذا التحریر رأیت فی الهندیة ما یخالفه الا ان یحمل علی المرجوح، ونصها :

عن محمد رحمه الله تعالیٰ غصب عشرة دنانیر فالقی فیها دینارا ثم اعطی منه رجلا دینارا جاز ثم دینارا اخر لا کذا فی التتارخانیة ناقلا عن جامع الجوامع ۔

(عالمگیریة ص۳۴۱ ج۵)
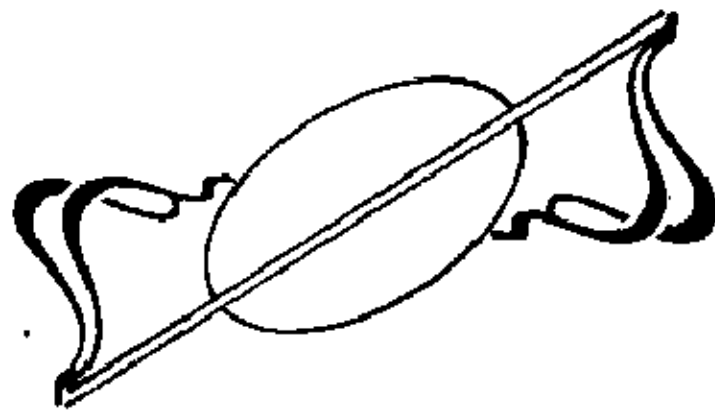
واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ شعبان سنہ ۱۴۰۸ھ

بسم الله الرحمن الرحيم
وما توفيقي الا بالله عليه توكلت واليه انيب

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝
ڈاکٹری
تعلیم
کے
لئے
انسانی ڈھانچے
ڈاکٹری مشق کے لئے انسان کی نعش پر عملِ جراحی
کرنا اور چیر پھاڑ کر کے بے حرمتی کرنا جائز نہیں ،
مکتبہ فاروقی

ڈاکٹری تعلیم

کے لئے

انسانی ڈھانچے

اس دورِ ترقی میں علاج اور علم العلاج کو اتنی اہمیت دیدی گئی ہے کہ اس پر مذہب اور حرمتِ انسان کو بھینٹ چڑھا دینا بہت معمولی سی بات ہے۔

شریعت میں علاج اور علم العلاج کی اتنی اہمیت نہیں کہ اس کے لئے انسانی نعش کو تختۂ مشق بنایا جائے اور اس کو چیر پھاڑ کر اس کی بے حرمتی کی جائے۔

بالخصوص جبکہ یہ ضرورت مصنوعی ڈھانچوں سے بسہولت پوری ہو سکتی ہے جس کی تفصیل اس رسالہ کے آخر میں ہے،

ڈاکٹری تعلیم کے لئے انسانی ڈھانچوں کا استعمال جائز نہیں

سوال: نظام الفتاوی ص۲۵۶ میں کالج میں ڈاکٹری کی تعلیم کے لئے انسانی ڈھانچے پر مشق کے جواز کا فتوی شائع ہوا ہے آپکی فوٹو کاپی ارسال ہے۔ اس بارے میں اپنی تحقیق بالتفصیل تحریر فرمائیں، بیّنوا توجروا

مسلم نعش پر عمل جراحی کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہسپتال وغیرہ سے لاوارث مسلم نعش عمل جراحی کے لئے میڈیکل کالج میں بھیجدی جاتی ہے۔ اب اس کے متعلق سوال یہ ہے:

① مسلم نعش پر شرعاً کسی حالت میں عمل جراحی جائز ہے یا نہیں؟

② اور اگر کسی خاص صورت میں جائز بھی ہو تو میڈیکل کالج میں تعلیمی ضرورت کے لئے مسلم نعش پر عمل جراحی جائز ہوگا؟

الجواب

① مسلم نعش پر عمل جراحی بعض حالات میں شرعاً جائز ہے۔ مثلاً کوئی عورت مرجائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ اور متحرک ہو تو تمام فتاوی میں یہ تصریح ہے کہ اس کے پیٹ کو بائیں جانب سے چیر کر بچہ کو نکال لیا جائے۔ درمختار میں ہے:

"حامل ماتت وولدها حی یضطرب شق بطنها من الایسر ویخرج ولدها"۔

(برحاشیہ ردالمحتار ص۶۶۱ ج۱)

نیز ایسی صورت میں بھی عمل جراحی جائز ہے جبکہ مرنے والی کے پیٹ میں کوئی چیز متحرک معلوم ہو اور لوگوں کی رائے یہ ہو کہ یہ متحرک بچہ ہے، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔

وفی التجنیس من علامۃ النوازل امرأۃ حامل ماتت واضطرب فی بطنها شیء وکان رأیهم انه ولد حی شق بطنها (ص۱۰۲ ج۲ قبیل باب الشهید)

مطلب یہ ہے کہ ہر دو صورت میں بچہ زندہ ہونے کا یقین ہو یا بچے کے زندہ ہونے کا ظن ہو، مردہ نعش کو چاک کرنا جائز ہے۔ نیز ایسی صورت میں بھی مردہ نعش پر عمل جراحی کرنا جائز ہے کہ کوئی شخص کسی کا روپیہ نگل جائے اور مرجائے۔ دُرِّمختار میں ہے:

لو بلع مال غیرہ ومات هل یشق قولان والاولی نعم اھ

(قوله الاولی نعم) لانه وان کان حرمة الآدمی اعلیٰ من صیانة المال لکنه ازال احترامه بتعدیه کما فی الفتح ومفادہ انه لو سقط فی جوف بلا تعدٍ لایشق

اتفاقاً اھ (رد المحتار ص ۶۶۲ ج ۵)

وفی البیری عن تلخیص الکبری لو یبلغ عشرۃ دراھم ومات یشق وافاد البیری

علام الخلاف فی الدراھم والدنانیر (رد المحتار ص ۱۳۳)

ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مردہ نعش پر بحالت ضرورت عمل جرّاحی جائز ہے۔

(۲) میڈیکل کالج میں تعلیمی ضرورت کے لئے نعش پر عمل جرّاحی کرنا شرعاً جائز ہوگا اسلئے کہ آئین اسلام کا ضابطہ یہ ہے کہ دو ضرروں میں سے ایک ضرر اگر دوسرے ضرر سے اعظم ہو تو اشد ضرر کا اخف ضرر کے ذریعہ ازالہ کیا جائے گا جس کی ایک مثال مردہ عورت کے پیٹ کا بچہ نکالنے کے لئے چیرا جانا ہے۔

الاشباہ والنظائر میں ہے:

لو کان احدھما اعظم ضرراً عن الآخر فان الاشد یزال بالاخف

(ص ۱۲۳ ج ۱ تحت القاعدۃ الخامسۃ)

اس کے بعد اس کی مثالوں میں بہت سی مثالوں کے ساتھ مذکورہ بالا مثال کو ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

"ومنھا جواز شق بطن المیتۃ لاخراج الولد اذا کانت ترجی حیاتہ وقد امر بہ ابوحنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فعاش الولد کما فی الملتقط، (الاشباہ والنظائر ص ۱۲۳ ج ۱، مع الحموی)

میڈیکل کالج میں چند مردوں کی نعش پر عمل جراحی کے باعث چونکہ سیکڑوں زندہ مریضوں کی جان بچتی ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ایک بچّہ کی جان بچانے کے لئے ایک نعش پر عمل جرّاحی بلا اختلاف جائز ہو اور سیکڑوں جانیں بچانے کے لئے چند نعشوں پر عمل جراحی جائز نہ ہو، ھذا ما عندی فان اصبت فمن اللہ وان اخطأت فمنّی ومن الشیطان۔

علماء کرام کے لئے قابلِ غور بات یہی ہے کہ عدم تعلیم سیکڑوں جانوں کی ہلاکت کا موجب ہوگا یا نہیں؟ اور اگر موجب ہوگا تو یہ ضرر بمقابلہ چند نعشوں کے اعظم اور اشد ضرر ہے یا نہیں؟

میرا خیال ہے کہ بمقابلہ چند نعشوں کے سیکڑوں جانوں کی ہلاکت اعظم اور اشد ضرر ہے لہٰذا الاشباہ کی تصریح کی بنا پر آئین اسلام کی رو سے اس میں کوئی شبہہ نہیں رہتا ہے کہ میڈیکل کالج میں نعش پر جو عمل جراحی کیا جاتا ہے وہ شرعاً حدِّ جواز کے اندر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

منت اللہ رحمانی خانقاہ رحمانی مونگیر

ڈاکٹری تعلیم کے لئے انسانی ڈھانچے ——— ۴

الجواب صحیح

علم جراحی مسلمانوں کے لئے حاصل کرنا لازمی اور ضروری ہے، اور ادھر یہ قاعدہ بھی ہے، الضرر یزال اور الضرورات تبیح المحظورات۔
پس ضرورت اور مجبوریوں کی وجہ سے یہ عمل جراحی جائز ہے، چنانچہ مجیب لبیب نے توضیح کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ السید مہدی حسن مفتی دار العلوم دیوبند
۲۹/ ۱/ ۷۹ھ

الجواب صحیح والمجیب نجیح

خط کشیدہ عبارت تو بہت ہی مضبوط دلیل ہے اور آیتِ کریمہ:
ولکم فی القصاص حیٰوۃ یا اولی الالباب ٥
اور آیتِ قتال کے اشارے بھی اس طرف ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

احقر نظام الدین دار العلوم دیوبند

الجواب باسم ملہم الصواب

نظام الفتاویٰ کا جواب صحیح نہیں، تعلیمی ضرورت کو اخراج ولد پر قیاس کرنا بوجوہ ذیل باطل ہے:

① شق بطن ولادت کا ایک متبادل طریق ہے جو اس زمانہ میں عام ہے اس میں انسان کی بے حرمتی کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔

② اخراج ولد کے لئے شق بطن امر عارضی ہے، اس کے بعد میت کو احترام کے ساتھ دفن کر دیا جاتا ہے اور میڈیکل کالج میں ہمیشہ کے لئے تختۂ مشق بنایا جاتا ہے۔

③ اخراج ولد میں جان بچانے کا عمل ہو رہا ہے اور کالج میں جان بچانے کے طریقوں کی تعلیم ہوتی ہے فی الحال جانیں بچانے کا عمل نہیں ہو رہا۔
جان بچانے کے عمل اور اس کی تعلیم میں فرق ہے، مثلاً جان بچانے کے لئے حملہ آور کو قتل کرنا جائز ہے مگر جان بچانے کا طریقہ سیکھنے کی غرض سے جائز نہیں۔

④ اسباب کی دو قسمیں ہیں:
ایک یہ کہ اس پر مسبب وثمرہ کا ترتب عادۃً متیقن ہے اور ترکِ اسباب سے ہلاکت کا

یقین ہے، جیسے کسی کو آگ یا سیلاب یا کنویں وغیرہ سے نکالنا یا کسی درندہ کی گرفت سے بچانا۔

ان صورتوں میں جان بچانے کے اسباب اختیار کرنا فرض ہے اور ان کا ترک حرام ہے، اخراج ولد بھی اسی قسم کا سبب ہے۔

اسباب کی دوسری قسم یہ ہے کہ اس پر نتیجہ کا ترتب ضروری نہیں اور ان کے ترک سے موت متیقن نہیں۔

ایسے اسباب کا اختیار کرنا لازم نہیں اور ان کے ترک پر کوئی گناہ نہیں، علاج الامراض اسی قسم میں داخل ہے، سیکڑوں واقعات کا مشاہدہ ہے کہ علاج سے مرض مزید بڑھ گیا یا مریض ہلاک ہوگیا اور کئی مریض بدون علاج ہی تندرست ہوگئے، اسی لئے اس پر اتفاق ہے کہ علاج کرانا فرض نہیں ہے، اگر کوئی ترک علاج کے نتیجہ میں مرجائے تو اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں، اگر علاج کرانا فرض ہوتا تو جہاں مرض کا صرف ایک ہی اسپیشلسٹ ہو اس کے لئے علاج کی اجرت لینا حرام ہوتا، پھر مسئلہ زیر بحث میں تو علاج بھی نہیں، علاج کی تعلیم ہے وشتان بینہما کما ذکرنا۔

⑤ بچہ کے جان بچانے کے لئے میت کے شق بطن کی صورت متعین ہے، دوسری کوئی صورت ممکن نہیں، اس کے برعکس تعلیم کے لئے دوسری کئی صورتیں بسہولت اختیار کی جاسکتی ہیں، مثلاً:

① اسکریننگ مشین کے ذریعہ زندہ انسان کے اندرونی اعضاء کا تفصیلی معاینہ کیا جاسکتا ہے۔

② حیوانی ڈھانچوں سے کام لیا جاسکتا ہے، بالخصوص ڈارون کے نظریہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بندر اور انسان کے اعضاء میں یکسانیت ہے۔

③ پلاسٹک کے انسانی ڈھانچے مع اندرونی اعضاء کے بیرونی ممالک میں بن رہے ہیں، ان کو استعمال کیا جاسکتا ہے، اور مجسمہ رکھنے کے گناہ سے بچنے کی یہ تدبیر ہوسکتی ہے کہ ڈھانچے کے اعضاء علیحدہ کرکے رکھے جائیں، بوقت ضرورت بقدر ضرورت ایک عضو کو دوسرے سے ملایا جاسکتا ہے۔

روزنامہ "مشرق" ۲۵ دسمبر ۱۹۶۷ء مطابق ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ میں یہ خبر شائع ہوئی ہے:

"برطانوی فرموں میں مصنوعی مسالے سے تیار کیا ہوا انسانی ڈھانچا بنالیا گیا ہے، اس ڈھانچے کو برطانوی فرموں نے "سام" کا نام دیا ہے، ڈھانچا اب بھی کئی تعلیمی ادارے منگواتے ہیں، لیکچر دینا ہو تو یہی مصنوعی "سام" استعمال ہوتا ہے، پورے انسانی مصنوعی قد کا "سام" ۵ فٹ ۷ انچ کا ہوتا ہے اور اس کی قیمت ۳۸ پونڈ ۹ شلنگ ہے"

ڈاکٹری تعلیم کے لئے انسانی ڈھانچے ——— ۶

جسم کے اندرونی اعضاء بھی "سر ے کی سائنٹیفک پلاسٹکس لمیٹڈ" تیار کرتی ہے۔
مصنوعی دل کی قیمت ۱۳ پونڈ ۳ شلنگ۔
مصنوعی دماغ کی قیمت ۱۱ پونڈ ۱۰ شلنگ مقرر ہے۔
یہ کمپنی کان بھی تیار کرتی ہے جن کی قیمت ۱۰ پونڈ ہے، اس مصنوعی کان کے پردوں میں آواز ٹکرانے کے بعد اسی طرح لہریں نمودار ہوتی ہیں جس طرح اصلی کان میں ہوتی ہیں، انسان کے سانس لینے کا نظام بھی طلبہ کے استفادہ کے لئے مصنوعی بنایا جاتا ہے جس کی قیمت ۱۷ پونڈ ۱۵ شلنگ ہے، اس مصنوعی سانس لینے والے انسان پر جان بچانے کے طریقے کی مشق آسانی سے کی جاسکتی ہے، کیونکہ اس کے مصنوعی پھیپھڑے اسی طرح کام کرتے ہیں جس طرح انسانی پھیپھڑے کرتے ہیں۔"

مجیب نے دوسرا قیاس اخراج مال کے لئے جواز شق بطن پر کیا ہے، حالانکہ اس کا بطلان خود جزئیہ مذکورہ میں تعلیل جواز:
"لانہ وان کان حرمۃ الآدمی اعلی من صیانۃ المال لکنہ ازال احترامہ بتعدیہ"
سے ظاہر ہے۔

اشیاء کے کلیہ سے بھی استدلال صحیح نہیں۔ حفظ احترام کے مقابلہ میں حفظ جان اگرچہ مقدم ہے مگر یہاں احترام کے مقابلہ میں حفظ جان کا عمل نہیں، بلکہ اس کے طریقہ کی تعلیم ہے، خود علاج ہی سببیت کی قسم ثانی ہے، اور یہاں تو علاج بھی نہیں ہو رہا - بلکہ علاج کی تعلیم دی جارہی ہے اس پر حرمت انسان کو بھینٹ چڑھانا جائز نہیں۔

اگر مجیب کے نظریہ کے مطابق صورت زیر بحث میں حفظ احترام و حفظ جان کا تقابل تسلیم کرلیا جائے تو کالجوں میں لاوارث ڈھانچوں کی کمی کی صورت میں وارثوں پر فرض ہوگا کہ اپنے رشتہ داروں کی لاشیں دفن کرنے کی بجائے کالجوں میں پہنچائیں، بصورت انکار حکومت پر فرض ہوگا کہ رشتہ داروں سے لاشیں جبراً چھین کر کالجوں میں مہیا کرے، اور اگر بوقت ضرورت کوئی لاش دستیاب نہ ہو تو قبرستان سے مردے اکھاڑ کر کالج کی ضرورت پوری کرے۔

تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ کالج میں لاوارث لاشوں کی بہت کمی ہے، لہٰذا اب بزعم مجیب جان بچانے کا فرض ادا کرنے کی صرف یہی صورت ہوسکتی ہے کہ وارثوں سے جبراً مردے وصول کئے جائیں۔

ڈاکٹری تعلیم کے لئے انسانی ڈھانچے ———

یہ ظلم صرف لاوارث لاشوں کے ساتھ مخصوص کیوں ہے جبکہ درحقیقت کوئی لاش بھی لاوارث نہیں۔ اس لئے کہ کسی کے نسبی وارث نہوں تو اس کا کفن و دفن حکومت یا عامۃ المسلمین پر فرض ہے اور یہی اس کے ولی ہیں۔

حکومت کا کوئی فرد اپنے رشتہ دار کی لاش دینے کو تیار نہیں تو دوسری لاش جس کی شرعی ولایت اور دفن کا فریضہ حکومت کے ذمہ ہے اسکی بے حرمتی کی اجازت کیوں دیتی ہے؟

کالجوں میں زیر تعلیم طلبہ کی بنسبت لاشوں کی غیر معمولی کمی کے ثبوت سے یہ ثابت ہوگیا کہ لاش کے بغیر بھی ڈاکٹری کی تعلیم مکمل ہوسکتی ہے۔

تعلیمی اداروں میں انسانی لاشوں کی بڑھتی ہوئی مانگ اور لاشوں کی منڈی میں غیر معمولی تیزی دیکھ کر انسانی درندے اور جرائم پیشہ لوگ انسانوں کو قتل کر کے انکی لاشیں منڈی میں فروخت کرنے کا کاروبار شروع کردیں گے، ان کے لئے یہ بہت ہی نفع بخش تجارت ہوگی۔ کوئی اور شکار ہاتھ نہ لگا تو انہی اداروں کا عملہ، طلبہ، اساتذہ اور سربراہ کام لائے جاسکتے ہیں، ایسی ترقی کے فتنوں سے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں۔ وھو العاصم ولا ملجأ ولا منجأ الا الیہ،

۲۶ شعبان ۱۴۰۲ ہجری
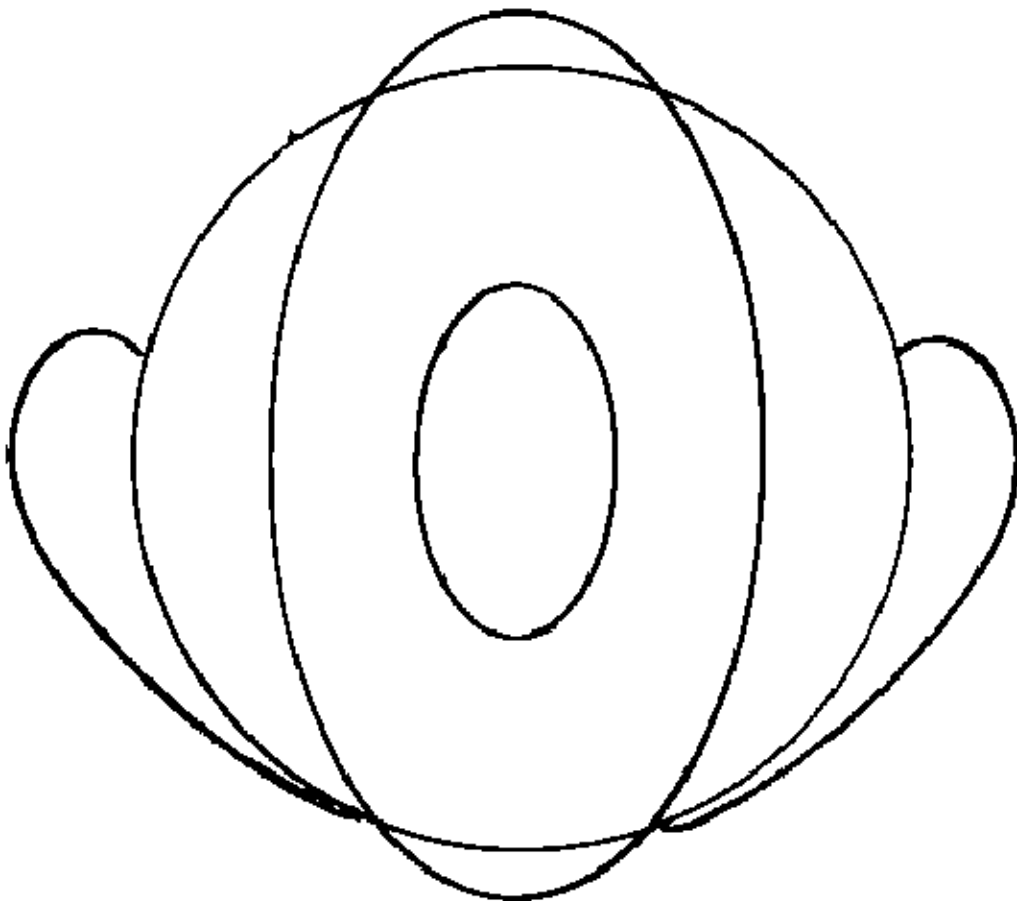
ڈاکٹری تعلیم کے لئے انسانی ڈھانچے ——— ۸

لله ملك السموات والارض يخلق ما يشاء يهب لمن يشاء اناثا ويهب لمن يشاء الذكور
او يزوجهم ذكرانا واناثا ويجعل من يشاء عقيما انه عليم قدير
ضبطِ تولید
و
اسقاطِ حمل
○ قوّتِ تولید ختم کرنا۔
○ مانعِ حمل تدابیر اختیار کرنا۔
○ حمل ٹھہر جانے کے بعد ساقط کرنا۔
کتبہ فاروق

ضبطِ تولید
و
اسقاطِ حمل
آیاتِ قرآنیہ
احادیثِ نبویہ
نصوصِ فقہاء
عمل سلم
فاروق

ضبط تولید و اسقاطِ حمل

سوال: ضبط تولید اور اسقاط حمل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ مفصل جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ضبط تولید اور اسقاط حمل دونوں کی مجموعی طور پر چار صورتیں بنتی ہیں:

(۱) قطع نسل، یعنی کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس کی وجہ سے دائمی طور پر قوت تولید ختم ہو جائے۔

(۲) منع حمل، یعنی ایسی صورت اختیار کرنا کہ قوت تولید باقی رہتے ہوئے حمل قرار نہ پائے۔

(۳) حمل ٹھہر جانے کے بعد چار ماہ پورے ہونے سے پہلے کسی ذریعہ سے اس کو ساقط کرنا۔

(۴) چار ماہ گزرنے کے بعد حمل گرانا۔

احکام:

پہلی صورت بالاتفاق حرام ہے، خواہ اس میں کتنے ہی فوائد نظر آئیں اور خواہ اس کے دواعی بظاہر کتنے ہی قوی ہوں۔

دوسری صورت کے حکم میں یہ تفصیل یہ ہے کہ بلا عذر یہ صورت اختیار کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور درج ذیل اعذار کی صورت میں بلا کراہت جائز ہے۔

(۱) عورت اتنی کمزور ہے کہ بار حمل کا تحمل نہیں کر سکتی۔

(۲) عورت اپنے وطن سے دور کسی ایسے مقام میں ہے جہاں اس کا مستقل قیام و قرار کا ارادہ نہیں، اور سفر کسی ایسے ذریعہ سے ہے کہ اس میں مہینوں لگ جاتے ہوں۔

(۳) زوجین کے باہمی تعلقات ہموار نہ ہونے کی وجہ سے علیحدگی کا قصد ہے۔

(۴) پہلے سے موجود بچے کی صحت خراب ہونے کا شدید خطرہ ہے۔

(۵) یہ خطرہ ہو کہ فساد زمان کی وجہ سے بچہ بداخلاق اور والدین کی رسوائی کا سبب ہوگا۔

اگر کوئی ایسی غرض کے تحت حمل روکے جو اسلامی اصول کے خلاف ہے تو اس کا عمل بالکل ناجائز ہوگا، مثلاً کثرتِ اولاد سے تنگی رزق کا خیال ہو، یا یہ وہم ہو کہ بچی پیدا ہوگئی تو عار ہوگی۔

تیسری صورت بلا عذر ناجائز اور حرام ہے، البتہ بعض اعذار کی وجہ سے اس کی گنجائش ہے، مثلاً:

① حمل کی وجہ سے عورت کا دودھ خشک ہوگیا اور دوسرے ذرائع سے پہلے بچے کی پرورش کا انتظام ناممکن یا متعذر ہو۔

② کوئی دیندار، حاذق طبیب عورت کا معاینہ کرکے یہ کہہ دے کہ اگر حمل باقی رہا تو عورت کی جان یا کوئی عضو ضائع ہونے کا شدید خطرہ ہے۔

چوتھی صورت مطلقاً حرام ہے، کسی بھی عذر سے اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

تنبیہ:

ضبط تولید اور اسقاط حمل کی ناجائز صورتوں میں عدمِ جواز کے علاوہ دینی و دنیوی لحاظ سے مفاسد کثیرہ پائے جاتے ہیں، مثلاً:

① زنا اور امراض خبیثہ کی کثرت، عورتوں کو اللہ تعالیٰ کے خوف کے علاوہ دو چیزیں اخلاق کے اعلیٰ معیار پر قائم رکھتی ہیں اور زنا کی برائی سے بچائے رکھتی ہیں۔ ایک فطری حیا، دوسری یہ خوف کہ حرامی بچہ کی پیدائش اس کو معاشرہ میں ذلیل ورسوا کر دے گی۔

ان میں سے پہلے مانع کو تو جدید مغربی تہذیب نے بڑی حد تک دور کر دیا۔ بازاروں، دفتروں، کالجوں، یونیورسٹیوں، مختلف تقریبات اور محفلوں میں بے پردہ عورتوں کی مردوں کے ساتھ بے محابا شرکت کے بعد حیا کہاں باقی رہ سکتی ہے۔

ضبط تولید کے رواجِ عام نے دوسرے مانع یعنی حرامی اولاد کی پیدائش کے خوف کو باقی نہ رکھا، عورتوں اور مردوں کو زنا کی عام رخصت مل گئی ہے۔

اور کثرتِ زنا کی وجہ سے طرح طرح کے امراض خبیثہ کا پیدا ہونا لازمی امر ہے۔

② طلاق کی کثرت اور اس کے نتیجے میں خاندانوں کے درمیان لڑائی جھگڑے اور فسادات کا ہونا، عورت اور مرد کے درمیان ازدواجی تعلق کو مضبوط کرنے میں اولاد کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے، جب اولاد نہ ہوگی تو زوجین کے لئے ایک دوسرے کو چھوڑ دینا بہت آسان ہوگا۔

③ بعض اخلاقی خصائص کا فقدان، والدین میں بعض اخلاقی خصائص صرف تربیتِ اولاد ہی سے پیدا ہوتے ہیں، ضبط تولید کے باعث دونوں ان خصائص سے محروم رہتے ہیں۔

جس طرح والدین اولاد کی تربیت کرتے ہیں اسی طرح بچے بھی والدین کی تربیت کا ذریعہ بنتے ہیں۔ بچوں کی تربیت سے والدین میں محبت، ایثار اور قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، عاقبت اندیشی، صبر وتحمل اور ضبط نفس کی مشق ہوتی ہے، سادہ معاشرہ وقناعت اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

ضبط تولید سے ان تمام اخلاقی فوائد کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔

(۴) بچوں کے اخلاق کا نقصان۔ بچوں کی تربیت صرف ماں باپ ہی نہیں کرتے بلکہ وہ خود بھی ایک دوسرے کی تربیت کرتے ہیں، ان کا آپس میں رہنا ان کے اندر محبت، ایثار، تعاون اور دوسرے عظیم اوصاف پیدا کرتا ہے، وہ ایک دوسرے پر نکتہ چینی کرکے اپنے اندر سے بہت سے اخلاقی عیوب دور کرلیتے ہیں۔

جس بچے کو چھوٹے اور بڑے بھائی بہنوں کے ساتھ رہنے سہنے، کھیلنے کودنے اور معاملات کرنے کا موقع نہیں ملتا وہ بہت سے اعلی اخلاقی خصائص سے محروم رہ جاتا ہے۔

جو لوگ ضبط تولید پر عمل کرکے اپنی اولاد کو صرف ایک ہی بچے تک محدود کرلیتے ہیں یا دو بچوں کے درمیان اتنا وقفہ کرتے ہیں کہ ان میں عمر کا بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے وہ دراصل اپنی اولاد کو بہتر اخلاقی تربیت سے محروم کردیتے ہیں۔

(۵) صحت کی خرابی، ضبط تولید کی وجہ سے زوجین کی صحت پر بہت برا اثر پڑتا ہے، مرد کی نسبت عورت کی صحت پر زیادہ اثر پڑتا ہے، ضبط تولید کی خاطر جو تدابیر اختیار کی جاتی ہیں بالخصوص جو گولیاں اور دوائیں استعمال کی جاتی ہیں وہ عورت کی صحت کے لئے انتہائی نقصان دہ ہیں، عمر گزرنے سے ان کے مضر اثرات آہستہ آہستہ رونما ہوتے ہیں۔ مثلاً عصبی نظام میں برہمی، بدمزاجی اور چڑچڑاپن، حافظہ کی خرابی، جنون، سرطان اگر کبھی حمل ہوجائے تو وضع حمل کے وقت سخت تکلیف ہوتی ہے۔

یہ چند نقصان بطور نمونہ لکھ دیئے ہیں جو صاحب بصیرت ودانش کے لئے کافی ہیں۔

قال الله تبارك وتعالى:

ومامن دابة فى الارض الاعلى الله رزقها (۱۱-۶)

ولاتقتلوا اولادكم من املاق نحن نرزقكم وایاهم (۶-۱۵۲)

ولاتقتلوا اولادكم خشية املاق نحن نرزقهم واياكم ان قتلهم كان خطـاً كبيرا (۱۷-۳۱)

وأمر اهلك بالصلوة واصطبر عليها لانسئلك رزقا نحن نرزقك (۲۰-۱۳۲)

عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ یقول رد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالی عنہ التبتل ولو اذن لہ لاختصینا (صحیح بخاری ص۷۵۹ ج۲)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قلت یارسول اللہ انی رجل شاب وانا اخاف علی نفسی العنت ولا اجد ما اتزوج بہ النساء فسکت عنی ثم قلت مثل ذلک فسکت عنی ثم قلت مثل ذلک فسکت عنی ثم قلت مثل ذلک فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاابا ہریرۃ جف القلم بما انت لاق فاختصر علی ذلک اوذر (ایضا)

قال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالی تحت ھذا الحدیث: ان الاختصاء فی الآدمی حرام مطلقا (عمدۃ القاری ص۷۲ ج۲۰)

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالی عنہ انہ اخبرہ قال اصبنا سبایا فکنا نعزل ثم سألنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک فقال لنا وانکم لتفعلون وانکم لتفعلون وانکم لتفعلون مامن نسمۃ کائنۃ الی یوم القیمۃ الا ھی کائنۃ

قال العلامۃ النووی رحمہ اللہ تعالی تحت ھذا الحدیث: ثم ھذہ الاحادیث مع غیرھا یجمع بینھما بأن ماورد فی النھی محمول علی کراھۃ التنزیہ وماورد فی الاذن فی ذلک محمول علی انہ لیس بحرام ولیس معناہ نفی الکراھۃ۔

(صحیح مسلم ص۴۶۴ ج۱)

عن جدامۃ بنت وھب اخت عکاشۃ رضی اللہ تعالی عنھا قالت حضرت رسول اللہ علیہ وسلم فی اناس وھو یقول لقد ھممت ان انھی عن الغیلۃ فنظرت فی الروم وفارس فاذا ھم یغیلون اولادھم فلا یضر اولادھم ذلک شیئا ثم سألوہ عن العزل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذلک الوأد الخفی زاد عبید اللہ فی حدیثہ عن المقرئ واذا الموؤدۃ سئلت۔

قال العلامۃ النووی رحمہ اللہ تعالی تحت ھذا الحدیث: الوأد والموؤدۃ بالھمز والواو دفن البنت وھی حیۃ وکانت العرب تفعلہ خشیۃ الاملاق وربما فعلوہ خوف العار والموؤدۃ البنت المدفونۃ حیۃ ویقال وأدت المرأۃ ولدھا وأدا قیل

سمیت موؤدۃ لانہا تثقل بالتراب وقد سبق فی باب العزل وجہ تسمیۃ ہذا
وأد او ہو مشابہۃ الواد فی تفویت الحیوۃ (صحیح مسلم ص۴۶۶ ج ۱)

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: (ویعزل عن الحرۃ) وکذا المکاتبۃ
نہر (باذنہا) لکن فی الخانیۃ انہ یباح فی زماننا لفسادہ قال الکمال فلیعتبر عذرا
مسقطا لاذنہا، وقالوا یباح اسقاط الولد قبل اربعۃ اشہر ولو بلا اذن الزوج

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ لکن فی الخانیۃ) عبارتہا
علی ما فی البحر وذکر فی الکتاب انہ لا یباح بغیر اذنہا وقالوا فی زماننا یباح لسوء
الزمان اھ۔

(قولہ قال الکمال) عبارتہ وفی الفتاوی ان خاف من الولد السوء فی الحرۃ
یسعہ العزل بغیر رضاہا لفساد الزمان فلیعتبر مثلہ من الاعذار مسقطا لاذنہا
اھ فقد علم مما فی الخانیۃ ان منقول المذہب عدم الاباحۃ وان ہذا تقیید من
مشایخ المذہب لتغیر بعض الاحکام بتغیر الزمان واقرہ فی الفتح وبہ جزم
القہستانی ایضا حیث قال وہذا اذا لم یخف علی الولد السوء لفساد الزمان
والا فیجوز بلا اذنہا اھ لکن قول الفتح فلیعتبر مثلہ الخ یحتمل ان یرید بالمثل
ذلک العذر کقولہم مثلک لا یبخل ویحتمل انہ اراد الحاق مثل ہذا العذر بہ کأن
یکون فی سفر بعید او فی دار الحرب فخاف علی الولد او کانت الزوجۃ سیئۃ الخلق
ویرید فراقہا فخاف ان تحبل وکذا ما یأتی فی اسقاط الحمل عن ابی وہبان فافہم۔

(قولہ وقالوا الخ) قال فی النہر بقی ہل یباح الاسقاط بعد الحمل نعم
یباح ما لم یتخلق منہ شیء ولن یکون ذلک الا بعد مائۃ وعشرین یوما وہذا
یقتضی انہم ارادوا بالتخلیق نفخ الروح والا فہو غلط لان التخلیق یتحقق
بالمشاہدۃ قبل ہذہ المدۃ کذا فی الفتح واطلاقہم یفید عدم توقف جواز
اسقاطہا قبل المدۃ المذکورۃ علی اذن الزوج وفی کراہۃ الخانیۃ ولا اقول
بالحل اذ المحرم لو کسر بیض الصید ضمنہ لانہ اصل الصید فلما کان یؤاخذ بالجزاء
فلا اقل من ان یلحقہا اثم ہنا اذا اسقطت من غیر عذر اھ قال ابن وہبان
ومن الاعذار ان ینقطع لبنہا بعد ظہور الحمل ولیس لابی الصبی ما یستأجر بہ

الظئر و یخاف هلاکه ونقل عن الذخیرۃ لو ارادت الالقاء قبل مضی زمن ینفخ فیه الروح هل یباح لها ذلك ام لا اختلفوا فیه وکان الفقیه علی بن موسی یقول انه یکره فان الماء بعد ما وقع فی الرحم ماله الحیاۃ فیکون له حکم الحیاۃ کما فی بیضة صید الحرم ونحوه فی الظهیریة قال ابن وهبان فاباحة الاسقاط محمولة علی حالة العذر اوانها لا تأثم اثم القتل اھ وبما فی الذخیرۃ تبین انهم ما ارادوا بالتخلیق الا نفخ الروح وان قاضیخان مسبوق بما مر من التفقه والله تعالی الموفق اھ کلام النهر ح (تنبیه) اخذ فی النهر من هذا ومما قدمه الشارح عن الخانیة والکمال انه یجوز لها سد فم رحمها کما تفعله النساء مخالفا لما بحثه فی البحر من انه ینبغی ان یکون حراما بغیر اذن الزوج قیاسا علی عزله بغیر اذنها قلت لکن فی البزازیة له منع امرأته عن العزل اھ نعم النظر الی فساد الزمان یفید الجواز من الجانبین فما فی البحر مبنی علی ما هو اصل المذهب وما فی النهر علی ما قاله المشایخ والله الموفق (رد المحتار ص۳۸۰ ج ۲)

قال فی الهندیة: رجل عزل عن امرأته بغیر اذنها لما یخاف من الولد السوء فی هذا الزمان فظاهر جواب الکتاب ان لا یسعه وذکر هنا یسعه لسوء هذا الزمان کذا فی الکبری - وله منع امرأته من العزل کذا فی الوجیز للکردری، وان اسقطت بعد ما استبان خلقه وجبت الغرۃ کذا فی فتاوی قاضیخان، العلاج لاسقاط الولد اذا استبان خلقه کالشعر والظفر ونحوهما لا یجوز وان کان غیر مستبین الخلق یجوز واما فی زماننا یجوز علی کل حال وعلیه الفتوی کذا فی جواهر الاخلاطی - وفی الیتیمة سألت علی بن احمد عن اسقاط الولد قبل ان یصور فقال اما فی الحرۃ فلا یجوز قولا واحدا واما فی الامة فقد اختلفوا فیه والصحیح هو المنع کذا فی التتارخانیة، ولا یجوز للمرضعة دفع لبنها للتداوی ان اضر بالصبی کذا فی القنیة، امرأۃ مرضعة ظهر بها حبل وانقطع لبنها وتخاف علی ولدها الهلاك ولیس لابی هذا الولد سعة حتی یستأجر الظئر یباح لها ان تعالج فی استنزال الدم مادام نطفة او مضغة او علقة لم یخلق له

عضو وخلقہ لایستبین الا بعد مائۃ وعشرین یوما اربعون نطفــۃ واربعون علقۃ واربعون مضغۃ کذا فی خزانۃ المفتین وھکذا فی فتاوی قاضیخان واللہ اعلم (عالمگیریۃ ص۳۵۶ ج ۵)
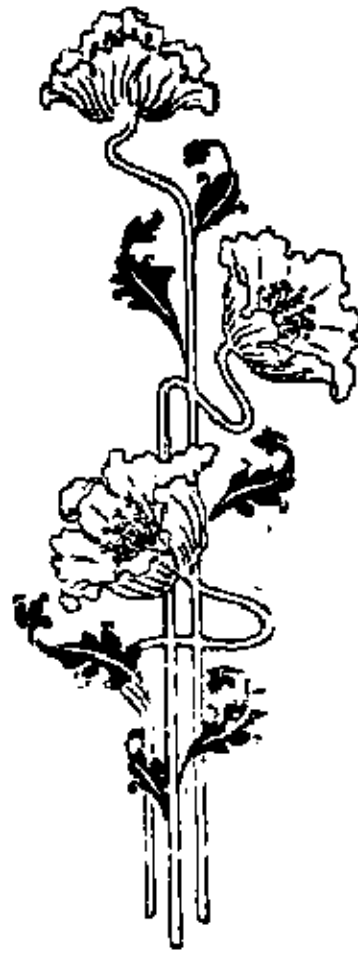
واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱۰ محرم سنۃ ۱۴۱۵ھ

ضبط تولید ——————— ۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم
لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ
اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ
(۴۲—۴۹،۵۰)

قوم یخضبون بالسّواد آخر الزمان کحواصل الحمام
لا یریحون رائحة الجنّة ، رواہ النسائی وابوداؤد

طریق السّداد
لِمُحِلّ لِخضاب بالسّواد

ایک استفتاء میں ایک قلمی رسالہ بھیجا گیا تھا ، جسمیں نصوص
حدیث و فقہ میں تحریف کر کے خضاب بالسّواد کو جائز ثابت
کرنے کی کوشش کی گئی تھی ،

اس رسالہ میں

اس کا جواب ہے ، قاعدہ تو یہ ہے کہ جواب کے ساتھ
اصل رسالہ پورا یا اسکا خلاصہ لکھا جاتا مگر عدیم الفرصتی
کی وجہ سے وہ رسالہ نقل کئے بغیر واپس بھیج دیا گیا تھا۔

خضاب بالسواد سے متعلق ایک رسالہ کا جواب

قال : ان اباحنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ الخ (ص۱)

وقال الامام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ الخ (ص۲)

وقال الامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ الخ (ص۲)

قال فی البحر الرائق لاباس الخ (ص۲)

ومذھبنا ان الصبغ الخ (ص۲)

وقال فی الشامیۃ قولہ جاز الخ (ص۲)

عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ الخ (ص۳)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ الخ (ص۳)

پس مراد خضاب بمجموع حنا وکتم باشد (ص۴)

اقول : جواب ھذہ العبارات باسرھا بان المراد منھا غیر السواد الخالص من غیر التفات الی تحقیق معنی الکتم بانہ یکون سوادا خالصا اولا۔ والی ان الواو للجمع ام بمعنی او۔ وان الجمع بین الحناء والکتم یورث سوادا خالصا اولا۔ والدلیل علی ما ادعیت من ستۃ اوجہ۔

(۱) رفع التعارض بین الادلۃ فالممنوع منہ ما یکون سوادا خالصا والمجاز غیر ذلک لتتحد معانی الاثار ولا تتضاد۔

(۲) نقل المفتی علی ص ۸ عن فتح الباری فکان اکثرھم یخضب بالصفرۃ منھم ابن عمر وابوھریرۃ واٰخرون رضی اللہ تعالیٰ عنھم وروی مالک رحمہ اللہ تعالیٰ عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وخضب بعضھم بالحناء والکتم وبعضھم بالزعفران وخضب جماعۃ بالسواد۔

فعلم من ھذہ المقابلۃ صراحۃ بان المراد من الحناء والکتم غیر السواد۔

(۳) اختضب لاجل التزین للنساء والجواری جاز فی الاصح ویکرہ بالسواد (رد المحتار)

(۴) اما الخضاب بالسواد فمن فعل ذلک من الغزاۃ لیکون اھیب فی عین العدو فھو محمود منہ اتفق علیہ المشایخ ومن فعل ذلک لیزین نفسہ للنساء ولیحبب نفسہ الیھن فذلک مکروہ وعلیہ عامۃ المشایخ (الی ان قال) وعن الامام

رحمہ اللہ تعالی ان الخضاب حسن لکن بالحناء والکتم والوسمۃ (عالمگیریۃ)

(۵) روی الامام البخاری رحمہ اللہ تعالی فی باب ھجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان اسن اصحابہ ابوبکر فغلفها بالحناء والکتم حتی قنا لونها (بخاری ج ۱ ص ۵۵۸)

فعلم ان الجمع بین الحناء والکتم لا یستلزم السواد کما زعم المفتی -

(۶) فی الموطا للامام محمد رحمہ اللہ تعالی قال محمد رحمہ اللہ تعالی لا نری بالخضاب بالوسمۃ والحناء والصفرۃ بأسا وان ترکہ ابیض فلا بأس بذلک کل ذلک حسن اھ وفی التعلیق الممجد علی الموطا (قولہ بالوسمۃ) والخضاب بہ صرفا لا یکون سوادا خالصا بل مائلا الی الخضرۃ وکذا اذا خلط بالحناء وخضب بہ نعم لو خضب الشعر اولا بالحناء صرفا ثم بالوسمۃ علیہ یحصل السواد الخالص فیکون ممنوعا کما سیأتی ذکرہ (وبعد اسطر علی قولہ لا نری) واما الخضاب بالسواد الخالص فغیر جائز لما اخرجہ ابوداؤد والنسائی وابن حبان والحاکم وقال صحیح الاسناد عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنهما مرفوعا یکون قوم یخضبون فی آخر الزمان بالسواد کحواصل الحمام لا یریحون رائحۃ الجنۃ وجنح ابن الجوزی فی العلل المتناهیۃ الی تضعیفہ مستندا بما روی ان سعدا والحسین بن علی رضی اللہ تعالی عنهم کانا یخضبان بالسواد ولیس بجید فلعلہ لم یبلغهما الحدیث والکلام فی بعض رواتہ لیس بحیث یخرجہ عن حیز الاحتجاج ومن ثم عد ابن حجر المکی فی الزواجر الخضاب بالسواد من الکبائر ویؤیدہ ما اخرجہ الطبرانی عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالی عنہ مرفوعا من خضب بالسواد سود اللہ وجهہ یوم القیامۃ وعند احمد رحمہ اللہ تعالی غیروا الشیب ولا تقربوا السواد واما ما فی سنن ابن ماجۃ مرفوعا ان ما اختضبتم بهذا السواد ارغب لنسائکم واهیب لکم فی صدور اعدائکم ففی سندہ ضعفاء فلا یعارض الروایات الصحیحۃ و اخذ منہ بعض الفقهاء جوازہ فی الجهاد اھ -

(۷) روی الامام البخاری رحمہ اللہ تعالی فی مناقب الحسن والحسین رضی اللہ تعالی عنهما عن انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ وکان الحسین رضی اللہ تعالی عنہ مخضوبا بالوسمۃ - قال المحدث السهارنفوری رحمہ اللہ تعالی فی الحاشیۃ ظاهرہ ان

کان معارضاً لقولہ علیہ السلام جنبوہ السواد لکن المعنی کان مخصوصاً بالوسمۃ الخاصۃ والخضب بھا وحدھا لا یسود الشعر فاندفع التعارض بینھما لان المنھی عنہ ھو السواد البحت اوکون السواد غالباً لا بالعکس ومنشأ الشریعۃ بنھیہ ان لا یلتبس الشیب بالشباب والشیخ بالشاب علی ان الحسین رضی اللہ تعالی عنہ کان غازیاً شھیداً فالخضاب بالسواد جائز فی الجھاد (صحیح البخاری ج ۱ ص ۵۳۰)

فافادت عبارۃ التعلیق الممجد وحاشیۃ صحیح البخاری امورا۔

(۱) ما یروی من فعل الحسین رضی اللہ تعالی عنہ فلیس فی روایۃ البخاری التصریح بالسواد۔

(۲) فالروایۃ المصرحۃ بالسواد ان ثبتت فھی مؤولۃ بالشبیہ بالسواد۔ عزاہ الی اللمعات فی حاشیۃ ابی داؤد باب الخضاب (ص ۲۲۶ ج ۲)

(۳) لم یبلغ الحسین رضی اللہ تعالی عنہ حدیث النھی عن السواد۔

(۴) کان الحسین رضی اللہ تعالی عنہ غازیا۔

تلک سبع شداد علی ان المراد من الحناء والکتم الذی ابیح استعمالہ غیر السواد۔

قال: والممنوع من الخضاب ھو ما یکون لونہ کحواصل الحمام الخ (ص ۴)

اقول: ان المراد من الحدیث ھو السواد الخالص لا لون الحواصل بعینہ لانہ لاوجہ لکونہ منھیا عنہ ووجہ النھی عن السواد الخالص معقول۔

قال: لان الوعید صادق علی قوم یظھر فی اٰخر الزمان (ص ۵)

اقول: فی زماننا الذی ھو اٰخر الزمان یخضبون بالسواد الخالص فعلم ان مرادہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو السواد لا لون الحواصل بعینہ۔

اقوال الصحابۃ رضی اللہ تعالی عنھم (ص ۶)

اقول: لا یقتدی باقوالھم فی مقابلۃ الاحادیث الصحیحۃ کما لا نقتدی باقوال جماعۃ من الصحابۃ رضی اللہ تعالی عنھم التی تقول بوجوب قراءۃ الفاتحۃ خلف الامام والحال انا قائلون بتحریمھا علی ان ذھبت شرذمۃ قلیلۃ الی الاباحۃ فذھب الی التحریم جم غفیر۔ وھذا بعد تسلیم صحۃ نقل المفتی فانی لم اتتبع الکتب المنقول عنھا۔

قال : علی اولوا الالباب (ص ۱۰)

اقول : الصحیح علی اولی الالباب -

قال : قد ورد فی الحدیث الخ (ص ۱۰)

اقول : قال ابوالحجاج کل ما تفرد بہ ابن ماجۃ فھو ضعیف لا یرادہ طائفۃ من الاحادیث الموضوعۃ ولذا اخرجہ الشاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالی من فھرس الصحاح - والحدیث ضعیف جدًا لان دفاعًا السدوسی ضعیف (تقریب) و وایضافی اسنادہ عبد الحمید الصیفی وھولین الحدیث (انجاح)

قال : علی النہی .... فلما صار النھی الخ (ص ۱۱)

اقول : فیا للعجب لعلم المفتی والادب بان وضع لفظ النھی موضع الاباحۃ فلعلھما مترادفان عندہ -

قال : لا یدل علی الکراھۃ التحریمیۃ الخ (ص ۱۳)

اقول : ان المتبادر من الکراھۃ ھی التحریمیۃ الا عند القرائن الدالۃ علی التنزیہ فالمستثنی منہ الکراھۃ التحریمیۃ والمستثنی عدم الکراھۃ التحریمیۃ ولذا یذکر حد الکراھۃ التحریمیۃ فی تعریف مطلق الکراھۃ کما قال فی الھدایۃ تکلموا فی معنی المکروہ والمروی عن محمد رحمہ اللہ تعالی نصا ان کل مکروہ حرام الا انہ لما لم یجد فیہ نصا قاطعًا لم یطلق علیہ اسم الحرام وعن ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمھما اللہ تعالی انہ الی الحرام اقرب - وفی الشامیۃ احدھما کرہ تحریمًا وھو المحمل عند اطلاقہم الکراھۃ الخ

علی ان الاحادیث الصحیحۃ وعبارات الفقہ مصرحۃ بالمنع والتحریم بدون ذکر لفظ الکراھۃ کما ورد فی الحدیث الصحیح عن جابر رضی اللہ تعالی عنہ قال جیئ بابی قحافۃ یوم الفتح الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکأن رأسہ ثغامۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذھبوا بہ الی بعض نسائہ فلتغیرہ وجنبوہ السواد (رواہ ابن ماجۃ) و ھذا الحدیث صحیح (رواہ مسلم) ومذھب الجمھور المنع (انجاح) واختیار ابن عابدین عبارات التحریم لیدل علی اختیارہ ایاہ کما قال فی الشامیۃ فی بحث التثویب تحت (قولہ وابو یوسف خصھم) اخر ذکر وجہ ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی لافادۃ اختیارہ الخ (رد المحتار) - فالظاھر ان المفتی جار عن الحق الباھر تعسفا وما

سلك فی الاستدلال مسلك اللديانة فاورد الضعاف وحرف الكلم عن مواضعها واورد قطع العبارات الناقصة على طريقة ان تذكر قوله تعالىٰ لا تقربوا الصلوٰة وتترك وانتم سكارىٰ ۔

والحاصل ان العبارات الدالة على التحريم من الفقه والحديث كثيرة يتعسر احصائها والاغماض عنها تعسف وتجاهل على انه ان سلمنا التعارض فالترجيح للمحرم ۔ والحق انه لا معارضة بين الحديث الضعيف الساقط عن حد الاعتبار والصحاح ۔ وبين قول شرذمة قليلة ومذهب الجمهور من المحققين ۔

قال : اولا الخ (ص ۱۵)

اقول : قد اشتهر فی الآفاق اطلاق اسم المصنف على المصنف فكيف جهل عنه المفتى الاديب فمن هذا القبيل الجامی وعبد الرسول وعبد الغفور و الملا عبد الرحمٰن والملا جمال فی النحو ۔ والزواهد الثلاثة فی المنطق واشتهر لواء الهدیٰ فی الليل والدجیٰ باسم مصنفه غلام يحيىٰ ويطلق لفظ ابن عابدين على رد المحتار فی بلاد العرب وفی بلادنا يقال له الشامی كما ارتكبه المفتی ايضاً على ص ۲ وص ۲۳ ، فالعجب انه كيف يعترض بما يرتكب وكذا اكرثاء وذوسيوس واكوبطليموس فی الرياضی وكذا عبد الحكيم وغيرها من اسماء الكتب مما لا تحصیٰ وكتب الحديث كلها معروفة باسماء مصنفيها ۔

قال : والثانی الخ (ص ۱۷)

اقول : فای منقلب ينقلب المفتی الفاضل الاديب فی عبارات الفقهاء التی فيها اضافة الكراهة الى التحريم كما قال فی الفتح ثم ان هذا حد المكروه كراهة تحريم واما كراهة المكروه كراهة تنزيه فالى الحل اقرب ۔

فقط واللہ الہادی الیٰ سبیل الرشاد

۲۳ رمضان سنہ ۷۲ ہجری

ضمیمہ

از حضرت مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی مدظلہ

سیاہ خضاب لگانے والا جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان العبد اذا اذنب ذنبا کانت نکتۃ سوداء فی قلبہ فان تاب منھا صقل قلبہ وان زاد زادت فذلک قول اللہ تعالیٰ: کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون (احمد، ترمذی، نسائی)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جب بندہ کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے، اس کے بعد اگر توبہ کرے تو (سیاہی ڈھل جاتی ہے اور) دل صاف وشفاف ہو جاتا ہے لیکن توبہ کی بجائے اگر گناہوں میں اور آگے بڑھتا رہے تو یہ دھبہ بھی بڑھتا جاتا ہے (حتیٰ کہ پورے دل پر سیاہی چھا جاتی ہے) اور یہ وہی زنگ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا: کلا بل ران ...."

اس ارشاد نبوت کے تناظر میں ہم اپنے گردوپیش کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت عیاں ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ ہمارے معاشرے میں جن معاصی کا ہر طرف دَور دَورہ ہے ان میں ایک بڑی تعداد ان گناہوں کی ہے جنھیں شیوع عام کی بناء پر نہ صرف گناہوں کی فہرست سے نکال دیا گیا ہے بلکہ وہ فیشن اور ترقی کا نشان قرار پا گئے ہیں۔

ذرا سوچئے کتنے مسلمان ہیں جو تصویر سازی، ساز وموسیقی، سینمابینی، ڈاڑھی منڈانے کٹانے کی لعنت، بے پردگی، نسوانی قیادت، غیر شرعی لباس اور اغیار کے طور طریقوں کو گناہ باور کرتے ہیں؟

خضاب بالسواد یعنی سیاہ خضاب کے ذریعہ بڑھاپے کو چھپانا ان گناہوں میں سرِ فہرست ہے اور اس پہلو سے سنگین تر کہ عام معاصی میں مبتلا لوگوں کی اکثریت تو آخرت بیزار بے دین قسم کے لوگوں کی ہوتی ہے، لیکن اس گناہ کا شکار صرف بے دین

ہی نہیں دیندار بلکہ باریش بزرگ اور پیرانِ پارسا بھی ہیں۔ جو مسلمان شعارِ اسلام اور نشانِ مردمی کو ہی بیخ و بن سے اکھاڑ چکے انھیں خضاب مہندی سے کیا واسطہ؟ وہ تو مردانہ صورت سے ہی خار کھائے بیٹھے ہیں۔

سیاہ خضاب پر وعیدیں :

سیاہ خضاب کا استعمال خواہ ڈاڑھی میں ہو یا سر میں حرام ہے۔ چنانچہ صحیح احادیث میں سفید بالوں کے تبدیلی کے لئے حنار (مہندی) اور کتم (وسمہ) استعمال کرنے کی ترغیب اور خالص سیاہ رنگ استعمال کرنے پر بہت شدید وعیدیں آئی ہیں۔ احادیث ملاحظہ ہوں :

(۱) عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احسن ما غیّر بہ ھذا الشیب الحناء والکتم (سنن اربعۃ)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہترین رنگ جن سے سفید بالوں کی سفیدی تبدیل کی جائے مہندی اور وسمہ ہیں"

(۲) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون قوم فی اٰخر الزمان یخضبون بھذا السواد کحواصل الحمام لا یریحون رائحۃ الجنۃ (ابوداؤد، نسائی، احمد، ابن حبان)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آخر زمانہ میں کچھ لوگ آئیں گے جو کبوتروں کے پوٹوں کی طرح سیاہ رنگ کا خضاب کریں گے، یہ جنت سے اتنے دُور رکھے جائیں گے کہ اس کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکیں گے"

(۳) عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال اتی بابی قحافۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوم فتح مکۃ ورأسہ ولحیتہ کالثغامۃ بیاضا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیروا ھذا بشیء واجتنبوا السواد (مسلم، ابوداؤد، نسائی، احمد، ابن ماجۃ)

"حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابو قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح مکہ کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال ثغامہ گھاس کی طرح سفید تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان کی سفیدی کسی چیز سے تبدیل کردو لیکن سیاہ رنگ سے اجتناب برتو"

وضوحِ مطلب کے لئے یہ ارشادات کافی ووافی ہیں، تاہم چند مزید روایات پیش کی

جاتی ہیں جو سند کے لحاظ سے گو اس درجہ قوی نہیں مگر تأیید وتقویت کی غرض سے پیش کی جا رہی ہیں:

(۱) عن عامر رحمہ اللہ تعالیٰ مرسلاً ان اللہ لا ینظر الی من یخضب بالسواد یوم القیامۃ (کنز العمال ص۲۶۱ ج ۶)

" سیاہ خضاب کرنے والے کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے روز (نظر رحمت سے) نہ دیکھیں گے ۔"

(۲) عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً من خضب بالسواد سود اللہ وجہہ یوم القیامۃ۔ رواہ الطبرانی وابن ابی عاصم (کنز العمال ص۲۶۱ ج ۶ جمع الوسائل ص۱۲۵ ج ۱ اوجز المسالک ص۳۳۵ ج ۶)

" جو سیاہ خضاب کرے گا اللہ تعالیٰ روز قیامت اسکا چہرہ سیاہ کر دیں گے ۔"

(۳) من مثل بالشعر لیس لہ عند اللہ خلاق (طبرانی)

قال فی النھایۃ مثلۃ الشعر حلقہ من الخدود وقیل نتفہ او تغییرہ بسواد۔ (ص۲۹۴ ج ۴)

"جس نے بالوں کو بگاڑا اللہ تعالیٰ کے ہاں (رحمت سے) اسکا کوئی حصہ نہیں، نہایہ ابن اثیر میں ہے کہ بگاڑنے سے مراد ہے رخساروں سے بال مونڈنا اور بعض علماء کا قول ہے کہ اس سے مراد سفید بالوں کا اکھاڑنا یا انہیں سیاہ رنگ سے تبدیل کرنا ہے ۔"

(۴) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول من اختضب بالحناء والکتم ابراھیم خلیل الرحمٰن واول من اختضب بالسواد فرعون (فردوس دیلمی، السراج المنیر، کنز العمال، اوجز المسالک، کشف الخفاء للجراحی)

" سب سے پہلے مہندی اور وسمہ سے خضاب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا اور سب سے پہلے سیاہ خضاب فرعون نے ۔"

اجماع مذاہب اربعہ:

سیاہ خضاب کی حرمت پر مذاہب اربعہ کا اجماع ہے، بطور مثال ہر مذہب سے ایک عبارت پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حنفیہ :

علامہ علاء الدین حصکفی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

یستحب للرجل خضاب شعرہ ولحیتہ (الی قولہ) ویکرہ بالسواد۔

" مرد کے لئے سر اور ڈاڑھی پر خضاب کرنا مستحب ہے مگر سیاہ رنگ کا خضاب مکروہ تحریمی ہے "

اور علامہ شامی رحمہ اللہ تعالی اس کے ذیل میں فرماتے ہیں :

(قولہ ویکرہ بالسواد) ای لغیر الحرب قال فی الذخیرۃ : اما الخضاب بالسواد للغزو لیکون اھیب للعدو فھو محمود بالاتفاق وان یزین نفسہ للنساء فمکروہ وعلیہ عامۃ المشائخ (رد المحتار ص۴۲۲ ج ۶)

"جہاد کے سوا کسی بھی مقصد کے لئے سیاہ خضاب کا استعمال مکروہ ہے، ذخیرہ میں لکھا ہے کہ دشمن پر رعب ڈالنے کی غرض سے جہاد کے موقع پر سیاہ خضاب کا استعمال بالاتفاق محمود و مستحسن ہے، شوہر کا بیوی کی خاطر خضاب لگانا مکروہ ہے عام مشائخ کا یہی مذہب ہے "

مزید فتاوی عالمگیریہ ص۳۵۹ ج ۵، اس کے حاشیہ پر قاضیخان ص۴۱۲ ج ۳، بزازیہ ص۳۷۶ ج۶، الجوہرۃ النیرۃ ص۳۶۱ ج ۲ اور دیگر فتاوی پر بھی یہ مسئلہ اسی تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

تنبیہ :

کتب فقہ میں جہاں لفظ " مکروہ " مطلق ہوتا ہے اس سے " مکروہ تحریمی " مراد ہوتا ہے جو حرام ہی کی ایک قسم ہے گناہ اور عذاب میں حرام کے برابر ہے تفصیل آگے آرہی ہے۔

مالکیہ :

کتب مالکیہ میں سرسری تلاش سے کوئی تصریح نہیں ملی، البتہ شارح موطأ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ لکھتے ہیں :

وفی المحلی : یکرہ عند مالک صبغ الشعر بالسواد من غیر تحریم۔

(اوجز المسالک ص۲۵ ج ۱۵)

" محلی میں ہے : امام مالک رحمہ اللہ تعالی کے نزدیک بالوں کو سیاہ رنگ کرنا مکروہ ہے حرام نہیں "

یہ وضاحت اوپر گزر چکی ہے کہ اس سے مکروہ تحریمی مراد ہے جس کا گناہ اور عذاب حرام سے کم نہیں۔

معروف اہل حدیث عالم علامہ محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کے تحت لکھتے ہیں:

والحدیث یدل علی مشروعیۃ تغییر الشیب وانہ غیر مختص باللحیۃ وعلی کراھۃ الخضاب بالسواد قال بذلک جماعۃ من العلماء قال النووی: والصحیح بل الصواب انہ حرام یعنی الخضاب بالسواد وممن صرح بہ صاحب الحاوی انتھی (نیل الاوطار ص۱۳۰ ج ۱)

"حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ سفید بالوں کو تبدیل کرنا مشروع ہے اور یہ کہ یہ حکم ڈاڑھی کے ساتھ ہی خاص نہیں۔ نیز یہ حدیث سیاہ خضاب کی کراہت پر دال ہے، علماء کی ایک جماعت نے یہ قول بیان کیا ہے، امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صحیح بلکہ سیدھی بات یہ ہے کہ سیاہ رنگ کا خضاب حرام ہے اور صاحب حاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔"

شافعیہ:

امام محی الدین ابو زکریا شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ومذھبنا استحباب خضاب الشیب للرجل والمرأۃ بصفرۃ او حمرۃ ویحرم خضابہ بالسواد علی الاصح وقیل یکرہ کراھۃ تنزیہ والمختار التحریم لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم واجتنبوا السواد (شرح مسلم ص۱۹۹ ج ۲)

"ہمارا (علماء شوافع کا) مذہب یہ ہے کہ مرد و عورت کو سفید بالوں پر زرد یا سرخ رنگ کا خضاب کرنا مستحب ہے اور صحیح ترین قول کے مطابق سیاہ رنگ کا خضاب حرام ہے، اور ایک ضعیف قول کراہت تنزیہیہ کا بھی ہے مگر قول مختار حرمت کا ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: واجتنبوا السواد۔"

حنابلہ:

امام موفق الدین ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ویکرہ الخضاب بالسواد قیل لابی عبد اللہ: تکرہ الخضاب بالسواد؟ قال ای واللہ، قال: وجاء ابوبکر بابیہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورأسہ

ولحیتہ کالثغامۃ بیاضا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: غیروھما وجنبوہ السواد (المغنی ص۶۹ ج۱)

"سیاہ رنگ کا خضاب مکروہ ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی سے دریافت کیا گیا آپ سیاہ رنگ کے خضاب کو مکروہ سمجھتے ہیں؟ فرمایا: ہاں اللہ کی قسم! حضرت ابوبکر رضی تعالی عنہ اپنے والد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے درآنحالیکہ انکا سر اور ان کی ڈاڑھی ثغامہ گھاس کی طرح سفید تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کے سر اور ڈاڑھی کی سفیدی تبدیل کردو مگر سیاہ رنگ سے دور رکھو۔"

فتاوی اکابر:

اب ہم اس سلسلہ میں متاخرین اکابر کے فتاوی قدرے تفصیل سے ذکر کرتے ہیں:

(۱) علامہ عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

خضاب کردن برنگ سیاہ خالص ممنوع وگناہ کبیرہ است، ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالی درزواجر ایں را درکبائر شمار کردہ است، ازیں وجہ کہ درحدیث وارد است یکون فی اٰخرالزمان قوم یخضبون بالسواد کحواصل الحمام لایجدون رائحۃ الجنۃ رواہ ابوداؤد والنسائی (الی قولہ) وطبرانی رحمہ اللہ تعالی روایت کردہ است من خضب بالسواد سود اللہ وجھہ یوم القیامۃ (الی قولہ) وملا علی قاری رحمہ اللہ تعالی درشرح شمائل ترمذی رحمہ اللہ تعالی می نویسد ذھب اکثر العلماء الی کراھۃ الخضاب بالسواد وجنح النووی الی انھا کراھۃ تحریم وان من العلماء من رخص فیہ للجھاد ولم یرخص فیہ لغیرہ۔ انتھی (مجموعۃ الفتاوی علی ھامش خلاصۃ الفتاوی ص۳۵ ج۴)

"خالص سیاہ رنگ کا خضاب ممنوع اور گناہ کبیرہ ہے۔ امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالی نے زواجر میں اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے اسلئے کہ حدیث میں آیا ہے:

"آخر زمانہ میں کچھ لوگ آئیں گے جو کبوتروں کے پوٹوں کی مانند سیاہ رنگ کا خضاب کریں گے، وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھیں گے۔" (ابوداؤد نسائی)

اور امام طبرانی رحمہ اللہ تعالی نے روایت کی ہے:

"جس نے سیاہ خضاب کیا اللہ تعالی اس کا چہرہ قیامت کے روز سیاہ کریں گے۔"

اور ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ شرح شمائل میں فرماتے ہیں :

" اکثر علماء نے سیاہ خضاب کو مکروہ قرار دیا ہے "

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کا میلان اس طرف ہے کہ مکروہ تحریمی ہے ۔

بعض علماء نے صرف جہاد کے موقع پر سیاہ خضاب کی اجازت دی ہے اور اس کے سوا کسی دوسرے مقصد کے لئے اجازت نہیں دی "

(۲) فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ رقمطراز ہیں :

بالوں کو خضاب کرنا کسی چیز سے سوائے سیاہ کے سب قسم درست ہے (فتاویٰ رشیدیہ مطبوعہ ادارۂ اسلامیات لاہور صـ۴۸۲)

سیاہ خضاب مرد کو درست نہیں ہے کسی وجہ سے بھی (فتاویٰ رشیدیہ صـ۴۸۹)

(۳) حضرت حکیم الامۃ تھانوی قدس سرہٗ کا فتویٰ :

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ مردوں کو سر اور ڈاڑھی میں سیاہ خضاب لگانا از روئے شرع شریف جائز ہے یا کہ مکروہ یا حرام؟

الجواب : حرام، کیونکہ کلیاً وجزئیاً وعید آئی ہے، کما روی مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بابی قحافۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوم فتح مکۃ ورأسہ ولحیتہ کالثغامۃ بیاضا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیروا ھذا بشیء واجتنبوا السواد ۔

والامر للوجوب وترک الواجب یوجب الوعید (امداد الفتاویٰ صـ۲۱۸ ج ۴)

نیز حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ نے اس کے عدم جواز پر ایک مستقل رسالہ بنام " القول السداد فی الخضاب بالسواد " تحریر فرمایا، ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ صـ۲۱۸ ج ۴)

(۴) حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں :

وفی الحدیث النھی الشدید عن الخضاب الاسود الذی لا یتمیز بہ بین الشیخ والشاب (الی قولہ) والوسمۃ اذا لم تکن اسود اشد السواد ویتمیز بین الشیخ والشاب فجائزۃ کما فی موطا محمد رحمہ اللہ تعالیٰ (العرف الشذی علی الترمذی صـ۱۰ ج ۱)

" اور حدیث میں ایسے سیاہ خضاب کی سخت ممانعت ہے جس کے استعمال سے بوڑھے اور جوان میں امتیاز نہ ہو سکے، وسمہ جبکہ بہت گہرا سیاہ نہ ہو اور اس

سے بوڑھے جوان کے مابین امتیاز ہوسکے تو اس کا استعمال جائز ہے جیسا کہ موطأ محمد رحمہ اللہ تعالی میں ہے۔"

(۵) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ فرماتے ہیں:

وفی الحدیث تهدید شدید فی خضاب الشعر بالسواد وهو مکروه کراهة تحریم

(بذل المجهود ص۸۲ ج۶)

"اس حدیث میں سیاہ خضاب پر سخت وعید ہے اور اسکا استعمال مکروہ تحریمی ہے۔"

(۶) مفتی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب قدس سرہ کا فتوی:

سوال: جو شخص خضاب لگاوے اور سیاہ بال رکھے اسکے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب: مکروہ ہے (فتاوی دارالعلوم دیوبند ص۱۸ ج۳)

(۷) مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالی کا فتوی:

سیاہ رنگ کے خضاب کو مجاہدین کے لئے محمود اور مستحسن فرمایا ہے مگر زینت کے قصد سے خالص سیاہ رنگ کے خضاب کو مکروہ بتایا ہے (کفایۃ المفتی ص۱۷۲ ج۹)

(۸) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ نے اوجز المسالک ص۳۲۳ ج۶ پر خضاب بالسواد کی کراہت مفصل دلائل کے ساتھ تحریر فرمائی ہے، فلیراجع۔

(۹) سیدی و مرشدی قبلہ حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دام مجدہم کا فتوی:

سوال: جو حافظ صاحب ڈاڑھی کو خضاب لگاتے ہوں کیا وہ تراویح کی نماز پڑھا سکتے ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب: سیاہ خضاب لگانے والا فاسق ہے لہذا ایسے امام کی اقتداء میں تراویح پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، صالح امام نہ ملے تو تراویح تنہا پڑھ لیں (احسن الفتاوی ص۲۹۴ ج۳)

(۱۰) حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری زاد مجدہم کا فتوی:

سوال: سر کے بال جوانی میں سفید ہوجائیں تو سیاہ خضاب لگانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: سیاہ خضاب لگانا سخت گناہ ہے احادیث میں اس پر وعید آئی ہے (فتاوی رحیمیہ ص۲۹ ج۶)

اب ہم مجوزین کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں:

مجوزین کے دلائل:

① سیاہ خضاب کو جائز سمجھنے والوں کے دلائل میں سرِ فہرست سنن ابن ماجہ کی یہ روایت ہے:

ان احسن ما اختضبتم به لهٰذا السواد ارغب لنسائكم فيكم واهيب لكم فى صدور عدوكم ۔

جواب:

یہ روایت سند کے لحاظ سے ضعیف ہے اس کے بالمقابل خضاب بالسواد کی حرمت پر جو احادیث پیش کی گئی ہیں وہ صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، نسائی وغیرہم کی روایات ہیں جو روایۃً ودرایۃً ہر پہلو سے قوی وراجح ہیں۔

محشی ابن ماجہ حضرت شیخ عبد الغنی مجددی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ان احسن ما اختضبتم به لهٰذا السواد هٰذا المخالف لرواية جابر السابقة وهو صحيح اخرجه مسلم (الى قوله) وهٰذا الحديث ضعيف لان دفاع النسد وهو ضعيف كما فى التقريب وعبد الحميد بن صيفى لين الحديث ومذهب الجمهور المنع۔

(حاشیۃ سنن ابن ماجۃ ص۲۵۸)

حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں:

ففى سنده ضعفاء فلا يعارض الروايات الصحيحة (التعليق الممجد ص۳۹۲)

② بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل ہے کہ وہ سیاہ خضاب استعمال فرماتے تھے۔

جواب:

حرمت وممانعت کی احادیث قولی ہیں جو اصولِ حدیث کی رُو سے فعلی روایات پر ترجیح رکھتی ہیں۔

نیز یہ قولی احادیث مرفوع ہیں اور فعلی روایات موقوف۔

پھر سند کے لحاظ سے بھی روایات نہی قوی ہیں اور روایات اباحت بالکل ضعیف یا موقوف۔

پس ہر پہلو سے نہی وحرمت کی روایات قوی وراجح ہیں۔

جن صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے خضاب بالسواد منقول ہے ممکن ہے ان حضرات تک یہ روایات نہی نہ پہنچی ہوں، اس لئے انہیں معذور گردانا جائے گا۔

یا ان حضرات نے سیاہ خضاب ضرورت جہاد سے کیا ہو اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے

کہ یہ حضرات ہمہ وقت دشمن سے برسرِ پیکار رہتے تھے۔

نیز یہ احتمال بھی ہے کہ سیاہ خضاب سے مراد صرف سیاہی مائل ہو جس سے شیخ و شاب کا امتیاز دشوار نہ ہو، سیاہی مائل کو بھی عموماً سیاہ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔
(التعلیق الممجد ص۳۹۲، امداد الفتاوی ص۲۰۹)

(۳) فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے سیاہ خضاب کو صرف مکروہ لکھا ہے، اور مکروہ کا ارتکاب کوئی ایسا جرم نہیں کہ اس پر ایسی نکیر کی جائے۔

جواب:

احادیث میں اس کی صاف صاف ممانعت آئی ہے اور اس کے مرتکب پر شدید وعید آئی ہے کما اسلفنا، حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی حرام گناہ کبیرہ یا اسی قسم کے کلمات استعمال فرمائے ہیں، البتہ بعض حضرات نے فقط مکروہ لکھا ہے جس سے مراد مکروہ تحریمی ہے، قال فی البحر:

والمکروہ فی ھذا الباب نوعان احدھما: ما یکرہ تحریما وھو المحمل عند اطلاقھم کما فی زکوۃ الفتح (رد المحتار ص۶۲۹ ج۱)

اور مکروہ تحریمی کا درجہ حرام یا اس سے قریب قریب ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے:

تکلموا فی معنی المکروہ والمروی عن محمد رحمہ اللہ تعالی نصا ان کل مکروہ حرام الا انہ لما لم یجد فیہ نصا قاطعا لم یطلق علیہ لفظ الحرام وعن ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالی انہ الی الحرام اقرب (ھدایۃ ص۴۵۲ ج۴)

"مکروہ کی حقیقت میں فقہاء نے کلام فرمایا ہے، حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ ہر مکروہ حرام ہے، لیکن چونکہ اس کی حرمت پر انھیں نص قطعی دستیاب نہ ہوئی اس لئے اس پر حرام کا اطلاق نہ فرمایا۔ اور حضرت امام ابو حنیفہ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ مکروہ حرام سے قریب تر ہے"

عوام مکروہ کو خاطر میں نہیں لاتے اور اسے معمولی سا جرم تصور کرتے ہیں، حالانکہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ حرام وناجائز کام پر بھی عموماً مکروہ کا اطلاق کر دیتے ہیں اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو، امام مرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ویکرہ اکل الضبع والضب والسلحفاۃ والزنبور والحشرات کلھا (ھدایۃ ص۴۴۱ ج۴)

"بجو، گوہ، کچھوے، بھڑ اور تمام کیڑے مکوڑوں کا کھانا مکروہ ہے۔"
کیا کوئی سلیم الطبع مسلمان بھڑ، سانپ، بچھو اور کیڑے مکوڑوں کو صرف مکروہ سمجھ کر کھانے کا سوچ سکتا ہے؟

مختصر یہ کہ لفظ مکروہ کی آڑ میں کسی حرام کا ارتکاب اور اس پر مسلسل اصرار کسی علمی دلیل سے ناشی نہیں بلکہ اصطلاحات علمیہ سے بے خبری کا ثبوت پیش کرنا ہے اور اپنے جرم کی سنگینی میں دوچند اضافہ۔

(۴) حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے جوان بیوی کی دلجوئی کے لئے سیاہ خضاب کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیریہ اور شامیہ وغیرہ میں ان سے منسوب یہ قول لکھا ہے:

کما یعجبنی ان تتزین لی یعجبہا ان اتزین لہا۔

جواب:

اس کے متعلق حضرت تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:
"بعض لوگ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت کو پیش کیا کرتے ہیں، سو بشرط ثبوت اس روایت کے اور ان کے رجوع نہ کرنے کے جواب یہ ہے کہ رسم المفتی میں یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ میں اگر اختلاف ہو تو جس کے ساتھ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ ہونگے اس قول پر فتویٰ ہوگا، خصوصاً جبکہ وہ قول دلیل صریح صحیح سے مؤید بھی ہو۔
اس لئے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر عمل کرنا خلاف اصول مقررۂ مذہب حنفی ہے اور بوجہ موجود ہونے دلیل صحیح صریح کے خلاف دیانت بھی ہے۔"
(اصلاح الرسوم ص۲۴۳)

خلاصہ یہ کہ اولاً تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کا ثبوت یقینی نہیں، پھر احتمال رجوع بھی قوی ہے، ان دونوں سے صرف نظر کر لیا جائے تو یہ ایک غیر مفتی بہ اور مرجوح قول ہے، چنانچہ عالمگیریہ اور شامیہ ہی میں مذکور الصدر قول کے ساتھ ہی یہ لکھا ہے:

ومن فعل ذلک لیزین نفسہ للنساء ولیحبب نفسہ الیہن فذلک مکروہ

وعلیہ عامۃ المشایخ (عالمگیریۃ ص۳۵۹ ج ۵، شامیۃ ص۴۲۲ ج ۶)

راجح و مستند مسائل کو نظر انداز کر کے متروک اقوال کے سہارے اپنا مقصد نکالنا اتباعِ شریعت نہیں اتباعِ ہویٰ ہے، کتب فقہ میں حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے منسوب کتنے ہی اقوال ہیں جو مرجوح وغیر مفتی بہ ہیں، مجوزین خضاب کو ان اقوال میں سے کسی قول پر عمل کرنے کا شاید عمر بھر خیال بھی دل میں نہ گزرا ہو، آخر اس ایک قول پر ہی اس درجہ اصرار کیوں ہے؟ کسی جویائے حق مسلمان کے لئے ایک ہی راہ متعین ہے جسے جمہور علماء نے راجح و منقح قرار دیا، ورنہ ہر شخص اگر کتابوں سے اپنے من پسند اقوال چھانٹ چھانٹ کر عمل شروع کر دے تو دین کا اللہ ہی حافظ ہے۔

خلاصہ یہ کہ صریح احادیث اور جمہور فقہاء و محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کے واضح ارشادات کی روشنی میں سیاہ خضاب کا استعمال ناجائز ہے اور اس پر اصرار سنگین گناہ۔ حدیث کی رو سے مؤمن کے سر اور ڈاڑھی کا ہر سفید بال نور ہے:

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تنتفوا الشیب ما من مسلم یشیب شیبۃ فی الاسلام قال عن سفیان الا کانت لہ نورا یوم القیامۃ وقال فی حدیث یحیی الا کتب لہ بھا حسنۃ وحط عنہ بھا خطیئۃ (سنن ابی داؤد ص۲۲۳ ج ۲)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سفید بالوں کو مت اکھاڑو حالتِ اسلام میں جس شخص کے بال سفید ہوں اس کے لئے قیامت کے روز نور ہونگے اور ہر سفید بال کے بدلے ایک نیکی لکھی جائے گی اور ایک خطا معاف کی جائے گی۔"

اس ارشاد نبوت کو سامنے رکھ کر یہ لوگ خود فیصلہ کریں کہ نور کے بدلے ظلمت اختیار کر کے وہ کیا کھو رہے ہیں اور کیا پا رہے ہیں؟ بڑھاپا کسی کے چھپائے چھپ نہیں سکتا،

روی ابو القاسم القشیری رحمہ اللہ تعالیٰ فی الرسالۃ قال حکی ابو عبد اللہ الحسین بن عبد اللہ بن سعید قال کان القاضی یحیی بن اکثم صدیقا لی وکان یودنی واودہ فمات فکنت اشتھی ان اراہ فی المنام فاقول لہ ما فعل اللہ بک؟ فرأیتہ لیلۃ فی المنام فقلت ما فعل اللہ بک؟ فقال غفر لی الا انہ وبخنی ثم قال لی یا یحیی خلطت علی نفسک فی دار الدنیا فقلت یا رب اتکلت علی حدیث حدثنی بہ ابو معاویۃ الضریر عن الاعمش عن ابی صالح

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انک قلت انی لاستحیی ان اعذب شیبۃ بالنار فقال قد عفوت عنک یا یحییٰ وصدق نبیی الا انک خلطت علی نفسک فی دار الدنیا (شذرات الذہب ص۱۰۲ ج ۲)

"امام ابو قاسم قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ میں روایت کی کہ ابو عبداللہ حسین ابن عبداللہ بن سعید رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ قاضی یحییٰ بن اکثم میرے دوست تھے وہ مجھ سے محبت کرتے تھے میں ان سے محبت کرتا تھا، جب انکی وفات ہوئی تو میری خواہش رہی کہ انھیں خواب میں دیکھوں اور دریافت کروں کہ اللہ تعالیٰ نے آپکے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ آخر ایک رات انھیں خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟ بولے اللہ تعالیٰ نے میری بخشش فرما دی مگر (اتنا ضرور ہوا کہ انکی بارگاہ سے) مجھے ڈانٹ پڑی اور فرمایا: "یحییٰ! تونے دنیا میں کچھ کوتاہیاں کی ہیں"

تو میں نے عرض کیا میرے پروردگار! (میری غفلت کی وجہ یہ ہوئی کہ) میں نے ایک حدیث پر بھروسہ کیا جو مجھے ابو معاویہ نے اعمش سے اعمش نے ابو صالح سے ابو صالح نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"مجھے سفید بالوں (بوڑھے مسلمان) کو جہنم کا عذاب دیتے شرم آتی ہے" اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"یحییٰ! میں نے تمھیں معاف کر دیا اور میرے نبی نے سچ فرمایا مگر تونے دنیا میں کچھ کوتاہیاں کی ہیں"۔

؎ رحمتِ حق بہانہ می جوید رحمتِ حق بہانہ می جوید

سفید بال گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت و مغفرت بہم پہنچانے کا ایک غیبی سامان ہے مگر نادان بندہ بالوں کی سفیدی چھپا کر در پردہ اس عطیۂ خداوندی سے اعراض وروگردانی کر رہا ہے، کیا کہنے اس حرماں نصیبی کے ؎

مضی زمن والشیب حل بمفرقی وابعد شیء ان یرد شباب

اذا مر عمر المرء لیس براجع وان حل شیب لم یفدہ خضاب

مسائل متفرقہ:

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں سفید بالوں کو تبدیل کرنے کی ترغیب و

تحریض فرمائی، مہندی اور وسمہ استعمال کرنے کی فضیلت ارشاد فرمائی، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علاوہ دیگر صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت سے بھی خضاب ثابت ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس خضاب استعمال فرمایا یا نہیں؟

اس بارے میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دونوں قسم کی روایات منقول ہیں، اس لئے بعد کے علماء کی آراء بھی اس میں مختلف ہیں، علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ استعمال نہیں فرمایا، حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے:

فمنعہ الاکثرون لحدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وھو مذھب مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ (شرح مسلم ص۲۵۹ ج۲)

علماء احناف کی رائے بھی یہی ہے کما صرح بہ فی الشامیۃ ص۴۲۲ ج۶

لیکن علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ قول فیصل یہ فرماتے ہیں:

والمختار انہ صلی اللہ علیہ وسلم صبغ فی وقت وترکہ فی معظم الاوقات فاخبر کل بما رأی وھو صادق وھذا التأویل کالمتعین (شرح مسلم ص۲۵۹ ج۲)

"قول مختار یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات (مہندی اور وسمہ کا) خضاب فرمایا اور اکثر اوقات نہیں فرمایا، اس لئے ہر صحابی نے جو حالت مشاہدہ کی وہ بیان کردی اور وہ اپنے قول میں سچا ہے تطبیق کی گویا یہی صورت متعین ہے۔"

(۲) سر اور ڈاڑھی میں سرخ خضاب مستحب اور مسلمانوں کا خاص شعار ہے، ہاں مردوں کے لئے ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانا جائز نہیں کہ اس میں عورتوں سے مشابہت ہے۔
(عالمگیریۃ ص۳۵۹ ج۵، رد المحتار ص۴۲۲ ج۶)

(۳) بلاضرورت چھوٹے لڑکوں کے ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانا بھی جائز نہیں۔
(عالمگیریۃ ص۳۵۹ ج۵، خلاصۃ الفتاویٰ ص۳۴۳ ج۴)

(۴) عورتوں کے لئے ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانا مستحب ہے (مرقاۃ ص۳۰۲ ج۸)

(۵) مجاہد اگر دشمن پر رعب ڈالنے کے لئے سیاہ خضاب کرے تو جائز بلکہ مستحسن ہے۔
(رد المحتار ص۴۲۷ ج۶ وغیرہ)

⑥ سیاہ خضاب تیار کرنا اور فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ ایک محل اس کے جواز کا بھی موجود ہے یعنی دشمن پر ہیبت بٹھانے کے لئے۔ لہٰذا بنانا اور بیچنا خلافِ اولیٰ ہے۔ مگر ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں جس کے متعلق یقین ہو کہ ناجائز طور پر استعمال کرے گا، کما فی رد المحتار وغیرہ۔

⑦ اگر کسی نے ناپاک مہندی کا خضاب لگایا پھر تین بار دھو کر صاف کر دی تو پاک ہو جائے گی گو کہ اس کا رنگ باقی رہ جائے (رد المحتار ص ۳۲۹ ج ۱)

⑧ سر یا داڑھی کے سفید بالوں کو اکھاڑنا جائز نہیں، لما قال صلی اللہ علیہ وسلم لا تنتفوا الشیب فانہ نور المسلم الحدیث (رواہ الاربعۃ)

محمد ابراہیم

نائب مفتی دار الافتاء والارشاد

۲۴ رجب ۱۴۱۳ھ

قوم يخضبون بالسواد آخر الزمان
كحواصل الحمام لا يريحون رائحة الجنة
رواه النسائی وابوداؤد

اصابیح الغراء
للوقایة
عن عذاب الغناء

گانے بجانے کی حرمت کا ثبوت

قرآن، حدیث اور اجماع ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے

افاضہ

حضرت فقیہ العصر دامت برکاتہم

تحریر

حضرت مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی مدظلہ

کتبہ فاروق

المصابیح الغراء للوقایۃ عن عذاب الغناء

گانے بجانے پر

اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت

زلزلہ ، خسف ، مسخ

اور

طرح طرح کے عذابوں کی وعیدیں

- آیاتِ قرآنیہ
- احادیثِ مبارکہ
- ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ

گانا باجا سننا حرام ہے اور ہر برائی کی جڑ

سوال : ہمارے کالج میں اسلامیات کے پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ موسیقی کے آلات کے ساتھ اچھے گیت، گانے اور قوالیاں سننا شرعاً جائز ہے، اسے ناجائز اور حرام بتلانا مولویوں کی باتیں ہیں، دلیل یہ دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دف بجایا گیا، بچیاں گاتی رہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہ فرمایا، موسیقی کے جدید آلات بھی دف کی ترقی یافتہ شکل ہیں، موسیقی سننے میں کوئی مضایقہ نہیں کہ یہ روح کی غذا ہے اور صوفیۂ کرام سماع کا مستقل شغل رکھتے تھے۔

قرآن و سنت کی روشنی میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالیے اور پروفیسر صاحب کے دلائل کا بھی جائزہ لیجئے، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ماتم کا مقام ہے کہ جس رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے راگ باجوں کا مٹانا اپنی بعثت کا مقصد بتایا اسی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نہاد اُمتی آج اس گناہ پر دل و جان سے فدا ہیں، بلکہ اس بےحیائی کو سندِ جواز مہیا کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا رہے ہیں، ان ظلمت جدیدہ کے متوالوں کو یہ موٹی سی حقیقت کون سمجھائے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت چودہ سو سال سے مکمل ہے، اس کا ہر ہر مسئلہ اٹل لازوال اور قیامت تک کے لئے محفوظ ہے، تمہاری موافقت یا مخالفت سے کسی مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، جو چیز شرعاً حلال ہے وہ تاقیامت حلال رہے گی اور جو چیز از روئے شرع حرام ہے وہ بھی رہتی دنیا تک حرام ہی رہے گی گو کہ دنیا بھر کے ووٹ اس کے خلاف پڑ جائیں۔

شریعت مطہرہ میں موسیقی کی حرمت کا مسئلہ بھی ایک ایسا ہی مسئلہ ہے جس پر دلیل پیش کرنے کی چنداں حاجت نہیں، اس قسم کے قطعی حرام کو مباح و جائز قرار دینے کی جسارت بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی سر پھرا یہ کہنے لگے کہ شریعت کی رو سے زنا، شراب نوشی، سود خوری اور رشوت جائز ہے۔ ظاہر ہے اس قسم کی یاوہ گوئی کسی درجہ میں بھی لائقِ اعتنا نہیں، نہ ہی

اس قابل ہے کہ اس کی تردید میں وقت ضائع کیا جائے، مگر کیا کیا جائے؟ اس دور ہوا پرستی میں علم و تحقیق کے عنوان سے جو خس و خاشاک بھی پیش کیا جائے اسے مبادیات دین سے ناآشنا جدید طبقے میں "جدید تحقیق" کے عنوان سے جلد پذیرائی حاصل ہو جاتی ہے، اس طرح ہر کفر و الحاد اس بدقسمت معاشرہ میں بآسانی کھپ جاتا ہے۔

اکبر مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

اُنھوں نے دین کب سیکھا ہے رہ کر شیخ کے گھر میں
پلے کالج کے چکر میں مَرے صاحب کے دفتر میں

ان تمہیدی سطور کے بعد ہم موسیقی کی حُرمت کے دلائل پیش کرتے ہیں۔

دلائلِ حُرمت

آیاتِ قرآنیہ :

(۱) ومن الناس من یشتری لهو الحدیث لیضل عن سبیل الله بغیر علم ویتخذها هزوا اولٰئک لهم عذاب مهین ○ (۳۱ : ۶)

"اور بعض آدمی ایسا ہے جو ان باتوں کا خریدار بنتا ہے جو غافل کرنے والی ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے بوجھے گمراہ کرے اور اس کی ہنسی اُڑا دے، ایسے لوگوں کے لئے ذلّت کا عذاب ہے۔"

امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

عن ابی الصهباء البکری انه سمع عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه وهو یسأل عن هٰذه الاٰیة (ومن الناس من یشتری لهو الحدیث لیضل عن سبیل الله) فقال عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه الغناء والله الذی لا اله الا هو یرددها ثلاث مرات۔

وکذا قال ابن عباس وجابر رضی الله تعالیٰ عنهم وعکرمة وسعید بن جبیر ومجاهد ومکحول وعمرو بن شعیب وعلی بن بذیمة رحمهم الله تعالیٰ۔

وقال الحسن البصری رحمه الله تعالیٰ نزلت هٰذه الاٰیة (ومن الناس من یشتری لهو الحدیث لیضل عن سبیل الله بغیر علم) فی الغناء والمزامیر۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۵۷ ج ۳)

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین بار قسم اُٹھا کر فرمایا کہ لهو الحدیث سے مراد گانا بجانا ہے۔

حضرت ابن عباس وجابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد، مکحول، عمرو بن شعیب اور علی بن بذیمہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی اس آیت کی یہی تفسیر منقول ہے۔ اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ آیت گانے اور راگ باجوں کے متعلق اتری ہے۔"
یہی تفسیر قرطبی ص۵۱ ج ۱۴، بغوی ص۴۰۸ ج ۴، خازن ص۴۶۸ ج ۳، مدارک بھامش خازن ص۴۶۸ ج ۳، مظہری ص۲۴۶ ج ۷ وغیرہا میں مفصل مذکور ہے۔

(۲) واستفزز من استطعت منهم بصوتك الآية (۱۷: ۶۴)

"اور پھسلا لے ان میں سے جس کو تو پھسلا سکے اپنی آواز سے۔"

امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وقوله تعالى (واستفزز من استطعت منهم بصوتك) قيل هو الغناء قال مجاهد رحمه الله تعالى باللهو والغناء اى استخفهم بذلك وقال ابن عباس رضى الله تعالى عنهما فى قوله (واستفزز من استطعت منهم بصوتك) قال كل داع دعا الى معصية الله عز وجل وقاله قتادة رحمه الله تعالى واختاره ابن جرير رحمه الله تعالى۔ (تفسیر ابن کثیر ص۵۰ ج ۳)

"اس آیت میں شیطانی آواز سے گانا بجانا مراد ہے۔ امام مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ (اے ابلیس!) تو انھیں کھیل تماشوں اور گانے بجانے کے ساتھ مغلوب کر۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس آیت میں ہر وہ آواز مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دے، یہی قول حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور اسی کو ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا ہے۔"

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ اسی کے ذیل میں فرماتے ہیں:

ومن المعلوم ان الغناء من اعظم الدواعى الى المعصية ولهذا فسر صوت الشيطان به (اغاثة اللهفان ص۲۵۵ ج ۱)

"اور سب کو معلوم ہے کہ معصیت کی طرف دعوت دینے والوں میں گانا بجانا سب سے بڑھ کر ہے اسی وجہ سے "شیطان کی آواز" کی تفسیر اسی کے ساتھ کی گئی۔"

(۳) افمن هذا الحديث تعجبون ٥ وتضحكون ولا تبكون ٥ وانتم سامدون ٥ (۵۳: ۵۹)

"سو کیا تم لوگ اس کلام سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو اور

تم تکبر کرتے ہو۔"

لفظ "سامدون" کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال الغناء ھی یمانیۃ اسمد لنا غن لنا وکذا قال عکرمۃ رحمہ اللہ تعالیٰ (تفسیر ابن کثیر ص۲۶۰ ج ۴)

"ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں : اس کے معنیٰ ہیں "گانا" اور یہی قول عکرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔"

تفسیر ابن جریر ص۴۳ ج ۲۷، قرطبی ص۱۲۳ ج ۱۷، روح المعانی ص۷۲ ج ۲۷ وغیرہا میں بھی یہی مذکور ہے۔

(۴) والذین لایشھدون الزور واذا مروا باللغو مروا کراما (۲۵ : ۷۲)

"اور وہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے، اور اگر بیہودہ مشغلوں کے پاس کو ہو کر گزریں تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔"

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ الزور الغناء (احکام القرآن ص۳۴۷ ج ۳)

"امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زور کے معنیٰ ہیں گانا بجانا۔"

علامہ حسین بن مسعود بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں :

وقال محمد بن الحنفیۃ رحمہ اللہ تعالیٰ لایشھدون اللغو والغناء۔

(معالم التنزیل ص۲۵۱ ج ۴)

"حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ بیہودہ باتوں اور گانے بجانے کی مجلس میں شامل نہیں ہوتے۔"

امام ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ مختلف اقوال کو جمع کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

فاولی الاقوال بالصواب فی تأویلہ ان یقال الذین لایشھدون الزور شیئا من الباطل لاشرکا ولاغناءً ولاکذبا ولاغیرہ وکل ما لزمہ اسم الزور۔

(تفسیر ابن جریر ص۲۹ ج ۱۹)

"سب سے صحیح قول یہ ہے کہ یوں کہا جائے : وہ (رحمن کے بندے) کسی قسم کے باطل میں شریک نہیں ہوتے نہ شرک میں اور نہ گانے بجانے میں اور نہ جھوٹ میں

اور نہ اس کے علاوہ کسی ایسے عمل میں جس پر "زور" کا اطلاق ہو۔"

احادیث مبارکہ:

① لیکونن من أمتی اقوام یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف۔

(صحیح بخاری)

"میری اُمت میں کچھ لوگ پیدا ہونگے جو زنا، ریشم، شراب اور راگ باجوں کو حلال قرار دیں گے۔"

② لیشربن ناس من امتی الخمر یسمونھا بغیر اسمھا یعزف علی رؤسھم بالمعازف والمغنیات یخسف اللہ بھم الارض ویجعل منھم القردۃ والخنازیر۔

(ابوداؤد، ابن ماجۃ، ابن حبان)

"میری اُمت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے مگر اس کا نام بدل کر، انکی مجلسیں راگ باجوں اور گانے والی عورتوں سے گرم ہونگی، اللہ انھیں زمین میں دھنسا دیگا اور ان میں سے بعض کو بندر و خنزیر بنا دیگا۔"

③ عن نافع رحمہ اللہ تعالیٰ ان ابن عمر رضی اللہ عنھما سمع صوت زمارۃ راع فوضع اصبعیہ فی اذنیہ وعدل راحلتہ عن الطریق وھو یقول یا نافع! یا نافع! اتسمع؟ فاقول نعم! فمضی حتی قلت لا! فرفع یدیہ وعدل راحلتہ الی الطریق وقال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع زمارۃ راع فصنع مثل ھذا (احمد، ابوداؤد، ابن ماجۃ)

"نافع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو راہ چلتے ایک گڈریئے کی بانسری کی آواز سنائی دی تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور راستہ سے ایک طرف ہٹ کر چلنے لگے اور مجھ سے بار بار پوچھتے: "کیا بانسری کی آواز تمھیں سنائی دے رہی ہے"؟ میں جواب دیتا جی ہاں! اسی طرح انگلیاں کانوں میں دیئے چلتے رہے، حتی کہ میں نے کہا: "اب آواز نہیں آرہی" تب انگلیاں کانوں سے ہٹائیں اور راستہ چلنے لگے، پھر فرمایا، ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی بعینہ یہی واقعہ پیش آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کانوں میں انگلیاں دے لیں اور یہی عمل فرمایا۔"

سوچنے کا مقام ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شیطانی آواز کو لمحہ بھر سننا

گوارا نہ فرمایا آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا اس پر اس درجہ فریفتہ ہیں کہ انھیں لمحہ بھر اس کی جدائی گوارا نہیں، اور چوبیس گھنٹے انکی محفلوں کی گرم بازاری اسی لعنت پر موقوف ہے اور اس کی وبا اتنی کثرت سے ہے کہ کوئی شریف آدمی کسی کوچہ و بازار سے کانوں میں انگلیاں دیئے بغیر گزر نہیں سکتا۔

(۴) فی ھذہ الامۃ خسف ومسخ وقذف فقال رجل من المسلمین یا رسول اللہ! ومتی ذلک؟ قال اذا ظھرت القیان والمعازف وشربت الخمور (جامع ترمذی)

"اس امت پر یہ آفتیں آئیں گی: زمین میں دھنسنا، شکلوں کا مسخ ہونا، اور پتھروں کی بارش۔ ایک صحابی نے دریافت کیا، یا رسول اللہ! یہ کب ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب گانے والی عورتوں اور راگ باجوں کا دور دورہ ہوگا اور سرعام شراب نوشی ہوگی۔"

(۵) ان اللہ عز وجل بعثنی ھدی ورحمۃ للمؤمنین وامرنی بمحق المزامیر والاوتار والصلیب وامر الجاھلیۃ (احمد، ابوداؤد الطیالسی)

"مجھے اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے لئے ہدایت ورحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور باجے، مشرکیہ تعویذ گنڈے، صلیب اور زمانۂ جاہلیت کے غلط کاموں کے مٹانے کا حکم فرمایا ہے۔"

(۶) الکوبۃ حرام والدن حرام والمزامیر حرام (مسند، بیہقی، بزار)

"طبلہ، سارنگی حرام ہیں، اور شراب کے برتن حرام ہیں، اور باجے بانسری حرام ہیں۔" شراب کے برتنوں کی حرمت کا حکم ابتداء میں تھا جو بعد میں منسوخ ہوگیا۔

(۷) الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل،

(ابوداؤد، بیہقی، ابن ابی الدنیا)

"گانا بجانا دل میں نفاق اگاتا ہے جیسا کہ پانی سبزے کو اگاتا ہے۔"

(۸) وظھرت القینات والمعازف وشربت الخمور ولعن آخر ھذہ الامۃ اولھا فارتقبوا عند ذلک ریحا حمراء وزلزلۃ وخسفا ومسخا وقذفا وآیات تتابع کنظام بال قطع سلکہ (جامع ترمذی)

"جب گانے والی عورتوں اور راگ باجوں کا ظہور ہوا اور شرابیں کثرت سے پی جائیں

اور اس اُمت کے آخری لوگ پہلے زمانہ کے لوگوں پر طعن و تشنیع کرنے لگیں تو ایسے وقت ان عذابوں کا انتظار کرو: سُرخ آندھیاں، زلزلے، زمین میں دھنسنا، شکلوں کا بگڑنا، پتھروں کی بارش، اور ایسی نشانیاں جو پے در پے اس طرح آئیں جیسے پرانا بوسیدہ ہار جس کی لڑی ٹوٹ جائے اور دانے ایک ایک کر کے بکھر جائیں۔"

(۹) اذا فعلت امتی خمس عشرۃ خصلۃ حلت بھا البلاء وفیھا واتخذت القیان والمعازف (جامع ترمذی)

"جب میری اُمت یہ پندرہ کام بکثرت کرنے لگے تو ان پر مصیبت اُترے گی منجملہ ان کے ایک یہ کہ گانے والی عورتیں اور باجے بانسریاں عام ہوجائیں۔"

(۱۰) صوتان ملعونان فی الدنیا والاٰخرۃ مزمار عند نغمۃ ورنۃ عند مصیبۃ۔ (البزار، بیہقی، ابن مردویہ)

"دو آوازیں دنیا و آخرت میں ملعون ہیں، ایک گانے کے ساتھ راگ باجوں کی آواز، دوسری مصیبت کے وقت چیخنے چلانے کی آواز۔"

(۱۱) نھیت عن صوتین احمقین فاجرین صوت عند نغمۃ لھو ولعب ومزامیر الشیطان وصوت عند مصیبۃ لطم وجوہ وشق جیوب۔

(مستدرک حاکم ص۴۰ ج۴، مصنف ابن ابی شیبۃ ص۳۹۳ ج۳ وغیرھما)

"میں دو احمقانہ اور فسق و فجور سے بھری آوازوں سے روکتا ہوں، ایک لہو و لعب اور شیطانی باجوں کے ساتھ گانے کی آواز، دوسری مصیبت کے وقت چہرے پیٹنے اور گریبانوں کو چاک کرکے نوحہ کی آواز۔"

(۱۲) الجرس مزامیر الشیطان (صحیح مسلم، سنن ابی داؤد)

"گھنٹی شیطان کے باجے ہیں۔"

(۱۳) یمسخ قوم من ھذہ الامۃ فی اٰخر الزمان قردۃ وخنازیر قالوا یا رسول اللہ الیس یشھدون ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ قال بلیٰ ویصومون ویحجون ویصلون قیل فما بالھم؟ قال اتخذوا المعازف والقینات (مسند ابن ابی الدنیا)

"آخر زمانہ میں اس امت کے کچھ لوگ بندروں خنزیروں کی صورت میں مسخ

کئے جائیں گے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا وہ اس بات کی گواہی نہ دیں گے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وہ روزے رکھیں گے، حج کریں گے اور نماز پڑھیں گے، عرض کیا گیا پھر کس سبب سے یہ عذاب ہوگا؟ فرمایا: راگ باجوں اور گانے والی لونڈیوں کا شغل اختیار کرنے کے سبب۔"

اختصار کے پیش نظر ہم انہی چند روایات پر اکتفاء کرتے ہیں۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کی کتاب "کشف العناء عن وصف الغناء" مندرج احکام القرآن ص۲۰۳ ج ۳ اس موضوع پر جامع ترین کتاب ہے جس میں مزید کئی روایات ہیں، مولانا عبد المعز صاحب نے اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے بنام "اسلام اور موسیقی" اس میں اور بھی بہت زیادہ روایات جمع کردی ہیں۔

اجماع ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ:

گانے بجانے کی حرمت پر ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع منعقد ہے، اور ان کے مذاہب کی مستند کتب سے اس پر بیسیوں عبارات پیش کی جاسکتی ہیں مگر ہم صرف ایک ایک عبارت پر اکتفاء کرتے ہیں:

(۱) امام زین الدین ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

(قولہ او یغنی للناس) لانہ یجمع الناس علی ارتکاب کبیرۃ کذا فی الهدایۃ وظاهرہ ان الغناء کبیرۃ وان لم یکن للناس بل لاسماع نفسہ دفعا للوحشۃ، وهو قول شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ فانہ قال بعموم المنع۔

وفی المعراج الملاهی نوعان محرم وهو الآلات المطربۃ من غیر الغناء کالمزمار سواء کان من عود او قصب کالشبابۃ او غیرہ کالعود والطنبور لما روی ابو امامۃ رضی اللہ عنہ انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال ان اللہ بعثنی رحمۃ للعالمین وامرنی بمحق المعازف والمزامیر ولانہ مطرب مصد عن ذکر اللہ تعالیٰ والنوع الثانی مباح وهو الدف فی النکاح۔

(البحر الرائق ص۸۸ ج ۷)

"لوگوں کے سامنے گانے والے کی شہادت قبول نہیں اس لئے کہ وہ لوگوں کو ایک

کبیرہ گناہ کے ارتکاب پر جمع کر رہا ہے، ہدایہ میں یونہی ہے، اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ گانا ایک کبیرہ گناہ ہے گو کہ لوگوں کے لئے نہ گایا جائے بلکہ وحشت و تنہائی دور کرنے کے لئے صرف اپنے لئے گایا جائے، اور یہی شیخ الاسلام خواہر زادہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ انھوں نے گانے کو مطلقاً منع لکھا ہے۔

اور معراج الدرایۃ میں ہے کہ کھیل تماشے دو قسم کے ہیں، ایک تو حرام ہے، اور وہ ہے گانے بغیر صرف ہیجان و مستی پیدا کرنے والے آلات کی آواز، جیسے بانسری خواہ لکڑی کی ہو یا نرکل کی جیسے شبابہ، یا بانسری کے سوا کوئی اور آلہ ہو جیسے عود و طنبور۔

حرمت کی وجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے باجے تاشے اور بانسریاں مٹانے کا حکم فرمایا ہے۔

حرمت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مستی آور اور ذکر الٰہی سے مانع ہے۔

اور تفریح کی دوسری قسم جائز ہے اور وہ ہے نکاح کے موقع پر دف بجانا، اکثر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے بھی ناجائز قرار دیا ہے، تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۲) علامہ محمد بن محمد حطاب مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قال فی التوضیح الغناء ان کان بغیر اٰلۃ فھو مکروہ۔

واما الغناء باٰلۃ فان کانت ذات اوتار کالعود والطنبور فممنوع وکذلک المزمار والظاھر عند بعض العلماء ان ذلک یلحق بالمحرمات وان کان محمد اطلق فی سماع العود انہ مکروہ، وقد یرید بذلک التحریم۔ ونص محمد بن الحکیم علی ان سماع العود ترد بہ الشھادۃ قال وان کان ذلک مکروھا علی کل حال وقد یرید بالکراھۃ التحریم کما قدمنا (مواھب الجلیل ص۱۵۳ ج ۶)

"توضیح میں ہے کہ گانا اگر بغیر آلات موسیقی کے ہو تو وہ مکروہ ہے، یہاں مکروہ سے مراد حرام ہے۔

اور آلات کے ساتھ گانا اگر ایسے آلہ کے ساتھ ہے جو تاروں والا ہے جیسے عود اور طنبور تو یہ گانا ممنوع ہے اور اسی طرح بانسری بھی ممنوع ہے۔

محمد بن حکیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ عود سُننے والے کی گواہی رَد کی جائیگی، اس کا سننا ہر حال میں مکروہ ہے، یہاں مکروہ سے حرام مراد ہے جیسے گزر چکا"۔

(۳) امام ابو حامد غزالی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ حرمتِ غنار کے متعلق حضرت امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، مالک بن انس و دیگر علمار رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وقال الشافعی رحمہ اللہ فی کتاب أداب القضاء: ان الغناء لهو مکروه يشبه الباطل ومن استكثر منه فهو سفيه ترد شهادته۔

قال الشافعی رضی اللہ عنہ صاحب الجارية اذا جمع الناس لسماعها فهو سفيه ترد شهادته۔

وحكى عن الشافعی رحمہ اللہ انه كان يكره الطقطقة بالقضيب ويقول وضعته الزنادقة ليشتغلوا به عن القرآن (احیاء علوم الدین ص۲۶۹ ج ۲)

"امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب آداب القضار میں لکھتے ہیں کہ گانا بجانا ایک مکروہ اور باطل مشغلہ ہے، جو اس میں زیادہ انہماک رکھے وہ احمق ہے، اس کی گواہی رد کردی جائے گی۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ گانے والی لونڈی کا مالک اگر گانا سُنانے کے لئے لوگوں کو جمع کرے تو وہ بھی احمق اور مردود الشہادۃ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ چھڑی بجانے سے جو ٹنک ٹنک کی آواز پیدا ہو وہ بھی مکروہ و ناپسندیدہ ہے، یہ فتنہ زندیق لوگوں کی ایجاد ہے تاکہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کو قرآن مجید سے غافل کردیں"۔

(۴) علامہ علی بن سلمان مرداوی حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قال فی الرعاية يكره سماع الغناء والنوح بلا ألة لهو ويحرم معها وقيل يحرمها من رجل وامرأة (الانصاف ص۵۱ ج ۱۲)

"الرعایۃ میں ہے کہ گانا اور نوحہ آلات موسیقی کے بغیر مکروہ ہے، اور ان آلات کے ساتھ حرام ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان آلات کے بغیر بھی حرام ہی ہے

خواہ مرد کی آواز ہو یا عورت کی ۔"

آگے لکھتے ہیں :

قال فی الفروع یکرہ غناء وقال جماعۃ یحرم وقال فی الترغیب اختارہ الاکثر۔ (حوالۂ بالا)

"فروع میں لکھا ہے کہ گانا مکروہ ہے اور علماء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ حرام ہے، اور ترغیب میں لکھا ہے کہ اکثر حضرات نے اس قول حرمت کو اختیار کیا ہے ۔"

نتیجہ میں کوئی اختلاف نہیں اس لئے کہ مکروہ بھی بحکم حرام ہی ہے ۔

عذر گناہ :

موسیقی کے جواز پر عموماً دو دلائل پیش کئے جاتے ہیں :

① شادی کے موقع پر دف بجانا حدیث سے ثابت ہے اور موسیقی بھی دف ہی کی ترقی یافتہ شکل ہے ۔

جواب : احادیث میں جس دف کا ذکر ہے وہ صرف نکاح کے موقع پر کچھ دیر کے لئے بجایا جاتا تھا، شادی کے علاوہ بلا ضرورت دف بجانے والوں کو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ دُرّوں کی سزا دیتے تھے ۔

ان الفاروق رضی اللہ عنہ اذا سمع صوت الدف بعث ینظر فان کان فی الولیمۃ سکت وان کان فی غیرہ عمل بالدرۃ (فتح القدیر ص۳۶ ج۶، البحر الرائق ص۸۸ ج۷)

پھر دف پیٹنے والی عموماً بچیاں ہوتی تھیں مردوں کا دف پیٹنا کہیں ثابت نہیں ۔

پھر یہ دف بھی اہل عرب کی عادت کے مطابق بالکل سادگی سے پیٹا جاتا تھا نہ اس میں جھانجھ ہوتی تھی نہ رقص وسرود یا طرب ومستی کا کوئی اور نشان ، فی زماننا ایسے دف کا وجود کہیں نظر نہیں آتا ۔

معہذا مذکورہ بالا شرائط کی رعایت سے دف پیٹنے کی گنجائش بھی حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے، احناف میں سے اکثر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ اسے بھی ناجائز قرار دیتے ہیں ۔

قال التوربشتی رحمہ اللہ تعالیٰ انہ حرام علی قول اکثر المشایخ وما ورد من ضرب

الدف فی العرف کنایۃ عن الاعلان (امداد الفتاویٰ ص۲۵۳ ج ۲)

"امام تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دف اکثر مشایخ کے قول کے مطابق حرام ہے اور شادی کے موقع پر جو دف بجانا ثابت ہے اس سے اعلان وتشہیر مراد ہے۔"

امداد الفتاویٰ میں تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول بحوالہ شرح نقایہ، نصاب الاحتساب و بستان العارفین منقول ہے آخری دو کتابیں موجود نہیں، شرح نقایہ میں سرسری تلاش سے دستیاب نہیں ہوا، بہرحال نصوص محرمہ کے پیش نظر یہ توجیہ کرنا لازم ہے، اور یہ کوئی تأویل بعید نہیں عام محاورات کے مطابق ہے۔

اعلان وتشہیر کے لئے یہ کنایہ عرف عام میں بہت مشہور اور زبان زد ہے، مثلاً:

"بیانگ دہل کہہ رہے ہیں"

"ڈھول بجا رہے ہیں"

"ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں"

"نقارہ پیٹ رہے ہیں"

ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ یہ اختلاف سادہ دف کے متعلق ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

المراد بہ الدف الذی کان فی زمن المتقدمین واما ما علیہ الجلاجل فینبغی ان یکون مکروھا بالاتفاق (مرقاۃ المفاتیح ص۲۱ ج ۶)

"اس سے مراد وہ دف ہے جو متقدمین کے دور میں استعمال ہوتا تھا، جھانجھ دار دف بالاتفاق مکروہ ہے۔"

مکروہ کا اطلاق حرام پر کیا گیا، جیسے اوپر گزرا۔

(۲) بعض صوفیہ سے منقول ہے کہ وہ ساز بجا کر سماع کرتے تھے۔

جواب: اوّل تو مسائل شرعیہ میں کسی صوفی کے قول وعمل سے استناد خلاف اصول ہے، اس موقع پر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ جو خود بہت بڑے صوفی اور عارف ہیں ان کا یہ ارشاد یاد رکھنے کے قابل ہے:

عمل صوفیہ در حل وحرمت سند نیست، ہمیں بس است کہ ما ایشان را معذور داریم و ملامت نہ کنیم، و امر ایشان را بحق سبحانہ وتعالیٰ مفوض داریم، اینجا قول ابی حنیفہ وامام ابی یوسف

و امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ معتبر است نہ عمل ابوبکر شبلی و ابوحسن نوری رحمہما اللہ تعالیٰ۔
(مکتوبات صفحہ ۳۳۵ دفتر اوّل)

"حلّت وحرمت میں صوفیہ کا عمل حجت نہیں، بس اتنا ہی کافی ہے کہ ہم انھیں معذور گردانیں اور ان پر ملامت نہ کریں، اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں، یہاں امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول معتبر ہے نہ کہ ابوبکر شبلی و ابوالحسن نوری رحمہما اللہ تعالیٰ کا عمل۔"

دوسرے ان صوفیہ کا سماع مخصوص احوال میں بطور دوا، وعلاج ہوتا تھا اور اسمیں وہ حضرات بہت سی شرائط ملحوظ رکھتے تھے جن کی تفصیل یہ ہے:

قال الخیر الرملی رحمہ اللہ تعالیٰ:

ومن اباحہ من المشایخ الصوفیۃ فلمن تخلّی عن الھوی وتحلّی بالتقوی واحتاج الی ذلک احتیاج المریض الی الدواء وله شرائط:

احدھا: ان لایکون فیھم امرد۔

والثانی: ان لایکون جمیعھم الا من جنسھم لیس فیھم فاسق ولا اھل الدنیا ولا امرأۃ۔

والثالث: ان تکون نیۃ القوال الاخلاص لا اخذ الاجر والطعام۔

والرابع: وان لایجتمعوا لاجل طعام او فتوح۔

والخامس: لایقومون الا مغلوبین۔

والسادس: لایظھرون وجدًا الا صادقین (الفتاوی الخیریۃ ص۱۶۹ ج۲)

"اور مشایخ صوفیہ میں سے جس نے سماع کو جائز کہا ہے تو ان شرطوں سے کہ صاحب سماع خواہش نفس سے پاک اور زیور تقویٰ سے مزین ہو، اور سماع کے لئے اسے ایسی احتیاج و مجبوری ہو جیسے مریض کو دواء کے لئے ہوتی ہے، اور اس کے جواز کے لئے کئی شرائط ہیں:

پہلی شرط: سماع کرنے والوں میں کوئی بے ریش نہ ہو۔

دوسری شرط: سب عارفین کاملین ہوں، ان میں کوئی فاسق و فاجر طالب دنیا اور عورت نہ ہو۔

تیسری شرط: قوال کی نیت اخلاص پر مبنی ہو مزدوری، معاوضہ اور کھانا مدنظر نہ ہو۔
چوتھی شرط: مجمع کھانے یا دیگر دنیوی اغراض کے لئے اکٹھا نہ ہوا ہو۔
پانچویں شرط: اس دوران قیام نہ کریں الآیہ کہ مغلوب اور بے خود ہو جائیں۔
چھٹی شرط: وجد و مستی کا اظہار نہ کریں الآیہ کہ سچے ہوں، ریا و تصنع نہ ہو۔"
پھر ان شرائط کی پابندی کے ساتھ بھی سماع صرف کامل درجہ کے منتہی عارفین کرتے تھے۔ مبتدی سالک کو سختی سے منع فرماتے تھے۔

امام الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر سماع سے توبہ کی کہ اب ان شرطوں کی پابندی اٹھتی جا رہی ہے۔

قال الشیخ السہروردی رحمہ اللہ تعالیٰ:

وقیل ان الجنید ترک السماع فقیل له کنت تستمع؟ فقال مع من؟ قیل له تسمع لنفسك؟ فقال ممن؟ لانهم کانوا لا یسمعون الا من اهل مع اهل فلما فقد الاخوان ترك فما اختاروا السماع حیث اختاروه الا بشروط وقیود وآداب
(عوارف المعارف ص۱۱۴ ج۲)

"حضرت جنید رحمہ اللہ تعالیٰ نے سماع چھوڑ دیا تھا، آپ سے دریافت کیا گیا: آپ سنتے تھے؟ فرمایا: کس کے ساتھ؟ عرض کیا گیا: آپ تنہائی میں سنتے ہیں؟ فرمایا: کس سے؟ یہ حضرات قیود و شروط سے سنتے تھے جب وہ مفقود ہوگئیں تو سماع چھوڑ دیا۔"

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ رقمطراز ہیں:

ان هذه الشرائط لا تکاد توجد فی زماننا فلا رخصة فی السماع فی عصرنا اصلا کیف؟ وقد تاب سید الطائفة جنید قدس سرہ عن السماع لعدم استجماع الشرائط فی عصرہ۔
(احکام القرآن ص۲۳۲ ج۳)

"یہ شرائط ہمارے زمانہ میں قطعاً نہیں پائی جاتیں، لہٰذا اس دور میں سماع کی قطعاً اجازت نہیں، اور اجازت ہو بھی کیونکر؟ جبکہ سید الطائفہ حضرت جنید قدس سرہ نے بایں سبب سماع سے توبہ کی تھی کہ انکے زمانہ میں تمام شرائط کی پابندی نہ رہی۔"
کوئی انصاف سے کہے کہ آج کل کی قوالی کو صوفیہ کے سماع سے کوئی دُور کی نسبت بھی ہے؟

صوفیہ کا مقصدِ وحید اصلاح قلب تھا جبکہ یہاں حظِّ نفس اور لذت کوشی کے سوا کوئی دوسرا مقصد ہی نہیں۔

باقی یہ دلیل کہ موسیقی روح کی غذاء ہے لاجواب ہے۔ واقعی! جو خبیث روحیں قرآن وحدیث کی شیریں آواز سے چین نہ پاتی ہوں، اور ذکر اللہ کی شراب صافی سے بھی انھیں حظّ نہ ملتا ہو تو انکی غذا غنا، و مزامیر اور موسیقی ہی ہوسکتی ہے، نصیب اپنا اپنا۔

خلاصہ:

راگ باجوں، ساز و موسیقی اور مروّج قسم کی قوالیوں کا سننا شریعت کی رُو سے حرام ہے، ان منکرات کو جائز کہنا الحاد و بے دینی کے سوا کچھ نہیں، انھیں جائز ثابت کرنے کی نامبارک کوششیں درحقیقت وہی الحاد ہے جس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ہے کہ اس اُمت کے کچھ لوگ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کریں گے مگر جائز و حلال سمجھ کر۔ واللہ العاصم من جمیع الفتن وھو الھادی الی سبیل الرشاد۔

محمد ابراہیم
نائب مفتی دارالافتاء والارشاد
۲۹ جمادی الآخرہ ۱۴۱۱ ہجری
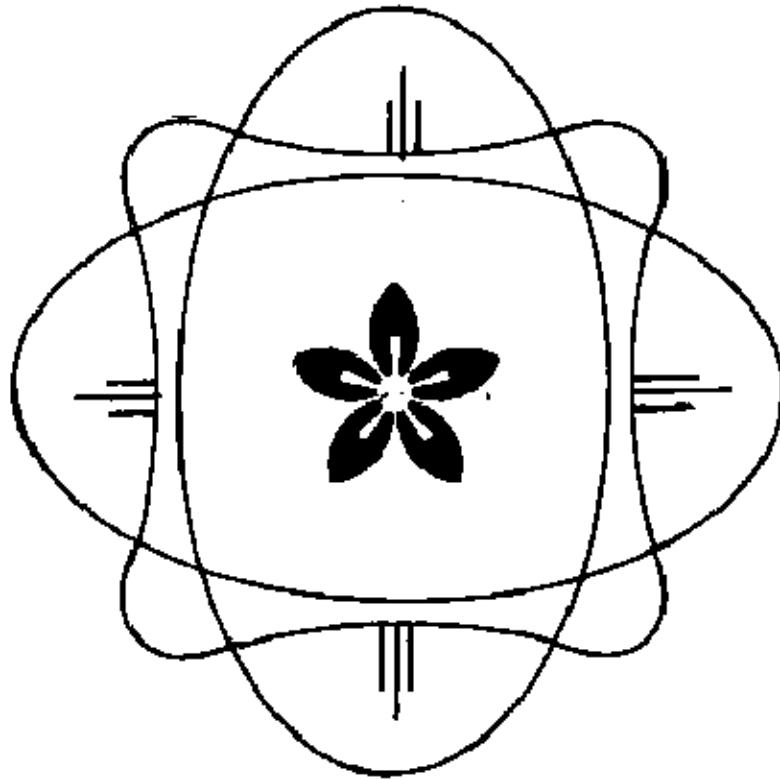
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ

لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا

هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ (۳۱:۶)

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم
وتمام تحیاتکم بینکم المصافحة (احمد وترمذی)
وقال انس رضی الله تعالیٰ عنه
کانوا اذا تلاقوا تصافحوا واذا قدموا من سفر تعانقوا (اوسط طبرانی)
مُصافحہ و مُعانقہ
① دو ہاتھوں سے مصافحہ مستحب ہے۔
② بوقت وداع بھی مصافحہ مستحب ہے۔
③ مُعانقہ میں سینہ ملانا
④ معانقہ کا حکم۔
⑤ پاکستان اور ہندوستان میں مُعانقہ کے مروجہ طریقے کے مفاسد۔

مُصافحہ
و
مُعانقہ
احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔
تعامل الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔
اقوال المحدثین رحمہم اللہ تعالیٰ۔
تعامل المحدثین رحمہم اللہ تعالیٰ۔
اقوال الائمۃ رحمہم اللہ تعالیٰ۔
نصوص الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ۔
روایات مختلفہ و اقوال متباینہ میں صور ترجیح و توفیق۔
تعامل الامۃ الغراء والملۃ البیضاء۔
فاروقی

مصافحہ ومعانقہ کے چار مسائل

① دونوں ہاتھوں سے مصافحہ مستحب ہے:

سوال: مصافحہ کا صحیح طریقہ شریعت اسلامیہ میں کیا ہے؟ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ پر ایک صاحب نے اعتراض کیا اور کہا کہ یہ طریقہ کسی حدیث سے ثابت نہیں، دلیل شرعی درکار ہے۔ معترض صاحب کی تحریر ارسال ہے۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مصافحہ میں دونوں ہاتھ ملانا مستحب ہے۔

روایات الحدیث:

قال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ علمنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم التشہد وکفی بین کفیہ (صحیح بخاری ص۹۲۶ ج ۲، صحیح مسلم ص۱۷۳ ج ۱، سنن نسائی ص۱۷۵ ج ۱)

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو باب المصافحہ میں ذکر کر کے ثبوت مصافحہ پر استدلال کیا ہے، اس میں مصافحہ بالیدین کا ذکر ہے، اس لئے یہ مطلق مصافحہ کے ثبوت کے ساتھ ساتھ دو ہاتھوں سے مصافحہ کے ثبوت کی بھی دلیل ہے، اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "باب الاخذ بالیدین" میں بھی اس کو ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن حجر، عینی، کرمانی اور قسطلانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے باب المصافحہ اور باب الاخذ بالیدین میں اس روایت سے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے استدلال پر کوئی اشکال نہیں فرمایا، یہ اس کی واضح دلیل ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی یہ استدلال صحیح ہے۔

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کفین کا ذکر صراحۃً ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کفین کا ذکر دلالۃً، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تبرک حاصل کرنے کے لئے اپنے جسم کا زیادہ سے زیادہ حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک سے ملانے کی کوشش کرتے تھے، اس کے پیش نظر یہ ناممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو دونوں ہاتھوں سے مصافحہ فرما رہے ہوں اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ہاتھ سے۔ ایسے جانباز عشاق سے ایسی شرمناک گستاخی کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا

اس حدیث میں مصافحۃ التعلیم کا ذکر ہے، امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے اس سے مصافحہ مطلقہ ثابت کیا ہے جو مصافحۃ الملاقاۃ کو بھی شامل ہے، اور اسی مقصد کے لئے امام نے حماد بن زید وعبد اللہ ابن المبارک کے مصافحۃ الملاقاۃ کا ذکر کیا ہے۔

امام کا مصافحۃ التعلیم سے مصافحۃ الملاقاۃ پر استدلال بالکل واضح ہے، اس لئے کہ جس طرح تعلیم موقع مودت ومحبت ہے اسی طرح ملاقات بھی۔ مدعیان فرق کا دعوی بالکل بلا دلیل ہے، ان کے پاس نہ کوئی روایۃً دلیل ہے نہ درایۃً۔

۲ اخرج الامام البخاری رحمہ اللہ تعالی تعلیقا: وصافح حماد بن زید ابن المبارک بیدیہ (صحیح بخاری ص۹۲۶ ج۲)

قال الحافظ رحمہ اللہ تعالی: وصلہ غنجار فی تاریخ بخاری من طریق اسحاق بن احمد ابن خلف قال سمعت محمد بن اسماعیل البخاری یقول سمع ابی من مالک ورأی حماد بن زید یصافح ابن المبارک بکلتا یدیہ، وذکر البخاری فی التاریخ فی ترجمۃ ابیہ نحوہ وقال فی ترجمۃ عبد اللہ بن سلمۃ المرادی حدثنی اصحابنا یحیی وغیرہ عن ابی اسماعیل بن ابراہیم قال رأیت حماد ابن زید وجاءہ ابن المبارک بمکۃ فصافحہ بکلتا یدیہ (فتح الباری ص۴۷ ج۱۱)

حماد بن زید اور عبد اللہ بن المبارک رحمہما اللہ تعالی اپنے زمانے کے جبال الحدیث اور کبار ائمہ میں شمار ہوتے ہیں۔

قال عبد الرحمن بن مهدی رحمہ اللہ تعالی: الائمۃ اربعۃ مالک وسفیان الثوری وحماد بن زید وابن المبارک (تذکرۃ الحفاظ ص۲۷۵ ج۱)

۳ قال عروۃ قالت عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا فمن اقر بهذا الشرط من المؤمنات قال لها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد بایعتک کلاما ولا واللہ مامست یدہ ید امرأۃ قط فی المبایعۃ مایبایعهن الا بقولہ قد بایعتک۔

قال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالی: (قولہ قال لها) ای للمبایعۃ منهن قد بایعتک کلاما وهو منصوب بنزع الخافض وهو من قول عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا والتقدیر کان یبایع بالکلام ولا یبایع بالید کالمبایعۃ مع الرجال بالمصافحۃ بالیدین (عمدۃ القاری ص۲۳۱ ج۱۹)

وقال القسطلانی رحمہ اللہ تعالی: ای بالکلام لا بالید کما کان یبایع الرجال بالمصافحۃ بالیدین (ارشاد الساری ص۲۸۱ ج۷)

مصافحہ ومعانقہ ـــــــــــ ۴

اس حدیث میں اگرچہ مصافحۃ المبایعۃ کا بیان ہے مگر اس سے مصافحۃ الملاقاۃ کا بھی یہی طریق ثابت ہوتا ہے، لما قدمنا تحت الحدیث الاول۔

دلائل مانعین کا تجزیہ:

اس سلسلہ میں تحریر مرسل میں مندرجہ دلائل کے مآخذ کے مراجعہ کی ضرورت نہیں، اسی لئے محرر کی عبارات بعینہا پیش کی جاتی ہیں:

دلیل اول:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

فیأخذ بیدہ ویصافحہ؟ قال نعم (سنن ترمذی ص۱۰۹ ج ۲)

دلیل ثانی:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما اذا ودع رجلا اخذ بیدہ (ابوداود ص۳۵۱ مصری ج ۲)

دلیل ثالث:

قاموس وغیرہ کتب لغت میں ہے:

ان المصافحۃ ھو الاخذ بالید وبأنھا وضع صفح الکف فی صفح الکف۔

وفی شرح المشکوۃ: ان المصافحۃ ھی الافضاء بصفحۃ الید الی صفحۃ الید۔

جوابات ادلہ ثلاثہ مذکورہ:

① انسان کے جسم میں جو اعضاء دو دو ہیں ان میں صیغۂ مفرد بطور جنس بولا جاتا ہے، مراد دونوں اعضاء ہوتے ہیں، مثلاً:

ولا تجعل یدك مغلولۃ الی عنقك۔

من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ

ان نصوص میں ید بصیغہ مفرد ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اس سے صرف ایک ہاتھ اور وہ بھی دایاں مراد نہیں، بلکہ جنس مراد ہے جو دونوں ہاتھوں کو شامل ہے۔

اسی لئے عام اصطلاح میں بیعت کو "ہاتھ میں ہاتھ دینا" کہا جاتا ہے، حالانکہ بیعت دونوں ہاتھوں سے ہوتی ہے۔ کما مر فی حدیث عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا۔

② اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ید سے ید واحدہ ہی مراد ہے تو یہ یدین کے عدم ثبوت کو مستلزم نہیں۔

دلیل رابع :

روی ابن عبد البر فی التمهید بسند صحیح عن عبد اللّٰہ بن بسر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال ترون یدی ھذہ صافحت بھا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم. (تحفۃ الاحوذی ص۳۸۵ ج ۶)

جواب :

اس سے استدلال بوجوہ ذیل تام نہیں :

① اس میں دوسرے ہاتھ کی نفی نہیں ۔

② جب دو شخص دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرتے ہیں تو دونوں کا ایک ہاتھ دوسرے کے دونوں ہاتھوں کے درمیان ہوتا ہے، ممکن ہے حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ ہاتھ دکھایا ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا اور اس ہاتھ کی ہی خصوصیت بتانا مقصود ہو۔

③ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی حالت میں بھی درحقیقت مصافحہ ایک ہی ہاتھ سے ہوتا ہے کیونکہ ہر شخص کے ایک ہی ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے کی ہتھیلی سے ملتی ہے اور مصافحہ کے معنی ہیں "ہتھیلی کو ہتھیلی کے ساتھ ملانا"۔

④ ثبوت "ید" عدم ثبوت "یدین" کو مستلزم نہیں ۔

دلیل خامس :

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :

تمام التحیۃ الاخذ بالید والمصافحۃ بالیمنی رواہ الحاکم فی الکنی ۔ (فتاوی نذیریہ ص۴۲۳ ج ۳)

جواب :

اس سے استدلال بھی بوجوہ ذیل صحیح نہیں :

① یہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی دلیل ہے، اس لئے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی صورت میں ہی جانبین کے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے کے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے ملتی ہے اور بائیں ہاتھ سے دوسرے کے دائیں ہاتھ کو پکڑا جاتا ہے، بائیں ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے کے ہاتھ کی ہتھیلی سے نہیں ملتی ۔

والاصل فی العطف المغایرۃ ۔

② عدم ثبوت "یدین" کو مستلزم نہیں ۔

بعض شبہات کے جوابات :

شبہۂ اولیٰ :

حافظ عسقلانی اور حافظ قسطلانی رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں نے حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عدم

ثبوت مصافحہ عند الملاقاۃ کی تصریح کی ہے، حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ومن ثم افردها بترجمۃ تلی هذه لجواز وقوع الاخذ باليدين من غير حصول المصافحۃ (فتح الباری ص۴۵ ج۱۱)

نیز حاشیہ صحیح بخاری ص۹۲۶ ج ۲ میں عسقلانی و قسطلانی رحمہما اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

ولما كان الاخذ باليد يجوزان يقع من غير مصافحۃ افرده بهذا الباب۔

جواب:

حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تحت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ کی پوری عبارت یوں ہے:

وجه ادخال هذا الحديث فی المصافحۃ ان الاخذ باليد يستلزم التقاء صفحۃ اليد بصفحۃ اليد غالبا ومن ثم افردها بترجمۃ تلی هذه لجواز وقوع الاخذ باليد من غير حصول المصافحۃ (فتح الباری ص۴۷ ج۱۱)

اس پوری عبارت اور اس کے محل وقوع کو سامنے رکھنے سے ثابت ہوا کہ اس موقع پر محرر سے تین لغزشیں ہوئی ہیں یا دانستہ کی ہیں:

① یہ عبارت حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے مگر محرر نے اس کا جوڑ حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ لگا دیا ہے۔

② عبارت کا پہلا حصہ حذف کر دیا ہے۔

③ اصل عبارت میں "لجواز وقوع الاخذ باليد" ہے جس کو محرر نے "باليدين" کر دیا ہے۔

چونکہ حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نہ تو ذکر "کف" ہے اور نہ ذکر "مصافحہ"۔ صرف "اخذ بالید" مذکور ہے، اس لئے اس کی "باب المصافحہ" سے مناسبت ظاہر نہیں، لہذا حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ وجہ مناسبت یوں بیان فرما رہے ہیں کہ "اخذ بالید" غالباً مصافحہ کو مستلزم ہے۔

سو حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ تو حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے استدلال کو صحیح قرار دے رہے ہیں اور اس سے مصافحہ کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔

آگے یہ بحث رہ جاتی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "باب المصافحہ" کے بعد "باب الاخذ بالید" کیوں رکھا؟ سو حافظ عسقلانی و قسطلانی رحمہما اللہ تعالیٰ اس کی حکمت یہ بیان فرماتے ہیں کہ چونکہ حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اخذ بالید بدون المصافحہ کا بھی احتمال ہے، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ دوسرے باب میں حماد بن زید و عبداللہ بن المبارک رحمہما اللہ تعالیٰ کے عمل اور حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ ثابت کرنا

چاہتے ہیں کہ اخذ بالید میں اصل اوغالب یہی ہے کہ وہ مصافحہ ہی کے لئے ہوتا ہے، چنانچہ اسی باب میں حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قال ابن بطال رحمہ اللہ تعالی بالید ھو مبالغۃ المصافحۃ وذلک مستحب عند العلماء (فتح الباری ص۴۸ ج۱۱)

اگر حسب زعم محرر امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا "باب الاخذ بالید" سے اخذ بالید بدون المصافحہ کا بیان مقصود ہوتا تو وہ اس باب کے تحت دلائل مصافحہ کیوں لاتے؟

صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں "باب الاخذ بالیدین" ہے اس کے پیش نظر اس سے طریق مصافحہ کا بیان مقصود ہے کہ دو ہاتھوں سے ہونا چاہیے اور پہلے باب سے نفس مصافحہ کا اثبات مقصود ہے۔

شبہۂ ثانیہ:

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روایت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جس مصافحہ کا ذکر ہے وہ مصافحہ متوارثہ عند الملاقاۃ نہیں تھا بلکہ ایک طریقۂ تعلیمیہ تھا۔

جواب:

اس کی تفصیل اثبات المصافحۃ بالیدین کی دلیل اول کے تحت گزر چکی ہے۔

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا فیصلہ:

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی مذکورہ روایاتِ حدیث کے مطابق مصافحہ میں دونوں ہاتھ ملانے کو سنت قرار دیا ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وفی القنیۃ السنۃ فی المصافحۃ بکلتا یدیہ وتمامہ فیما علقتہ علی الملتقی۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ وتمامہ الخ) ونصہ وھی الصاق صفحۃ الکف بالکف واقبال الوجہ بالوجہ فاخذ الاصابع لیس بمصافحۃ خلافا للروافض والسنۃ ان تکون بکلتا یدیہ وبغیر حائل من ثوب او غیرہ وعند اللقاء بعد السلام الخ

(رد المحتار ص۲۴۴ ج۵)

الحاصل:

ایک ہاتھ سے مصافحہ جائز اور دو ہاتھوں سے مستحب ہے۔

مصافحہ ومعانقہ ——— ۸

دلائل الاستحباب :

① احادیث یدین ناقابل تاویل ہیں اور روایات ید محتملۃ التاویلات ۔

② حماد بن زید و عبد اللہ بن المبارک رحمہما اللہ تعالیٰ جیسے جلیل القدر ائمہ کا عمل ۔

③ ان کے عمل پر حاضرین و سامعین میں سے کسی کا نکیر نہ کرنا، بلکہ مشہور ائمہ حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس سے استدلال کرنا ۔

④ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ۔

⑤ چار مسلّم جبال الحدیث حافظ ابن حجر عسقلانی، حافظ بدر الدین عینی، علامہ کرمانی اور حافظ قسطلانی رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کی تائید و تقریر ۔

⑥ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ۔

⑦ ادب کا مدار عرف پر ہے اور صالحین کے عرف میں ایک ہاتھ سے مصافحہ کو خلاف ادب سمجھا جاتا ہے، کسی بڑے کو کوئی چیز پکڑاتے وقت ادباً دونوں ہاتھ استعمال کئے جاتے ہیں تو مصافحہ میں دونوں ہاتھوں کو بڑھانا بطریق اولی مقتضائے ادب ہوگا ۔

⑧ علماء و صلحاء امت کا تعامل و توارث ۔

⑨ ایک ہاتھ سے مصافحہ کفار و فجار کا شعار ہے ۔

⑩ محدثین و فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں ۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۱۰ رشوال سنہ ۹۵ھ ۔

② ثبوت مصافحہ بوقت وداع :

سوال : ایک شخص کہتا ہے کہ رخصت ہوتے وقت صرف سلام مسنون ہے، مصافحہ ثابت نہیں، حالانکہ یہ تمام اکابر علماء کا معمول ہے، اس بارے میں تشفی فرمائیں ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بوقت وداع مصافحہ متعدد احادیث کے علاوہ درایۃً بھی ثابت ہے ۔

① عن ابی مسعود رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من تمام التحیۃ الاخذ بالید وھذا حدیث غریب ولا نعرفہ الا من حدیث یحیی بن سلیم عن سفیان وسألت محمد بن اسمعیل عن ھذا الحدیث فلم یعدہ محفوظا (جامع الترمذی ص۱۰۲ ج ۲)

اس حدیث ضعیف کو محض تائیداً نقل کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں حدیث ثانی کے تحت مندرجہ وجوہ سے بھی اس کو تقویت ملتی ہے۔

(۲) اخرج الامام احمد رحمہ اللہ تعالی: عن علی بن یزید عن القاسم عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وتمام تحیاتکم بینکم المصافحۃ۔ (مسند احمد ص۲۶۰ ج ۵)

وکذا اخرجہ الامام الترمذی رحمہ اللہ تعالی ایضا وقال: هذا اسناد لیس بالقوی قال محمد علی بن یزید ضعیف (جامع الترمذی ص۱۰۲ ج ۲)

وقال العلامۃ احمد البناء المعروف بالساعاتی رحمہ اللہ تعالی معزیا الی الترمذی رحمہ اللہ تعالی: وقال اسنادہ لیس بالقوی ونقل عن البخاری ان عبید اللہ بن زحر وکذا القاسم ثقتان لکن علی بن یزید ضعیف اھ وقال الحافظ رحمہ اللہ تعالی حدیث الترمذی سندہ لین اھ وقال الحافظ السیوطی رحمہ اللہ تعالی لہ شواهد تعضدہ (منها) عن ابی رهم السمعی عند الطبرانی (ومنها) عن ابی هریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ عند البیهقی (ومنها) عن عائشۃ رضی اللہ تعالی عنها عند ابن السنی وغیر ذلک، واللہ اعلم (بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی ص۱۶۳ ج ۱۹)

یہ حدیث بوجوہ ذیل قابل قبول ہے۔

(۱) ضعف حدیث فضائل میں مضر نہیں۔

(۲) معضد بالشواہد ہے۔

(۳) دوسری احادیث قولیہ وفعلیہ اور حکم درایہ سے مؤید ہے۔

(۳) عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنهما قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا ودع رجلا اخذ بیدہ فلا یدعها حتی یکون الرجل هو یدع ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویقول استودع اللہ دینک وامانتک واٰخر عملک وفی روایۃ وخواتیم عملک رواہ الترمذی وابو داود وابن ماجہ وفی روایتهما لم یذکر واٰخر عملک۔ (مشکوۃ ص۲۱۴ ج ۱)

(۴) عن قزعۃ قال کنت عند عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنهما فاردت الانصراف فقال: کما انت حتی اودعک کما ودعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخذ بیدی فصافحنی ثم قال استودع اللہ دینک وامانتک وخواتم عملک۔

(عمل الیوم واللیلۃ للنسائی حدیث نمبر ۵۱۷)

تأویلات المانعین:

تأویل اول: تحیہ سلام قدوم کے ساتھ مخصوص ہے۔

یہ خیال بوجوہ ذیل باطل ہے:

① بلا دلیل اور خلاف ظاہر ہے۔ لفظ تحیہ مطلق ہے جو سلام قدوم و وداع دونوں کو شامل ہے۔

② قولہ تعالیٰ "واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا او ردوھا" کے تحت حضرات مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ سلام وداع بھی تحریر فرماتے ہیں، اس بھی ثابت ہوا کہ سلام وداع بھی تحیہ میں داخل ہے۔

③ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا انتھی احدکم الی مجلس فلیسلم فان بدا لہ ان یجلس فلیجلس ثم اذا قام فلیسلم فلیست الاولی باحق من الآخرۃ (جامع الترمذی ص۱۰۱ ج۲)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سلام قدوم کو سلام وداع پر کوئی فضیلت نہیں، اس لئے اتمام بالمصافحہ میں بھی دونوں مساوی ہیں۔

تأویل ثانی: اخذ ید بلا قصد مصافحہ ہوتا تھا۔

یہ خیال بھی بوجوہ ذیل باطل ہے:

① بلا دلیل اور خلاف ظاہر ہے۔

② مصافحہ کی حقیقت ہی اخذ ید ہے۔

وقد مر فی الحدیث الاول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من تمام التحیۃ الاخذ بالید۔

ولذا احتج بہ البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فی باب المصافحۃ۔

وقال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ: قال ابن بطال رحمہ اللہ تعالیٰ: الاخذ بالید ھو مبالغۃ المصافحۃ وذلک مستحب عند العلماء (فتح الباری ص۴۴ ج۱۱)

وقال لافریقی: المصافحۃ الاخذ بالید والتصافح مثلہ (لسان العرب)

وکذا قال الجوھری (الصحاح)

③ الفاظ حدیث ھو یودع یدالنبی صلی اللہ علیہ وسلم تو واضح دلیل ہے کہ عمل اخذ ید جانبین سے ہوتا تھا۔

حکم درایۃ:

مصافحہ کی مشروعیت اظہار محبت کے لئے ہے اور اظہار محبت کا موقع جیسے اول لقاء ہے ایسے

ہی وقت وداع بھی ہے چنانچہ سلام وداع بھی اسی لئے ہے اور اسی لئے پوری دنیا میں اس کا دستور ہے۔
والله سبحانه وتعالیٰ اعلم
۱۹ رشعبان ۱۴۰۲ھ

معانقہ میں سینہ ملانا:

سوال: عرب آپس میں ملاقات کے وقت ایک دوسرے سے گردن ملاتے ہیں، لفظ معانقہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں جو سینہ ملانے کا دستور ہے کیا اس کا کوئی ثبوت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

معانقہ کے معنی تو یہی ہیں، "گردن سے گردن ملانا" البتہ دو روایات ضعیفہ میں "التزام" کا ذکر ہے۔

قال الحافظ رحمه الله تعالیٰ: اخرج احمد وابوداود رحمهما الله تعالیٰ من طریق رجل من عنزة لم یسم انه قال قلت لابی ذر رضی الله تعالیٰ عنه هل کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یصافحکم اذا لقیتموه قال مالقیته قط الا صافحنی وبعث الی ذات یوم ولم اکن فی اهلی فلما جئت اخبرت انه ارسل الی فاتیته وهو علی سریره فالتزمنی فکانت اجود واجود ورجاله ثقات الا هذا الرجل المبهم (فتح الباری ص۵۰ ج ۱۱)

واخرج الامام ابوداود رحمه الله تعالیٰ عن الشعبی ان النبی صلی الله علیه وسلم تلقی جعفر بن ابی طالب رضی الله تعالیٰ عنه فالتزمه وقبل مابین عینیه۔

قال العلامة السهارنفوری رحمه الله تعالیٰ: قال المنذری هذا مرسل واجلح قدم الکلام علیه (بذل المجهود ص۳۲۷ ج ۶)

سرسری تلاش سے بذل المجہود میں "اجلح" پر کلام نہیں مل سکا، اس عبارت سے یہ بات محقق ہوگئی کہ یہ متکلم فیہ ہیں۔

ان روایات سے استدلال میں بوجوہ ذیل کلام ہے۔

① روایت اولیٰ کی سند میں ایک راوی مبہم ہے اور روایت ثانیہ مرسل ہے، علاوہ ازیں اس کی سند میں "اجلح" متکلم فیہ ہیں۔

② التزام بمعنی اعتناق بھی ہو سکتا ہے، ای الصاق العنق بالعنق وهذا هو الموافق لروایات المعانقة۔

③ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، کما نقل الحافظ العسقلانی رحمه الله تعالیٰ[1]

عن الامام مالک رحمہ اللہ تعالی فی المعانقۃ -

جب اعتناق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی تو التزام کو بطریق اولی خصوصیت قرار دیا جائے گا۔

④ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل صرف اصاغر کے ساتھ اظہار محبت کے لئے مختص تھا۔

⑤ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ حدیث وفقہ رحمہم اللہ تعالی سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

⑥ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل خاص سے ظاہر ہے کہ یہاں "التزام" سے الصاق بالعنق مراد ہے یا زیادہ سے زیادہ الصاق بالصدر، الصاق بالبطن مراد نہیں -

پاکستان اور ہندوستان کے عوام میں معانقہ کا مروجہ طریقہ کہ سینہ کے علاوہ پیٹ بھی ملا دیتے ہیں اس کا بطریق خصوصیت نبویہ بھی کوئی ثبوت نہیں، علاوہ ازیں اس میں اور بھی کئی مفاسد ہیں، لہذا یہ رسم قبیح واجب الترک ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۰ رجمادی الاولی سنہ ۱۴۰۲ھ

④ معانقہ کا حکم :

سوال : بوقت ملاقات معانقہ کی مروج رسم کا شرعاً کوئی ثبوت ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

معانقہ کے معنی ہیں "گردن سے گردن ملانا" عرب میں متوارث بھی یہی ہے کہ پورا جسم الگ رکھ کر صرف گردن سے گردن ملاتے ہیں -

کتب لغت میں اس کے معنی میں ضم والتزام بھی مرقوم ہے جو مختص بالعنق بھی ہو سکتا ہے، البتہ منجد میں ضم الی الصدر کی تصریح ہے -

قال الافریقی : عانقہ معانقۃ عناقا: التزمہ فادنی عنقہ الی عنقہ (لسان العرب)

وقال الجوھری: المعانقۃ والعناق وقد عانقہ اذا جعل یدیہ علی عنقہ وضمہ الی نفسہ (الصحاح)

وقال الفیومی: عانقت المرأۃ عناقا وھو الضم والالتزام (المصباح المنیر)

وفی المنجد: عانقہ معانقۃ اذا جعل یدیہ علی عنقہ وضمہ الی صدرہ (المنجد)

اگر ضم الی الصدر تسلیم بھی کر لیا جائے تو ان عبارات کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لقاء کبیرین سے متعلق نہیں، بلکہ اصاغر یا ازواج سے اظہار محبت کے بارے میں ہیں اگرچہ علت فرط محبت میں اشتراک کی وجہ سے

کبھی کبھار مواقع مخصوصہ میں معانقۃ الکبیرین بھی جائز ہے، کما سیجیء۔
اس پر چند قرائن ہیں:
① ان میں جانب واحد کے عمل کا ذکر ہے جبکہ لقاء کبیرین میں عمل جانبین سے ہوتا ہے۔
② اپنے دونوں ہاتھ کسی کی گردن میں ڈال کر اپنی طرف کھینچنا۔
ظاہر ہے کہ یہ معاملہ اصاغر وازواج کے ساتھ فرط محبت میں ہوتا ہے۔
③ فیومی کی عبارت "عانقت المرأۃ" تو اس بارے میں نص صریح ہے۔
روایات حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

① عن ابی ھریرۃ الدوسی رضی اللہ تعالی عنہ قال خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی طائفۃ النہار لا یکلمنی ولا اکلمہ حتی اتی سوق بنی قینقاع فجلس بفناء بیت فاطمۃ فقال اثم لکع اثم لکع؟ فحبستہ شیئا فظننت انہا تلبسہ سخابا او تغسلہ فجاء یشتد حتی عانقہ وقبلہ وقال اللھم احببہ واحب من یحبہ (صحیح بخاری ص۲۸۵ ج۱)

② عن یعلی رضی اللہ تعالی عنہ قال ان حسنا وحسینا رضی اللہ تعالی عنہما استبقا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضمہما الیہ رواہ احمد (مشکوۃ ص۴۰۲)

③ عن الشعبی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تلقی جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ فالتزمہ وقبل مابین عینیہ (سنن ابی داود ص۳۵۳ ج۲)

④ عن عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا قالت قدم زید بن حارثۃ المدینۃ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیتی فقرع الباب فقام الیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عریانا یجر ثوبہ واللہ ما رأیتہ عریانا قبلہ ولا بعدہ فاعتنقہ وقبلہ ھذا حدیث حسن غریب لا نعرفہ من حدیث الزہری الا من ھذا الوجہ (جامع الترمذی ص۱۰۲ ج۲)

⑤ عن ایوب بن بشیر عن رجل من عنزۃ انہ قال قلت لابی ذر رضی اللہ تعالی عنہ ھل کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصافحکم اذ القیتموہ قال مالقیتہ قط الا صافحنی وبعث الی ذات یوم ولم اکن فی اھلی فلما جئت اخبرت انہ ارسل الی فاتیتہ وھو علی سریرہ فالتزمنی فکانت تلک اجود واجود (سنن ابی داود ص۳۵۲ ج۲)

اخرجہ الامام احمد رحمہ اللہ تعالی ایضاً (فتح الباری ص۵۰ ج۱۱)

⑥ اخرج ابن سعد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل نعیم بن عبد اللہ النحام واعتنقہ لما قدم المدینۃ مہاجرا (اعلاء السنن ص۲۲۰ ج۱۷)

(۷) عن اسید بن حضیر رضی اللہ تعالی عنہ رجل من الانصار قال بینما ھو یحدث القوم وکان فیہ مزاح بینا یضحکھم فطعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی خاصرتہ بعود فقال اصبرنی فقال اصطبر قال ان علیک قمیصا ولیس علی قمیص فرفع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاحتضنہ وجعل یقبل کشحہ قال انما اردت ھذا یا رسول اللہ (ابوداود ص۲۱۸ ج ۲)

(۸) اخرج الامام البخاری رحمہ اللہ تعالی فی الادب المفرد فی باب المعانقۃ حدیث جابر رضی اللہ تعالی عنہ انہ بلغہ حدیث عن رجل من الصحابۃ قال فابتعت بعیرا فشددت الیہ رحلی شہرا حتی قدمت الشام فاذا عبداللہ بن انیس فبعثت الیہ فخرج فاعتنقنی واعتنقتہ (فتح الباری ص۴۹ ج ۱۱)

(۹) اخرج الطبرانی فی الاوسط من حدیث انس رضی اللہ تعالی عنہ کانوا اذا تلاقوا تصافحوا واذا قدموا من سفر تعانقوا (فتح الباری ص۵۰ ج ۱۱

روایت ثامنہ وتاسعہ سے سفر سے آنے کی صورت میں عموم معلوم ہوتا ہے، وسیجی البحث عنہ۔

ترمذی کی روایت ذیل میں مطلقا ممانعت ہے:

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رجل یا رسول اللہ الرجل منا یلقی اخاہ او صدیقہ اینحنی لہ قال لا قال افیلتزمہ ویقبلہ قال لا قال فیأخذ بیدہ ویصافحہ قال نعم، ھذا حدیث حسن (جامع الترمذی ص۱۰۲ ج ۲)

وجوہ الترجیح:

روایات منع میں ترجیح کی وجوہ ذیل پائی جاتی ہیں:

(۱) یہ روایات قولیہ ہے اور روایات اباحہ فعلیہ۔

(۲) یہ قاعدۂ کلیہ ہے اور روایات اباحہ جزئیات محتملۂ تخصیص۔

(۳) حظر کو اباحہ پر ترجیح ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ معانقہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم سے بھی ثابت ہے جو روایات اباحہ کے تأخر اور روایات منع کے نسخ کی دلیل ہے، لہذا اباحت راجح ہے، ونصہ:

فھولاء اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد کانوا یتعانقون فدل ذلک ان ماروی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اباحۃ المعانقۃ متأخر عما روی عنہ من النھی عن ذلک فبذلک نأخذ وھو قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی (شرح معانی الآثار ص۳۰۲ ج ۲)

وجہ التوفیق:

روایات اباحہ سفر سے واپسی یا اس قسم کے دوسرے مواقع مسرت وفرط محبت کے ساتھ مختص ہیں اور روایات منع قیود مذکورہ سے قطع نظر معانقہ کی تعمیم پر۔

ولا شك ان التوفیق احسن وارجح من الترجیح۔

حضرت مولانا ظفر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے وجہ توفیق یوں بیان فرمائی کہ معانقہ بوقت ہیجان محبت مباح ہے اور تحیۃ اللقاء کے طور پر ممنوع، ونصہ:

وهذا (ای حدیث الممانعة) یدل بسیاقه علی ان التقبیل والمعانقة الذین کرههما ابوحنیفة رحمه الله تعالی هما اللذان یکونان علی وجه التحیة عند اللقاء لا مطلقا (الی قوله) وقد یکونان لهیجان المحبة والشوق والاستحسان عند اللقاء وغیره من غیر شائبة الشهوة وهما مباحان باتفاق ائمتنا الثلاثة رحمهم الله تعالی لثبوتهما عن النبی صلی الله علیه وسلم واصحابه رضی الله تعالی عنهم، ولعدم مانع شرعی عنه. هذا هو التحقیق وقد التبس الامر علی مشایخنا (اعلاء السنن ص۴۱۸ ج ۱۷)

شیخ عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس توجیہ میں چند وجوہ سے اشکال ہے:

① معانقہ کا تحیہ سے بالکلیہ اخراج بوقت لقاء تمام التحیہ کے لئے سنیۃ المصافحہ قبل المعانقہ کو مستلزم ہے، حالانکہ روایات معانقہ میں مصافحہ کا کوئی ذکر نہیں

② احادیث مذکورہ میں تحیۃ اللقاء کے موقع پر معانقہ سے ہی ظاہر ہے کہ یہ تمام التحیہ میں داخل ہے۔

③ مصافحہ کو اظہار مسرت ومودت کی وجہ سے تمام التحیہ قرار دیا گیا ہے اور یہ علت معانقہ میں زیادہ پائی جاتی ہے تو وہ بطریق اولیٰ تمام التحیہ قرار پائے گا۔

وجوہ ثلاثہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ تمام التحیہ عند اللقاء علی سبیل البدل احد الشیئین ہے، عام حالات میں مصافحہ اور مواقع مخصوصہ میں معانقہ۔

حاصل یہ کہ اصل تحیۃ اللقاء تو صرف سلام سے ادا ہو جاتا ہے اور تمام التحیہ سلام کے بعد مزید اظہار مسرت ومودت ہے، جس کے دو طریقے علی سبیل البدل مشروع ہیں، عام حالات میں مصافحہ اور کسی محرک خصوصی کے وقت معانقہ، اظہار محبت کے ان دو طریقوں میں سے کسی ایک کو تمام التحیہ بھی بنایا جا سکتا ہے اور موقع تحیہ سے الگ مستقل بھی، تحیہ میں دونوں کو جمع کرنے کا واضح ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے خلاف

سنت معلوم ہوتا ہے، البتہ مستقلاً یعنی غیر تحیہ کے موقع پر جمع کرنے میں کوئی اشکال نہیں، اس کے لئے ثبوت کی حاجت نہیں، والفرق ان الاول من الموارد الشرعیۃ دون الثانی۔

مزید ایک بحث سامنے آتی ہے کہ معانقہ میں تیامن افضل ہے یا تیاسر؟

اس بارے میں کوئی صراحت نظر سے نہیں گزری، عام اصول کے مطابق تو تیامن کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، مگر معانقہ کا منشأ چونکہ ہیجان المحبۃ ہے جس کا محل قلب ہے اور صورت تیاسر میں جانبین کے قلوب باہم زیادہ قریب ہوتے ہیں، اس لئے تیاسر راجح ہے اور اسی لئے تیاسر ہی کا عام معمول ہے۔

اقوال الائمۃ رحمھم اللہ تعالی:

طرفین وامام مالک رحمہم اللہ تعالی سے کراہت وتبدیع منقول ہے۔

قال العلامۃ العینی رحمہ اللہ تعالی معزیا الی الجامع الصغیر: محمد عن یعقوب عن ابی حنیفۃ رحمہم اللہ تعالی ان قال: اکرہ ان یقبل الرجل من الرجل فمہ اویدہ اوشیئامنہ واکرہ المعانقۃ ولا أری بالمصافحۃ بأسا (البنایۃ ص ۲۱۴ ج ۱۱)

وقال الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالی: فذھب قوم الی ھذا فکرھوا المعانقۃ منھم ابو حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالی (شرح معانی الآثار ص ۳۰۲ ج ۲)

وکذا نقل عنہ الامام المرغینانی رحمہ اللہ تعالی (ھدایۃ ص ۲۶۲ ج ۴)

وقال العلامۃ السھارنفوی رحمہ اللہ تعالی معزیا الی اللمعات: وعند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالی یکرہ ان یقبل الرجل ید الرجل اوفمہ اوشیئا منہ اویعانقہ لورود النھی عنہ فی حدیث انس رضی اللہ تعالی عنہ (بذل المجھود ص ۳۲۵ ج ۶)

وقال الحافظ رحمہ اللہ تعالی: قال ابن عبد البر روی ابن وھب عن مالک رحمہ اللہ تعالی انہ کرہ المصافحۃ والمعانقۃ وذھب الی ھذا سحنون وجماعۃ وقد جاء عن مالک رحمہ اللہ تعالی جواز المصافحۃ وھو الذی یدل علیہ صنیعہ فی الموطأ وعلی جوازہ جماعۃ العلماء سلفا وخلفا واللہ اعلم (فتح الباری ص ۴۷ ج ۱۱)

وقال ایضا: قال ابن بطال اختلف الناس فی المعانقۃ فکرھھا مالک الخ۔ (فتح الباری ص ۵۹ ج ۱۱)

وقال ایضا: استأذن سفیان بن عیینۃ علی مالک رحمہما اللہ تعالی فاذن لہ فقال السلام علیکم فردوا علیہ ثم قال السلام خاص وعام السلام علیک یا ابا عبد اللہ

ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فقال وعلیک السلام یا ابا محمد ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ثم قال لولا انھا بدعۃ لعانقتک قال قد عانق من خیر منک قال جعفر قال نعم قال ذاک خاص قال ما عمہ یعمنا (حوالہ بالا)

فتح الباری سے امام مالک اور سفیان بن عیینہ رحمہما اللہ تعالی کے مابین جو مکالمہ اوپر نقل کیا گیا ہے اس کے آخر میں امام مالک رحمہ اللہ تعالی کے سکوت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے قول تخصیص اور کراہت وتبدیع تعمیم سے رجوع فرمالیا تھا۔

مشایخ احناف نے اباحہ کو ترجیح دی ہے اور قول طرفین رحمہما اللہ تعالی کی مختلف توجیہات بیان فرمائی ہے، سب سے بہتر توجیہ وہی ہے جو اوپر وجہ التوفیق کے تحت لکھی گئی ہے کہ مواقع مخصوصہ کی رعایت کئے بغیر عام عادت بنالینا مکروہ ہے، اس صورت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی بھی اباحہ کے قائل نہیں، اس توجیہ کے تحت طرفین وثانی رحمہم اللہ تعالی کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔

روایات وعبارات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ معانقہ خواہ صرف ضم عنق سے ہو یا ضم صدر سے بھی بہرحال مختصہ بالمواقع المخصوصہ ہے۔

پاکستان اور ہندوستان میں مروجہ معانقہ کہ سینہ، شکم اور پورا جسم باہم پیوست کرکے خوب بھینچتے ہیں بلاشبہہ بالاتفاق بدعت اور واجب الترک ہے عدم ثبوت کے علاوہ اس میں مندرجہ ذیل مفاسد بھی ہیں:

① اس طریقۂ مخترعہ کو سنت سمجھا جاتا ہے اور غیر سنت کو سنت سمجھنا بدعت ہے۔

② مختلف الاحوال اشخاص کی بو اور پسینوں سے تلوث جو موجب تأذی ہونے کے علاوہ مورث امراض بھی ہے، اسی لئے اس کو عرب کے علاوہ دنیا کے دوسرے بیشتر ممالک میں بھی نہایت مستہجن اور بہت قبیح سمجھا جاتا ہے۔

③ ایسے امر مستہجن ورسم قبیح کو سنت سمجھنا سنت کی توہین وتحقیر ہے۔

④ خواہشات نفسانیہ کی تکمیل کا پیش خیمہ ہے، بے دین اور گمراہ لوگ سنت کے نام پر شہوت رانی کرتے ہیں اور دوسرے کبائر کے لئے اس کو وسیلہ بناتے ہیں۔

⑤ کسی کو قتل کرنے کی بہت آسان تدبیر ہے، حال ہی میں ایک حادثہ ہوچکا ہے کہ دوستانہ انداز میں ایک شخص نے دوسرے کو سینے سے لگا کر ایسا بھینچا کہ اس کے دل پر شدید دباؤ پڑنے سے اس کی موت واقع ہوگئی۔

سخت ایذاء رسانی تو بہت معمولی بات ہے، ایک شخص نے دوسرے کو اتنے زور سے دبایا کہ وہ مرتے

سے تو بچ گیا، مگر کئی روز تک سانس لینے میں بہت تکلیف رہی۔
ایک شخص نے دوسرے کو ایسا دبایا کہ اس کی پسلی ٹوٹ گئی۔
پھر حماقت پر حماقت یہ کہ اس ظلم عظیم کو حق محبت سمجھا جانے لگا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم
یوم عرفہ ۱۴۱۶ھ

مصافحہ ومعانقہ ــــــــــــ ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

وَتَمَامُ تَحِيَّاتِكُمْ بَيْنَكُمُ الْمُصَافَحَةُ (احمد و ترمذی)

وقال انس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ:

كَانُوْا اِذَا تَلَاقَوْا تَصَافَحُوْا وَاِذَا قَدِمُوْا مِنْ سَفَرٍ تَعَانَقُوْا (طبرانی اوسط)

إنّ أشدّ الناس عذاباً عند الله المصوّرون (بخاری)

"سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر سازوں کو ہوگا"

النذیر العُریان

عن

عذابِ صورةِ الحیوان

جاندار کی تصویر بنانے اور رکھنے پر لعنت

اور

سخت عذاب کی وعیدیں

افاضہ

حضرت فقیہ العصر دامت برکاتہم

تحریر

حضرت مفتی محمد ابراھیم صاحب صادق آبادی مدظلہ

مکتبہ فاروقیہ

النذیر العریان

عن

عذاب صورۃ الحیوان

جس گھر میں تصویر ہو اس میں ملائکہ داخل نہیں ہوتے۔

سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر سازوں کو ہوگا۔

تصویر سازی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک قسم کا شرک ہے۔

مختلف قسم کی تصویروں کے احکام کی تفصیل۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات۔

ائمہ اربعہ اور فقہاء اُمت رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع۔

تصویر کے شرعی احکام

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین متین دریں مسئلہ کہ بندہ ایک اسکول میں ملازم ہے۔ اس میں یہ دستور ہے کہ اختتام سال پر جماعت ہفتم کے لڑکے جماعت ہشتم والے لڑکوں کی اور جماعت نہم والے دہم والوں کی الوداعی دعوت کرتے ہیں۔ اس مجلس میں اہتمام سے کیمرے لائے جاتے ہیں اور تمام شرکاء مجلس کی تصویریں اُتاری جاتی ہیں۔ میں نے روکنے کی کوشش کی مگر وہ باز نہ آئے۔ میں اپنی حد تک بچاؤ کے لئے رومال سے منہ چھپا لیتا ہوں، کیا اس طریقے سے میرے لئے مجلس میں شریک ہونا جائز ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ عوام اسے گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ تصویر کی حرمت پر مفصل روشنی ڈالئے، بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ معصیت کی مجلس ہے جس میں شرکت قطعاً جائز نہیں، بلکہ دوران مجلس اس قسم کی حرکت شروع ہو تب بھی روکنے کی قدرت نہ رکھنے والے ہر شخص پر اُٹھ جانا واجب ہے، الّا یہ کہ ایسی مجلس میں کسی سے کوئی حق متعلق ہو کجماعۃ الصلوٰۃ واستیفاء الدین۔

چنانچہ قرآن مجید کی واضح ہدایت ہے :

وقد نزل علیکم فی الکتاب ان اذا سمعتم اٰیات اللّٰہ یکفر بھا ویستھزء بھا فلا تقعدوا معھم حتّٰی یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلھم، الاٰیۃ (۴-۱۴۰)

"اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس یہ فرمان بھیج چکا ہے کہ جب احکام الٰہیہ کے ساتھ استہزاء اور کفر ہوتا ہوا سنو تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو جب تک کہ وہ کوئی اور بات شروع نہ کر دیں کہ اس حالت میں تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔"

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

وفی ھذہ الاٰیۃ دلالۃ علی وجوب انکار المنکر علی فاعلہ وان من انکارہ اظہار الکراھۃ اذا لم یمکنہ ازالتہ وترک مجالسۃ فاعلہ والقیام عنہ حتّٰی ینتھی ویصیر

الیٰ حال غیرھا (احکام القرآن ص ۲۸۹ ج ۲)

"یہ آیت اس پر دلالت کر رہی ہے کہ جو شخص گناہ کا ارتکاب کرے اس پر رد و نکیر واجب ہے، اگر گناہ کا ازالہ ممکن نہ ہو تو یہ بھی نکیر ہی کی صورت ہے کہ گناہ پر نفرت و کراہت کا اظہار کیا جائے اور مرتکب گناہ کی ہمنشینی چھوڑ دی جائے اور اس کے پاس سے اٹھ جایا جائے حتیٰ کہ وہ گناہ کو چھوڑ کر دوسرے کام میں لگ جائے"

اس سے انکار نہیں کہ تصویر کی لعنت اس زمانہ میں وبارِ عام کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ ایوانِ اسمبلی سے لے کر کچی جھونپڑیوں تک ملک کے در و دیوار تصویروں سے اٹے ہوئے ہیں مگر یہ فلسفہ بھی تو خودکشی کے مترادف ہے کہ کوئی مرض جب وبائی صورت اختیار کر کے پوری آبادی کو لپیٹ میں لے لے تو مناسب تدبیر اختیار کرنے کی بجائے اسے مرض کہنا ہی چھوڑ دیا جائے۔

بہرحال کوئی گناہ کتنا ہی عام ہو جائے اس سے حکم شریعت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لسانِ نبوت سے نکلا ہوا ایک ایک حرف اپنی جگہ انمٹ حقیقت اور رہتی دنیا تک کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

اگر آج کا فاسق مسلمان ہادیٔ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشادات کے خلاف عملاً بغاوت پر اتر آیا ہے تو یہ اس کی اپنی شقاوت و سیاہ بختی ہے نہ کہ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نقص۔

تصویر سازی شریعت کی رُو سے ایک کبیرہ گناہ ہے، اس کے ہولناک نتائج کسی ذی ہوش انسان پر مخفی نہیں، معذّب اقوام کا عبرتناک انجام قرآن مجید نے مفصّل بیان کیا ہے، ان میں کفر و شرک کی گمراہی تصویر کے راستہ ہی سے در آئی تھی، چنانچہ صحیحین کی حدیث ہے:

اولٰئك اذا مات فیھم الرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجدًا ثم صوروا فیہ تلك الصور اولٰئك شرار خلق اللہ (متفق علیہ)

"ان اہلِ کتاب میں جب کوئی نیک آدمی دنیا سے رخصت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے پھر اس میں یہ تصویریں رکھتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بدترین لوگ ہیں۔"

شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وکان غالب کفر الامم من جھۃ الصور (فتح الباری ص۱۰۰ ج ۸)

"اکثر امتوں میں کفر و شرک کی بیماری تصویروں کے راستہ سے آئی۔"

اس دور میں بھی جبکہ بے پردگی، فحاشی اور عریانی کا سیلاب تمام بند توڑ چکا ہے ہر شخص جانتا ہے کہ یہ فتنۂ تصویر کا شاخسانہ ہے اور یہ پورا سیلاب ٹی وی، وی سی آر اور فحش اخبارات کے دہانہ سے اُبل رہا ہے۔

دلائل حرمت:

تصویر کی حرمت پر احادیث بہت کثرت سے آئی ہیں جو معنوی طور پر حدِ تواتر تک پہنچ جاتی ہیں، صرف صحیح بخاری میں اس پر دس ابواب مذکور ہیں۔ ہم اختصار کے پیشِ نظر صرف صحیح بخاری کے ان ابواب سے ہی ایک ایک حدیث نقل کرتے ہیں:

(۱) عن ابی طلحۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاتدخل الملئکۃ بیتا فیہ کلب ولا تصاویر (بخاری ص۸۸۰ ج ۲ باب التصاویر)

"جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اسمیں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔"

(۲) قال عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اشد الناس عذابا عند اللہ المصورون (ایضا باب عذاب المصورین یوم القیمۃ)

"قیامت کے روز سب سے زیادہ سخت ترین عذاب تصویر سازوں کو ہوگا۔"

(۳) قال ابو ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ومن اظلم ممن ذھب یخلق کخلقی فلیخلقوا حبۃ ولیخلقوا ذرۃ الحدیث۔

(ایضا باب نقض الصور)

"اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو عمل خالقیت میں میرا مقابلہ کرنے لگا، یہ لوگ ایک دانہ یا ایک ذرہ تو پیدا کر کے دکھائیں۔"

(۴) قالت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا: قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سفر وقد سترت بقرام لی علی سھوۃ لی فیہ تماثیل، فلما راٰہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھتکہ وقال اشد الناس عذابا یوم القیمۃ الذین یضاھون بخلق اللہ۔

(ایضا باب ما وطئ من التصاویر)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے تشریف لائے، میں نے طاق پر تصویر دار پردہ لٹکایا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسے دیکھا تو پھاڑ دیا اور فرمایا روز قیامت سخت ترین عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو صفت خالقیت میں اللہ تعالیٰ کی نقل اتارتے ہیں۔"

(۵) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہا اشترت نمرقۃ فیہا تصاویر فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالباب فلم یدخل فقلت اتوب الی اللہ مما اذنبت - قال ما ہذہ النمرقۃ؟ قلت لتجلس علیہا وتوسدہا، فقال ان اصحاب ہذہ الصور یعذبون یوم القیٰمۃ یقال لہم احیوا ما خلقتم وان الملٰئکۃ لا تدخل بیتا فیہ الصور (ص۸۸۱ ج ۲ باب من کرہ القعود علی الصور)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے تصویر دار تکیہ خریدا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ پر رک گئے، اندر تشریف نہ لائے، میں نے عرض کیا: مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی؟ میں اپنے گناہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تکیہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا: اس مقصد سے لیا ہے کہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس سے تکیہ لگائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روز قیامت ان تصویر سازوں کو عذاب ہوگا اور ان سے کہا جائے گا کہ اپنی مخلوق تصاویر کو زندہ کر دکھاؤ۔ اور بلاشبہ فرشتے ایسے مکان میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں ہوں۔"

(۶) کان قرام لعائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سترت بہ جانب بیتہا فقال لہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم امیطی عنی فانہ لا یزال تصاویرہ تعرض لی فی صلوتی (الصنا باب کراہیۃ الصلوۃ فی التصاویر)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گھر پر تصویر دار پردہ لٹکایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے ہٹادو اس کی تصویریں بار بار میری نماز میں مخل ہوتی ہیں۔" (اس حدیث پر اشکال کے جوابات ص۴۳۱ پر ہیں)

(۷) عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال وعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم جبریل فراث علیہ حتی اشتد علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فلقیہ فشکا الیہ ما وجد فقال لہ انا لا ندخل بیتا فیہ صورۃ ولا کلب۔
(ایضا باب لا تدخل الملٰئکۃ بیتا فیہ صورۃ)

”حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا وعدہ کیا مگر وقت پر نہ آئے، یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں گزری، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دولتکدہ سے باہر تشریف لائے تو جبریل علیہ السلام مل گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اپنے رنج و زحمت انتظار کا شکوی فرمایا، اس پر جبریل علیہ السلام نے فرمایا جس گھر میں کتا یا تصویر ہو ہم اس میں داخل نہیں ہوتے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولتکدہ پر اس وقت یہ دونوں چیزیں موجود تھیں جن کے وجود کا آپ کو علم نہ تھا، جبریل علیہ السلام نے بتایا تو آپ نے ان کو ہٹوا دیا۔

(۸) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انھا اشترت نمرقۃ فیھا تصاویر فلما راٰھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام علی الباب فلم یدخل فعرفت فی وجھہ الکراھیۃ وقالت یا رسول اللہ اتوب الی اللہ والی رسولہ ماذا اذنبت، قال ما بال ھذہ النمرقۃ قالت اشتریتھا لتقعد علیھا وتوسدھا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اصحاب ھذہ الصور یعذبون یوم القیٰمۃ ویقال لھم احیوا ما خلقتم وقال ان البیت الذی فیہ الصور لا تدخلہ الملٰئکۃ (ایضا باب من لم یدخل بیتا فیہ صورۃ)

”حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: انھوں نے ایک تصویر دار تکیہ خریدا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر نظر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ پر رک گئے، اندر تشریف نہ لائے، میں نے چہرۂ انور پر ناراضی کے آثار دیکھے تو عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں مجھ سے کیا گناہ سرزد ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تصویر دار تکیہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے اس لیے خریدا ہے کہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس سے تکیہ لگائیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان تصویر والوں کو روز قیامت عذاب ہوگا اور کہا جائے گا اپنی مخلوق تصاویر کو زندہ کر دکھاؤ، اور فرمایا جس گھر میں تصاویر ہوں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔“

(۹) عن وھب السوائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعن اٰکل

الوبٰو وموکلہ والواشمۃ والمستوشمۃ والمصوّر (ایضاً باب من لعن المصوّر)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، جسم گودنے والی پر، گدوانے والی پر اور تصویر ساز پر لعنت فرمائی۔"

(۱۰) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال سمعت محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم یقول من صوّر صورۃ فی الدنیا کلّف یوم القیمۃ ان ینفخ فیھا الروح ولیس بنافخ (ایضاً باب من صوّر صورۃ فی الدنیا)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے دنیا میں تصویر بنائی اسے روز قیامت مجبور کیا جائے گا کہ اس میں روح پھونکے لیکن وہ ایسا نہ کر سکے گا۔"

نہ روح پھونک سکے گا نہ ہی عذاب میں تخفیف ہوگی۔

یہ وعیدیں ہر قسم کی تصویر سے متعلق ہیں خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی، کپڑے کاغذ پر بنائی جائے یا درو دیوار پر، سکے پر نقش کی جائے یا نوٹوں پر چھاپی جائے، بہرکیف یہ مذکورہ بالا وعیدوں کا مصداق اور حرام ہے۔ اس بارہ میں اکابر علماء امت کی تصریحات آگے آرہی ہیں۔

پھر ان وعیدوں کا مصداق فقط تصویر ساز ہی نہیں بلکہ امام ابن الحاج رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصریح کے مطابق اس کی تحسین وتصویب کرنے والا، اس کا ہمنشین، اس کے اس فعل پر دل سے راضی ہونے والا، اس فعل کو دیکھ کر قدرت کے باوجود نکیر نہ کرنے والا سب شریک گناہ ہیں (المدخل ص۲۷۳ ج ۱)

البتہ بے جان اشیاء کی تصاویر ان وعیدوں سے مستثنیٰ ہیں، ان کے بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ موجود ہے:

ان ابیت الا ان تصنع فعلیک بھذا الشجر کل شیء لیس فیہ روح۔

(صحیح بخاری ص۲۹۶ ج ۱، صحیح مسلم ص۲۰۲ ج ۲)

"اگر بنانا ہی ہے تو درخت اور دوسری بے جان اشیاء کی تصویریں بناؤ۔"

اجماع امّت:

جاندار کی تصویر سازی باجماع امت حرام ہے، اس مسئلہ میں اکابر امت کی عبارات اس کثرت سے موجود ہیں کہ ان کا استقصار ایک ضخیم کتاب کا متقاضی ہے، ہم بطور نمونہ ہر فقہی مکتب فکر کی ایک ایک عبارت نقل کئے دیتے ہیں:

(۱) شارح صحیح بخاری علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وفی التوضیح قال اصحابنا وغیرھم تصویر صورۃ الحیوان حرام اشد التحریم وھو من الکبائر وسواء صنعہ لما یمتھن اولغیرہ فحرام بکل حال لان فیہ مضاھاۃ لخلق اللہ وسواء کان فی ثوب اوبساط اودینار اودرھم اوفلس اواناء اوحائط واما ما لیس فیہ صورۃ حیوان کالشجر ونحوہ فلیس بحرام وسواء فی ھذا کلہ مالہ ظل ومالاظل لہ وبمعناہ قال جماعۃ العلماء مالک والثوری وابوحنیفۃ وغیرھم رحمھم اللہ تعالیٰ (عمدۃ القاری ص۷۰ ج۲۲)

"توضیح میں ہے کہ ہمارے فقہاء (حنفیہ) اور دوسرے حضرات نے بھی فرمایا کہ جاندار کی تصویر بنانا سخت حرام اور کبائر میں سے ہے، خواہ پامال اور ذلیل کرنے کیلئے بنائی جائے یا کسی اور مقصد سے، بہرکیف حرام ہے، اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کا مقابلہ ہے۔ اور خواہ تصویر کپڑے پر ہو یا بچھونے، دینار، درہم، پیسے، برتن یا دیوار پر۔ ہاں! جس میں جاندار کی تصویر نہ ہو جیسے درخت وغیرہ تو یہ حرام نہیں۔ اور اس حکم حرمت میں سایہ دار (جسم دار مورت) اور بے سایہ (بے جسم صرف نقش) تصویر برابر ہیں۔ اور یہی کچھ فرمایا جماعت علماء امام مالک۔ ثوری اور ابوحنیفہ وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نے۔"

احناف کی دیگر کتب میں بھی یہی مسلک مفصل مذکور ہے، ملاحظہ ہو: بدائع الصنائع ص۱۱۶ ج۱، ہندیہ ص۳۵۹ ج۵، ردالمحتار ص۴۴۷ ج۱، المتانۃ ص۲۲۴ وغیرہا۔

(۲) شیخ الاسلام محی الدین نووی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قال اصحابنا وغیرھم من العلماء تصویر صورۃ الحیوان حرام شدید التحریم وھو من الکبائر لانہ متوعد علیہ بھذا الوعید الشدید المذکور فی الاحادیث وسواء صنعہ بما یمتھن اوبغیرہ فصنعتہ حرام بکل حال لان فیہ مضاھاۃ لخلق اللہ تعالیٰ وسواء ما کان فی ثوب اوبساط اودرھم اودینار اوفلس اواناء اوحائط اوغیرھا۔ واما تصویر صورۃ الشجر ورحال الابل وغیر ذلک مما لیس فیہ صورۃ حیوان فلیس بحرام (وبعد سطرین) ولافرق فی ھذا کلہ بین مالہ ظل ومالاظل لہ ھذا تلخیص مذھبنا فی المسألۃ وبمعناہ قال جماھیر العلماء من الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم والتابعین

ومن بعدھم رحمھم اللہ تعالیٰ وھو مذھب الثوری ومالک وابی حنیفۃ وغیرھم رحمھم اللہ تعالیٰ۔ وقال بعض السلف انما ینھی عما کان لہ ظل ولا بأس بالصور التی لیس لھا ظل وھذا مذھب باطل، فان الستر الذی انکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصورۃ فیہ لاشک احد انہ مذموم ولیس لصورتہ ظل مع باقی الاحادیث المطلقۃ فی کل صورۃ،

(شرح النووی علی صحیح مسلم ص۱۹۹ ج ۲)

"ہمارے علماء (شافعیہ) اور دوسرے علماء نے فرمایا کہ جاندار کی تصویر بنانا سخت حرام اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے، اس لئے کہ اس پر سخت وعید آئی ہے جو احادیث میں مذکور ہے۔ خواہ تصویر پامال و ذلیل کرنے کے لئے بنائی گئی ہو یا کسی دوسرے مقصد کے لئے، اس کا بنانا بہرحال حرام ہے کہ اسمیں اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کا مقابلہ ہے۔ اور خواہ کپڑے پر بنائی جائے یا بچھونے، درہم، دینار، پیسے، برتن، دیوار یا کسی اور چیز پر۔ البتہ درخت اور دوسری بے جان چیزوں کی تصویر بنانا جائز ہے۔

ان تمام احکام میں سایہ دار (مورت) اور بے سایہ (صرف نقش) تصویر کے مابین کوئی فرق نہیں (دونوں قسمیں یکساں طور پر حرام ہیں) یہ اس مسئلہ میں ہمارے مذہب کا خلاصہ ہے۔ اور یہی قول ہے جمہور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین اور مابعد کے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کا اور یہی مذہب ہے امام سفیان ثوری، مالک اور ابوحنیفہ وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کا۔

اسلاف میں سے بعض کا قول ہے کہ سایہ دار (ذی جسم) تصویر سے منع کیا جائے گا۔ اور ان تصویروں میں کوئی حرج نہیں جو بے سایہ ہیں۔

لیکن یہ مذہب باطل ہے اس لئے کہ جس پردہ کی تصویر پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر فرمائی بے شک وشبہہ وہ تصویر مذموم تھی، حالانکہ اس تصویر کا کوئی سایہ نہ تھا۔ دوسری احادیث اس پر مستزاد ہیں جو ہر تصویر کے متعلق مطلق ہیں"۔

حضرات شوافع کی دوسری کتابوں میں بھی تصویر کی حرمت مصرح ہے۔ ملاحظہ ہو: نھایۃ المحتاج الی شرح المنھاج ص۳۶۹ ج ۶، تکملۃ المجموع شرح المھذب ص۲۰۳ ج ۴، حواشی تحفۃ المحتاج ص۲۴۷ ج ۷، وغیرھا۔

(۳) علامہ مرداوی حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

یحرم تصویر ما فیہ روح ولا یحرم تصویر الشجر ونحوہ والتمثال مما لا یشابہ ما فیہ روح علی الصحیح من المذھب (الانصاف صـ۴۷۴ ج ۱)

"جاندار چیز کی تصویر بنانا حرام ہے، درخت اور دوسری ایسی اشیاء کی تصویر بنانا جو جاندار کے مشابہ نہ ہو صحیح مذہب کے مطابق حرام نہیں۔"

یہی تفصیل ان کتب میں بھی ہے :

المغنی لابن قدامۃ صـ۲۸۲ ج ۷، الاقناع صـ۲۳۲ ج ۳، کشاف القناع صـ۱۷۱ ج ۵۔

(۴) فقہ مالکی کی عام کتابوں میں تصویر کے متعلق یہ تفصیل مذکور ہے کہ سایہ دار تصویر ناجائز اور بے سایہ جائز ہے، چنانچہ دردیر علی مختصر الخلیل میں ہے :

والحاصل ان تصاویر الحیوانات تحرم اجماعا ان کانت کاملۃ لھا ظل مما یطول استمرارہ، بخلاف ناقص عضو لا یعیش بہ لو کان حیوانا، وبخلاف ما لا ظل لہ کنقش فی ورق او جدار وفیما لا یطول استمرارہ خلاف والصحیح حرمتہ۔

(الشرح الصغیر علی الدردیر صـ۵۰۱ ج ۲)

"خلاصہ یہ کہ جانداروں کی تصاویر بالاجماع حرام ہیں بشرطیکہ مکمل ہوں سایہ دار ہوں اور دیرپا ہوں، بخلاف ایسی تصویر کے جن میں ایسے عضو کی کمی ہو جس کے بغیر جاندار زندہ نہیں رہ سکتا، اور بخلاف بے سایہ تصویر کے، جیسے کاغذ یا دیوار پر بنے ہوئے نقش (کہ یہ دونوں قسمیں جائز ہیں) اور جو تصویر دیرپا نہ ہو اس میں اختلاف ہے، صحیح قول کے مطابق یہ بھی حرام ہے۔"

شرح منح الجلیل صـ۱۶۶ ج ۲ اور الخرشی صـ۳۰۲ ج ۳ وغیرہما میں بھی یہی مذکور ہے۔

صاحب مذہب حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس بارہ میں دونوں قول منقول ہیں، ایک تو سایہ دار اور بے سایہ تصویر میں تفصیل کا، کہ اول ناجائز اور ثانی جائز ہے، اور دوسرا قول علی الاطلاق حرمت کا، ملاحظہ ہو : التمہید لابن عبد البر صـ۳۰۱ ج ۱۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بے سایہ تصویر کے جواز کا قول مذہب جمہور کے خلاف اور دلائل کے لحاظ سے ضعیف ہے، صحیح بخاری کی مذکورہ احادیث پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی اس کا ضعف ظاہر ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے مذہب

باطل قرار دیا اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف اسکی نسبت نہیں کی، کما مرّ آنفًا۔

مذہب مالکیہ کے بعض اکابر ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اس موقف سے اختلاف کرتے ہوئے جمہور کا مذہب اختیار فرمایا ہے، چنانچہ قاضی ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مذہب جمہور کو اصح اور علامہ زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے اعدل المذاہب قرار دیا ہے۔ امام عبد البر مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے راجح قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو:

عارضۃ الاحوذی ص۲۵۳ ج۷، زرقانی علی الموطأ ص۳۶۷ ج۴۔

(۵) معروف غیر مقلد عالم علامہ محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی نیل الاوطار ج۲ میں ص۱۰۳ سے ص۱۱۱ تک حرمت تصاویر کی احادیث مفصّل طور پر نقل کی ہیں اور ص۱۱۱ پر علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا پوری عبارت نقل کی ہے، صحیح بخاری ومسلم کی دو حدیثیں نقل کرکے ان کی شرح میں لکھتے ہیں:

الحدیثان یدلان علی ان التصویر من اشد المحرمات للتوعد علیہ بالتعذیب فی النار وبأن کل مصوّر من اهل النار، وورود لعن المصورین فی احادیث اخر وذلک لایکون الا علی محرم متبالغ فی القبح۔

وانما کان التصویر من اشد المحرمات الموجبۃ لما ذکر لان فیہ مضاهاۃ لفعل الخالق جل جلالہ، ولهذا سمّی الشارع فعلهم خلقًا وسمّاهم خالقین، وظاهر قولہ "کل مصوّر" وقولہ "بکل صورۃ صوّرها" انہ لا فرق بین المطبوع فی الثیاب وبین ما لہ جرم مستقل ویؤیّد ذلک ما فی حدیث عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنها المتقدم من التعمیم الخ (نیل الاوطار ص۱۱۱ ج۲)

"دونوں حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ تصویر سخت ترین محرمات میں سے ہے، اس لئے کہ اس پر عذاب جہنم کی وعید سنائی گئی ہے اور یہ کہ ہر تصویر ساز اہل جہنم سے ہے، نیز اس سبب سے کہ دوسری احادیث میں تصویر سازوں پر لعنت آئی ہے، اور یہ شدید وعیدیں صرف ایسے گناہ پر ہی ہوسکتی ہیں جو قباحت وشناعت میں انتہاء درجہ کا گناہ ہو۔ تصویر کا گناہ سخت ترین حرام اور مذکورہ بالا وعیدوں کا مصداق اس لئے ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے فعل تخلیق کا مقابلہ ہے، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عمل تصویر سازی کو "خلق" اور انھیں "خالقین"

کے نام سے موسوم فرمایا، اور احادیث کے الفاظ "کل مصور" اور "بکل صورۃ صورھا" کے ظاہر الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کپڑے پر نقش شدہ تصویر اور مستقل جسم والی تصویر میں کوئی فرق نہیں اور اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکور حدیث سے بھی ہوتی ہے جو دونوں قسم کی تصویروں کے لئے عام ہے۔"

فوائد متفرقہ :

○۔ حدیث ۱ میں تصریح ہے کہ فرشتے تصویر والے مکان میں داخل نہیں ہوتے، جمہور علماء کے نزدیک اس سے مراد خاص ملائکہ رحمت و برکت ہیں، کراماً کاتبین یا وہ فرشتے جو جنات شیاطین اور ناگہانی مصائب سے انسان کی حفاظت پر مامور ہیں وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

○۔ حدیث ۲ میں تصویر سازوں کے لئے اشد العذاب (سب لوگوں سے سخت عذاب) کی وعید آئی ہے،

اس پر کسی کو اشکال ہو سکتا ہے کہ اشد العذاب کی وعید تو قرآن وحدیث میں اور بھی کئی قسم کے مجرموں کو سنائی گئی ہے، یہ نصوص متعارض معلوم ہوتی ہیں۔

جواب :

جن جن لوگوں کے لئے اشد العذاب کی وعید آئی ہے وہ تمام لوگ بیک وقت اسمیں شریک ہونگے، کسی ایک فریق کا اسمیں داخل ہونا دوسرے فریق کے خارج ہونے کو مستلزم نہیں۔

○۔ حدیث ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ تصویردار پردہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں موجود تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نکیر نہ فرمائی بلکہ اسکی موجودگی میں نماز بھی ادا فرماتے رہے، جیساکہ صحیح مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں :

وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الیہ

بظاہر یہ روایت حدیث ۴ اور ۵ سے متعارض ہے جن میں تصریح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر دار پردہ کا وجود ایک لمحہ کو بھی گوارا نہ فرمایا بلکہ نظر پڑتے ہی فوراً ہٹانے کا حکم فرمایا۔

جواب :

① پہلی دونوں روایتیں جانداروں کی تصاویر سے متعلق ہیں، جنھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فوراً ہٹانے کا حکم فرمایا، اور روایت ۲۶ میں مذکورہ تصاویر جانداروں کی نہ تھیں بلکہ بے جان اشیاء، درختوں پھولوں وغیرہ کے نقوش تھے۔ چونکہ یہ چیزیں جائز ہونے کے باوجود نماز سے توجہ ہٹانے کا سبب بن جاتی ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہِ احتیاط و تقویٰ انھیں ہٹانے کا حکم فرمایا، ھکذا اجمع البدر العینی رحمہ اللہ تعالیٰ فی عمدۃ القاری ص۲۲۲ ج۲۲۔

(۲) ممکن ہے یہ حدیث زمانۂ حرمت سے پہلے کی ہو (فتح الباری ص۳۲۵ ج۱۰)

(اس حدیث سے حرمت کی بجائے حلّت ثابت ہو رہی ہے اسی لئے جوابات کی ضرورت پڑی، لہٰذا اسے دلائل حرمت میں شمار کرنا صحیح نہیں۔ رشید احمد)

دلائل جواز کا تجزیہ :

جو لوگ تصویر کو جائز قرار دیتے ہیں انکی طرف سے درج ذیل دلائل پیش کئے جاتے ہیں:

(۱) یعملون لہ مایشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیٰت (۳۴-۱۳)

"بناتے اس کے لئے جو کچھ چاہتا قلعے اور تصویریں اور لگن جیسے تالاب اور دیگیں چولہوں پر جمی ہوئیں۔"

اس آیت میں صراحت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جنات سے تصویریں بنواتے تھے، معلوم ہوا کہ تصویر سازی جائز ہے، ورنہ ایک جلیل القدر نبی یہ کام کیوں کرواتے؟

(۲) نہی کی تمام احادیث کا مصداق جسم دار تصاویر (مجسّمے، مورتیں) ہیں، کپڑے کاغذ وغیرہ پر نقش شدہ تصویر اس بحث سے خارج ہے، چنانچہ صحیح بخاری ہی میں جہاں تصویر پر اتنی وعیدیں مذکور ہیں وہاں اس نقشی تصویر کو الّا رقماً فی ثوب (مگر جو کپڑے پر نقش ہو) کے الفاظ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، ملاحظہ ہو: ص۸۸۱ ج ۲ باب من کرہ القعود علی الصور۔

(۳) ان تمام احادیث کی اصل علت صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قلوب سے بت پرستی کے آثار و نشان مٹانا تھے جو نئے نئے شرک سے اسلام میں آئے تھے، لہٰذا جب عقیدۂ توحید ان حضرات کے رگ و پے میں رچ بس گیا اور بتوں سے انھیں طبعی نفرت پیدا ہوگئی تو اس نوع کی تمام احادیث از خود منسوخ ہو گئیں، جیسے ابتداء اسلام میں خاص خاص مقاصد کے پیش نظر کتوں کو مارنے کا حکم صادر کیا گیا، شراب کے مخصوص برتن توڑنے کا حکم فرمایا گیا اور قبروں پر جانے کی ممانعت کی گئی، مگر رفتہ رفتہ جب یہ

مقاصد حاصل ہوگئے تو یہ تینوں حکم منسوخ قرار پائے۔

علی الترتیب ہم ان تینوں دلائل کا جواب ذکر کرتے ہیں:

① یہ درست ہے کہ تمثال بمعنی تصویر ہی ہے مگر اس دعوے کی کیا دلیل ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام خاص جاندار اشیاء ہی کی تصویریں بنواتے تھے؟ جب درخت، پھل، پھول، پہاڑ، سمندر اور تمام قدرتی مناظر کی عکاسی بھی تماثیل کے تحت داخل بلکہ اس کا مدلول حقیقی ہے تو کیوں کھینچ تان کر جانداروں ہی کی تصاویر کے ساتھ اسے مخصوص ٹھہرایا جائے؟

یہ استدلال اس لحاظ سے بھی دور از کار ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام دیگر انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کی طرح تورات کے پیروکار تھے، اور تورات میں جاندار اشیاء کی تصویر سازی سے سختی سے منع کیا گیا ہے، ہزار تحریفات کے باوجود یہ ممانعت آج بھی تورات کے اوراق میں محفوظ ہے، ملاحظہ ہو: خروج ۲۰: ۱/۱ استثناء ۴: ۱۶ تا ۱۸۔

اگر مان لیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جاندار اشیاء ہی کی تصویریں بنواتے تھے تب بھی یہ انہی کی شریعت کا مخصوص حکم ہوگا جس کا اتباع اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے کسی فرد کے لئے قطعاً جائز نہیں، اس لئے کہ اصول فقہ کا یہ معروف و مسلّم قاعدہ ہے کہ شرائع سابقہ کے صرف وہی احکام اس امت کے لئے واجب الاتباع ہیں جنھیں قرآن و حدیث نے برقرار رکھا ہے اور انکے مخالف کوئی دوسرا حکم صادر نہیں فرمایا، یہاں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل سے صاف طور پر تصویر کی حرمت و ممانعت ثابت ہے تو یہ کیونکر روا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے اس صاف و صریح حکم سے روگردانی اختیار کر کے سلیمان علیہ السلام کی شریعت سے ایک منسوخ حکم لیا جائے؟ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح اعلان ہے:

والذی نفس محمد بیدہ لو بدا لکم موسیٰ فاتبعتموہ و ترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیا وادرک نبوتی لاتبعنی (مشکوٰۃ بحوالہ دارمی)

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے اگر موسیٰ تمہارے سامنے ظاہر ہوں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کا اتباع کرنے لگو تو راہ راست سے بھٹک جاؤ گے، اگر موسیٰ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو وہ بھی میرا اتباع کرتے"

(۲) گزشتہ صفحات میں ہم صحیح بخاری کی دس احادیث نقل کر آئے ہیں۔ یہ تمام احادیث مطلق ہیں، ان میں سے کسی ایک حدیث کے کسی ایک لفظ سے بھی اشارہ تک نہیں ملتا کہ جسم دار تصاویر ناجائز اور بے جسم جائز ہیں، بلکہ حدیث ۴، ۵، ۶، ۷ اور ۸ تو ہیں ہی انہی تصاویر سے متعلق جو کپڑے پر نقش تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سختی سے نکیر فرمائی اور بنانے والوں کے لئے وعید ارشاد فرمائی۔

نیز کتب احادیث وسیر میں تصریح ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ اس میں بتوں کے علاوہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں بھی آویزاں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تصویریں مٹا دیں اور مشرکین کے متعلق فرمایا:

قاتلهم الله (صحیح بخاری ص۲۱۴ ج ۲ وغیرہ)

"اللہ انہیں غارت کرے۔"

باقی رہے "الا ما کان رقما فی ثوب" کے الفاظ، تو رقم کے معنی لغت کی کسی کتاب میں بھی "جاندار کی تصویر" نہیں لکھا، اس کے اصل معنی نقش و نگار کے ہیں، چنانچہ صحیح بخاری اور سنن ابی داؤد میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازہ پر منقش پردہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگواری کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا:

ما لنا وللدنيا وما لنا وللرقم الحديث (جمع الفوائد ص۲۲۶ ج ۱ بحوالہ بخاری وابی داؤد)

"ہمیں دنیا سے کیا واسطہ؟ ہمیں نقش و نگار سے کیا غرض؟"

حضرت امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وجوابنا وجواب الجمهور عنه انه محمول على رقم على صورة الشجر وغيره مما ليس بحيوان (نووی علی مسلم ص۲۰۰ ج ۲)

"ہمارا اور جمہور علماء کا جواب یہ ہے کہ یہ (الا ما کان رقما فی ثوب) درخت اور دوسری بے جان اشیاء کے نقوش کے بارے میں ہے۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ويحتمل ان يكون ذلك قبل النهى (فتح الباری ص۳۲۵ ج ۱۰)

"یہ بھی احتمال ہے کہ یہ واقعہ تصاویر کی حرمت سے پہلے کا ہو۔"

علامہ بدرالدین العینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وقال الطحاوی یحتمل قوله الا رقما فی ثوب انه اراد رقما یوطأ ویمتهن کالبسط والوسائد انتہٰی (عمدۃ القاری ص۸۶ ج۲۲)

"امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ بھی احتمال ہے کہ الا رقما فی ثوب سے مراد ایسی تصویر ہو جو پامال اور ذلیل ہو جیسے بچھونے اور تکیے۔"

غرض : شراح حدیث میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ تصویر کی کوئی قسم ان وعیدوں سے خارج ہے۔

(۳) یہ استدلال بھی مغالطہ دہی سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا، جن تین اشیاء کی مثالیں پیش کی گئی ہیں ان میں ممانعت کے بعد ان کی اجازت بھی صراحۃً آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، چنانچہ کتوں کے متعلق حدیث ہے :

عن ابن مغفل قال امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقتل الکلاب ثم قال ما بالهم وبال الکلاب، الحدیث (صحیح مسلم ص۲۰ ج۲)

"حضرت ابن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں : شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا، پھر ارشاد فرمایا : لوگوں کو کتوں کی کیا پڑی ہے"؟

اب ان کا قتل کرنا چھوڑ دیں۔

اور زیارتِ قبور اور شراب کے برتنوں کے متعلق ارشاد گرامی ہے :

کنت نهیتکم عن زیارۃ القبور فزوروها ونهیتکم عن لحوم الاضاحی فوق ثلاث فامسکوا ما بدا لکم ونهیتکم عن النبیذ الا فی سقاء فاشربوا فی الاسقیۃ کلها ولا تشربوا مسکرا (صحیح مسلم ص۳۱۴ ج۱)

"میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے روکا تھا لیکن اب یہ منسوخ ہے، ان کی زیارت کرسکتے ہو، اور تمہیں قربانی کا گوشت تین دن سے زائد رکھنے سے منع کیا تھا لیکن اب یہ حکم بھی منسوخ ہے، جتنا عرصہ چاہو رکھ سکتے ہو، اور تمہیں مشکیزے کے سوا کسی برتن میں نبیذ بنانے سے منع کیا تھا، لیکن اب ہر برتن میں بنا سکتے ہو، اور نشہ آور چیز نہ پیو۔"

اس کے برعکس تصویر کے جواز کی کوئی روایت نہیں ملتی، اگر ہو تو مجوزین پیش کریں، ودونہ خرط القتاد - ہاں! اس کے شواہد ضرور ملتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخر وقت تک تصویر پر نکیر فرماتے رہے، صحیح بخاری ہی کی ایک روایت ملاحظہ ہو:

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت لما اشتکی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذکر بعض نسائہ کنیسۃ رأتھا بارض الحبشۃ یقال لھا ماریۃ وکانت ام سلمۃ وام حبیبۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اتتا ارض الحبشۃ فذکرتا من حسنھا وتصاویر فیھا فرفع رأسہ فقال اولئك اذا مات منھم الرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجدا ثم صوروا فیہ تلك الصور اولئك شرار الخلق عند اللہ (صحیح بخاری ص۱۷۹ ج۱)

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات میں بعض ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے سرزمین حبشہ میں بنے ہوئے ایک گرجا کا ذکر کیا جس کا نام ماریہ تھا، حضرت ام سلمہ اور ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حبشہ گئی تھیں، انھوں نے گرجا کے حسن و جمال اور اسمیں موجود چند تصویروں کا ذکر کیا، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک اوپر اٹھایا اور ارشاد فرمایا: (یہ اہل کتاب کا دستور رہا ہے کہ) جب ان میں کوئی مرد صالح انتقال کر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے پھر اسمیں یہ تصویریں رکھدیتے (آخر کار انہی تصویروں سے بتوں اور بتوں سے شرک کا دروازہ کھل گیا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بدترین خلائق ہیں۔"

نیز صحیح بخاری کی مذکورہ بالا احادیث میں سے حدیث ۲ میں جس سفر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کا ذکر ہے یہ سفر بھی حیات طیبہ کے آخری سالوں کا سفر تھا اس لئے کہ ایک روایت کے مطابق یہ سفر خیبر اور دوسری روایت کے مطابق سفر تبوک تھا، غزوہ خیبر ۷ھ میں اور غزوۂ تبوک ۹ھ میں پیش آیا، کما صرح بہ اصحاب السیر۔

اور صحیح بخاری کی مذکورۃ الصدر احادیث میں بھی کہیں اسکا کوئی اشارہ نہیں کہ یہ ممانعت بت پرستی کی علت سے تھی، بفرض محال اگر یہی علت قرار دی جائے تب بھی آگے یہ دعویٰ نرا دعویٰ ہی ہے کہ دنیا سے بت پرستی کا خاتمہ ہوگیا ہے لہٰذا تصویر سازی کی کھلی چھٹی ہے۔ آج کی متمدن دنیا میں بھی ملکوں کے ملک بت پرستی کے گرداب میں پھنسے ہوئے ہیں، اور

کئی مشرک قومیں خاص طور سے اپنے بانیانِ مذاہب کو الوہیت کے اختیارات تفویض کرتی اور ان کی تصویریں پوجتی ہیں، عیاں را چہ بیاں؟

اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ مفروضہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ بُت پرستی دُنیا سے مٹ چکی ہے تب بھی اس دعوے کی کیا دلیل ہے کہ ممانعت کی علت صرف بت پرستی ہی میں منحصر تھی؟ مذکورہ بالا احادیث پر مکرر ایک نظر ڈال لی جائے جن میں حرمتِ تصویر کا ایک اہم سبب اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کا مقابلہ بھی بیان کیا گیا ہے، نیز ایک وجہ ملائکہ رحمت کی آمد میں رکاوٹ بیان کی گئی ہے۔

الغرض: اس قسم کے مفروضوں سے شریعت کے کسی قطعی مسئلہ کا انکار نہیں کیا جا سکتا، نہ ہی اس قسم کا اجتہاد سلف میں سے کسی کو سوجھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بڑھ کر کوئی شارح نہیں ہو سکتا، یہ حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی رمز شناس اور ہر قول و فعل کے عینی شاہد ہیں، ان حضرات نے بھی تصویر سے متعلق تمام احادیث سے یہی مفہوم اخذ کیا کہ یہ ارشادات ہر قسم کی تصاویر سے متعلق ہیں اور ہمیشہ کے لئے ہیں۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نصاریٰ کی دعوت یہ فرما کر رد فرمادی کہ تمہارے ہاں تصویریں ہوتی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوالہیاج اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا کہ شہر میں تمام تصاویر مٹا دیں اور فرمایا مجھے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہم پر بھیجا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مکان میں تصویر دیکھ کر دروازہ سے لوٹ آئے۔

یہ واقعات صحیح بخاری و مسلم میں مفصل مذکور ہیں۔

مسند احمد اور سنن کبریٰ للبیہقی وغیرہ میں اور بھی کئی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واقعات مفصل مذکور ہیں جنھیں ہم اختصار کے پیش نظر ذکر نہیں کرتے۔

مذاہب اربعہ کی تصریحات بھی ہم اوپر مفصل ذکر کر آئے ہیں۔

ان کے علاوہ بھی کچھ دلائل پیش کئے جاتے ہیں، مثلاً:

(۱) ان وعیدوں کا مصداق صرف مشرکانہ نوعیت کی تصاویر ہیں جو پرستش کی غرض

سے بنائی گئی ہوں۔

اس دلیل کا ضعف اور بودا پن محتاج دلیل نہیں، کتب احادیث میں کم و بیش چالیس احادیث ملتی ہیں جن میں تصویر سازی پر شدید وعیدیں وارد ہیں، اس تمام ذخیرۂ احادیث میں کہیں اشارہ تک نہیں ملتا کہ حرمت کا حکم صرف مشرکانہ تصاویر کے ساتھ مخصوص ہے۔

صحیح بخاری کی جن روایات میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تصویر دار پردہ رکھنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اظہار ناراضی کا ذکر ہے کیا ان میں بھی اس کا احتمال تھا کہ معاذ اللہ! حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پرستش کی غرض سے یہ تصویریں رکھی تھیں؟ حاشا! وکلا!

پھر جب احادیث میں حرمت کی دوسری وجوہ بھی صراحۃً مذکور ہیں مثلاً مضاھاۃ بخلق اللہ و منع دخول ملائکۃ، تو ان کو نظر انداز کرکے حکم حرمت کو صرف ایک سبب میں منحصر کرنے کی کیا تک باقی رہتی ہے؟

(۲) کیمرے کی تصویر درحقیقت تصویر ہی نہیں کہ اسے حرام کہا جائے، یہ تو ایک عکس اور سایہ ہے۔

(۳) مزید ایک انوکھی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ کیمرے میں فوٹوگرافر کسی بھی جاندار کی ظاہری صورت بناتا ہے، اس کے اعضاء و جوارح کی تخلیق و تکوین نہیں کرتا کہ اسے مضاھاۃ بخلق اللہ اور دوسری وعیدوں کا مصداق ٹھہرایا جائے۔

ان دلائل کی سطحیت اور کھوکھلا پن بھی بالکل ظاہر ہے، ہم انکے جواب میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے، تاہم تصویر اور عکس میں واضح فرق اپنے رسالہ "ٹی وی کا زہر" میں واضح کر چکے ہیں، جسے شوق ہو دیکھ لے۔

سیاسی علماء کا کردار:

انتہائی قلق سے لکھنا پڑتا ہے کہ تصویر کی لعنت عوام سے تجاوز کرکے خواص بلکہ علماء تک پھیل گئی ہے جس کا یہ افسوسناک نتیجہ سامنے آرہا ہے کہ بہت سے لوگ ان حضرات کے اس طرز عمل کو دیکھ کر اس قطعی حرام کو حلال باور کرنے لگے، چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جب بھی عوام کو اس گناہ پر ٹوکا جاتا ہے تو وہ جھٹ سے کہدیتے ہیں:

"آپ لوگ دیکھتے نہیں؟ اب تو بڑے بڑے علماء بھی تصویر کھنچواتے ہیں۔"

ان کا یہ کہنا کچھ جھوٹ بھی نہیں بلکہ آئے دن اخبارات میں ان حضرات کی تصویریں نمایاں ہوتی ہیں۔

قطع نظر اس سے کہ واقعۃً لوگ تصویر کو جائز سمجھنے لگے ہیں یا صرف ٹوکنے والوں سے گلو خلاصی کے لئے اس عذر لنگ کا سہارا لیتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ بعض علماء کے اس افسوسناک طرز عمل نے جہلاء کو جری بنا دیا بلکہ بے دین اور دریدہ دہن لوگوں کو زبان دیدی۔ بہانہ ساز لوگ خود سوچ کر فیصلہ کرلیں کہ ایک طرف صحیح بخاری کی احادیث، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح تنبیہات اور لعنت و "اشد عذابًا" جیسی سخت وعیدیں، پھر حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طرز عمل اور پوری امت کا اجماعی موقف ہے، دوسری جانب معدودے چند سیاسی علماء کا عمل (نہ کہ فتویٰ) کیا کل روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے حضور آپ یہ کہہ کر چھٹکارا حاصل کرلیں گے :

"ان علماء کی یہ بدعملی دیکھ کر شریعت کے ایک قطعی حکم کو ہم نے پس پشت ڈال دیا تھا"

خود تو منصف باش .....

علماء اپنے کئے کے خود ذمہ دار ہیں، ہم انکی بیجا وکالت نہیں کرنا چاہتے، البتہ ایک خطرناک اور گمراہ کن مغالطہ کا جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں، وہ یہ کہ جب کبھی علماء باعمل کی جانب سے ان پر قدغن لگتی ہے تو عموماً اس حلقہ کی طرف سے یہ جواب پیش کیا جاتا ہے :

"دینی مصلحت سے ہم یہ گناہ کرتے ہیں، اس لئے کہ اس دورِ فساد میں یہ ممکن ہی نہیں کہ اس قسم کے گناہوں سے بچتے ہوئے عوامی سطح پر کوئی سی دینی خدمت انجام دی جاسکے"

گویا اپنے دین و ایمان کا یہ نقصان دینی نفع کی خاطر گوارا کیا جاتا ہے، اگر اتنی لچک بھی نہ اختیار کی جائے تو عوام سے رابطہ رکھنا ممکن نہیں۔

یہ ساری منطق بجا، مگر یہ فرمائیے کہ آج کے مسلم معاشرہ میں (گو مسلم نام کی حد تک ہی سہی) رکاوٹیں اس معاشرہ سے کہیں زیادہ ہیں جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تن تنہا توحید کی آواز اٹھائی تھی؟ ان وقتی مشکلات کو اس دورِ خونچکاں سے کوئی دور کی نسبت بھی نہیں، پھر آخر کیا وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آزمائشوں کی یلغار

میں کبھی ذرہ برابر لچک نہ اختیار فرمائی، مخالفین کی طرف سے مصالحت کی پیشکش یہ فرما کر ٹھکرادی:

”واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی ان اترک ھذا الامر حتی یظھرہ اللہ او اھلک فیہ ما ترکتہ“ (البدایۃ ص ۴۳ ج ۳)

دشمنانِ اسلام جو مسلمانوں سے عَدد و عُدد میں سو گنا بڑھ کر تھے ان کی سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقصد سے دست بردار نہ ہوں صرف ذرا سی لچک اختیار کرلیں تو ہم مخالفت ترک کردیں گے۔

ودوا لو تدھن فیدھنون۔

مگر قرآن نے یہ دو ٹوک فیصلہ سُنا کر انکی یہ دیرینہ آرزو خاک میں ملادی:

ولا تطع کل حلاف مھین....

یہ واشگاف الفاظ میں اعلان ہے کہ حق و باطل کے مابین سمجھوتہ کسی صورت ممکن نہیں، ایک طرف تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا یہ بے داغ اور چمکتا پہلو ہے مگر دوسری جانب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا بلکہ نائبین کا یہ شرمناک طرزِ عمل کہ موہوم سی منفعت کی خاطر اپنے دین کو داؤ پر لگا رہے ہیں ع

ببیں تفاوتِ رہ از کجا است تا بکجا

آجکل یہ اعتراض بھی زبان زدِ عوام و خواص ہے:

”طویل جدوجہد اور قربانیوں کے باوجود دینی جماعتیں کامیابی سے کیوں ہمکنار نہیں ہوتیں؟ ملک میں اسلامی نظام کیوں نافذ نہیں ہوتا؟“

اس کا جواب بھی یہی ہے کہ اسلام نافذ کرنے سے پہلے خود معیاری مسلمان بننا ضروری ہے۔

ادخلوا فی السلم کافۃ....

اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کی نصرت یا کامیابی کی اُمیدیں باندھنا خوش خیالی کے سوا کچھ نہیں، ان علماء کرام سے بڑھ کر کون جانتا ہے کہ معرکۂ احد و حنین میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ذراسی لغزش (جسے لغزش کہتے بھی ڈر لگتا ہے) سے اللہ تعالیٰ کی آئی ہوئی مدد واپس ہوگئی، اس کے باوجود کہ ان کا اخلاص، ان کی جاں نثاری اور جذبۂ جہاد کسی شک و شبہہ سے بالا تھے، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان کی رگ و پے میں پیوست تھی، سب سے بڑھ کر یہ کہ ان معرکوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس موجود تھے، مگر با ایں ہمہ

آسمانوں سے آئی ہوئی مدد ہٹ گئی، گویا اللہ تعالیٰ رہتی دنیا تک کے لئے اپنا یہ اٹل قانون جتلا رہے تھے کہ اس کی ناراضی کے ساتھ (گو کہ وہ وقتی ہو اور معاف بھی ہو جائے) کبھی اسکی نصرت نہیں آسکتی۔

ان حقائق کو سامنے رکھ کر یہ حضرات فیصلہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کیسے آسکتی ہے؟ جبکہ عین اس موقع پر جہاں نفاذِ اسلام کے نعرے لگ رہے ہوتے ہیں، تصویر سازی کی لعنتیں برس رہی ہوتی ہیں، یوں بیک وقت آب و آتش کو جمع کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ تصویر کی حرمت قطعی ہے، اگر کسی عالم دین یا مقتدا کا عمل خلافِ شرع ہو تو وہ اپنے کیے کا ذمہ دار ہے، حکم شریعت پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

خلاصۂ احکام:

- کسی بھی جاندار کی تصویر بنانا سخت حرام اور گناہِ کبیرہ ہے، خواہ تصویر کسی بھی قسم کی ہو، بڑی ہو یا چھوٹی، کپڑے کاغذ پر بنائی جائے یا در و دیوار پر، قلم سے بنائی جائے یا کیمرے سے۔ اسی طرح تصویر کا پریس میں چھاپنا، مشین یا سانچے میں ڈھالنا بھی ناجائز ہے۔
- تصویر ساز، فوٹو گرافر اور ان کے عمل میں کسی پہلو سے شرکت کرنے والے اشخاص فاسق ہیں، انکی اذان، اقامت، امامت ناجائز ہے، شہادت مردود ہے۔
- تصویر کی خرید و فروخت حرام ہے، اس ذریعہ سے کمایا ہوا پیسہ حرام اور ناقابلِ انتفاع ہے۔
- یہ جب ہے کہ تصویر کی خرید و فروخت ہی مقصود ہو، اگر مقصود کوئی اور چیز ہے مثلاً کپڑا، کاغذ وغیرہ اور تصویر اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے تو ایسی چیز کی تجارت جائز ہے مگر خریدار پر لازم ہے کہ چیز خریدتے ہی اس سے تصویر تلف کر دے۔
- تصویر بنانے کی طرح اس کا بالقصد دیکھنا، دوسروں کو دکھانا اور پاس رکھنا بھی جائز نہیں۔ سینما، ٹی وی، وی سی آر کی فحش تصاویر دیکھنا دکھانا حرام بالائے حرام کا ارتکاب ہے۔
- یہی حکم اخبار، رسائل اور اسکول کالج کی مطبوعہ کتب میں موجود تصاویر کا ہے، ان کے جائز مضامین کا پڑھنا جائز مگر تصاویر پر عمداً نظر ڈالنا ناجائز ہے۔

○ مصوّر گڑیوں، مصوّر کھلونوں اور مصوّر مٹھائیوں کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کا بنانا، بیچنا، خریدنا اور کھانا جائز نہیں۔ بغیر خرید کے بھی کھانا جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں تعاون علی المعصیۃ ہے۔

○ پاسپورٹ، شناختی کارڈ، نوٹ، سکّے اور تصویر دار ٹکٹ ضرورت کی اشیاء ہیں، ان کے رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ بعض لوگ شوقیہ ٹکٹیں جمع کرتے ہیں انکے لئے تصویر دار ٹکٹ رکھنا جائز نہیں۔

○ تجارتی اداروں کے تصویر دار نشان (مارکہ) یا طلبہ کے شناختی کارڈ کی تصویر کسی شرعی ضرورت پر مبنی نہیں، اس لئے ناجائز ہیں۔

○ ایسا کپڑا پہن کر نماز پڑھنا جس میں جاندار کی تصویر ہو یا ایسی تصویر والی جگہ نماز پڑھنا جائز نہیں، اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوگی، ہاں! اگر تصویر کا سر کٹا ہوا ہو یا چہرہ مٹا ہوا ہو یا تصویر بہت چھوٹی ہو جو کھڑے ہونے کی حالت میں واضح طور پر نظر نہ آئے تو نماز میں کراہت نہ ہوگی۔ اسی طرح بڑی تصویر اگر چھپی ہوئی ہے (مثلاً کرتے کے نیچے بنیان میں ہے) تب بھی نماز ہو جائے گی، مگر بلا ضرورت ایسا کپڑا استعمال کرنا گناہ ہے۔

○ جس مکان میں کسی جاندار کی تصویر ہو اس میں داخل ہونا جائز نہیں، ہاں! ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہیں، مثلاً قرض کی وصولی یا معاش و معاد سے وابستہ کوئی اور ضرورت۔

○ اگر تصویر ڈبے میں بند ہو یا کسی غلاف تھیلی وغیرہ میں مستور ہو تو یہ دخول ملائکۂ رحمت میں رکاوٹ نہ ہوگی۔ ہاں! اس کے بھی بنانے، بیچنے، خریدنے اور بلا عذر رکھنے کا گناہ بدستور ہوگا۔

○ تصویر کسی شخص کے مکان یا دوکان وغیرہ میں موجود ہے، اور دوسرا مسلمان اس کے تلف کرنے پر قادر ہے تو تلف کر دینا اس پر واجب ہے، شرعاً اس پر کسی قسم کا ضمان بھی واجب نہیں، ہاں! جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو وہاں ایسا قدم نہ اٹھایا جائے۔

○ بعض حضرات ایسی جگہ جہاں تصویر لی جا رہی ہوں شریک ہو جاتے ہیں اور تصویر سے بچنے کے لئے منہ پر کپڑا رکھ لیتے ہیں۔ گناہ سے بچنے کے لئے اتنا کافی نہیں، بلکہ ایسی مجلس سے اٹھ جانا واجب ہے خواہ یہ دینی اجتماع ہی ہو، بالخصوص یہ شخص مقتدا ہو تو

اس کا بیٹھنا اور بھی سخت اور دہرا گناہ ہے، ایک اپنی برائی کا اور دوسرا عوام کو گناہوں پر جری کرنے کا۔

○ بعض لوگ بزرگوں کی تصویریں اہتمام سے سجا کر اپنے گھروں میں رکھتے ہیں، ان تصویروں کے احکام بھی بعینہ وہی ہیں جو عام تصویروں کے بیان کئے گئے کہ ان کا بنانا، بیچنا، خریدنا سب حرام ہے، اور انھیں متبرک سمجھتے ہیں تو کفر کا اندیشہ ہے، شرک اور گمراہی کا دروازہ اسی قسم کی تصویروں سے کھلتا ہے۔

○ یہ تمام احکام جاندار کی تصویر کے تھے، بے جان اشیاء کی تصویر یا جاندار کی ایسی تصویر جس کا سر کٹا ہوا ہو یا چہرہ کے سوا الگ الگ اعضاء کی تصویر بنانا، بیچنا، خریدنا سب جائز ہے۔

محمّد ابراہیم
نائب مفتی دار الافتاء والارشاد
۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ ہجری
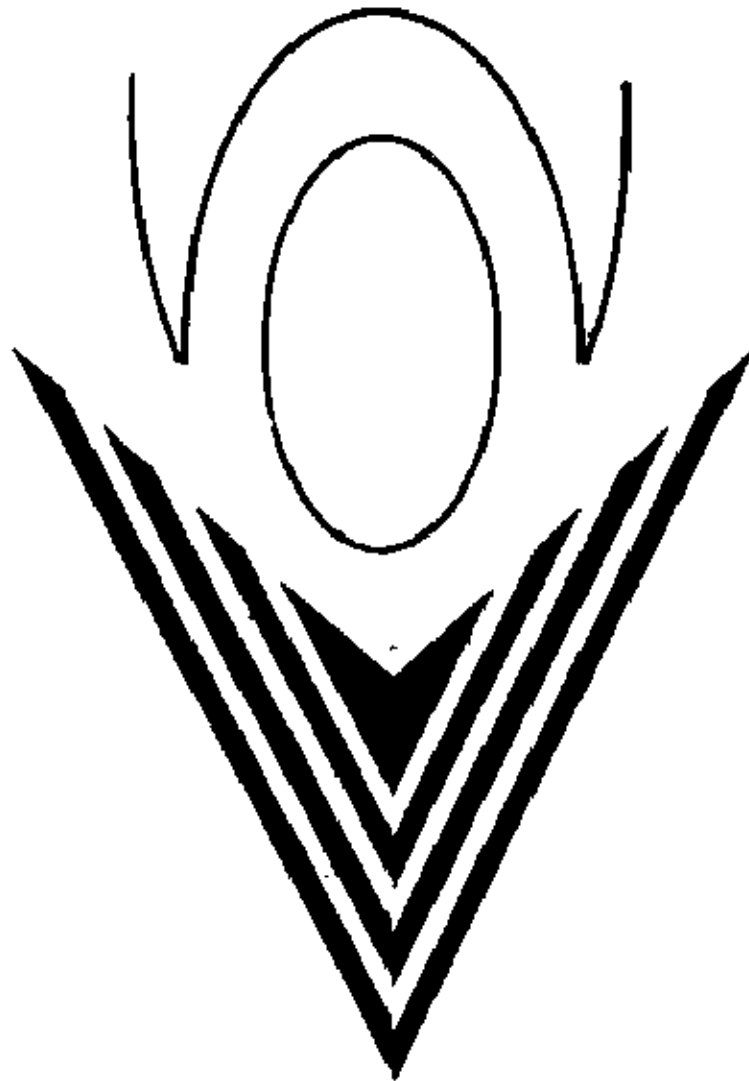
ضمیمہ

از فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم العالی

تصاویر کی اقسام مختلفہ کے احکام:

سوال: سنہری زیور پر بعض اوقات کسی حیوان کی تصویر بنی ہوتی ہے، کیا ایسا زیور پہننا جائز ہے؟ نیز ایسا زیور پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں؟
یہ وضاحت بھی فرمائیں کہ حیوان کی کیسی تصاویر جائز ہیں اور کیسی ناجائز؟ نیز کس قسم کی تصویر کی موجودگی میں نماز مکروہ ہے؟ بینوا بالتفصیل اجرکم اللہ الجلیل۔

الجواب باسم ملهم الصواب

قال الشیخ ابوالسعود رحمه الله تعالى : واعلم ان ظاهر التقييد بلبسه يفيد ان بيع ثوب فيه تصاوير لا يكره وقيل يكره اى تحريما بدليل ما قيل من رد شهادته اذ المكروه تنزيها لا يوجب رد الشهادة وحيث كان بيعه موجبا رد شهادته فناسجه بالاولى ووجه الاولوية ثبوت الخلاف فى كراهة بيعه بخلاف النسج لكونه تصويرا (فتح المعين ص ۲۴۵ ج ۱)

وقال العلامة الحصكفى رحمه الله تعالى فى مكروهات الصلوة : ولبس ثوب فيه تماثيل ذى روح وان يكون فوق رأسه او بين يديه او بحذائه يمنة اويسرة او محل سجوده تمثال ولو فى وسادة منصوبة لا مفروشة واختلف فيما اذا كان التمثال خلفه والاظهر الكراهة ولا يكره لو كانت تحت قدميه او محل جلوسه لانها مهانة او فى يده، عبارة الشمنى بدنه لانها مستورة بثيابه اوعلى خاتمه بنقش غير مستبين قال فى البحر ومفاده كراهة المستبين لا المستتر بكيس اوصرة او ثوب اخر واقره المصنف اوكانت صغيرة لا تتبين تفاصيل اعضائها للناظر قائما وهى على الارض ذكره الحلبى او مقطوعة الرأس او الوجه او ممحوة عضو لا تعيش بدونه او لغير ذى روح لا يكره لانها لا تعبد وخبر جبريل مخصوص بغير المهانة كما بسطه ابن الكمال واختلف المحدثون فى امتناع ملئكة الرحمة بما على النقدين فنفاه عياض واثبته النووى (رد المحتار ص ۴۳۶ ج ۱

وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ (ولبس ثوب فیہ تماثیل)
قال فی البحر وفی الخلاصۃ وتکرہ التصاویر علی الثوب صلی فیہ اولا انتھی
وھذہ الکراھۃ تحریمیۃ وظاھر کلام النووی فی شرح مسلم الاجماع علی تحریم
تصویر الحیوان وقال وسواء صنعہ لما یمتھن اولغیرہ فصنعتہ حرام بکل حال
لان فیہ مضاھاۃ لخلق اللہ تعالیٰ وسواء کان فی ثوب اوبساط او درھم واناء
وحائط وغیرھا انتھی فینبغی ان یکون حراما لا مکروھا ان ثبت الاجماع او
قطعیۃ الدلیل بتواترہ اھ کلام البحر ملخصا وظاھر قولہ فینبغی الاعتراض
علی الخلاصۃ فی تسمیتہ مکروھا قلت لکن مراد الخلاصۃ اللبس المصرح بہ
فی المتون بدلیل قولہ فی الخلاصۃ بعد مامر اما اذا کان فی یدہ وھو یصلی لایکرہ
وکلام النووی فی فعل التصویر ولا یلزم من حرمتہ حرمۃ الصلاۃ فیہ بدلیل ان
التصویر یحرم ولو کانت الصورۃ صغیرۃ کالتی علی الدرھم او کانت فی الید او
مستترۃ او مھانۃ مع ان الصلاۃ بذلک لاتحرم بل ولا تکرہ لان علۃ حرمۃ
التصویر المضاھاۃ لخلق اللہ تعالیٰ وھی موجودۃ فی کل ماذکر وعلۃ کراھۃ الصلاۃ
بھا التشبہ وھی مفقودۃ فیما ذکر کما یأتی فاغتنم ھذا التحریر (رد المحتار ص ۴۳۵ ج ۱)

وقال: (قولہ وخبر جبریل الخ) ھو قولہ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم " انا
لا ندخل بیتا فیہ کلب ولا صورۃ " رواہ مسلم. وھذا اشارۃ الی الجواب عما
یقال: ان کانت علۃ الکراھۃ فیما مر کون المحل الذی تقع فیہ الصلاۃ لاتدخلہ
الملائکۃ لان شر البقاع بقعۃ لا تدخلھا الملائکۃ ینبغی ان تکرہ ولو کانت الصورۃ
مھانۃ لان قولہ ولا صورۃ نکرۃ فی سیاق النفی فتعم، وان کانت العلۃ التشبہ بعبادتھا
فلا تکرہ الا اذا کانت امامہ اوفوق رأسہ والجواب ان العلۃ ھی الامر الاول واما
الثانی فیفید اشدیۃ الکراھۃ غیر ان عموم النص المذکور مخصوص بغیر المھانۃ
لما روی ابن حبان والنسائی " استأذن جبریل علیہ السلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فقال ادخل، فقال: کیف ادخل وفی بیتک ستر فیہ تصاویر؟ فان کنت لابد فاعلا
فاقطع رؤوسھا او اقطعھا وسائد او اجعلھا بسطا " نعم یرد علی ھذا ما اذا کانت
علی بساط فی موضع السجود، فقد مر انہ یکرہ مع انھا لاتمنع دخول الملائکۃ ولیس

فیہا تشبہ لان عبدۃ الاصنام لا یسجدون علیہا، بل ینصبونہا ویتوجھون الیہا الا ان یقال فیہا صورۃ التشبہ بعبادتہا حال القیام والرکوع وتعظیم لہا ان سجد علیہا اھ ملخصا من الحلیۃ والبحر۔

اقول: الذی یظھر من کلامھم ان العلۃ اما التعظیم او التشبہ کما قدمناہ والتعظیم اعم کما لو کانت عن یمینہ او یسارہ او موضع سجودہ فانہ لا تشبہ فیہا بل فیہا تعظیم وما کان فیہ تعظیم وتشبہ فھو اشد کراھۃ ولھذا تفاوتت رتبتہا کما مر وخبر جبریل علیہ السلام معلول بالتعظیم بدلیل الحدیث الآخر وغیرہ فعدم دخول الملائکۃ انما ھو حیث کانت الصورۃ معظمۃ وتعلیل کراھۃ الصلاۃ بالتعظیم اولی من التعلیل بعدم الدخول لان التعظیم قد یکون عارضا لان الصورۃ اذا کانت علی بساط مفروش تکون مہانۃ لا تمتنع من الدخول ومع ھذا لو صلی علی ذلک البساط وسجد علیہا تکرہ لان فعلہ ذلک تعظیم لہا والظاھر ان الملائکۃ لا تمتنع من الدخول بذلک الفعل العارض واما ما فی الفتح عن شرح عتاب من انہا لو کانت خلفہ او تحت رجلیہ لا تکرہ الصلاۃ ولکن تکرہ کراھۃ جعل الصورۃ فی البیت للحدیث فظاھرہ الامتناع عن الدخول ولو مہانۃ وکراھۃ جعلہا فی بساط مفروش وھو خلاف الحدیث المخصص کما مر (رد المحتار ص ۶۴۹ ج ۱)

الاحکام المستفادۃ من النصوص المذکورۃ:

ایسا زیور بنانا، بیچنا، خریدنا، اپنے پاس رکھنا اور اس کو پہن کر نماز پڑھنا جائز نہیں ایسی نماز کا اعادہ واجب ہے۔

اگر تصویر کپڑوں وغیرہ میں پوشیدہ ہو یا اتنی چھوٹی ہو کہ زمین پر رکھ کر اس کے پاس کھڑے ہو کر دیکھنے سے اعضاء کی تفاصیل نظر نہ آتی ہوں تو اس سے متعلق مندرجہ ذیل مسائل ہیں:

اتنی چھوٹی تصویر بنانا:

چھوٹی سے چھوٹی تصویر بنانا بھی بالاجماع حرام ہے لدخولہ فی العلۃ المنصوصۃ "یضاھون خلق اللہ"۔

ایسی تصاویر کی خرید و فروخت:

اس میں کچھ اختلاف ہے مگر بدلائل ذیل عدم جواز راجح ہے:

① دلائلِ حرمت قویہ ہیں۔
② بوقت تعارض تساویِ دلائل کی صورت میں بھی ترجیح حرمت مسلم ہے۔
③ اس کی اباحت سے اس کی صنعت کو تقویت ملتی ہے جو بالاجماع حرام ہے، لہذا یہ تعاون علی الاثم ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔
④ عوام کی ضلالت وارتکاب کبائر کا ذریعہ ہے، اس لئے کہ وہ صغیرہ وکبیرہ اور پوشید وظاہر جیسی قیود وتفاصیل سے قطع نظر نفس عمل کو دیکھ کر مطلقاً جواز پر استدلال کریں گے۔
⑤ صورۂ صغیرہ کی تعریف مذکور میں اختلاف انظار وآراء کی وجہ سے عوام کو بہانہ سازی کے مواقع ملیں گے۔

وجوہ اختلاف انظار وآراء

① دیکھنے والوں کے قد میں اختلاف۔
② ان کی نظروں میں اختلاف۔
③ روشنی میں اختلاف۔

ایسی تصاویر رکھنا :

یہ بھی جائز نہیں، لما قدمنا من الدلائل الخمسة

ایسی تصاویر اٹھاکر یا پاس رکھ کر نماز پڑھنا :

عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت میں نماز بلاکراہت جائز ہے اس لئے کہ اس میں کراہت کی کوئی علت نہیں پائی جاتی، مگر اس میں کچھ کلام ہے کما سیأتی۔

علل کراہت :

① امتناع ملائکہ۔
② تعظیم غیر اللہ۔
③ تشبہ بعبدۃ الاصنام۔

پھر بعض حضرات نے علت اولیٰ کا مدار بھی علت ثانیہ ہی کو قرار دے دیا ہے۔

بندہ کے خیال میں علل مذکورہ نہ ہونے کی صورت میں بھی کراہۃ الصلوٰۃ کی یہ علت موجود ہے کہ اس مقام میں ایسی معصیت کی چیز ہے جس کے صانع پر لعنت ہے، چنانچہ بعض نصوص فقہ میں علت امتناع ملائکہ کی تشریح میں مذکور ہے کہ یہ بقعہ شر البقاع ہے اس لئے اس میں نماز مکروہ ہے۔

اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ صورۃ صغیرہ یا پوشیدہ کی موجودگی میں بھی نماز مکروہ اور واجب الاعادہ ہو، اس لئے کہ اولاً تو ایسے بقعہ میں قول عدم امتناع ملائکہ مختلف فیہ ہونے کے علاوہ فی نفسہ بھی محل تامل ہے۔ ثانیاً اگر اسے تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ بقعہ اگرچہ عدم امتناع ملائکہ کی وجہ سے شر البقاع نہیں مگر اس میں وجود منکر کی وجہ سے بقعہ خبیثہ ہونے میں تو کوئی شبہہ نہیں ،

وهو يكفي لثبوت الكراهة. فليتأمل.

بساط یا موضع جلوس میں تصویر :

اس میں بھی یہ قبائح ہیں :

(۱) تصاویر کی صنعت کو ترقی ملتی ہے جو بالاجماع حرام ہے۔

(۲) عوام کی ضلالت وارتکاب کبائر کا ذریعہ ہے کہ وہ اس سے مطلقاً اباحت پر استدلال کریں گے۔ عوام مہانہ وغیر مہانہ میں کوئی فرق نہیں جانتے۔

(۳) امتناع ملائکہ۔

اس صورت میں اگرچہ امتناع ملائکہ مختلف فیہ ہے مگر وجوہ مذکورہ کے پیش نظر امتناع راجح معلوم ہوتا ہے۔

ان سے بھی بڑی وجہ امتناع یہ کہ عمل ملعون کے معمول کا ابقاء بلکہ اقتناء ہے، لوگ اس کو بنیت اہانہ نہیں رکھتے بلکہ بنظر اشتیاق رکھتے ہیں۔

قبائح مذکورہ اس صورت میں بھی نماز کی کراہت ووجوب اعادہ کے مقتضی ہیں۔

وهذا لا يخالف ما رجحه الفقهاء رحمهم الله تعالى لان الاحكام تتغير بتغير الزمان، فتفكر ولعل الحق لا يعدوه فتشكر

والله سبحانه وتعالى اعلم

رشید احمد

۲۷ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۸۷ھ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احفوا الشوارب واعفوا اللحی (متفق علیہ)

نیل المآرب بحلق الشوارب

تین ۳ فتاوی کا مجموعہ

(۱) لبوں کا دونوں طرف بڑھانا مکروہ ہے۔

(۲) زائد بالوں کی صفائی کی حد۔

(۳) حکم حلق الشارب۔

☆ ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔
☆ نصوص فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ۔
☆ عقل سلیم وطبع مستقیم۔

مکتبہ فاروق

نیل المآرب
بحلق الشوارب
اس رسالہ میں
نصوص حدیث وعبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ
سے ثابت کیا گیا ہے
کہ
لبوں کا مونڈنا سنّت ہے
دونوں جانب بڑھانا مکروہ ہے
علاوہ ازیں
بدن کے دوسرے جن بالوں کی
صفائی ضروری ہے ان کی صفائی
کی مدّت بتائی گئی ہے
فاروق

احکام شوارب

مونچھیں دونوں طرف بڑھانا مکروہ ہے:

سوال: مونچھیں دونوں طرف بڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مکروہ ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: واما طرفا الشارب وھما السبالان فقیل ھما منہ وقیل من اللحیۃ وعلیہ فقیل لا بأس بترکھما وقیل یکرہ لما فیہ من التشبہ بالاعاجم واھل الکتاب وھذا اولی بالصواب وتمامہ فی حاشیۃ نوح (رد المحتار ص۲۰۳ ج ۲)

وقال فی حاشیتہ علی البحر تحت (قولہ وھو المبالغۃ فی القطع) وقیل کرہ ابقاء السبال لما فیہ من التشبہ بالاعاجم بل بالمجوس واھل الکتاب وھذا اولی بالصواب لما رواہ ابن حبان فی صحیحہ من حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما قال ذکر لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المجوس فقال انھم یوفرون سبالھم ویحلقون لحاھم فخالفوھم فکان ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما یجز کما تجز الشاۃ والبعیر (منحۃ الخالق بہامش البحر الرائق ص۱۱ ج ۳)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱۵ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۰ھ

زائد بالوں کی صفائی کی حد:

سوال: قطع شوارب، تقلیم اظفار، نتف ابط وحلق عانہ کی حد کیا ہے؟ کتنے دنوں کے بعد صفائی واجب ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

باتفاق امام وصاحبین رحمہم اللہ تعالی شوارب کا حلق یا قص کا حلق سنت ہے، شوارب واظفار

بڑھانے کے بارے میں ظاہر حدیث سے چالیس روز تک رخصت معلوم ہوتی ہے، یہ تحدید کتب فقہ میں بھی مذکور ہے۔

مگر حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی نے علت حکم کے پیش نظر ضابطۂ نظافت تحریر فرمایا ہے، جس کے تحت اختلاف اشخاص واحوال سے حکم وجوب بھی مختلف ہوگا۔

ضابطۂ مذکورہ سے ثابت ہوا کہ ذکر اربعین کا یہ مطلب نہیں کہ دواعی موجبہ کے باوجود رخصت ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعذار مرخصہ کے باوجود مدت مذکورہ کے بعد کوئی رخصت نہیں۔

قص شوارب کا حکم دیگر امور ثلاثہ کی بنسبت وجوہ ذیل کی بناء پر زیادہ مؤکد ہے:

① اکل وشرب میں نظافت نہ ہونے سے امراض میں ابتلاء کا خطرہ۔

② ناک کی رطوبت سے تلوث موجب تأذی ومورث امراض ہے۔

③ خارجی گرد وغبار کے اجتماع سے ناک اور منہ کے قریب تعفن جو موجب تأذی ومورث امراض ہے۔

④ تشویہ الوجہ۔

⑤ ایذاء الزوجۃ وتنفرھا۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما (مرفوعا) قصوا شواربکم فان بنی اسرائیل لم یفعلوا ذلک فزنت نساؤھم، رواہ الدیلمی۔ ونقل عنہ الامام عبد الرؤف المناوی فی کنوز الحقائق والشیخ علی المتقی فی کنز العمال۔

ان دواعی مذکورہ کے تحت بالائی لب کا کنارہ کھلا رکھنے کا وجوب معلوم ہوتا ہے، البتہ کسی عذر کی وجہ سے اربعین تک رخصت ہے، مگر اس مدت میں نظافت کا اہتمام رکھنا لازم ہے۔

کتب فقہ میں بالائی لب کا کنارہ کھلا رکھنے کی سنیت تحریر ہے، اس کے ساتھ قول وجوب کی وجوہ تطبیق دو ہیں:

① سنت لعینہ واجب لغیرہ۔

② اداء واجب کی دو صورتیں ہیں، حلق وقص، حلق کی سنیت میں بعض نے اختلاف کیا ہے اور اداء واجب بطریق قص کی سنیت متفق علیہا ہے۔

سنیت حلق سے انکار امام وصاحبین رحمہم اللہ تعالی کے مذہب منصوص کے خلاف ہونے کی وجہ سے بالکل غیر معتبر ہے، صحیح یہی ہے کہ حلق بھی سنت ہے بلکہ سنت کا اعلی درجہ ہے۔

نیل المآرب ــــــــــــــ ۴

نص علیہ الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالی ۔

قص شوارب کے بعد دواعی موجبہ کا وجود تقلیم اظفار میں ہے، اس کے بعد بقیہ دو میں۔ معتدل حالات میں دواعی مذکورہ کے تحت امور اربعہ میں مناسب وقفہ حسب ذیل ہے:

قص شوارب ہفتہ میں دوبار، تقلیم اظفار ہفتہ میں ایک بار اور بقیہ دو ہفتہ میں ایک بار بہتر ورنہ دو ہفتہ بعد۔

قال العلامۃ النووی رحمہ اللہ تعالی: واما وقت حلقہ فالمختار انہ یضبط بالحاجۃ وطولہ فاذا طال حلق وکذلک فی قص الشارب ونتف الابط وتقلیم الاظفار واما حدیث انس المذکور فی الکتاب وقت لنا فی قص الشارب وتقلیم الاظفار ونتف الابط وحلق العانۃ ان لا نترک اکثر من اربعین لیلۃ فمعناہ لا نترک ترکا نتجاوز بہ اربعین لا انہم وقت لہم الترک اربعین واللہ اعلم۔ (شرح النووی علی صحیح مسلم ص ۱۲۸ ج ۱)

وقال الحافظ العسقلانی رحمہ اللہ تعالی: المعنی فی مشروعیۃ ذلک مخالفۃ المجوس والامن من التشویش علی الاکل وبقاء زھومۃ الماکول فیہ (وبعد اسطر) وقد ابدی ابن العربی لتخفیف شعر الشارب معنی لطیفا فقال ان الماء النازل من الانف یتلبد بہ الشعر لما فیہ من اللزوجۃ ویعسر تنقیتہ عند غسلہ وھو بازاء حاسۃ شریفۃ وھی الشم فشرع تخفیفہ لیتم الجمال والمنفعۃ بہ (فتح الباری ص ۲۹۴ ج ۱۰)

وقال ایضا: قال ابن دقیق العید لا اعلم احدا قال بوجوب قص الشارب من حیث ھو ھو واحترز بذلک عن وجوبہ بعارض حیث یتعین کما تقدمت الاشارۃ الیہ من کلام ابن العربی۔ (فتح الباری ص ۲۹۵ ج ۱۰)

ترک قص میں مفاسد مذکورہ کے علاوہ تشویہ الوجہ، کراہۃ المنظر، ایذاء زوجہ، اس کی تنفیر اور اس سے پیدا ہونے والی بدکاریوں کی قباحت و عذاب مزید ہے، کما قدمنا من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی نساء بنی اسرائیل۔

وقال العلامۃ العثمانی رحمہ اللہ تعالی: قال القرطبی رحمہ اللہ تعالی فی المفہم ذکر الاربعین تحدید لاکثر المدۃ ولا یمنع تفقد ذلک من الجمعۃ الی الجمعۃ والضابطۃ فی ذلک الاحتیاج اھ وقال النووی رحمہ اللہ تعالی فی شرح المھذب ینبغی ان یختلف ذلک باختلاف الاحوال والاشخاص والضابطۃ الحاجۃ فی جمیع الخصال المذکورۃ (فتح الملہم ص ۴۲۲ ج ۱)

وقال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالی: والمعنی ان لا نترك تركا یتجاوز اربعین لا انہ وقت لهم الترك اربعین لان المختار ان یضبط الحلق والتقلیم والقص بالطول فاذا طال حلق وقص وقلم ذکرہ النووی (مرقاۃ صـ۲۵۲ ج ۸) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۲ جمادی الاولی سنہ ۱۴۰۱ھ

حکم حلق الشارب:

سوال: استرے یا بلیڈ سے مونچھیں مونڈنا جائز ہے یا مکروہ؟

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالی نے ترجمۃ الباب "باب حلق الشارب" قائم فرمایا ہے، پھر بحث میں بھی احفاء بمقابلہ قص لائے ہیں، نیز وجہ النظر میں بھی افضلیت حلق محرم پر قیاس فرمایا ہے۔ ونصہ:

قصہ حسن واحفاؤہ احسن وافضل وھذا مذھب ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رحمہم اللہ تعالی۔

وقال فی اٰخر البحث: ان قص الشارب من الفطرۃ وھو مما لا بد منہ وان ما بعد ذلك من الاحفاء ھو افضل وفیہ من اصابۃ الخیر ما لیس فی القص (شرح معانی الآثار صـ۲۷۹ ج ۲)۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالی بالاتفاق اعلم بمذھب ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالی ہیں، آپ کی تحریر کے مطابق باتفاق ائمتنا الثلاثہ رحمہم اللہ تعالی حلق شوارب مسنون ہے، ترجمۃ الباب "حلق الشارب" کے تحت احادیث احفاء لانے سے مقصد یہ ہے کہ ان احادیث میں احفاء بمعنی حلق ہے، چنانچہ فتح الباری کی ایک روایت میں صراحۃً لفظ حلق مذکور ہے، وسیجیء نصہ۔

حافظ عینی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب میں حلق سے احفاء یعنی استیصال کا لحلق مراد ہے، جس کو بغرض اظہار مبالغہ حلق سے تعبیر کیا ہے۔

ولا یخفی ان ھذا التحمل تمحل وتاویل القول بما لا یرضی بہ قائلہ وتفرد بہ الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالی، ثم نقل ھو نفسہ فی البنایۃ سنیۃ الحلق عن المختار والمحیط وسیجیء نصہ۔

یہ تاویل بوجوہ ذیل ناقابل قبول ہے۔

صنیع مصنفین میں اصل مقصود ترجمۃ الباب ہوتا ہے، اس کے اثبات کے لئے اس کے تحت احادیث لائی جاتی ہیں، ترجمۃ الباب میں مصنف اپنا دعوی پیش کرتا ہے پھر اس کے تحت مندرجہ

احادیث سے اپنے اس دعوی کو ثابت کرتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالی احادیث احفاء سے سنیت حلق ثابت کر رہے ہیں۔ اس کے برعکس حلق سے احفاء مراد لینا اصول تصنیف کے خلاف ہے اور قلب موضوع۔

حلق کا استیصال کالحلق سے ابلغ فی المعنی والیسر فی العمل ہونا ظاہر ہے، اس لئے حلق پر احفاء بمعنی الاستیصال بالقص کالحلق کو ترجیح دینا خلاف معقول ہے۔

قال الحافظ العسقلانی رحمہ اللہ تعالی: وورد الخبر بلفظ الحلق وھی روایۃ النسائی عن محمد بن عبداللہ بن یزید عن سفیان بن عیینۃ بسند ھذا الباب ورواہ جمہور اصحاب ابن عیینۃ بلفظ القص وکذا سائر الروایات عن شیخ الزھری ووقع عند النسائی من طریق سعید المقبری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ بلفظ تقصیر الشارب نعم وقع الامر بما یشعر بأن روایۃ الحلق محفوظ لحدیث العلاء بن عبدالرحمن عن ابیہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ عند مسلم بلفظ جزوا الشوارب وحدیث ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما المذکور فی الباب الذی یلیہ بلفظ احفوا الشوارب وفی الباب الذی بلفظ انھکوا الشوارب فکل ھذہ الالفاظ تدل علی ان المطلوب المبالغۃ فی الازالۃ لان الجز وھو بالجیم والزای الثقیلۃ قص الشعر والصوف الی ان یبلغ الجلد والاحفاء بالمھملۃ والفاء الاستقصاء ومنہ احفوہ بالمسألۃ قال ابو عبید الھروی معناہ الزقوا الجز بالبشرۃ وقال الخطابی ھو بمعنی الاستقصاء والنھک بالنون والکاف المبالغۃ فی الازالۃ ومنہ ماتقدم فی الکلام علی الختان قولہ صلی اللہ علیہ وسلم للخافضۃ "اشمی ولا تنھکی" ای لا تبالغی فی ختان المرأۃ وجری علی ذلک اھل اللغۃ وقال ابن بطال: النھک التأثیر فی الشیء وھو غیر الاستئصال (فتح الباری ص۲۸۵ ج۱۰)

وقال: قال الطحاوی رحمہ اللہ تعالی: الحلق ھو مذھب ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رحمھم اللہ تعالی اھ (فتح الباری ص۲۸۶ ج۱۰)

وقال: وقد رجح الطحاوی الحلق علی القص بتفضیلہ صلی اللہ علیہ وسلم الحلق علی التقصیر فی النسک (حوالہ بالا)

وقال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالی: قولہ یحفی من الاحفاء بالحاء المھملۃ والفاء یقال احفی شعرہ اذا استأصلہ حتی یصیر کالحلق وتکون احفاء الشارب افضل من قصہ عبر الطحاوی بقولہ باب حلق الشارب (عمدۃ القاری ص۴۳ ج۲۲)

نیل المآرب ـــــــــــــ ۷

وقال: وقال الکاکی وذکر الطحاوی رحمہ اللہ تعالی فی شرح الآثار ان حلقہ سنۃ ونسب ذلک الی العلماء الثلاثۃ انتہی۔ قلت لم یذکر الطحاوی کذلک وانما قال بعد روایاتہ الاحادیث المذکورۃ والتوفیق بینہما ان الاحفاء افضل من القص نعم قال باب حلق الشارب وانما اراد بذلک الاحفاء حتی یصیر کالحلق وفی المختار حلقہ سنۃ وقصہ حسن وفی المحیط الحلق احسن من القص وھو قول ابی حنیفہ وصاحبیہ رحمہم اللہ تعالی (بنایۃ ص۲۵۵ ج ۴)

وقال عبداللہ بن محمود رحمہ اللہ تعالی فی متنہ المختار: والسنۃ تقلیم الاظفار ونتف الابط وحلق العانۃ والشارب وقصہ احسن۔

نقل فی شرحہ عن الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالی: والحلق سنۃ وھو احسن من القص وھو قول اصحابنا رحمہم اللہ تعالی، قال علیہ الصلوۃ والسلام: احفوا الشوارب اعفوا اللحی، والاحفاء الاستئصال (الاختیار لتعلیل المختار ص۱۶۷ ج ۴)

متن میں قصہ احسن کتابت کی غلطی ہے، صحیح لفظ ”حسن“ ہے، اس پر دو دلائل ہیں:

عینی رحمہ اللہ تعالی کی مختار سے منقولہ عبارت مذکورہ میں وقصہ حسن ہے۔

مصنف نے شرح میں خود امام طحاوی رحمہ اللہ تعالی سے حلق کا احسن ہونا نقل کیا ہے۔

عینی رحمہ اللہ تعالی نے حلق کے احسن من القص ہونے کے بارے میں مختار اور محیط کا حوالہ دیا ہے، عبارت مختار کی تحقیق اوپر گذر چکی۔ محیط سے بظاہر محیط سرخسی مراد ہے، اس لئے کہ حاشیۂ طحطاوی علی الدر میں اس کی تصریح ہے، وسیجیء نصہ۔ ممکن ہے کہ محیط برہانی میں بھی اسی طرح ہو، عنقریب اس کی طباعت متوقع ہے۔ فلیراجع بعد۔

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وکرہ ترکہ وراء الاربعین مجتبی وفیہ حلق الشارب بدعۃ وقیل سنۃ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ وقیل سنۃ) ومشی علیہ فی الملتقی وعبارۃ المجتبی بعد ما رمز للطحاوی حلقہ سنۃ ونسبہ الی ابی حنیفۃ وصاحبیہ رحمہم اللہ تعالی والقص منہ حتی یوازی الحرف الاعلی من الشفۃ العلیا سنۃ بالاجماع (رد المحتار ص۲۶۱ ج ۵)

وقال العلامۃ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالی: (قولہ حلق الشارب بدعۃ) وقع فی بعض التعبیر بالقص وفی بعضہا التعبیر بالحلق ففی الھندیۃ ذکر الطحاوی فی شرح الآثار ان قص الشارب حسن وتفسیرہ ان یؤخذ منہ حتی ینقص من الاطار وھو الطرف الاعلی من الشفۃ

العلیا قال والحلق سنۃ وھو احسن من القص ھذا قولہ وصاحبیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کذا فی المحیط السرخسی اھ وعبارۃ المجتبی وحلق الشارب بدعۃ والسنۃ فی القص صح حلقہ سنۃ نسبہ الی ابی حنیفۃ وصاحبیہ رحمہم اللہ تعالیٰ والقص سنۃ حتی یوازی الحرف الاعلی من الشفۃ العلیا سنۃ بالاجماع (طحطاوی علی الدر ص۲۲۳ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۸ جمادی الاولی سنہ ۱۴۰۱ھ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(متفق علیہ)

کتاب احیاء الموات

قدرتی قناۃ کا حریم نہیں:

سوال: درولایت ماوادیہائے ہستند کہ آب دارند وبعضی ازآنہا چشمۂ معین دارد وبعضی ندارد درزیرآن آب آبادی میکنند وہمین آب را بذریعہ قناۃ بردہ آب می دہند، بعد مدتے چند نفر بالاتر از آبادی اول آباد می کنند وآب را می گیرند واین آب جاری ست، گاہ درمواقع قحط خشک می شود وشخصی اول مانع می گردد، خلاصہ این کہ درین صورت صاحب آبادی اول می تواند آن را منع کردن یانہ؟ واین آب حریم وارد یاحکم آب اودیہ عظام دارد؟ وآبادی قدیم وجدید فرق دارند یانہ درین مورد منع؟ اگرہست دروقت ضرورت است یاہروقت؟ وآب اگربالا گرفتہ شود آب زیر خشک می ماند، چہ حکم است؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

این چنین وادی را حریمی نیست، لہٰذا شخص اول را حق منع نمی رسد۔
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۷ ربیع الاول سنہ ۹۱ھ

کنویں کا حریم:

سوال: مشین والے کنویں کا حریم کتنا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ارض مباحہ میں اراضی کی صلابت ورخاوت کے لحاظ سے حریم کی مقدار مختلف ہوگی، اہل تجربہ اتنا حریم مقرر کریں گے کہ کنویں کا پانی دوسری طرف نہ جانے پائے، ارض متوسط میں چاروں طرف چالیس ہاتھ ہے۔

ارض مملوکہ میں حریم کی کوئی مقدار متعین نہیں، مالک جہاں چاہے کنواں کھود سکتا ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وحریم بئر الناضح وھی التی ینزح الماء منھا بالبعیر کبئر العطن وھی التی ینزح الماء منھا بالید والعطن مناخ الابل حول البئر اربعون ذراعا من کل جانب وقالا ان للناضح فستون وفی الشرنبلالیۃ عن شرح المجمع لو عمق البئر فوق اربعین یزاد علیھا اھ۔

لکن نسبہ القہستانی لمحمد رحمہ اللہ تعالی ثم قال ویفتی بقول الامام رحمہ اللہ تعالی وعزاہ للتتمۃ ثم قال: وقیل التقدیر فی بئر و عین بما ذکر فی اراضیھم لصلابتھا وفی اراضینا رخاوۃ فیزاد لئلا ینتقل الماء الی الثانی وعزاہ للھدایۃ وعزاہ البرجندی للکافی فلیحفظ۔

وعبارۃ القہستانی: وفیہ رمز الی انہ لو حفر فی ملک الغیر لایستحق الحریم فلو حفر فی مدہ فلہ من الحریم ماشاء۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت (قولہ فوق الاربعین) وفی التتارخانیۃ عن الینابیع ولاحاجۃ الی الزیادۃ ومن احتاج الی اکثر من ذلک یزید علیہ وکان الاعتبار للحاجۃ لاللتقدیر ولایکون فی المسألۃ خلاف فی المعنی اھ ونقل العلامۃ قاسم فی تصحیحہ عن مختارات النوازل ان الصحیح اعتبار قدر الحاجۃ فی البئر من کل جانب (رد المحتار ص۲۷۹ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۴ار رمضان سنہ ۹۴ھ

ارض مملوکہ میں حریم کی کوئی مقدار متعین نہیں:

سوال: ایک آدمی نے ارض موات میں کاریز کھودا ہے اور اس کاریز سے کچھ دور دوسرے آدمی نے اپنی مملوکہ زمین میں کنواں کھودا تو کیا ازروئے شرع کاریز والے کو یہ حق ہے کہ کنویں والے کو یہ کہے کہ یہ کنواں بند کرو، اس کے کھودنے سے کاریز کا پانی کم ہوجاتا ہے۔

اس مسئلہ میں یہاں کے علماء کا بہت اختلاف ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر

کنواں کاریز سے دس ذراع دور ہے تو کاریز والے کو کنواں بند کرنے کے مطالبہ کا حق نہیں، بعض علماء بئر بالوعہ پر قیاس کرکے کہتے ہیں کہ قرب و بعد کا اعتبار نہیں ہے بلکہ پانی کھینچنے کو دیکھا جائے گا، اگر پانی نہیں کھینچتا تو کاریز سے ایک ذراع کے فاصلے پر بھی کھودا تو کوئی حرج نہیں اور کنواں کاریز کا پانی کھینچتا ہے تو کنواں جتنا بھی دور ہو، بند کرنا لازم ہوگا۔ قول اول صاحب شرح وقایہ نے لیا ہے مگر البحر الرائق میں اس پر رد کیا ہے، قول ثانی قاضی خان اور شامی وغیرہ نے لیا ہے۔ اب اگر قرب و بعد کو نہ دیکھا جائے بلکہ پانی کھینچنے کو دیکھا جائے تو کنویں کا کاریز سے پانی کھینچنے کا علم کس طرح ہوگا، براہ کرم پانی کھینچنے کا طریقہ کتابوں کے حوالہ سے تحریر فرماکر ممنون فرمائیں۔

اور اگر بعینہ یہی صورت ایک کاریز اور ایک کنویں کی بجائے ایک کنویں اور دوسرے کنویں کے درمیان پیدا ہوجائے تو کیا حکم ہے؟ کیا پانی کھینچنے میں ارض موات و مملوکہ میں کوئی فرق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

حریم وغیرہ کے مسائل ارض موات کے بارے میں ہیں، اپنی مملوکہ زمین میں کنواں کھودنا بہرصورت جائز ہے، خواہ اس سے دوسرے کی کاریز یا کنویں کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳۰ ذی القعدۃ ۹۵ھ

چشمہ کا حریم:

سوال: ایک وادی میں دو چشمے ہیں اور دونوں کے درمیان کم از کم دو سو ذراع کا فاصلہ ہے، آیا یہ دو سو ذراع صرف ایک چشمے کے لئے ہوں گے یا دونوں کے لئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر یہ چشمے قدرتی ہیں تو ان کا کوئی حریم نہیں اور اگر لوگوں نے خود کھودے ہیں تو جو چشمہ پہلے نکالا گیا ہو اس کا حریم جوانب اربعہ میں پانچ سو ذراع ہوگا اور دوسرے کا جوانب ثلاثہ میں پانچ سو ذراع، پہلے چشمے کی طرف اس کا حریم نہیں۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: وحريم العين خمس مائة

ذراع من کل جانب کما فی الحدیث (رد المحتار ص۲۷۹ ج ۵)

وقال ایضا: وللحافر الثانی الحریم من الجوانب الثلاثة دون جانب الاولی لسبق ملک الاول فیہ (رد المحتار ص۲۸۰ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۹ جمادی الاولی سنہ ۹۹ھ

پتھر رکھنا مثبت احیاء نہیں:

سوال: بنجر زمین میں حکومت کی طرف سے اذن عام ہے، چنانچہ ایک شخص نے ایک قطعۂ ارض صاف کرکے چاروں طرف بطور علامت پتھر رکھ دیئے، پھر اس یقین پر دو تین سال چھوڑ دیتا ہے کہ یہ ہماری ملک ہے۔ جب چاہوں گا مکان بناؤں گا۔ کیا یہ شخص اس کا مالک بن گیا یا نہیں؟ دوسروں کو تصرف سے منع کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

صرف پتھر رکھنے سے مالک نہیں ہوتا، مکان بنائے یا زراعت کرے تو مالک ہوگا۔ البتہ پتھر رکھنے کی وجہ سے تین سال تک اس کا حق دوسروں سے مقدم ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: ومن حجر الارض ای منع غیرہ منہا بوضع علامة من حجر او غیرہ ثم اہملہا ثلاث سنین دفعت الی غیرہ وقبلہا ہو احق بہا وان لم یملکہا لانہ انما یملکہا بالاحیاء والتعمیر لا بمجرد التحجیر۔ (رد المحتار ص۲۷۸ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۵ ربیع الثانی سنہ ۹۸ھ

چٹائی کی جھونپڑی مثبت ملک نہیں:

سوال: اگر یک شخص منزل نقلی مثلاً حصیر دار مانند چٹائی وغیرہ درست کردہ درجنب منزل دیگر شخص دو وسہ سال قیام کردہ بعداً منتقل شد، در دیگر قریہ رفت، علامات این منزل نقلی کہ حصیر وغیرہ باشند ختم شدہ اند، بعد از چہار یا پنج سال دو مرتبہ آمد، دعوی کرد کہ این زمین مال بندہ است کہ یک وقت درین جا قیام کردہ بودم، آیا این شخص حق ادعا دارد یا کہ نہ؟ مالک زمین می شود ہر وقت کہ دل آن خواہد تصرف می کند و دیگران را از تصرف باز می دارد، بشخص مذکور این حق حاصل است؟

یا کہ خیر؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ثبوت ملک کے لئے بناء یا زراعت کرنا ضروری ہے۔ چٹائی وغیرہ کا گھر بنانے سے ملک ثابت نہیں ہوتی۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۵ ربیع الثانی سنہ ۹۸ھ

مختلف حکام کی طرف سے اذن احیاء کا حکم:

سوال: اگر غیر آباد زمین کو تین اشخاص نے علیحدہ علیحدہ آباد کیا، ایک کو تحصیل دار نے آباد کرنے کی اجازت دی، دوسرے کو نائب تحصیلدار نے اور تیسرے کو پٹواری نے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ ان میں سے کس کی اجازت معتبر ہوگی، کس کو نائب سلطان تصور کرکے اس کی اجازت سے جواز احیاء کا قول کیا جائے، کیونکہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ احیاء موات کے لئے امام یا نائب امام کی اجازت ضروری ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر تینوں نے مل کر ایک ہی قطعۂ ارض کو آباد کیا تو وہ تینوں اس کے مالک ہوں گے بشرطیکہ پٹواری کو قانوناً احیاء موات کی اجازت دینے کا اختیار ہو، اور اگر تینوں نے مختلف اوقات میں آباد کیا ہے، مل کر نہیں کیا تو جس نے پہلے آباد کیا مالک ہوگا اور اگر تینوں نے الگ الگ قطعۂ ارض کو آباد کیا تو ہر ایک اپنے حصے کا مالک ہوگا۔ بشرطیکہ پٹواری کو اس اجازت کا اختیار ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۵ رجب سنہ ۹۸ھ

ارض موات کی تعریف:

سوال: ارض موات کسے کہتے ہیں؟ جامع تعریف تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ارض موات وہ ہے جو شہر سے باہر ہو اور کسی کی ملک نہ ہو اور کسی کا مخصوص حق بھی نہ ہو، مرافق بلد سے نہ ہو۔

قال ملك العلماء الكاساني رحمه الله تعالى: فالارض الموات هي ارض خارج البلد لم تكن ملكا لاحد ولا حقا له خاصا فلا يكون داخل البلد

موات اصلا (بدائع بسط) وهل یشترط ان یکون بعیدا من العمران وشرطه الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فانہ قال وما قرب من العامر فلیس بموات وکذا روی عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ان ارض الموات بقعۃ لو وقف علی ادناها من العامر رجل فنادی باعلی صوتہ لم یسمعہ من العامر وفی ظاهر الروایۃ لیس بشرط حتی ان بحرا من البلدۃ جزر ماؤہ او اجمۃ عظیمۃ لم تکن ملکا لاحد تکون ارض موات فی ظاهر الروایۃ وعلی قیاس روایۃ ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وقول الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ لا تکون والصحیح جواب ظاهر الروایۃ لان الموات اسم لما لا ینتفع بہ فاذا لم یکن ملکا لاحد ولا حقا خاصا لم یکن منتفعا بہ کان بعیدا عن البلدۃ او قریبا منها (بدائع ص۱۹۴ ج ۶)

وقال فی الهندیۃ: فالارض الموات هی ارض خارج البلد لم تکن ملکا لاحد ولا حقا لہ خاصا فلا یکون داخل البلد موات اصلا وکذا ما کان خارج البلدۃ من مرافقها محتطبا لاهلها ومرعی لهم لا یکون مواتا حتی لا یملک الامام اقطاعها وکذلک ارض الملح والقار ونحوهما مما لا یستغنی عنها المسلمون ارض موات حتی لا یجوز للامام ان یقطعها لاحد (عالمگیریۃ ص۳۸۵ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ رشوال ۹۸ھ

مباح الاصل زمین میں تعمیر کرنا:

سوال: ہمارے گھروں کے آگے پیچھے کافی زمین خالی ہوتی ہے، جس کے گھر کے آگے پیچھے ہوتی ہے وہی اس میں تعمیر وغیرہ کرتا ہے، عرف بھی یہی ہے کہ اس میں اسی کا حق ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس زمین میں سب قریہ والوں کا حق ہے یا اسی شخص کا جس کے گھر کے اردگرد وہ زمین ہے؟

آپ نے فتوی دیا ہے کہ حکومت کی اجازت سے تعمیر کی جا سکتی ہے۔ گزارش یہ ہے کہ یہ حکم تو ارض موات کا ہے اور ارض موات غالباً وہ ہوتی ہے جو شہر سے باہر ہو جبکہ یہ زمین تو وسط قریہ میں مکانوں کے اردگرد ہے، یا قریہ کے قریب قریب اطراف میں ہے تو یہ زمین ارض موات کے حکم میں کیسے ہوگی؟ براہ کرم مدلل با حوالہ جواب

عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ زمین اگرچہ موات نہیں مگر اس میں تصرف خلاف قانون ہونے کی وجہ سے حکومت کی اجازت پر موقوف ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۴ ربیع الثانی ۹۹ھ

ذمی کا احیاء مثبت ملک ہے:

سوال: اگر ذمی حکومت کی اجازت سے بنجر زمین آباد کردے تو مالک بن جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مالک بن جائے گا۔

قال العلامة التمرتاشی رحمہ اللہ تعالی: اذا احیی مسلم او ذمی ارضا غیر منتفع بہا ولیست بمملوکة لمسلم ولا ذمی (الی قولہ) ملکہا ان اذن لہ الامام فی ذلک وقالا یملکہا بلا اذنہ وھذا لو مسلما فلو ذمیا شرط الاذن اتفاقا (رد المحتار ص۲۷۸ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۶ رمضان ۱۴۰۰ھ

سرکاری بنجر زمین کا اجارہ مثبت ملک نہیں:

سوال: ایک مسلمان یا ذمی کو حکومت پاکستان نے ۱۹۶۸ء میں ایک بنجر قطعہ ارض اس شرط پر دیا کہ وہ پانی وغیرہ کا انتظام خود کرکے اسے آباد کرے گا، دس سال تک اراضی کو کاشت کرتا رہے گا اور اس مدت میں مقرر لگان بھی حکومت کو ادا کرتا رہے گا، دس سال کے بعد حکومت کو واپس کردے گا۔ شخص مذکور نے زر کثیر خرچ کرکے ٹیوب ویل لگائے اور زمین کو آباد کیا۔ کیا یہ شخص ارض موات کو آباد کرنے کی وجہ سے اس کا مالک قرار پائے گا یا نہیں؟ نیز دس سال کے بعد اراضی واپس کرنے کی شرط شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ کیا شرعاً حکومت کو یہ حق ہے کہ اس سے آباد شدہ اراضی یا اس کا کچھ حصہ واپس لے۔

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ اجارہ کی صورت ہے لہٰذا آباد کنندہ زمین کا مالک نہ ہوگا، مگر غیر آباد زمین کو آباد کرنے کی شرط سے ٹھیکہ پر دینا اجارہ فاسدہ ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ حکومت صرف کاشت کردہ زمین کے اجر مثل اور اجر مقرر میں سے اقل لے سکتی ہے۔

قال الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: تفسد الاجارۃ بالشروط المخالفۃ لمقتضی العقد (الی قولہ) وکشرط طعام عبد وعلف دابۃ ومرمۃ الدار الخ (رد المحتار ص۳۲ ج ۵)

وقال: او ارضا بشرط ان یثنیھا ای یحرثھا او یکری انھارھا العظام او یسرقنھا لبقاء اثر ھذہ الافعال لرب الارض فلو لم تبق لم تفسد۔

ونقل ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی عن المنح تحت (قولہ بشرط ان یثنیھا) فان کان اثرہ یبقی بعد انتھاء العقد یفسد لان فیہ منفعۃ لرب الارض والا فلا اھ (رد المحتار ص۳۴ ج ۵)

وقال الحصکفی: واعلم ان الاجر لا یلزم بالعقد فلا یجب تسلیمہ بہ (الی قولہ) او الاستیفاء للمنفعۃ او تمکنہ منہ (الی قولہ) فیجب الاجر لدار قبضت ولم تسکن لوجود تمکنہ من الانتفاع وھذا اذا کانت الاجارۃ صحیحۃ اما فی الفاسدۃ فلا یجب الاجر الا بحقیقۃ الانتفاع الخ (رد المحتار ص۷ ج ۵)

وقال ایضا: وتفسد بجھالۃ المسمی کلہ او بعضہ کتسمیۃ ثوب او دابۃ او مائۃ درھم علی ان یرمھا المستاجر لصیرورۃ المرمۃ من الاجرۃ فیصیر الاجر مجھولا وتفسد بعدم التسمیۃ (الی قولہ) فان فسدت بالاخیرین بجھالۃ المسمی وعدم التسمیۃ وجب اجر المثل (الی قولہ) لا بالتمکین بل باستیفاء المنفعۃ حقیقۃ کما مر بالغا ما بلغ لعدم ما یرجع الیہ (الی ان قال) والا تفسد بھما بل بالشروط او الشیوع مع العلم بالمسمی لم یزد اجر المثل علی المسمی لرضاھما بہ وینقص عنہ لفساد التسمیۃ الخ (رد المحتار ص۳۳ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۶ رمضان سنہ ۱۴۰۰ھ

فصل فی الشرب

چشمہ میں سب لوگ شریک ہیں:

سوال: ایک قدرتی چشمہ ہے جس سے تمام لوگ استفادہ کرتے ہیں۔ اب گاؤں کے ایک شخص نے چشمہ کے پاس ٹنکی بنائی ہے جس میں اس چشمہ کا پانی جمع ہوتا ہے، وہ اس سے صرف اپنی زمین سیراب کرتا ہے، دوسرے تمام لوگ محروم رہتے ہیں، اس کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

یہ قدرتی چشمہ باپ دادا سے مشترک چلا آرہا ہے اس میں کسی کا کوئی خاص حق نہیں سمجھا جاتا۔ سب لوگ بلاتخصیص استفادہ کرتے چلے آئے ہیں، اب اس شخص نے دوسروں کی رضا کے بغیر اس چشمہ کے پورے پانی پر قبضہ کرلیا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

قدرتی چشمہ میں سب لوگوں کا حق ہے، اپنے فائدہ کے لیے ٹنکی بنا کر دوسروں کو محروم کرنا جائز نہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: المسلمون شرکاء فی ثلاث فی الماء والکلأ والنار۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ فی کل ماء لم یحرز) اعلم ان المیاہ اربعۃ انواع الاول ماء البحار ولکل احد فیہا حق الشفۃ و سقی الاراضی فلا یمنع من الانتفاع علی ای وجہ شاء والثانی ماء الاودیۃ العظام کسیحون وللناس فیہ حق الشفۃ مطلقا وحق سقی الاراضی ان لم یضر بالعامۃ (ردالمحتار ص ۲۸۱ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۱ صفر سنہ ۹۶ھ

پائپ لائن میں پانی آنے سے ملک ثابت ہوجاتی ہے:

سوال: ایک شخص نے قدرتی چشمہ سے پائپ لائن کھینچ کر پانی حاصل کیا، اسی سے مسجد کو بھی پانی دیتا رہا، پھر کچھ نمازیوں سے اختلاف ہوگیا تو اس نے مسجد کا پانی بند

کر دیا اور کہا کہ یہ فسادی لوگ میرے بعد میرے بچوں کو تنگ کریں گے کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کی پائپ لائن میں پانی آنے سے وہ شخص اس کا مالک ہو گیا، لہذا اسے پانی بند کرنے کا اختیار ہے مگر مسجد سے پانی روکنا مروت کے خلاف ہے۔ البتہ براہ راست چشمہ سے پانی لینے کا ہر شخص کو حق ہے، اس سے روکنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۷ ربیع الاول ۹۶ھ

چراگاہ میں سب کا حق ہے:

متفرقات الحظر والاباحۃ میں گزر چکا ہے۔

بیع الشرب:

سوال: بوقت ضرورت شدیدہ بیع الشرب جائز ہے یا نہیں؟ نیز شرب کو اجارہ پر دینا، ہبہ کرنا، عاریت پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ان سب معاملات میں ظاہر الروایۃ عدم جواز کی ہے، بعض مشایخ جواز کے قائل ہیں، بوقت ضرورت شدیدہ ان کا قول اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وکذا بیع الشرب وظاہر الروایۃ فسادہ الا تبعا خانیۃ وشرح وھبانیۃ وسنحققہ فی احیاء الموات۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ وکذا بیع الشرب) ای فانہ یجوز تبعا للارض بالاجماع ووحدہ فی روایۃ وھو اختیار مشایخ بلخ لانہ نصیب من الماء درر ومحل الاتفاق ما اذا کان شرب تلک الارض فلو شرب غیرھا ففیہ اختلاف المشایخ کما فی الفتح والنھر۔

(قولہ وسنحققہ فی احیاء الموات) حیث قال ھو المصنف ھناک ولا یباع الشرب ولا یوھب ولا یؤجر ولا یتصدق بہ لانہ لیس بمال متقوم فی ظاھر الروایۃ وعلیہ الفتوی ثم نقل عن شرح الوھبانیۃ ان بعضھم

جون بیعہ ثم قال وینفذ الحکم بصحۃ بیعہ اھ ط (رد المحتار ص۲۲ ج ۴)
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

حصۂ شرب دوسری زمین کی طرف منتقل کرنا:

سوال: چہ میفرمایند علماء دین مبین درمسئلہ ذیل قناتی کہ بین دہ الی پانزدہ نفر است کہ سہمیہ ہرکس مشخص است حتی کہ برسر ساعات تقسیم است وازازل تا آخر کہ کارکردہ شدہ است ہرکس کہ صاحب نصف ساعۃ بودہ است پولی نصف ساعۃ دادہ است وکسی کہ صاحب دو ساعۃ بودہ است پول دو ساعۃ دادہ است، حالا کسیکہ صاحب دو ساعۃ است زمین کم دارد وآب زیادہ واین شخص زمین دیگر دارد کہ آبش ازین قناۃ نیست وآن زمین ہم از دیگر جا آب ندارد، آیا این شخص میتواند کہ آب زیادہ را برہمین زمین صرف کند یانہ؟ وآن شرکاء مانع اند کہ آب زائد را نمی گزاریم کہ شما بآن زمین ببرید، پس آیا این حق منع دارند یانہ؟ درفتاوی قاضیخان درباب شرب بہامش عالمگیریہ ص۲۷ ج ۱ می نویسد:

ولوکان لہ سدس الماء من نہر بین قوم او عشر الماء اواقل اواکثر فاخذ نصیبہ من ذلک النہر کان لہ ان یسوق نصیبہ الی حیث شاء من الارضین لان ذلک لیس بشرب لاحد معین انتہی۔

ودر ہدایہ ج ۴ کتاب الشرب ودر دیگر کتب نوشتہ است:

ولیس لاحد من الشرکاء فی النہر ان یسوق شربہ الی ارض لہ اخری لیس لہا شرب فی ذلک لانہ اذا تقادم العہد یستدل بہ علی انہ حقہ انتہی۔

ودر فکر احقر بظاہر از عبارت قاضیخان فہمیدہ می شود کہ شرکاء حق منع ندارند واز عبارت دیگر کتب معلوم می شود کہ حق منع دارند، پس آیا توضیح این چہ گونہ است؟ وآیا محمل این عبارات یکی است یا فرق می کنند، عبارت ہدایہ دیگر محمل دارد وعبارت قاضیخان دیگر محمل؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہاں جواز و عدم جواز کا مدار شرکاء کا حالی یا مآلی ضرر ہے، جس پر وہ راضی نہ ہوں۔ اگر تقسیم آب میں زمین کو کسی درجہ میں بھی ملحوظ رکھا گیا ہو جبکہ عرف عام بھی یہی ہے تو خارجی زمین کو پانی لے جانا جائز نہیں ولو کان الماء مقسما بالایام، کیونکہ اگر خارجی زمین نہر سے بہت نشیب میں ہو تو زیادہ پانی کھینچنے کی وجہ سے شرکاء کا ضرر متیقن ہے۔

علاوہ ازیں تقادم عہد کی صورت میں دعوائے شرکت کا احتمال بھی ہے کما فی الھدایۃ۔ اگر یہی صورت حال کسی داخلی زمین کی ہو تو اذن شرکاء کی وجہ سے کوئی اشکال نہیں، اور غیر شریک کے دعوائے شرکت کا بھی کوئی احتمال نہیں۔

اور اگر تقسیم کے وقت زمین کو قطعاً نظر انداز کر دیا گیا ہو تو ہر شریک اپنے حصۂ متعینہ کو جہاں چاہے صرف کر سکتا ہے، جزئیہ خانیہ کا یہی محمل ہے، فانھم رضوا بالضرر المذکور۔

پاکستان کے سرکاری و غیر سرکاری عرف میں شق ثانی کا کوئی وجود نہیں، بہرحال تہری پانی میں زمینوں کو ملحوظ بلکہ مخصوص کیا جاتا ہے، البتہ غیر سرکاری عرف میں کوئی شریک اپنا حصہ احیانا خارجی زمین میں لے جائے اور شرکاء کو ضرر نہ ہو تو اس کا تحمل کر لیا جاتا ہے سرکاری قانون میں یہ بہرحال جرم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۹ر شعبان سنہ ۱۴۱۲ھ
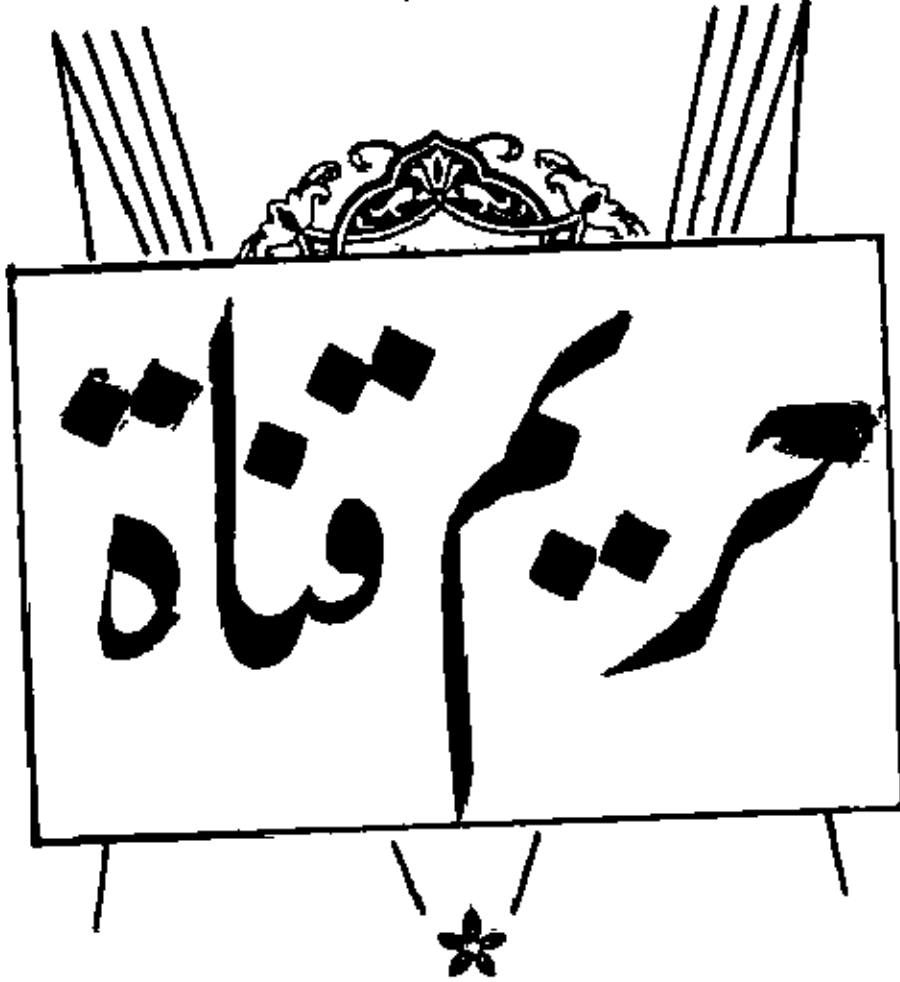
وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب
حریم قناۃ
حریم قناۃ کے مقام و مقدار کی تحقیق
حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی
عبارات مختلفہ میں تطبیق
مکتبہ فاروقی

حریم قناۃ
حریم قناۃ کا مقام
حریم قناۃ کی مقدار
جواب اوّل
جواب ثانی
جواب ثالث
جواب ثالث کی تصویب
التحقیق المزید

حریم قناۃ کی ابتداء

سوال: قناۃ کے حریم کی حد کہاں سے شروع ہوتی ہے ؟ آیا جہاں سے پانی اُبلتا ہے یا جہاں سے پانی چل پڑتا ہے ؟

اس بارہ میں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال مختلفہ میں تطبیق یا ترجیح کی کیا صورت ہے ؟ مفصل جواب عنایت فرماکر ممنون فرمائیں ، شکرًا ۔

اس استفتاء کے بارہ میں دار العلوم کراچی کی طرف تین بار مراجعہ کیا گیا لیکن تشفی نہیں ہوئی ، لہٰذا تینوں جوابات حضور اقدس کی خدمت عالیہ میں پیش ہیں ، ان پر غور فرماکر فیصلہ فرمائیں ، بڑی عنایت ہوگی ۔

جواب اول :

الجواب ومنہ الصدق والصواب

فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریح کے مطابق قناۃ کے تین حصے معلوم ہوتے ہیں ۔

(۱) قناۃ کا وہ بالائی مقام جس میں پانی ہوتا ہے ۔

(۲) قناۃ کا وہ زیرین مقام جس میں سے پانی گزرتا ہے ۔

(۳) قناۃ کا وہ مقام جہاں پانی نکل کر سطح زمین پر آجاتا ہے ۔

پہلے حصے کے بارے میں عالمگیریہ ص ۳۸۸ ج ۵ کی عبارت یہ ہے :

قال محمد فی الکتاب القناۃ بمنزلۃ البئر فلہا من الحریم ما للبئر ۔

یعنی قناۃ بمنزلہ کنویں کے ہے لہٰذا قناۃ کا حریم وہی ہوگا جو کنویں کا ہوتا ہے ، یعنی چالیس شرعی گز ۔

اور دوسرے حصے کے متعلق عالمگیریہ کی عبارت یہ ہے :

اما فی الموضع الذی لا یقع الماء علی الارض القناۃ بمنزلۃ النہر الا انہ یجری تحت الارض ۔

یعنی وہ مقام جہاں پانی زمین کے اندر ہوکر گزرتا ہے وہ بمنزلہ نہر ہے اور اس کا حریم نہر کے حریم کی طرح ہے ۔

اور تیسرے حصے کے متعلق عالمگیریہ کی عبارت یہ ہے :

القناۃ فی الموضع الذی یظہر الماء منہ علی وجہ الارض بمنزلۃ العین الفوارۃ فیکون لہا من الحریم حینئذ مثل ما للعین خمسمائۃ ذراع بالاجماع۔
یعنی قناۃ کا وہ حصہ جہاں سے پانی نکل کر سطح زمین پر آتا ہے وہ چشمہ کے حکم میں ہے اور چشمہ کا حریم پانچسو شرعی گز کی مقدار کا ہوتا ہے۔
ومثلہ فی الخانیۃ علی ہامش الہندیۃ ص ۲۲۰ ج ۳ والبحر ص ۲۳۱ ج ۸۔
مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں قناۃ کے بارے میں فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب مذکور پر مستفتی کے اشکالات :

جواب استفتاء موضوع قناۃ آمد و رسید و لے تاحال در نظر احقر مسئلہ تشنہ بلب و قابل تحقیق و توضیح مزید ست۔ درصورتیکہ جنابعالی حریم قناۃ را از جای بیرون آمدن آب از کاریز اثبات کردہ اید و از منبع و بنگاہش قرار ندادہ اید چند اشکال وارد می گردد کہ حل آنہا بر ذمۂ شما لازم ست۔
اوّل اینکہ مسئلۂ قناۃ باتفاق ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ منصوص شرعی نیست قیاسی ست۔
کما قال فی البنایۃ شرح الہدایۃ وقال فی الشامل القناۃ لہا حریم مفوض الی رأی الامام لانہ لانص فی الشرع (ص ۳۰۳ ج ۴)
پس وقتیکہ این مسئلہ قیاسی شد از دو حال خالی نمی گردد یا برچاہ قیاس کردہ شود یا برچشمہ کہ منصوص ند۔
اگر برچاہ قیاس کردہ شود علت مشترکہ کہ شرط قیاس ست بین این دو مسئلہ دیدہ نمی شود، چراکہ چاہ یکجا حفر عمیق کردہ می شود و آبش ایستادہ است و قطرہ قطرہ می آید مثل فوارہ حرکت نمی کند و روان نمی شود و جوی ندارد، بخلاف قناۃ کہ اگر زیر بریدہ شود یا سر دریدہ شود در ہر دو حال آب جاری دارد مثل فوارہ از منبع حرکت میکند نہ از جای بیرون رفتن بہ مزارع، و جوی وغیرہ تشریفات دارد،
البتہ اگر آنرا بچشمہ قیاس کنیم چنانچہ مشایخ کردہ اند علت مشترکہ دیدہ می شود ولی درینصورت مقتضای قیاس مشایخ باید این بشود کہ حریم قناۃ از منبع و بنگاہ قرار گیرد نہ از جای بیرون رفتن بہ مزارع، چراکہ باتفاق ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ حریم چشمہ از بنگاہ است

نہ از حوض و انتہای جوی آں و اگر چنیں کردہ نشود قیاسی مع الفارق میگردد کما فی الصورۃ الاولیٰ۔

دوم اگر ما قناۃ را بسہ حصہ تقسیم کنیم در حصۂ اوّل ایں اشکال می آید کہ آب چاہ بستہ وایستادہ ومثل فوارہ نیست بخلاف آب قناۃ۔

ودر حصۂ سوم ایں اشکال می آید کہ آنجا آب درحقیقت از زیر زمیں بیروں نمی آید بلکہ از زیر سرپوش قناۃ بیروں می آید ومثل فوارہ ہم درانیجا موصوف نمی گردد، بخلاف آب چشمہ کہ از زمیں حقیقۃً بیروں می آید ومثل فوارہ ہست، علت اینوقت ہم مفقود میگردد۔

سوم حریم باید یک حد معین باشد اگر حریم قناۃ جای بیروں آمدن آب از سرپوش قرار گیرد معین نمی گردد، چراکہ وقت کم شدن آب چوں قناۃ زیادہ حفر کردہ می شود کار یز آں سرپوش کردہ پائیں تر میرود بیک قرار نمی ماند پس باید در ہر سال جائی دیگر حریم دادہ شود۔

چہارم قناۃ چوں کندیدہ می شود مبادی از دہنش کہ جای بیروں آمدن آب ست بہ مزارع شروع می شود وغایتش رفتہ بہ منبع میرسد وتمام میگردد وبین ایں مسیر بسی چاہہا کہ برای کشادن جوی قناۃ میباشند واز کردہ می شوند وقول امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ محمول بہمیں چاہہا ہست کہ بہ منبع نرسیدہ اند کہ ہر یکی از ینہا حکم چاہ دارد وچوں بغایت ومنبع رسید مشایخ رحمہم اللہ تعالیٰ بر قول امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ زاید کردند کہ در آنوقت حکم چشمہ دارد، وظاہر ست کہ در پائیں ومبادی نیست بلکہ در غایت ست ومنبع۔ وامام بزرگ رحمہ اللہ تعالیٰ ہم ہمیں طور فرمودہ است چنانچہ در عبارت قاضیخاں تصریح ست:

واما عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ اذا فعل ذلک باذن الامام یستحق الحریم للموضع الذی یقع الماء فیہ علی وجہ الارض (الی ان قال) والقناۃ الی ان یقع الماء علی وجہ الارض بمنزلۃ النہر الا ان فی القناۃ یجری الماء تحت الارض فاذا وقع الماء علی وجہ الارض یصیر ذلک الموضع بمنزلۃ العین لان فی العین یخرج الماء من الارض ویسیل علی وجہ الارض (ص۲۲۲ برحاشیہ ہندیہ بیروتی)

پنجم الفاظیکہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ دریں مورد استعمال فرمودہ اند این اند۔

یظہر علی وجہ الارض۔

یقع الماء علی وجه الارض ۔
یقع الماء فیہ علی وجہ الارض ۔
یسنح علی وجہ الارض ۔
تسنح علی وجہ الارض ۔

این وجہ الارض در نظر احقر ہماں ارض ست کہ در منبع و بنگاہ آب ست نہ این ارض کہ جای بیروں شدن آب بہ مزارع ست ۔ بہ ایں قرائن ۔

قناۃ مجرای آب را می گویند کہ زیر سرپوش ست وآں مختلف فیہا ست بین امام و محمد یا صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کہ امام آنرا بمنزلۂ نہر قرار دادہ و حریم ندادہ ست مگر مثل نہر؛ و امام محمد یا صاحبین آنرا یعنی دہن چاہہای آنرا بمنزلۂ چاہ قرار دادند، واگرنہ در جائیکہ آب از منبع بیروں می آید نزد امام بمنزلۂ عین ست (کما فی البحر ص۲۲۱ ج۸ وفتح القدیر وھدایۃ ص۱۴۲ ج۸)

ونیز در ہندیۃ ۔ القناۃ فی الموضع الذی یظھر الماء منہ علی وجہ الارض بمنزلۃ العین الفوارۃ ۔

وایں موضع مراد ہماں بنگاہ و منبع ست بظاہر اً نہ غیر ۔
ونیز از دلیل قاضیخاں بالا روشن ست کہ فرمودند :
لان فی العین یخرج الماء من الارض ویسیل علی وجہ الارض ۔

پس معلوم شد کہ حریم قناۃ ہم آنجا ست کہ آب از زیر زمین بر سر زمین می آید نہ آنجا کہ از سرپوش بیروں می رود ۔

ونیز از عبارت کتاب الخراج واضح ست :
قال ابو یوسف رحمہ اللہ واجعل للقناۃ من الحریم مالم یسنح علی وجہ الارض مثل ما اجعل للابار فاذا ظھر الماء وسنح علی وجہ الارض جعلت حریمہ کحریم النھر بنایۃ (ص۳۰۳ ج۴)

یعنی تا وقتیکہ آب قناۃ در منبعش ایستادہ است و جریان نمیکند حکم آنرا مثل حریم چاہ میکنم و چوں آبش بمسیل قناۃ رواں میگردد تا آخرش حکم آنرا مثل جو میگویم ، معلوم شد کہ مسئلہ مختلف فیہا بین امام و صاحبین ہمیں مسیل ست و جوی قناۃ تا آخر ۔

ششم ، خلاصۂ عللی کہ از نصوص در مورد حریم معلوم می شود دو چیز ست یکی دفع مضرت ۔

دوم جلب منفعت۔

علت اولیٰ در مالک و آب مشترک ست، دوم فقط برای مالک محدود ست۔ یعنی از نصوص معلوم ست کہ علت حریم اینست کہ از حافر اول ضرر نقص یا فنای آب دور کردہ شود و از منع تصرف از حریم ہم جلوگیری کردہ شود۔ حالانکہ ظاہر ست کہ اگر حریم از جای بیرون شدن آب از سرپوش قناۃ قرار دادہ شود و پنجصد گز بدور برآں ملک او قرار گیرد فقط با نفع ملک می رسد و دفع ضرر از آب کہ اصل علت ست دور نمی شود، چراکہ اینجا اگر کسی دوریا نزدیک اگر قناتی حفر کند چونکہ منبع آب خیلی دور ست ہیچ اثری ندارد۔

واگر حریم از منبع قرار دادہ شود ضرر از آب قناۃ و صاحب قناۃ ہر دو دور می گردد وانتفاع ملک دریں حدود ہم بمالک می ماند بوسیلۂ آب قناۃ یا شد یا بوسیلۂ دلو یا مکینہ از دہن چاہہا قناۃ می تواند کہ در حدود پنجصد گز ملکاً استفادہ کند، و دفع الضرر اہم از جلب منفعت ست، پس مقتضای ایں علل و قواعد ہم ہمین ست کہ حریم از منبع و نبگاہ باشد نہ از جای بیروں آمدن آب از سرپوش قناۃ۔

خلاصہ: لطفاً ایں اشکالات را بتدبر تام نظر فرمودہ از جواب شافی مستفید فرمایند و از دیگر مفتیہای آنجا نیز دریں مورد مشورہ گیرند۔

جواب ثانی:

الجواب ومنہ الصدق والصواب

منبع اور نبگاہ کے متعلق آپ نے جو یہ کہا ہے کہ
"اس کو کنویں پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے"۔
ٹھیک ہے اس لئے کہ عالمگیریہ کی عبارت:

قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی الکتاب القناۃ بمنزلۃ البیر فلھا من الحریم ما للبیر۔

قناۃ کے اس زیرین حصہ سے متعلق ہے جس میں سے پانی گزرتا ہے منبع کے متعلق نہیں جیساکہ صاحب درمختار نے اس مسئلہ میں امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف بھی نقل کیا ہے، ظاہر ہے کہ امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان اختلاف قناۃ کے اس زیرین مقام کے متعلق ہے جس میں سے پانی گزرتا ہے۔ کما فی الدر المختار

(وللقناة) هی مجری الماء تحت الارض (حریم بقدر ما یصلحه) لالقاء الطین ونحوه وعن محمد رحمه الله تعالی کالبئر۔

وفی الشامیة تحت (قوله وعن محمد رحمه الله تعالی کالبئر) قال الاتقانی قال المشایخ الذی فی الاصل ای من ان القناة کالبئر قولهما وعنده لاحریم له لانها بمنزلة النهر ما لم یظهر ماؤها علی وجه الارض ولاحریم للنهر عنده فان ظهر کالعین الفوارة حریمها خمسمائة ذراع (ص ۳۰۹ ج ۵)

پس دارالعلوم کے سابقہ فتویٰ میں قناۃ کے متعلق جو لکھا گیا ہے کہ اسکا حریم کنویں کے حریم کے برابر ہے اس سے رجوع کیا جاتا ہے، البتہ آپ نے جو یہ کہا ہے کہ

"تیسرے حصے کو (یعنی جہاں سے پانی سطح زمین پر ظاہر ہو جاتا ہے) چشمہ پر قیاس کرنے کی صورت میں علت مشترکہ نہیں پائی جاتی ہے"

یہ صحیح نہیں ہے' اس لئے کہ چشمہ میں دو چیزیں پائی جاتی ہیں۔

(۱) خروج الماء من الارض،

(۲) سیلان الماء علی وجه الارض،

جیسا کہ قاضیخان کی عبارت سے ظاہر ہے:

والقناة الی ان یقع الماء علی وجه الارض بمنزلة النهر الا ان فی القناة یجری الماء تحت الارض فاذا وقع علی وجه الارض یصیر ذلک الموضع بمنزلة العین لان فی العین یخرج الماء من الارض ویسیل علی وجه الارض،

(الخانیة علی الهندیة ص ۲۳۲ ج ۳)

تیسرے حصے کو چشمہ پر قیاس کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس میں زمین ہی کے اندر سے پانی نکل پڑے بذریعہ قناۃ یہاں نہ آیا ہو' اس لئے کہ اس صورت میں وہ تو عین چشمہ ہو گیا پھر تو اس کو چشمہ پر قیاس کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، چشمہ کا حریم باتفاق ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ منبع سے شمار کیا جاتا ہے حوض سے شمار نہیں کیا جاتا' اور یہ توقیفی ہے کما قال فی الهدایة:

وان کانت عینا فحریمها خمس مائة ذراع لما روینا وهو قوله علیه السلام حریم العین خمس مائة ذراع (الی ان قال) والتقدیر بخمسمائة بالتوقیف (ص ۴۸۴)

حریم قناۃ ـــــــــــــ ۸

مگر یہاں بحث چشمہ کی نہیں، بلکہ قناۃ کے تیسرے حصہ سے متعلق ہے اس تیسرے حصہ کو چشمہ پر قیاس کیا گیا ہے، حریم قناۃ تیسرے حصہ سے قرار دینے کی صورت میں اگر حریم ہر سال بدلتا رہے تو اس میں کیا حرج ہے؟ جس طرح چشمہ اگر ایک جگہ سے بند ہو کر دوسری جگہ سے نکل پڑے تو باتفاق ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ دوسری جگہ سے چشمہ کا حریم شمار کیا جاتا ہے۔ وہ الفاظ جن کو فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کے لئے استعمال کرتے ہیں جیسے:

یظھر علی وجہ الارض۔

یقع الماء علی وجہ الارض۔

یقع الماء فیہ علی وجہ الارض۔

یسنح علی وجہ الارض۔

سنح علی وجہ الارض۔

ان سے مراد وہ مقام ہے جہاں جاکر پانی سطح ارض پر ظاہر ہو جاتا ہے یعنی قناۃ کا تیسرا حصہ اور آخری حصہ۔ منبع اور بنگاہ مراد نہیں ہے جیسا کہ کتب فقہ کی عبارتیں اس پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں، کما فی الخانیۃ:

والقناۃ الی ان یقع الماء علی وجہ الارض بمنزلۃ النھر الا ان فی القناۃ یجری الماء تحت الارض فاذا وقع علی وجہ الارض یصیر ذلک الموضع بمنزلۃ العین (الخانیۃ علی الھندیۃ ص ۲۱۹ ج ۳)

قاضیخان کی عبارت میں تیسرے حصے سے پہلے والے حصے پر نہر کا اطلاق کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ "وقع الماء علی وجہ الارض" سے پہلا حصہ (یعنی قناۃ کا وہ بالائی مقام جس کا پانی ہوتا ہے) مراد نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس سے پہلے کوئی نہر نہیں ہوتی۔

صاحب "غایۃ الاوطار" نے در مختار کی عبارت "ولو ظھر الماء فکالعین" کا جو ترجمہ کیا ہے یعنی" کاریز کا پانی اوپر کی زمین پھٹکر ظاہر ہو گیا تو اس کا حکم چشمہ کے مانند ہے یعنی پانچسو گز اس کا حریم ہوگا" (ص ۲۵۸ ج ۴)

اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ "ظھور الماء علی وجہ الارض" سے تیسرا حصہ مراد ہے منبع اور بنگاہ مراد نہیں،

صاحب "عین الہدایہ" نے ہدایہ کی عبارت:

"قالوا وعند ظهور الماء هو بمنزلة عین فوارة" کا جو ترجمہ کیا ہے وہ یہ ہے:
"مشایخ نے فرمایا کہ جب اس کا پانی زمین پر ظاہر ہو تو وہ بمنزلہ جوش مارنے والے چشمہ کے ہے" یعنی پانچسو گز حریم مقرر کیا جائے گا (ص ۳۷۳ ج ۴)

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ظهور الماء علی وجه الارض سے وہ مقام مراد ہے جہاں پر پانی سطح ارض پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

جواب ثانی پر مستفتی کا اشکال:

جواب دوم قناۃ کے موضوع میں موصول ہوا کچھ تشفی حاصل ہوئی تاہم ایک اشکال حل طلب ہے وہ یہ کہ آپ حضرات نے قناۃ کے حریم کو جس جگہ سے کہ پانی سطح زمین پر نکل پڑے کر دیا اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات کو اس پر چسپاں کر دیا۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ قناۃ کو منبع اور بنگاہ سے بھی ایک اور حریم دیتے ہیں یا نہیں؟ اگر دیتے ہیں تو کتنا دیتے ہیں جتنا کنویں کا ہوتا ہے یا جتنا چشمہ کا؟ اور اگر نہیں دیتے ہیں تو آپکی اس عبارت کے کیا معنی ہونگے:

"اس صورت میں وہ تو عین چشمہ ہو گیا تو اس کو چشمہ پر قیاس کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"

اور نصوص جو حریم چشمہ اور کنویں کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں کس وجہ سے اس بنگاہ کوان سے اور انکے مصداق عام سے نکالا جائے گا؟ باوجودیکہ علت استحقاق حریم باتفاق فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ حاجت ہے دو طرق سے:

ایک دفع حاجت صاحب چشمہ اور کنویں سے

دوسری دفع ضرر صاحب حریم کے پانی سے۔

اس دوسری حاجت کو فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اصل علت قرار دیا ہے اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے کیونکہ تمام استفادات صاحب چشمہ یا کنواں پانی کے وجود پر موقوف ہیں، اگر پانی نہ ہو وہ کیسے استفادہ کر سکتا ہے۔

اور یہ بھی بالکل مشاہدہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا اس جگہ کے ارد گرد جہاں پانی سطح زمین پر نکل پڑتا ہے پانچسو سے کمتر بلکہ بیس تیس گز کے اندر اندر اگر دوسرا کنواں یا چشمہ کھودے پہلی قناۃ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، یہ تو بالکل مشاہدہ ہے، میں

خود بھی دو قناتوں کے اندر دارای شرکت و صاحب حال و صاحب البیت ہوں۔
اور صاحب زمین کو بھی کوئی ضرر عائد نہیں ہوگا، کیونکہ پانی جب قناۃ سے سطح زمین پر نکل پڑتا ہے اکثر و اغلب پانچسو گز کے اندر اندر زمین کے نشیب و فراز کی وجہ سے قابل استفادہ نہ رہے گا، بلکہ اکثر و اغلب جو قناتیں ہمارے ملک میں ہیں ایک ہزار گز یا کم از کم سات سو گز سے اوپر قابل استفادہ ہوتی ہیں تو پانچسو کا حریم دینے سے صاحب زمین کی حاجت کو یا دفع ضرر کو اس سے کیا فائدہ پہنچا، اور نص اور قیاس کا کیا نتیجہ نکلا؟

البتہ یہ بالکل مشاہدہ و ثابت ہے کہ اگر بنگاہ قناۃ کے ارد گرد کہ فوارہ وار زمین سے ابل رہا ہے اگر دوسرا شخص پانچسو گز کے اندر یا کمتر کوئی دوسری قناۃ یا کنواں کھودے یا مکینہ لگائے تو قناۃ اول کے پانی کو ضرر پہنچتا ہے، بلکہ بسا اوقات وہ قناۃ بالکل خشک ہو کر ناقابل استفادہ ہو جاتی ہے اور صاحب اول کے تمام استفادات اور سرمایہ معلق و بیکار ہو جاتا ہے بلکہ آجکل آلات جدیدہ اور مشینوں کے دور میں سات سو گز یا ہزار گز کے فاصلہ پر ایک مکینہ نصب کی جاتی ہے تو قناۃ اوّل خشک ہو جاتی ہے لہٰذا احقر کی نظر میں قناۃ کو دونوں جگہ سے حریم دینا لازم ہوگا ورنہ پھر لازم ہے کہ بنگاہ سے دیا جائے تاکہ جامع عین و قناۃ قیاس میں موافق ہو جائیں و اصل علت کہ حاجت و دفع ضرر مار ہے بحال رہے و مصداق عامۂ نصوص بحال رہے۔ اب آپ حضرات کی تحقیق کا انتظار ہے۔

جواب ثالث:

الجواب حامداً و مصلیاً

قناۃ کے متعلق فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارتیں ان کے مآخذ میں دیکھنے اور غور کرنے کے بعد جو بات ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ قناۃ کے بالائی مقام (جہاں سے پانی نکلنا شروع ہوتا ہے جس کو استفتاء میں منبع اور بنگاہ سے تعبیر کیا گیا ہے) کے متعلق ہدایہ کے حاشیہ میں شارح المواقف سے نقل کیا گیا ہے کہ قناۃ کے بالائی مقام سے جب تک مسیل یعنی نہر نہیں نکالی جاتی اس وقت تک وہ کنواں ہوتا ہے، جب اس سے نہر نکال لی جاتی ہے تو وہ خود بالائی مقام نہر میں شامل

ہو جاتا ہے، لہٰذا قناۃ کا بالائی مقام اور قناۃ کا وہ زیریں حصہ جہاں سے پانی گزرتا ہے ان دونوں کا حریم شرعاً مقدر اور متعین نہیں، زمین کی سختی اور نرمی کے اعتبار سے جتنی مقدار حریم کی ضرورت پڑے گی اتنا ہی اس کا حریم ہوگا۔

چنانچہ قاضی خان رحمہ اللہ تعالیٰ نے قناۃ (کاریز) اور مخرج ماء یعنی منبع کے لئے بقدر ما یصلح کو اس کا حریم قرار دیا ہے۔

نیز فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی اکثر کتابوں میں قناۃ کے دو ہی حصوں کے حریم کا ذکر صراحۃً ملتا ہے:

① قناۃ کا وہ حصہ جہاں سے پانی سطح ارض پر ظاہر ہو جاتا ہے، جس کا حریم فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے چشمہ کے حریم کے برابر قرار دیا۔

② قناۃ کا وہ حصہ جس میں پانی برسرِ زمین ظاہر نہ ہوا ہو۔ اسکا حریم فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے نہر کے حریم کی طرح قرار دیا، یعنی زمین کی سختی اور نرمی کے اعتبار سے جتنی مقدار کی ضرورت پڑیگی اتنا ہی اسکا حریم ہوگا۔

فی حاشیۃ الهدایۃ:

(قوله والقناة) قال شارح المواقف ان لم يجعل مسيل فهو البير وان جعل فهو القناة ونسبته الى الآبار كنسبة العيون السيالة الى الراكدة

(ص ۴۸۲ ج ۴)

وفی الخانیۃ علی هامش الهندیۃ:

ولو حفر رجل قناة بغير اذن الامام فی مفازة وساق الماء حتی اتی به ارضا فاحياها فانه يجعل لقناته ولمخرج مائه حريما بقدر ما يصلح (ص ۲۲۰ ج ۳)

فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے قناۃ کے تیسرے حصے کا حریم چشمہ کے حریم کے برابر جو قرار دیا وہ صرف اس مقصد کے لئے نہیں کہ اگر کوئی آدمی اسکے حریم کے اندر دوسری قناۃ کھودے تو اسکے پانی کا نقصان نہ ہو بلکہ جس مقصد مثلاً کاشتکاری وغیرہ کے لئے قناۃ کھودی گئی ہے اس کا بھی اعتبار کر کے فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے قناۃ کا حریم چشمہ کے حریم کے برابر قرار دیا ہے۔

فی الهدایۃ: وان كانت عينا فحريمها خمسمائة ذراع لما روينا

ولان الحاجة فیہ الی زیادة مسافة لان العین تستخرج للزراعة فلابد من موضع یجری فیہ الماء ومن موضع یجمع فیہ الماء ومن موضع یجری فیہ الی الزراعة (ص ۲۰۸ ج ۴)
واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

الجواب باسم ملہم الصواب

جواب ثالث صحیح ہے۔

التحقیق المزید:

① قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی قال الاتقانی قال المشایخ الذی فی الاصل ای من ان القناة کالبئر قولہما وعندہ لاحریم لہا لانہا بمنزلة النہر مالم یظہر ماؤہا علی وجہ الارض ولاحریم للنہر عندہ فان ظہر کالعین الفوارة حریمہا خمسمائة ذراع (ردالمحتار ص ۳۰۹ ج ۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عند الامام رحمہ اللہ تعالی قناة کے زیر زمین حصہ کا حریم نہیں اور عند الصاحبین رحمہما اللہ تعالی اسکا حریم کنویں کی طرح چالیس ذراع ہے۔
مگر تحقیق یہ ہے کہ امام رحمہ اللہ تعالی کے ہاں بھی نہر کا حریم ہے، اس میں امام او صاحبین رحمہم اللہ تعالی کے درمیان اختلاف نہیں، بالاتفاق حریم ہے۔
کما حررہ الامام الحصکفی رحمہ اللہ تعالی فی بحث حریم النہر وقررہ العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی۔ فقیاس الامام رحمہ اللہ تعالی القناة علی النہر مثبت لحریمہا کحریمہ عندہ ولذا قال صاحب التنویر وشارحہ العلائی رحمہما اللہ تعالی وللقناة ھی مجری الماء تحت الارض حریم بقدر ما یصلحہ لالقاء الطین ونحوہ وعن محمد رحمہ اللہ تعالی کالبئر (ردالمحتار ص ۳۰۹ ج ۵)

② بئر، عین فوارہ اور نہر کے حریم کی تحدید سے متعلق حدیث و فقہ کی نصوص حالات متوسطہ پر مبنی ہیں، لہٰذا اختلاف احوال سے حدود حریم مختلف ہونگی۔
قال فی العلائیة معزیا للقہستانی وقیل والتقدیر فی بئر وعین بما ذکر فی اراضیہم لصلابتہا وفی اراضینا رخاوة فیزاد لئلا ینتقل الماء الی الثانی وعزاہ للہدایة وعزاہ البرجندی للکافی فلیحفظ۔
وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی وفی التاترخانیة عن الینابیع ومن

احتاج الی اکثر من ذلک یزید علیه وکان الاعتبار للحاجة لا للتقدیر ولا یکون فی المسألة خلاف فی المعنی اھ ونقل العلامة قاسم فی تصحیحه عن مختارات النوازل ان الصحیح اعتبار قدر الحاجة فی البئر من کل جانب،

وفی التنویر وللقناة حریم بقدر ما یصلحه،

وفی الشرح: لالقاء الطین ونحوه (الی قوله) وفی الاختیار فوضه لرأی الامام ای لو باذنه والا فلا شیء له ذکره البرجندی (رد المحتار ص۳۰۹ ج ۵)

وفی الخانیة: ولو حفر رجل قناة بغیر اذن الامام فی مفازة وساق الماء حتی اتی به ارضا فاحیاها فانه یجعل لقناته ولمخرج مائه حریما بقدر ما یصلح۔ (خانیة علی هامش الهندیة ص۲۳۰ ج ۳)

(۳) علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے برجندی سے اذن امام کی شرط نقل کی ہے قناۃ بلا اذن امام کے لئے حریم نہیں، اور امام قاضی خان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قناۃ بلا اذن امام کے لئے بھی حریم ہے۔

یہ اختلاف اس اختلاف پر مبنی ہے کہ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں احیاء الموات میں اذن امام شرط ہے، صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں شرط نہیں، قول برجندی قول امام رحمہ اللہ تعالیٰ پر مبنی ہے اور قول قاضیخان قول صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ پر،

یہ وجہ توفیق بالکل ظاہر ہے معہذا علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسکی تصریح بھی فرمادی ہے۔

ونصه: (قوله ای لو باذنه) ای لو کان الاحیاء باذن الامام لانه شرط عند الامام والا فلا یملک ما احیا ولا یستحق له حریما (رد المحتار ص۳۱۰ ج ۵)

واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد

۲۳ جمادی الآخرة سنہ ۱۳۰۹ھ

کتاب الاشربۃ

حقہ پینے کا حکم:

سوال: حقہ پینے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی نے حقہ کی اباحت ثابت کی ہے اور کراہت کے قول کو رد کیا ہے، شامیہ کے چند جملے نقل کئے جاتے ہیں، مزید تفصیل، اباحت پر دلائل اور فریق مخالف پر تردید شامیہ کتاب الاشربہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

وللعلامۃ الشیخ علی الاجھوری المالکی رسالۃ فی حلہ نقل فیہا انہ افتی بحلہ من یعتمد علیہ من ائمۃ المذاھب الاربعۃ وقلت والف فی حلہ ایضا سیدنا العارف عبد الغنی النابلسی رسالۃ سماھا الصلح بین الاخوان فی اباحۃ شرب الدخان وتعرض لہ فی کثیر من تألیفہ الحسان واقام الطامۃ الکبری علی القائل بالحرمۃ او بالکراھۃ فانھما حکمان شرعیان لا بد لھما من دلیل ولا دلیل علی ذلک فانہ لم یثبت اسکارہ ولا تفتیرہ ولا اضرارہ بل ثبت لہ منافع فھو داخل تحت قاعدۃ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ وان فرض اضرارہ للبعض لا یلزم منہ تحریمہ علی کل احد فان العسل یضر باصحاب الصفراء الغالبۃ وربما امرضھم مع انہ شفاء بالنص القطعی ولیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالی باثبات الحرمۃ او الکراھۃ الذین لا بد لھما من دلیل بل فی القول بالاباحۃ التی ھی الاصل۔ (رد المحتار ص۲۹۶ ج ۵)

مگر چونکہ یہ آوارہ واوباش قسم کے لوگوں کا شیوہ ہے اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

اور اس طرح استعمال کرنا کہ منہ میں بدبو پیدا ہو جائے حرام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۸ جمادی الاولی سنہ ۷۲ھ

بھنگ حرام ہے:

سوال: ایک شخص کہتا ہے کہ درمختار میں بھنگ کی اباحت مذکور ہے کیا یہ مسئلہ واقعی درمختار میں ہے، اگر ہے تو کس طرح پر مباح ہے؟ بینوا بیانا شافیا توجروا اجرا وافیا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالی عنہا قالت نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کل مسکر ومفتر (ابو داود)

عن جابر رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل مسکر حرام ان علی اللہ عھدا لمن یشرب المسکرات (مسلم)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما انہ قال صلی اللہ علیہ وسلم ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام (احمد وابن ماجہ والدارقطنی)

قال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالی فی شرح الکنز: قال محمد والثلاثۃ رحمہم اللہ تعالی کل ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام من ای نوع کان۔

جو شخص کہتا ہے کہ درمختار میں بھنگ کو مباح لکھا ہے وہ مفتری اور کذاب ہے، درمختار میں بھی بھنگ کی حرمت صراحۃً مذکور ہے، البتہ بھنگ پینے پر شرب والی حد نہیں بلکہ تعزیر ہے، جیسا کہ پیشاب اور پاخانہ کھانے اور پینے پر حد نہیں بلکہ تعزیر ہے، بھنگ کا بھی بعینہ یہی حکم ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: ویحرم اکل البنج والحشیشۃ وھی ورق القنب والافیون لانہ مفسد للعقل ویصد عن ذکر اللہ تعالی وعن الصلوۃ لکن دون حرمۃ الخمر فان اکل شیئا من ذلک لاحد علیہ وان سکر منہ بل یعزر بما دون الحد کذا فی الجوھرۃ (رد المحتار ص۲۹۵ ج ۵)

درمختار میں حلت کا قول تو کیا بلکہ اس میں تو حلال سمجھنے والے پر کفر کا فتوی نقل کیا ہے۔

ونصہ: ونقل عن الجامع وغیرہ ان من قال بحل البنج والحشیش فھو زندیق مبتدع بل قال نجم الدین الزاھدی انہ یکفر ویباح قتلہ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت (قولہ وھی

ورق القنب): نقل ابن حجر عن بعض العلماء ان فی اکل الحشیش مائۃ وعشرین مضرۃ دینیۃ ودنیویۃ ونقل عن ابن تیمیۃ ان من قال بحلها کفر قال واقرہ اهل مذهبه اھ وسیأتی مثله عندنا اھ

وقال ایضا تحت (قوله بل قال نجم الدین الزاهدی) لکن رأیت فی الزواجر لابن حجر ما نصه وحکی القرافی وابن تیمیۃ الاجماع علی تحریم الحشیشۃ قال ومن استحلها فقد کفر قال وانما لم یتکلم فیها الائمۃ الاربعۃ لانها لم تکن فی زمنهم وانما ظهرت فی آخر المائۃ السادسۃ واول المائۃ السابعۃ حین ظهرت دولۃ التتار اھ بحروفه فلیتأمل (رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۵)

واللّٰہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۷ ربیع الآخر ۷۳ھ

بھنگ اور الکحل وغیرہ کے احکام کی تفصیل:

سوال: بھنگ کا استعمال اکلاً یا خارجاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کے شارب پر حد ہے یا نہیں؟ اور اسپرٹ کا استعمال کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

مسکرات کی دو قسمیں ہیں:

سیال اور جامد۔

سیال کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جن کی نجاست اور حرمت پر اتفاق ہے۔ اس کی چار قسمیں ہیں:

① انگور کی کچی شراب۔

② انگور کی پختہ شراب۔

③ رطب کی شراب۔

④ زبیب کی شراب۔

ان کا ایک قطرہ بھی حرام ہے، اگرچہ اس سے نشہ نہ ہوتا ہو، اس کا دوا میں استعمال کرنا بھی اکلاً وخارجاً بہرحال ممنوع ہے۔ خواہ اپنی اصلی حالت پر رہیں یا کسی قسم کے تصرف سے دوسری ہیئت میں ہوجائیں۔

(۲) وہ اشربہ جن میں اختلاف ہے، یعنی اشربہ اربعہ مذکورہ کے سوا باقی تمام اشربہ۔

یہ شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں طاہر ہیں اور مقدار مسکر سے کم بلا لہو بغرض تداوی وغیرہ حلال ہیں، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نجس اور حرام ہیں اگرچہ قلیل ہوں۔

بلا غرض تداوی وغیرہ محض لہو کے لئے بالاتفاق حرام ہیں اور قدر مسکر پر بالاتفاق حد ہے۔

ادویہ و دیگر مصنوعات میں استعمال ہونے والا الکحل انگور یا کھجور سے نہیں بنایا جاتا، اس لئے مذہب شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے مطابق اس کا استعمال جائز ہے۔

اصول فتویٰ کے لحاظ سے قول شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کو ترجیح ہوتی ہے الا لعارض۔
اگرچہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فساد زمان کی حکمت کی بناء پر امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے، مگر اب عموم بلوی اور ضرورت تداوی کے پیش نظر اصل مذہب کے مطابق جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

مسکر جامد کا حکم:

جامد مسکرات جیسے افیون وغیرہ کی اتنی مقدار جو بالفعل نشہ کرے یا اس میں ضرر شدید ہو حرام ہے، اسی طرح مقدار نشہ سے کم صرف لہو کے طور پر استعمال کرنا بھی حرام ہے، البتہ مقدار قلیل جو حد نشہ سے کم ہو دواءً استعمال کرنا جائز ہے اور ضماد لگانا بھی درست ہے۔

حد سے متعلق یہ تفصیل ہے:
انگور کی کچی شراب پر مطلقاً حد ہے مسکر ہو یا نہ ہو۔
اس کے سوا دوسری سیال مسکرات میں سے مقدار مسکر پر حد ہے، قلیل پر نہیں۔
جامد مسکرات میں سے مقدار مسکر پر بھی حد نہیں، تعزیر ہے۔

قال فی الدر المنتقی: و یکرہ ای یحرم کذا عبر فی النقایۃ شرب دردی الخمر ای عکرہ والامتشاط لرجل للانتفاع بہ لان فیہ اجزاء الخمر وقلیلہ ککثیرہ کما مر ولکن لا یحد شاربہ عندنا لغلبۃ الثفل و لنفرۃ الطبع عنہ واعتبر الکرخی رحمہ اللہ تعالیٰ الطعم بلا سکر وبہ یحد باجماع العلماء

ولا یجوز الانتفاع بالخمر من کل وجہ کما فی المنیۃ وغیرہا لان الانتفاع بالمحرم حرام ولا یداوی بہا جراح ولا دبر دابۃ ولا تسقی آدمیا ولو صبیا للتداوی (الدر المنتقی بہامش مجمع الانہر ص۵۴۳ ج۲)

وقال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالی: ویحد شاربہا وان لم یسکر منہا ویحد شارب غیرہا (ای من المائعات المحرمۃ) ان سکر۔ (رد المحتار ص۲۸۹ ج۵)

وقال ایضا فی بیان المسکرات الجامدات من البنج والحشیشۃ والافیون: فان اکل شیئا من ذلک لاحد علیہ وان سکر بل یعزر بما دون الحد۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ وان سکر) لان الشرع اوجب الحد بالسکر من المشروب لا الماکول اتقانی (رد المحتار ص۲۹۵ ج۵)

وقال ایضا: قولہ ویحرم اکل البنج) ہو بالفتح نبات یسمی فی العربیۃ شیکران یصدع ویسبت ویخلط العقل کما فی التذکرۃ للشیخ داود زاد فی القاموس واخبثہ الاحمر ثم الاسود واسلمہ الابیض وفیہ السبت یوم من الاسبوع والرجل الکثیر النوم والمسبت الذی لا یتحرک وفی القہستانی ہو احد نوعی شجر القنب حرام لانہ یزیل العقل وعلیہ الفتوی بخلاف نوع آخر منہ فانہ مباح کالافیون لانہ وان اختل العقل بہ لا یزول وعلیہ یحمل ما فی الہدایۃ وغیرہا من اباحۃ البنج کما فی شرح اللباب اھ اقول ہذا غیر ظاہر لان ما یخل العقل لا یجوز ایضا بلا شبہۃ فکیف یقال انہ مباح بل الصواب ان مراد صاحب الہدایۃ وغیرہ اباحۃ قلیلہ للتداوی ونحوہ ومن صرح بحرمتہ اراد بہ القدر المسکر منہ یدل علیہ ما فی غایۃ البیان عن شرح شیخ الاسلام اکل قلیل السقمونیا والبنج مباح للتداوی وما زاد علی ذلک اذا کان یقتل او یذہب العقل حرام اھ فہذا صریح فیما قلناہ مؤید لما بحثناہ سابقا من تخصیص ما مر من ان ما اسکر کثیرہ حرم قلیلہ بالمائعات وہکذا یقال فی غیرہ من الاشیاء الجامدۃ المضرۃ فی العقل او غیرہ یحرم تناول القدر المضر منہا دون القلیل النافع لان

حرمتها ليست لعينها بل لضررها وفى اول طلاق البحر من غلب عقله بالبنج والافيون يقع طلاقه اذا استعمله للهو وادخال الأفات قصدا لكونه معصية وان كان للتداوى فلا لعدمها كذا فى فتح القدير وهو صريح فى حرمة البنج والافيون لا للدواء وفى البزازية والتعليل ينادى بحرمته لا للدواء اھ كلام البحر وجعل فى النهر هذا التفصيل هو الحق والحاصل ان استعمال الكثير المسكر منه حرام مطلقا كما يدل عليه كلام الغاية واما القليل فان كان للهو حرم وان سكر منه يقع طلاقه لان مبدأ استعماله كان محذورا وان كان للتداوى وحصل منه الاسكار فلا فاغتنم هذا التحرير المفرد بقى هنا شىء لم أر من نبه عليه عندنا وهو انه اذا اعتاد اكل شىء من الجامدات التى لا يحرم قليلها ويسكر كثيرها حتى يأكل منها القدر المسكر ولا يسكره سواء اسكره فى ابتداء الامر ولا فهل يحرم عليه استعماله نظرا الى انه يسكر غيره او الى انه قد اسكره قبل اعتياده ام لا يحرم نظرا الى انه طاهر مباح والعلة فى تحريمه الاسكار ولم يوجد بعد الاعتياد وان كان فعله الذى اسكره قبله حراما كمن اعتاد اكل شىء مسموم حتى صار يأكل ما هو قاتل عادة ولا يضره كما بلغنا عن بعضهم فليتأمل نعم صرح الشافعية بأن العبرة لما يغيب العقل بالنظر لغالب الناس بلا عادة (رد المحتار ص۲۹۴ ج ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۱۵ رشوال سنہ ۹۳ھ

الکحل والے مشروبات وماکولات کا حکم:

سوال: ہمارے ملک میں کوکاکولا، فانٹا اور ان کی مانند دیگر مشروبات شائع و ذائع ہیں اور کثرت سے مستعمل ہیں، بنانے والے کارخانہ سے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ ان مشروبات وغیرہا میں الکحل ڈالا جاتا ہے، اس الکحل کے بعض اقسام عصیر العنب سے تیار ہوتے ہیں اور بعض اقسام آلو، کوئلہ اور گیہوں وغیرہ اشیاء سے بنتے ہیں، ایک بوتل میں تقریبا ایک آدھ قطرہ الکحل موجود ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی مشروبات محض

تنعم و تلذذ کے طور پر پی جاتی ہیں۔

بہشتی زیور حصہ نہم کے ضمیمہ ثانیہ کی عبارت حسب ذیل ہے:

فالقسم الاول منه حرام و نجس غليظا والثلاثة الاخيرة حرام و نجس خفيفا (وفی روایة نجس غليظا كما فی الهداية) وما عدا ذلك من الاشربة فهي في حكم الثلاثة الاخيرة عند محمد رحمه الله في الحرمة والنجاسة و عند ابي حنيفة وابي يوسف رحمهما الله تعالى يحرم منها القدر المسكر و اما القدر الغير المسكر فحلال الا للهو۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عند الشیخین رحمہما اللہ تعالی غیر خمر کی قلیل مقدار حلال ہے، لہذا اگر غیر خمر کی قلیل مقدار کسی کھانے یا پینے کی چیز مثلاً بسکٹ، کیک، مٹھائی کوکاکولا وغیرہ میں استعمال کی جائے تو ان چیزوں کا کھانا پینا حلال ہوگا۔

زید کہتا ہے کہ بر بناء مذہب شیخین رحمہما اللہ تعالی اگر کسی کھانے یا پینے کی چیز میں غیر خمر کا الکحل ڈالا جائے تو وہ طعام یا شراب جائز الاکل والشرب حلال ہے۔

لیکن عمرو کہتا ہے کہ انہوں نے جو قول کیا ہے وہ عدم لہو کی قید کے ساتھ مقید ہے اور بسکٹ، کیک، کوکاکولا وغیرہ اشیاء غیر ضروریات میں سے ہیں اور محض تنعم و تلذذ کے لئے استعمال کی جاتی ہیں، لہذا یہ لہو میں داخل ہو کر حرام ہو جائیں گی۔ دونوں میں سے کس کا قول معتبر اور برحق ہے؟

زید یوں بھی کہتا ہے کہ کوکاکولا وغیرہ اتنی کثرت سے مستعمل ہیں کہ اب ابتلاء عام ہو گیا ہے، ابتلاء عام کا حکم لگایا جا سکتا ہے، اس بناء پر گو حرمت ثابت ہوگی مگر منتفی ہو جائے گی۔

عمرو یہ کہتا ہے کہ اس معاملہ میں ابتلاء عام کا حکم لگانا ناقابل قبول ہے، کیونکہ یہ اشیاء فقط تنعم و تلذذ کے درجہ میں مستعمل ہیں، ضرورات طعام سے نہیں، نیز دوسرے شربت مثلاً پھلوں کا رس وغیرہ اس کے قائم مقام بن سکتے ہیں۔ لہذا عدم ضرورۃ و حاجۃ کے سبب ابتلاء عام نہیں کہا جا سکتا۔ دونوں میں سے کون صواب پر ہے زید یا عمرو؟

کتب فقہ میں غیر خمر سے متعلق کسی قدر اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک قلیل مقدار کا خارجاً و داخلاً استعمال حلال ہے اور بعض کے نزدیک دونوں طرح استعمال کرنا

حرام ہے۔ البتہ حاشیہ مذکورہ از بہشتی زیور میں فرمایا گیا:

فالاولی ان لا یتعرض للمبتلی بہ بشیء ونعم من قدر علی الاحتراز منہ فلیحترز ما شاء۔

اسی بناء پر زید کہتا ہے کہ قدر قلیل از غیر خمر شراب جائز الاستعمال ہے خارجاً ہو یا داخلاً۔ البتہ اجتناب از روئے تقوی اولی وافضل ہے۔

عمرو اس کے خلاف کا قائل ہے کہ بہشتی زیور متن وحاشیہ کی عبارت اس پر محمول ہے کہ دواءً حلال ہوگا نہ کہ تنعماً وتلذذاً۔

اور بہشتی زیور کی دوسری عبارت استدلال میں پیش کرتا ہے:

"اور دواءً بقدر غیر منشی داخلاً بھی استعمال کی جا سکتی ہے"۔

زید دواءً کی قید کو اتفاقی کہتا ہے اور استدلال میں بہشتی زیور کی یہ عبارت پیش کرتا ہے:

"ہر اسپرٹ اشربۂ اربعہ میں سے نہیں ہے، ایسی اسپرٹ کا شیخین رحمہما اللہ تعالی کے نزدیک استعمال جائز ہے"۔

یہاں دواءً کی قید مفقود ہے۔ معلوم ہوا کہ وہاں قید اتفاقی تھی۔

جبکہ عمرو کہتا ہے کہ دونوں جگہ الگ الگ مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ جناب فیصلہ فرمائیں کہ کون صائب الرأی ہے؟

نیز آج کل دواؤں میں الکحل ڈالا جاتا ہے، خصوصاً ہومیو پیتھک کی کوئی دوا ہی شاید اس سے خالی ہو، ان دواؤں کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تحقیق سے ثابت ہوا کہ اشربہ وادویہ میں عصیر العنب یا عصیر الرطب نہیں ڈالا جاتا، دوسرے اشربہ کے حکم کی تفصیل یہ ہے:

قال العلامۃ الشلبی رحمہ اللہ تعالی: (قولہ فیما اذا قصد بہ التقوی) علی طاعۃ اللہ او استمراء الطعام او التداوی فاما المسکر منہ حرام بالاجماع اہ اتقانی (حاشیۃ الشلبی علی التبیین ص۴۶ ج ۶)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ بلا لھو وطرب) قال

فی المختار الطرب خفۃ تصیب الانسان لشدۃ حزن وسرور اھ قال فی الدر روھذا التقیید غیر مختص بھذہ الاشربۃ بل اذا شرب الماء وغیرہ من المباحات للھو وطرب علی ھیئۃ الفسقۃ حرم اھ (رد المحتار ص۲۹۱ ج ۵)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: والرابع المثلث العنبی وان اشتد وھو ما طبخ من ماء العنب حتی یذھب ثلثاہ ویبقی ثلثہ اذا قصد بہ استمراء الطعام والتداوی والتقوی علی طاعۃ اللہ تعالی ولو للھو لا یحل اجماعا حقائق (رد المحتار ص۲۹۲ ج ۵)

وقال فی الھندیۃ: (واما ما ھو حلال عند عامۃ العلماء) فھو الطلاء وھو المثلث ونبیذ التمر والزبیب فھو حلال شربہ ما دون السکر لاستمراء الطعام والتداوی وللتقوی علی طاعۃ اللہ تعالی لا للتلھی والمسکر منہ حرام وھو القدر الذی یسکر وھو قول العامۃ (عالمگیریہ ص۴۱۲ ج ۵)

وقال العلامۃ اللکنوی رحمہ اللہ تعالی: قلت اللھو والطرب نوعان نوع منھما مباح اذا کان خالیا عن معنی المعصیۃ ومقدماتھا ونوع منھما مکروہ اذا خلط بالمعصیۃ او مقدماتھا او تکون وسیلۃ الیھا وھذا ھو المراد بقولہ اللھو والطرب دون الاول (عمدۃ الرعایۃ حاشیۃ شرح الوقایۃ ص۳۳۳ ج ۴)

عبارات بالا سے امور ذیل ثابت ہوتے:

(۱) غیر خمر کا اندرونی استعمال حد سکر سے کم تقوی واستمراء طعام کے لئے جائز ہے، زمان حاضر میں معدہ کی خرابی اور سوء ہضم کا مرض عام ہے، اس لئے مصلح معدہ ومہضم طعام اشیاء لوازم طعام میں داخل ہوگئی ہیں۔

(۲) نشاط وطرب کے لئے اکل وشرب مطلقاً ممنوع نہیں بلکہ علی طریق الفساق سے ممانعت ہے، اور اس میں کسی خاص ماکول ومشروب کی تخصیص نہیں، بلکہ سب ماکولات ومشروبات کا یہی حکم ہے۔

(۳) ہر لہو وطرب حرام نہیں، بلکہ اس میں کسی حرام فعل کا ارتکاب ہو یا مفضی الی الحرام ہو تو ناجائز ہے۔ نمبر۲ اور نمبر۳ کا حاصل تقریباً ایک ہی ہے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ سوال میں مذکورہ اشیاء کا کھانا پینا حلال ہے۔

علاوہ ازیں عموماً ایسے ماکولات ومشروبات میں الکحل تعفن سے حفاظت کی غرض سے ڈالا

جاتا ہے اس لئے یہ استعمال بوجہ ضرورت میں داخل ہے، تلہی میں نہیں۔

زید کا ابتلاء عام سے استدلال صحیح نہیں، ابتلاء عام سے حرام چیز حلال نہیں ہو جاتی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ

کان میں شراب ڈالنا:

سوال: بچہ کے کان سے پیپ جاری رہتی ہے، علاج سے فائدہ نہیں ہو رہا ایک شخص کہتا ہے کہ اگر کان میں شراب کا قطرہ یا سانڈے کا تیل ڈالا جائے تو پیپ رک جائے گی۔ تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر شراب انگور یا کھجور سے بنائی گئی ہو تو جائز نہیں اور اگر کسی دوسری چیز سے ہو تو اجتناب بہتر ہے۔

قال الامام قاضیخان رحمہ اللہ تعالیٰ: وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ لا یطھر ابدا ویکرہ الاحتقان والاکتحال بالخمر وکذا الاقطار فی الاحلیل وان یجعل فی السعوط فالحاصل ان لا ینتفع بالخمر الا انھا اذا تخلل فینتفع بہ سواء صار خلا بالمعالجۃ او بغیر المعالجۃ خلافا للشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (خانیۃ بھامش الھندیۃ ص۲۲۶ ج ۳) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۶ محرم ۹۶ھ

شراب سرکہ بن گئی:

سوال: شراب میں نمک ڈالنے سے سرکہ بن جاتی ہے یا نہیں؟ اور پاک ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اگر ہو جاتی ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مشہور تو یہی ہے، اگر واقعۃً سرکہ بن گیا تو تبدیل ماہیت کی وجہ سے پاک ہوگا، جیسے گوبر وغیرہ کی راکھ پاک ہے۔ قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: تحت قولہ یجوز تخلیلھا ولو بطرح شیء فیھا: واذا صار الخمر خلا یطھر ما یوازیھا من الاناء واما اعلاہ فقیل یطھر تبعا وقیل لا یطھر لانہ خمر یابس الا اذا غسل بالخل فتخلل من ساعتہ فیطھر ھدایۃ والفتوی علی الاول خانیۃ (رد المحتار ص۲۹۰ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۴ شعبان ۹۶ھ

کتاب الرّھن

رہن باین شرط کہ اگر تا مدت معینہ قرض ندہد مرتہن مالک مرہون خواہد شد:

سوال: چہ می فرمایند علماء دین متین درین مسئلہ کہ عمرو زمین خود را گرو بنزد زید بمقابل یک ہزار روپیہ دادہ است باین شرط کہ اگر بہ سہ قسط مبلغات مذکورہ بہ شش سال کل خواہ بعض اگر بمیعاد معلوم ادا نہ کردم پس زمین مرہون زید راست، اکنون دہ سال گزشتہ است کہ راہن مرتہن را مبلغات معہود تمام ندادہ است، آیا اکنون زمین زید را برسد یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

زید را بر زمین مرہون حق ملک نیست کہ بیع بوجہ تعلیق بالشرط باطل است۔

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالی: مایبطل بالشرط الفاسد ولا یصح تعلیقہ بہ الخ

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: کل ما کان من التملیکات او التقییدات کرجعۃ یبطل تعلیقہ بالشرط۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ من التملیکات) کبیع واجارۃ (رد المحتار ص۲۴۲ ج۴)

ونیز در بیع مذکور ثمن ہم مجہول ست چراکہ بعد گزشتن مدت معینہ ہرچہ از قرض بذمۂ مدیون باقی خواہد ماند آنرا عوض مبیع مقرر کردہ اند وجہالت آن ظاہر ست وجہالت ثمن سبب فساد بیع ست۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۵ رصفر ۷۲ھ

سوال مثل بالا:

سوال: ایک شخص نے اس شرط پر کوئی چیز رہن رکھی کہ اگر مدت معینہ تک فک رہن

نہ ہو سکا تو اس مرہون کی بیع بعوض قرض متصور ہوگی، کیا اس صورت میں بیع صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

یہ بیع صحیح نہیں اور رہن بھی فاسد ہے۔

قال الامام ابن الهمام رحمه الله تعالى: لا يجوز تعليق البيع كأن يقول اذا دخلت الدار فقد بعتك كذا بمائة فقبل الآخر لا يثبت البيع عند الدخول (فتح القدير)

وقال العلامة الخوارزمي رحمه الله تعالى: عن الزهرى: ان اهل الجاهلية كانوا يرتهنون ويشترطون على الراهن انه ان لم يقض الدين الى وقت كذا فالرهن مملوك للمرتهن فابطل رسول الله صلى الله عليه وسلم ذلك بقول لا يغلق الرهن، وقيل لسعيد بن المسيب اهو قول الرجل ان لم يأت بالدين الى وقت كذا فالرهن بيع بالدين؟ فقال نعم. (كفاية مع فتح القدير ص ج ۹)

وقال الامام ابن رشد المالكى رحمه الله تعالى: واما الشرط المحرم الممنوع بالنص فهو ان يرهن الرجل رهنا على انه ان جاء بحقه عند اجله والا فالرهن له فاتفقوا على ان هذا الشرط يوجب الفسخ وانه معنى قوله عليه الصلوة والسلام لا يغلق الرهن (بداية المجتهد ص ج ۲)

وقال الامام المرغينانى رحمه الله تعالى: الكتابة والاجارة والرهن بمنزلة البيع تبطل بالشروط الفاسدة (هداية ص ج ۳)

وقال العلامة الحصكفى رحمه الله تعالى: كل حكم فى الرهن الصحيح فهو الحكم فى الرهن الفاسد كما فى العمادية قال وذكر الكرخى رحمه الله تعالى ان المقبوض بحكم الرهن الفاسد يتعلق به الضمان وفيها ايضا وفى كل موضع كان الرهن مالا والمقابل به مضمونا الا انه فقد بعض شرائط الجواز كرهن المشاع ينعقد الرهن لوجود شرط الانعقاد ولكن بصفة الفساد كالفاسد من البيوع وفى كل موضع لم يكن الرهن كذلك اى لم يكن مالا او لم يكن المقابل

به مضمونا لا ينعقد الرهن اصلا وحينئذ فاذا هلك هلك بغير شیء بخلاف الفاسد فانه يهلك بالاقل من قيمته ومن الدين۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله فهو الحكم فی الرهن الفاسد) ای فی حال الحيوة والممات فلو نقض الراهن العقد بحكم الفساد واراد استرداد المرهون كان للمرتهن حبسه حتى يؤدی اليه الراهن ما قبض واذا مات الراهن وعليه ديون كثيرة فالمرتهن اولى من سائر الغرماء وهذا كله اذا كان الرهن الفاسد سابقا على الدين فلو كان بدين على الراهن قبل ذلك لم يكن له حبسه لانه ما استفاد تلك اليد بمقابلة هذا المال ويكون بعد الموت اسوة للغرماء لانه ليس على المحل يد مستحقه بخلاف الرهن الصحيح تقدم او تأخر وتمامه فی العمادية والذخيرة والبزازية (قوله يتعلق به الضمان) صوابه لا يتعلق لان المنقول عن الكرخی رحمه الله تعالى فی العمادية وغيرها انه يهلك امانة وفی الذخيرة وروى ابن سماعة عن محمد رحمه الله تعالى انه ليس للمرتهن حبسه لانه اصرار على المعصية ولكن ما فی ظاهر الرواية اصح لان الراهن لما نقض فقد ارتفعت المعصية وحبس المرتهن المرهون ليصل الى حقه لا يكون اصرارا لان الراهن يجبر على تسليم ما قبض فاذا امتنع فهو المصر الا ترى ان فی الشراء الفاسد للمشتری الحبس الى استيفاء الثمن اهـ ملخصا (قوله ای ان لم يكن مالا) كالمدبر وام الولد فان للراهن اخذهما لان رهنهما باطل منح (قوله ولم يكن المقابل به مضمونا) كما لو رهن عينا بخمر مسلم فله اخذها منه والواو بمعنى او قال فی جامع الفصولين فلو فقد احدهما لم ينعقد اصلا (رد المحتار ص۳۳۳ ج ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ

تفصیل استیفاء الدین من المرهون:

السوال: ما قولكم رحمكم الله فی ان المرهون اذا مضى عليه فی يد المرتهن سنة او سنتان ولا يفكه الراهن ولا ولده ولا ولد اولاده، هل يصير بعد المرافعة

الی القاضی او الحاکم المسلم ملکا قطعیا للمرتهن کما هو المعروف فی القانون الحاضر وهو المسمی فی اصطلاحهم "زائد المیعاد" وبالجملة ان اذن الحاکم هو شرعی ام من القانون العرفی ؟ وبعد الموافقة الی الحاکم المسلم هل یجوز الانتفاع من ذلک المرهون شرعا ام لا ؟ وان لم یجز له الانتفاع فکیف یستوفی دینه ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اذا حل اجل الرهن ولا یؤدی الراهن دین المرتهن ولا ورثته بعد موت الراهن قبل فکاک الرهن فان کانت ورثته فقراء یجبرهم القاضی ببیعه واداء دین المرتهن فان امتنعوا باعه القاضی وادی حقه ولا یملک المرتهن نفس الرهن نعم لو کان الرهن دارا ولم یکن للمرتهن دار غیرها یسکنها لتعلق حق المرتهن بها۔

وعلم بهذا ان لو کان المرتهن محتاجا الی نفس الرهن صار ملکا له باذن القاضی ان کانت قیمته مساویة للدین وجاز له الانتفاع وان لم تکن مساویة فیرد کل واحد منهما الفضل الی صاحبه۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالی: مات الراهن باع وصیه رهنه باذن مرتهنه وقضی دینه لقیامه مقامه فان لم یکن له وصی نصب القاضی له وصیا وامره ببیعه لان نظره عام وهذا لو ورثته صغارا فلو کبارا خلفوا المیت فی المال فکان علیهم تخلیصه جوهرة (وبعد اسطر) ولا یبطل الرهن بموت الراهن ولا بموت المرتهن ولا بموتهما یبقی الرهن رهنا عند الورثة. (رد المحتار ص۳۴۲ ج ۵)

وقال ایضا: سلطه ببیع الرهن ومات للمرتهن بیعه بلا محضر وارثه غاب الراهن غیبة منقطعة فرفع المرتهن امره للقاضی لیبیعه بدینه ینبغی ان یجوز ولو مات ولا یعلم له وارث فباع القاضی داره جاز۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی تحت (قوله ینبغی ان یجوز) بقی اذا کان حاضرا او امتنع عن بیعه وفی الولوالجیة یجبر علی بیعه فاذا امتنع

باعه القاضی او امینه للمرتهن واوفاه حقه والعهدة علی الراهن اه ملخصا وبه افتی فی الحامدیة وحرر فی الخیریة انه یجبره علی بیعه وان کان دارا لیس له غیرها یسکنها لتعلق حق المرتهن بها بخلاف المفلس (رد المحتار ص۳۲۳ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲ ررجب سنہ ۸۰ھ

ارض رہن کی کاشت جائز نہیں:

سوال: ارض رہن کو اگر مرتہن کاشت کرتا رہے تو اس کی آمدن اس کے لئے حلال ہے یا نہیں؟

ارض رہن کو اگر خود راہن کاشت کرے اور آمدن کا کچھ حصہ مرتہن کے لئے مقرر کر دے تو یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مرتہن کے لئے نفع اٹھانا جائز نہیں۔

راہن مرتہن کی اجازت سے نفع اٹھا سکتا ہے مگر مرتہن کے لئے حصہ مقرر کرنا جائز نہیں۔

قال فی التنویر وشرحہ: (لا الانتفاع به مطلقا) لا باستخدام ولا سکنی ولا لبس ولا اجارة ولا اعارة سواء کان من مرتهن او راهن الا باذن کل للآخر وقیل لا یحل للمرتهن لانه ربا وقیل ان شرطه کان ربا والا لا وفی الاشباه والجواهر اباح الراهن للمرتهن اکل الثمار او سکنی الدار او لبن الشاة المرهونة فاکلها لم یضمن وله منعه ثم افاد فی الاشباه انه یکره للمرتهن الانتفاع بذلك وسیجیء آخر الرهن (رد المحتار ص۳۱۰ ج ۵)

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالى تحت (قوله ولا یحل للمرتهن) قال ط قلت والغالب من احوال الناس انهم انما یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاه لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف کالمشروط وهو مما یعین المنع والله تعالى اعلم اه (رد المحتار ص۳۱۱ ج ۵)

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالى معزیا للمضمرات عن

التهذيب انه يكره للمرتهن ان ينتفع بالرهن وان اذن له الراهن قال المصنف وعليه يحمل ما عن محمد بن اسلم من انه لا يحل للمرتهن ذلك ولو بالاذن لانه ربا قلت وتعليله يفيد انها تحريمية فتأمله (رد المحتار ص۳۳۶ ج ۵) واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲ ذی القعدہ ۹۸ھ

اجارۂ رہن جائز نہیں :

سوال : رہن کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک ایکڑ زمین پانچ ہزار روپے کے بدلے رہن رکھتے ہیں اور انتفاع کے لئے یہ حیلہ اختیار کرتے ہیں کہ سالانہ مثلاً دس روپے وضع کرلیتے ہیں۔ کیا یہ صورت جائز ہے ؟ اگر یہ شرط لگائی جائے کہ دس سال کی مدت پوری ہونے پر بقیہ روپے ادا کرکے رہن چھڑا لیا جائے گا۔ اس صورت میں اگر وہ دس سال سے پہلے رہن چھڑانا چاہے تو دس روپے کے حساب سے رقم ادا کرکے رہن چھڑا سکتا ہے یا بمطابق شرط دس سال پورے کرنے ہوں گے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

سالانہ دس روپے وضع کرنا اجارہ ہے اور مرہون کو اجارہ پر دینا جائز نہیں۔ جب بھی چاہے رہن چھڑا سکتا ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى : لا الانتفاع به مطلقا لا باستخدام ولا سكنى ولا لبس ولا اجارة ولا اعارة سواء كان من مرتهن اوراهن الا باذن كل للآخر وقيل لا يحل للمرتهن لانه ربوا وقيل ان شرطه كان ربوا والا لا۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى : (قوله وقيل لا يحل للمرتهن) قال في المنح عن عبد الله محمد بن اسلم السمرقندي وكان من كبار علماء سمرقند انه لا يحل له ان ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وان اذن له الراهن لانه اذن له في الربوا لانه يستوفي دينه كاملا فتبقى له المنفعة فضلا فيكون ربوا

وھذا امر عظیم قلت وھذا مخالف لعامة المعتبرات من انه
یحل بالاذن الا ان یحمل علی الدیانة وما فی المعتبرات علی الحکم
ثم رأیت فی جواھر الفتاوی اذا کان مشروطا صار قرضا فیه منفعة
وھو ربوا والا فلا بأس اھ ما فی المنح ملخصا واقرہ ابنه الشیخ
صالح وتعقبه الحموی لان ما کان ربوا لایظھر فیه فرق بین
الدیانة والقضاء علی انه لاحاجة الی التوفیق بعد ان الفتوی
علی ماتقدم ای من انه یباح اقول ما فی الجواھر یصلح للتوفیق
وھو وجیه وذکروا نظیرہ فیما لو اھدی المستقرض للمقرض ان
کانت بشرط کرہ والا فلا وما نقله الشارح عن الجواھر ایضا من
قوله لایضمن یفید انه لیس بربوا لان الربوا مضمون فیحمل علی
غیر المشروط وما فی الاشباہ من الکراھة علی المشروط ویؤیدہ قول
الشارح الاٰتی اٰخر الرھن ان التعلیل بانه ربوا یفید ان الکراھة
تحریمیة فتأمل واذا کان مشروطا ضمن کما افتی به فی الخیریة
فیمن رھن شجر زیتون علی ان یأکل المرتھن ثمرته نظیر صبرہ
بالدین قال ط قلت والغالب من احوال الناس انھم یریدون عند
الدفع الانتفاع ولولاہ لما اعطاہ الدراھم وھذا بمنزلة الشرط لان
المعروف کالمشروط وھو مما یعین المنع واللہ تعالیٰ اعلم اھ (ردالمحتار ج ۵ ص ۳۱۰)
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۹ جمادی الاولیٰ ۸۹ھ

رہن سے انتفاع جائز نہیں:

سوال: زید نے بکر کے پاس مبلغ سو روپے کے بدلے اپنی سائیکل گروی
رکھی، بکر کو اس کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ زید نے بخوشی استعمال
کی اجازت دے دی ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مرتہن کے لئے شیء مرہون سے انتفاع مطلقاً درست نہیں، راہن کی اجازت سے ہو یا بلا اجازت، کیونکہ یہ معنیً ربوا ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى تحت (قوله وقيل لا يحل للمرتهن لانه ربوا) قال فى المنح وعن عبد الله محمد بن اسلم السمرقندى رحمه الله تعالى وكان من كبار علماء سمرقند انه لا يحل له ان ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وان اذن له الراهن لانه اذن له فى الربوا لانه يستوفى دينه كاملا فتبقى له المنفعة فضلا فيكون ربوا وهذا امر عظيم (ربعد اسطر) قال ط قلت والغالب من احوال الناس انهم انما يريدون عند الدفع الانتفاع ولولاه لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف كالمشروط وهو مما يعين المنع والله تعالى اعلم اه (رد المحتار ص۳۱۰ ج ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۲۰ ذی القعدة سنہ ۹۳ھ

کتاب الجنایۃ والضمان

ایک اونٹ نے دوسرے اونٹ کو قتل کردیا تو قاتل اونٹ کے مالک پر ضمان کا حکم:

سوال: مسائل ذیل کے بارے میں حکم شرعی مطلوب ہے:

① ایک شخص کا اونٹ جنگل میں چر رہا تھا کہ دوسرے شخص کے اونٹ نے اسے مار ڈالا تو مارنے والے اونٹ کے مالک پر ضمان ہے یا نہیں؟

② اگر مارنے والے اونٹ کے مالک نے اونٹ کے محافظ نوکر کو تاکید کردی ہو کہ اگر میرے اونٹ نے کوئی نقصان کردیا تو تجھ سے وصول کروں گا تو اس صورت میں نوکر پر ضمان ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کی صورتیں مختلف ہیں جن کا حکم بھی مختلف ہے۔

① قاتل اونٹ خود بخود چھوٹ گیا ہو، خواہ مالک کی زمین میں دوسرے اونٹ کو قتل کیا ہو یا اجنبی کی زمین میں یا شارع عام اور ارض مباح میں۔

② اونٹ کو مالک نے اپنی زمین میں چھوڑا اور اس نے خود اجنبی زمین میں جاکر جنایت کی۔

③ مالک نے اپنی زمین میں چھوڑا اور اسی زمین میں اونٹ نے جنایت کی۔

④ غیر کی زمین میں اس کی اجازت سے خود جاکر چھوڑا، اذن دلالۃً بھی کافی ہے بحسب العرف۔ جو جنگل کسی کا مملوک نہیں، عوام کے مواشی اس میں چرتے ہیں وہ بھی اسی صورت میں داخل ہے۔

⑤ غیر کی زمین میں اس کے اذن صراحۃً یا دلالۃً کے بغیر خود جاکر اونٹ چھوڑا۔

پہلی صور اربعہ میں ضمان نہیں اور صورت خامسہ میں ضمان ہے، قاتل اونٹ کے مالک کا موقع قتل پر ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

⑥ مالک نے اونٹ کو شارع عام پر چھوڑا، یا لے جا رہا تھا، اس نے راستہ میں کوئی

نقصان کر دیا، اس صورت میں تفصیل ہے، چونکہ یہ صورت سوال میں داخل نہیں، لہذا اس تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔

مذکورہ صورتیں جب ہیں کہ اونٹ انسانوں کو قتل کرنے میں مشہور نہ ہو، اگرچہ حیوانوں کے قتل یا دوسرے نقصان کرنے میں شہرت رکھتا ہو۔

⑦ اگر اونٹ قتل انسانی میں مشہور ہے تو بشرط تقدم ضمان ہوگا، تقدم کی تفصیل یہ ہے کہ اونٹ کے مالک یا محافظ سے کسی نے کہا ہو "تیرا اونٹ خطرناک ہے، اسے کامل حفاظت میں رکھیئے" سو اگر تقدم پر شہادت موجود ہے یا مالک یا محافظ تقدم کا اقرار کرتا ہے۔ معہذا اونٹ کی حفاظت نہیں کی اور اونٹ نے طریق عام یا خاص میں یا ملک غیر میں ادخال بلا اذن کی حالت میں کوئی مالی یا جانی نقصان کیا تو ضمان ہے۔

① فی دیات شرح التنویر: انفلتت دابة بنفسها فاصابت مالا او آدميا نهارا او ليلا لاضمان فی الكل لقوله صلی الله عليه وسلم العجماء جبار ای المنفلتة هدر۔

وفی الشامية: ولو فی الطريق او ملك غيره اتقانی (رد المحتار ص۳۹۰ ج۵)

② وفی جنايات الهندية: فان دخلت فی ملك الغير من غير ادخال صاحبها بأن كانت منفلتة فلا ضمان علی صاحبها (عالمگيرية ص۵۱ ج۶)

وفی الشامية: سواء دخلت بنفسها او ادخلها بالاذن۔

وايضا فيها: فان كان الثانی فلا ضمان عليه علی كل حال لانه ليس بمباشر ولا متسبب (رد المحتار ص۳۸۶ ج۵)

③ وفی جنايات الهندية: فان كانت فی ملك صاحب الدابة ولم يكن صاحبها معها فانه لا يضمن صاحبها (الی قوله) وان صاحبها معها ان كان قائدا لها او سائقا لها فكذا لا يضمن صاحبها فی الوجوه كلها (عالمگيرية ص۵۱ ج۶)

وفی شرح التنوير: فلو حدثت المذكورات فی السير فی ملكه لم يضمن ربها الا فی الوطء وهو راكبها لانه مباشر بقتله بثقله فيحرم الميراث۔ (رد المحتار ص۳۸۷ ج۵)

(۴) وفی جنایات الهندیة: وان کان باذن مالکه فهو کما لو کان فی ملکه (عالمگیریة صفحہ ۵ ج ۶)

وایضا فیها: وان اوقف الدابة فی الفلاة لا یضمن (عالمگیریة صفحہ ۵ ج ۶)

وایضا فیها: رجل ادخل بعیرا مغتلما فی دار رجل وفی الدار بعیر صاحبها فوقع علیه المغتلم فقتله اختلف المشایخ فیه منهم من قال لاضمان علی صاحب المغتلم۔

وایضا فیها: وان کان ادخلها باذنه فلا ضمان وبه اخذ الفقیه ابو اللیث وعلیه الفتوی (عالمگیریة صفحہ ۵۲ ج ۶)

وفی شرح التنویر: ولو حدثت فی ملک غیره باذنه فهو کملکه فلا یضمن کما اذا لم یکن صاحبها معها۔

وفی الشامیة: وان کانت الجنایة فی ملک غیر صاحبها فاما ان ادخلها صاحبها فیه اولا فان الثانی فلا ضمان علیه علی کل حال لانه لیس بمباشر ولا متسبب (رد المحتار صفحہ ۳۸۶ ج ۵)

(۵) وفی جنایات الهندیة: وان دخلت بادخال صاحبها فصاحب الدابة ضامن فی الوجوه کلها سواء کانت واقفة او سائرة وسواء کان صاحبها معها (الی قوله) اولم یکن معها (عالمگیریة صفحہ ۵ ج ۶)

وایضا فیها: وان ادخل صاحب المغتلم بغیر اذن صاحب الدار فعلیه الضمان (عالمگیریة صفحہ ۵۲ ج ۶)

وفی شرح التنویر: والا یکن باذنه ضمن ما اتلف مطلقا لتعدیه۔

وفی الشامیة: وان کان الاول فعلیه الضمان علی کل حال سواء کان معها صاحبها او قائدها او راکبها اولا (رد المحتار صفحہ ۳۸۶ ج ۵)

(۶) قال فی شرح التنویر عن الدرر: کلب یأکل عنب الکرم فاشهد علیه فیه فلم یحفظه حتی اکل العنب لم یضمن وانما یضمن فیما اشهد علیه فیما یخاف تلف بنی اٰدم کالحائط المائل ونطح الثور وعقر کلب عقور فیضمن اذا لم یحفظه انتهی۔ قال المصنف ویمکن حمل المتلف فی قول

الزیلعی وان اتلف الکلب فعلی صاحبہ الضمان ان کان تقدم الیہ قبل الاتلاف والافلا کالحائط المائل علی الآدمی انتہی فیحصل التوفیق۔

وفی الشامیۃ: کانہ فہم من کلام الدر انہ لا یضمن فی الکلب غیر الآدمی وھذا غیر مراد وانما معنی کلامہ یخاف منہ تلف الآدمی فالاشھاد فیہ موجب للضمان اذا عاقبہ تلف سواء کان المتلف مالا او آدمیا ومالا یخاف منہ تلف الآدمی بل یخاف منہ تلف المال فقط کعنب الکروم فلا یفید فیہ الاشھاد الخ (رد المحتار ص۳۹۲ ج ۵)

اقول: اما تفسیر التقدم وتفصیلہ فمشروح فی بیان الحائط المائل فی الشامیۃ ص۳۸۴ ج ۵ وفی الھندیۃ ص۳۶ ج ۶ وفی الھدایۃ والعنایۃ مع الفتح ص۳۴۲ ج ۸)

وایضا فیھا: ولو اجلہ صاحب الدار او ابرأہ منھا او فعل ذلک ساکنوھا فذلک جائز ولا ضمان علیہ فیما تلف بالحائط لان الحق لھم بخلاف ما اذا مال الی الطریق فاجلہ القاضی او من اشھد علیہ لا یصح لان الحق لجماعۃ المسلمین ولیست الیھما ابطال حقھم وھکذا فی شرح التنویر والھندیۃ۔

(۲) صور ضمان میں نوکر پر ضمان ہے۔

قلت ویمکن ان یتوھم عدم الضمان علی المحافظ مما فی الشامیۃ ونصھا: ویؤخذ من عاقلۃ الواقف ان کان لہ عاقلۃ فیما تتحملہ وان لم تکن لہ عاقلۃ او کان فیما لا تتحملہ فلا یؤخذ من القیم۔

وایضا فیھا: فلو سقط حائط الصغیر بعد الطلب من ولیہ کان الضمان فی مال الصبی (رد المحتار ص۳۸۴ ج ۵)

فاجاب عنہ فی العنایۃ ونصھا: فان قیل الوصی اذا ترک النقض بعد التقدم الیہ الحق ضررا بمال الیتیم فکان الواجب ان یکون الضمان علیہ اجیب بأن فی ترک النقض دفع مضرۃ متحققۃ وھی مضرۃ مؤنۃ النقض وبنائہ ثانیا وفی نقضہ دفع مضرۃ موھومۃ لجواز ان لا یسقط وان سقط

لا یھلك بہ شیٔ فکان ترکہ انظر للصبی فلا یلزم الوصی ضمان (عنایۃ مع الفتح ص۳۲۳ ج ۸) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۳ رجب ۹۴ھ

بھینس کو خنزیر سمجھ کر مارنے پر ضمان ہے:

سوال: ایک شخص نے کسی کی بھینس کو خنزیر سمجھ کر بندوق سے مار ڈالا تو اس پر ضمان ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس صورت میں قاتل پر ضمان واجب ہے، یہ قتل خطأ ہے جو کہ قتل تسبیب سے درایۃً وروایۃً ہر طرح قوی ہے اور قتل تسبیب میں تضمین سے متعلق تصریحات موجود ہیں تو قتل خطأ میں بطریق اولی ضمان واجب ہوگا۔

اما قوۃ القتل خطأ علی القتل تسبیبا درایۃ فلأن الاول مباشرۃ والثانی تسبیب ولا ریب فی قوۃ المباشرۃ علی التسبیب واما روایۃ فلأن فی الاول اثما زائدا علی اثم الثانی ولان الاول یوجب حرمان الارث دون الثانی۔

قال فی شرح التنویر: (وموجبہ (الخطأ وما یجری مجراہ) الکفارۃ والدیۃ علی العاقلۃ والاثم دون اثم القتل اذ الکفارۃ تؤذن بالاثم لترك العزیمۃ۔

وفی الشامیۃ عن الکفایۃ: وھذا الاثم اثم القتل لأن نفس ترك المبالغۃ فی التثبت لیس باثم وانما یصیر بہ اثما اذا اتصل بہ القتل فتصیر الکفارۃ لذنب القتل وان لم یکن فیہ اثم قصد القتل۔

وایضا فی الشرح: (وموجبہ (التسبیب) الدیۃ علی العاقلۃ لا الکفارۃ ولا اثم القتل بل اثم الحفر والوضع فی غیر ملکہ (در) وکل ذلك یوجب حرمان الارث الا ھذا ای القتل بسبب لعدم قتلہ (رد المحتار ص۳۲۲ ج ۵)

قتل تسبیباً پر ضمان جزئیہ ذیل سے ثابت ہے:

قال فی التنویر فی باب ما یحدثہ الرجل فی الطریق وغیرہ: فان تلف بہ بھیمۃ ضمن (رد المحتار ص۳۸۱ ج ۵)

حائط مائل، کلب عقور، ثور نطوح، فرس کدوم کی جنایات میں بعد الاشھاد

ضمان مال ہے، حالانکہ یہ امور قتل تسبیبا سے بھی ضعیف ہیں کہ ان میں ضمان اشہاد پر موقوف ہے۔

قال فی شرح التنویر: مال حائط الی طریق العامۃ ضمن ربہ ما تلف بہ من نفس انسان او حیوان او مال الخ (رد المحتار ص۳۸۴ ج ۵)

وفی الشامیۃ عن المنیۃ فی مسألۃ نطح الثور: یضمن بعد الاشہاد النفس والمال (رد المحتار ص۳۵۹ ج ۵)

وایضا فیہا: ان ما یخاف منہ تلف الآدمی فالاشہاد فیہ موجب للضمان اذا اعقبہ تلف سواء کان المتلف مالاً او آدمیا (الی ان قال) فان الاشہاد فیہ (الحائط المائل) موجب لضمان المال والنفس (الی ان قال) وقد افتی فی الخیریۃ بالضمان بعد الاشہاد فی حصان اعتاد الکدم وکذا فی ثور نطوح قال و فی البزازیۃ عن المنیۃ فی نطح الثور یضمن بعد الاشہاد النفس و المال (رد المحتار ص۳۹۲ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۸ صفر ۷۵ھ

متسبب پر ضمان ہے:

سوال: ایک مدرسہ کے مہتمم مسمی خالد نے عالم مسمی زید کو مدرس مقرر کیا۔ زید نے معین تاریخ پر مدرسہ میں پہنچنے کا خالد سے عہد کیا: زید مدرسہ کی طرف آرہا تھا کہ راستہ میں زید کو ایک خط ملا جس میں خالد کی طرف سے لکھا ہوا تھا کہ آپ ہرگز نہ آئیں، زید پریشان ہوا۔ اور اپنے اہل وعیال کو راستہ ہی میں چھوڑ کر خالد کے پاس تحقیق کرنے آیا تو معلوم ہوا کہ خالد نے کسی قسم کا کوئی خط نہیں لکھا بلکہ دوسرے شخص بکر کی شرارت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ بکر کی اس شرارت کی وجہ سے تحقیق کرنے پر زید کا جو خرچ ہوا، یہ خرچ زید بحکم شرع بکر سے وصول کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

بکر پر خرچ کا ضمان لازم ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: ومن ذلک تضمین الساعی مع مخالفتہ لقاعدۃ المذہب من ان الضمان علی المباشر دون المتسبب ولکن

افتوا بضمانه زجرا بسبب کثرة السعاة المفسدين بل افتوا بقتله زمن الفترة۔
(رسائل ابن عابدین ص۲۱۱ ج۲)

وقال ایضا: قال فی المنح والفتوی الیوم بوجوب الضمان علی الساعی مطلقا (ردالمحتار ص۱۳۵ ج۵)

نابالغ نے ودیعت کی حفاظت نہ کی تو اس پر ضمان لازم ہوگا:

یہ مسئلہ کتاب الودیعۃ جلد ۷ میں آچکا ہے۔

کسی کا ایسا درخت کاٹنا جس کی پرستش کی جاتی ہو:

سوال: ایک درخت کی عام عبادت کی جاتی تھی، جہلاء اس پر طرح طرح کے خرافات کرتے تھے، ایک موحد نے اس درخت کو فتنہ کا دروازہ بند کرنے کی غرض سے کاٹ دیا۔ اب درخت کا مالک ضمان کا طالب ہے۔ کیا شرعاً کاٹنے والے پر ضمان ہے۔ بعض علماء معازف پر قیاس کرکے قول مفتی بہ کی بنا پر سقوط ضمان کے قائل ہیں، اور بعض امہ مغنیہ سے تشبیہ دے کر ضمان کا فتوی دے رہے ہیں جانبین آپ کے فیصلہ پر راضی ہیں لہٰذا بعجلت ممکنہ جواب عنایت فرما کر اختلاف رفع فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

قال فی شرح التنویر: وضمن بکسر معزف بکسر المیم اٰلة اللهو ولو لکافر ابن کمال قیمته خشبا منحوتا صالحا لغیر اللهو وضمن القیمة لا المثل باراقة سکر ومنصف وسیجیء بیانه فی الاشربة وصح بیعها کلها وقالا لایضمن ولا یصح بیعها وعلیه الفتوی ملتقی ودرر وزیلعی وغیرها واقره المصنف واما طبل الغزاة زاد فی حظر الخلاصة والصیادین والدف الذی یباح ضربه فی العرس فمضمون اتفاقا کالامة المغنیة ونحوها ککبش نطوح وحمامة طیارة وديك مقاتل وعبد خصی حیث تجب قیمتها غیر صالحة لهذا الامر۔

وفی الشامیة: (قوله وقالا الخ) هذا الاختلاف فی الضمان دون اباحة اتلاف المعازف وفیما یصلح لعمل اٰخر والا لم یضمن شیئًا اتفاقا وفیما اذا فعل بلا اذن الامام والا لم یضمن اتفاقا وفی غیر عود المغنی وخابیة الخمار والا لم یضمن اتفاقا لانه لو لم یکسرها عاد لفعله القبیح وفیما اذا کان لمسلم فلو لذمی

ضمن اتفاقا قیمتہ بالغاً ما بلغ وکذا لو کسر صلیبہ لانہ مال متقوم فی حقہ

قلت لکن جزم القہستانی معزیا لابن الکمال ان الذمی کالمسلم فلیحرر در منتقی

اقول وجزم بہ فی الاختیار ایضا ولعلہ اقتصر فی الہدایۃ علی ذکر المسلم لکونہ محل الخلاف وبہ یتحرر المقام فتدبر (رد المحتار کتاب الغصب ص ۱۳۴ ج ۵)

عبارات مذکورہ سے یہ احکام مستفاد ہوئے:

(۱) ایسے آلات لہو جو غیر لہو میں استعمال کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں ان میں بالاتفاق ضمان نہیں۔

(۲) جو آلات لہو غیر لہو میں بھی استعمال کئے جا سکتے ہوں ان کے ضمان میں امام صاحب وصاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان اختلاف ہے، فتویٰ عدم ضمان پر ہے۔

(۳) امۂ مغنیہ وامثالہا میں بالاتفاق ضمان ہے۔

نوع ثانی وثالث میں بظاہر یہ فرق معلوم ہوتا ہے کہ نوع ثانی کے آلات لہو کے لئے مصنوع وموضوع ہیں، اور نوع ثالث موضوع للہو نہیں، بلکہ بغیر کسی قسم کی صنعت کے مستعمل فی اللہو ہیں چنانچہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل:

ان ہذہ الاشیاء اعدت للمعصیۃ فبطل تقومہا کالخمر (ہدایہ ص ۳۸۹ ج ۴)

سے واضح ہے کہ نوع ثانی میں ایسے آلات مراد ہیں جو ابتداء ہی سے معد وموضوع للہو ہوں تفصیل مذکور کے بعد ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ شجرہ مسئول عنہا قسم ثالث میں داخل ہے، کیونکہ مصنوع للہو نہیں، بلکہ کسی صنعت کے بغیر حالت سابقہ ہی پر ثابت رکھتے ہوئے مستعمل للہو ہے کالامۃ المغنیۃ ونحوہا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۹ ذی القعدۃ سنہ ۹۶ھ

اپنا درخت کاٹنے سے دوسرے کا درخت گر گیا:

سوال: شخصی نخل خود را قطع کرد و بوقت افتادن بر نخل دیگری بیفتاد آن را انداخت حالانکہ قاطع در وقت قطع سعی کرد کہ تنۂ نخل بر نخل دیگری نیفتد ولی از قابو ایشان خارج گشتہ این نقصان ہم رسانید، آیا بر قاطع ضمان لازم می آید یا خیر؟ اگر کسی بقاطع نخل گوید کہ شما بوقت قطع بر نخل خویش رسن بندید تا کہ بر نخل دیگری نیفتد وخسارہ وارد نکند، او رسن نہ بست، ولی کوشش بسیار کرد کہ بوقت افتادن بر نخلی نیفتد تاہم از قابو خارج گشتہ نخل را

باخود انداخت، چہ حکم است؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

برقاطع ضمان نیست، ولے بصورت تنبیہ ضمان لازم است۔

قال الامام قاضیخان رحمہ اللہ تعالی: رجل مال حائط دارہ الی الطریق او الی ملك انسان فسقط واتلف انسانا اومالا ان سقط قبل الاشهاد فلا ضمان علیہ وان سقط بعد الاشهاد ضمن اذا لم یفرغ ذلك الموضع عن الحائط مع القدرۃ علیہ فیصیر جانیا ان تلف بہ انسان کانت الدیۃ علی عاقلتہ وان اتلف مال انسان کان ضمانہ علی صاحب الحائط فی مالہ (الی ان قال) وصورۃ الاشهاد اذا کان مائلا الی الطریق ان یقول لہ واحد من الناس ان حائطك هذا مائل الی الطریق او مخوف او متصدع فاهدمہ وان کان مائلا الی ملك الغیر یقول لہ ذلك صاحب الدار وشرط وجوب الضمان علی صاحب الحائط المطالبۃ بالاصلاح والتفریغ ولا یشترط الاشهاد حتی لو طولب بالتفریغ ولم یفعل مع القدرۃ علیہ کان ضامنا۔ (خانیۃ بهامش الهندیۃ ج ۳ ص۴۵۱)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم ۵ ذی القعدۃ ۷۸ھ

گھاس لادنے سے اونٹ کی ٹانگ ٹوٹ گئی:

سوال: ایک شخص نے اونٹ پر گھاس لادکر دلال کے حوالے کیا کہ شہر سے جاکر گھاس فروخت کر آئے، چنانچہ دلال اونٹ لے گیا اور بیوپاری سے گھاس فروخت کرنے کی بات کی۔ اونٹ کو پہلے گھاس سمیت وزن کرلیا، پھر گھاس اتار کر صرف گھاس کا وزن کیا۔ گھاس پھر اونٹ پر رکھا گیا اور اسے اٹھایا گیا، اونٹ اٹھ کر گر پڑا جس سے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اونٹ پر گھاس وغیرہ رکھنے کا طریقہ ہر ایک کو نہیں آتا، غلط رکھنے سے توازن برقرار نہیں رہتا اور اونٹ گرجاتا ہے اور اسے نقصان پہنچتا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ مالک نے گھاس کھول کر دوبارہ باندھنے کی اجازت دی تھی یا نہیں، سوال یہ ہے کہ دلال پر اونٹ کے نقصان کا ضمان ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر مالک نے بوجھ اتارنے اور لادنے کی اجازت دی ہو یا تجار کا تعامل ہو کہ بار بار

بوجھ اتارنا اور لادنا پڑتا ہو تو دلال پر ضمان نہیں، لاذن المالک صراحۃ او دلالۃ۔
اور اگر مالک نے نہ صراحۃً اجازت دی ہو اور نہ ہی اس کا تعامل اور عرف ہو تو دلال پر ضمان آئے گا، اگر مالک اور دلال میں اختلاف ہو جائے تو مالک پر بینہ ہوگا، لادعائہ الضمان معنی وان کان منکرا لفظا، اور دلال پر حلف ہوگا۔ لانکارہ وجوب الضمان وان کان یدعی الاذن ظاہرا۔
تنبیہ: خرید و فروخت میں حیوان کا وزن کرکے حساب لگانا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔
۱۷ر شعبان ۸۳ھ

ڈیلو کا ضمان کس پر ہے؟

سوال: احقر کتابوں کی تجارت کرتا ہے، احقر نے زید کو خط لکھا کہ مناجات مقبول، زاد السعید، اغلاط العوام، کمالات اشرفیہ کے پانچ پانچ نسخے اور نشر الطیب، تعلیم الدین اور حیات المسلمین کے چند چند نسخے بذریعہ ڈاک بھیج دو۔ زید نے پہلی چار کتابوں کے پانچ پانچ نسخے روانہ کئے اور بقیہ تین میں سے کسی کے چوبیس، کسی کے تیس اور کسی کے پینتیس نسخے روانہ کر دیئے اور ایک نسخہ شمائل ترمذی کا اپنی طرف سے نمونہ کے طور پر مگر قیمۃً بھیج دیا۔
اتفاق سے چند کتابیں مجھ تک پہنچیں اور بقیہ ڈاک کی خرابی یا نامعلوم کس وجہ سے مجھے نہیں ملیں، راستے میں ضائع ہوگئیں۔ میں نے زید سے خط لکھ کر پوچھا کہ اتنی زیادہ مقدار کیوں روانہ کی تو اس نے جواب دیا کہ آپ کے الفاظ "چند چند" کا مطلب وسیع تعداد سمجھ کر زیادہ مال بھیجا ہے۔ زید تمام کتابوں کی رقم کا مطالبہ کر رہا ہے، سو دریافت طلب امور یہ ہیں:
① جن کتابوں کی تعداد میں نے مقرر کر دی تھی، ان میں سے جو کتب مجھ تک نہیں پہنچیں، ان کی قیمت میرے ذمہ واجب الاداء ہے یا نہیں؟
② چند چند نسخوں کی بجائے جو اس قدر زیادہ کتابیں روانہ کیں ان میں جو کتابیں مجھے نہیں ملیں، ان کی رقم کا کیا حکم ہے؟ جبکہ چند سے میری مراد پانچ یا سات ہی تھی، وقت کی تنگی کی وجہ سے "چند چند" نسخے لکھ دیا۔
③ شمائل ترمذی کی قیمت بھی میرے ذمہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عرف تجار سے خصوصًا اس امر سے کہ ڈیلو کے ضائع ہونے پر ضمان کا مطالبہ بھیجنے والا ہی کرتا ہے، منگوانے والا نہیں کرتا، یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل ڈاک بائع کے وکیل ہیں۔ مشتری کے

نہیں، لہٰذا ڈاک میں ضائع ہونے والے مال کا ضمان ہلاک قبل القبض کی وجہ سے مشتری پر نہیں ہوگا۔

جو کتابیں آپ کی طلب سے زائد آپ تک پہنچی ہیں، اگر آپ وہ خریدنا چاہتے ہیں تو قیمت ادا کرنا لازم ہے ورنہ کتابیں واپس کرنا لازم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۰ رجمادی الاولیٰ ۸۹ھ

حملہ آور اونٹ کو ہلاک کرنا:

سوال: زید کا اونٹ عمرو کی اونٹنی کے ساتھ چر رہا تھا، عمرو نے ایک مددگار خالد کے ساتھ مل کر اپنی اونٹنی کو زید کے اونٹ سے علیحدہ کرنا چاہا، جس پر اونٹ نے مشتعل ہو کر خالد کو دبالیا مگر وہ خوش قسمتی سے اونٹ کے سینہ کے نیچے نہ آسکا، اس کے پیٹ کے نیچے آگیا۔ خالد نے مدد کے لئے فریاد شروع کی، بستی کے بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور مل کر اونٹ کو ڈنڈے اور پتھر مارنا شروع کئے مگر کسی طرح بھی اونٹ نہ اٹھا، اسی دوران ایک بندوق بردار شخص نمودار ہوا، اس نے بھی ڈنڈے اور پتھر مارنا شروع کئے اسی دوران اونٹ نے ایک اور شخص کی ٹانگ زخمی کر دی، لوگوں نے بندوق بردار کو مجبور کیا تو اس نے گولی چلا کر اونٹ کو ہلاک کر دیا۔ زید اس کا ضمان طلب کر رہا ہے۔ کیا اس مامور شخص پر ضمان ادا کرنا لازم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

انسان کی جان بچانا فرض ہے، مدد کرنے والا عند اللہ ماجور ہوگا مگر اونٹ غیر کا مملوک تھا اور مامور فعل میں مختار تھا، لہٰذا مامور پر ضمان لازم ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ ای حیوان) ان الجمل لو صال علی انسان فقتله فعلیه قیمته بالغا ما بلغ لان الاذن فی قتل السبع حاصل من صاحب الحق وھو الشارع اما الجمل فلم یحصل الاذن من صاحبه (رد المحتار ص۲۱۹ ج۲)

اگر اونٹ کو مرنے سے پہلے ذبح کر لیا گیا ہو تو مامور ضمان کی وجہ سے گوشت وغیرہ کا مالک ہو گیا۔ لہٰذا گوشت پوست وغیرہ فروخت کر سکتا ہے۔

زید کے لئے بہتر یہ ہے کہ ضمان نہ لے، صبر کرنے اور ایک مسلمان کی جان بچانے کے سلسلہ میں ایثار سے کام لینے میں آخرت کے اجر عظیم کے علاوہ دنیا میں بھی نعم البدل کی اللہ

تعالیٰ سے امید رکھے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۳ ربیع الآخر ۹۴ھ

گاڑی کی ٹکر سے مجروح کا حکم:

سوال: ایک ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا، گاڑی کافی تیز تھی، سامنے ایک شخص نمودار ہوا، ڈرائیور نے بچانے کی بے حد کوشش کی مگر وہ جس طرف بھی گاڑی موڑتا وہ شخص اسی طرف سامنے آجاتا، چنانچہ اسے ٹکر لگ گئی، ڈرائیور حکومت کے ڈر سے بھاگ گیا، یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ شخص زندہ بچ گیا یا نہیں؟ اب ڈرائیور کے ذمہ کچھ لازم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ڈرائیور کے لئے بھاگنا جائز نہیں تھا، بھاگنے کے بعد بھی معلومات کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے، تاہم اگر صحیح کیفیت کا علم نہ ہوسکے تو صرف توبہ واستغفار لازم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۷ جمادی الثانیہ ۹۵ھ

وطء بالدابہ کا حکم:

یہ مسئلہ کتاب الحدود والتعزیر ص۱۳ ج ۵ میں بعنوان "حیوان سے بدفعلی کی سزا" گزر چکا ہے۔

حکم ضیاع امانت:

سوال: زید ایک مسجد کا امام ہے اور اس سے ملحقہ مدرسہ کا مہتمم بھی ہے، مسجد و مدرسہ کی رقم ان کے پاس بطور امانت رکھی تھی، وہ کہتے ہیں کہ حفاظت کے باوجود رقم ان کے گھر سے چوری ہوگئی اور اس بات کے مقر ہیں کہ یہ ان کے سالے نے چوری کی ہے اور بھاگ گیا ہے، اس سے رقم ملنے کی کوئی امید نہیں۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ امام صاحب پر ضمان آتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ رقم امانت ہے۔ اگر مہتمم نے واقعۃً اس کی حفاظت کا اہتمام کیا تھا تو اس پر رقم کا ضمان نہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۸ ربیع الثانی ۹۶ھ

مؤذن کی غلطی سے مسجد کی چیز گم ہوگئی تو وہ ضامن ہے:

سوال: ایک مسجد میں تعمیر مسجد کے لئے دو عدد لکڑی کے بکس جمعہ کے دن مسجد میں رکھے جاتے ہیں، نمازی ان میں چندہ ڈالتے ہیں، بکس مسجد کے ساتھ کمرہ میں پڑے رہتے ہیں رات کے وقت مسجد مقفل رہتی ہے۔ مسجد کی تمام چابیاں مؤذن کے پاس رہتی ہیں، تین چار ماہ بعد منتظمہ بکس کھول کر رقم کی گنتی کرکے رسید کاٹتے ہیں۔ پچھلے دنوں دو مرتبہ یہ بکس ٹوٹے ہوئے پائے گئے اور پیسے چوری ہوگئے۔ پہلی مرتبہ انتظامیہ نے مؤذن سے بازپرس کی تو اس نے جواب دیا کہ بکس جمعہ کے وقت مسجد کے صحن میں رکھا ہوا تھا۔ جب جماعت کھڑی ہوئی تو بچوں نے بکس کی کنڈی توڑ دی اور رقم نکال کر لے گئے، بقول اس کے ایک نمازی نے بچوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا تھا، بات آئی گئی ہوگئی۔ اس واقعہ کے کوئی ڈیڑھ ماہ بعد مؤذن نے اطلاع دی کہ میں نے بکس ٹوٹا ہوا پایا ہے۔ یہ سن کر منتظمہ کو حیرانی ہوئی کہ بیس سال کے عرصہ میں کبھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا، کیا بات ہے کہ اس نئے مؤذن کے آنے پر ہی ایسا کیوں ہو رہا ہے، انتظامیہ کو مؤذن پر شک گزرا، انتظامیہ کے ایک رکن نے مؤذن سے چند سوالات کئے:

(۱) کیا آپ نے دوران ہفتہ دیکھا تھا کہ اس کی کیا حالت ہے؟

(۲) جمعہ کے روز جب بکس اٹھایا تھا تو اس میں کچھ رقم معلوم ہو رہی تھی؟

اس طرح کچھ اور بھی سوال کئے، مؤذن نے ہر سوال کے جواب میں عدم علم کا اظہار کیا۔ انتظامیہ کو مؤذن پر شک ہوگیا کہ یہ اسی کی کارستانی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس نے کوئی بھی تسلی بخش جواب نہیں دیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد کے تمام سامان کی حفاظت مؤذن پر ہوتی ہے یا انتظامیہ پر؟ جبکہ تمام تالوں کی چابیاں مؤذن کے پاس ہوتی ہیں۔ نیز سامان چوری ہونے کی صورت میں ضمان آئے گا یا نہیں؟ اگر آئے گا تو کس پر؟ مؤذن پر یا انتظامیہ پر؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عرف عام میں مسجد کا اثاثہ مؤذن کی تحویل میں رہتا ہے اور اس کے پاس امانت ہوتا ہے، اس لئے اگر مناسب حفاظت کے باوجود کوئی نقصان ہوگیا تو مؤذن پر ضمان نہیں اور اگر حفاظت میں غفلت ثابت ہو جائے تو مؤذن پر ضمان ہے۔

صورت مسئولہ میں مؤذن کی غفلت ظاہر ہے، اس لئے اس پر ضمان لازم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۴/ جمادی الاولیٰ ۹۸ھ

وکیل بالشراء پر ضمان نہیں:

سوال: زید نے بکر سے کہا کہ مجھے ایک دوا خرید کر لا دو، لیکن دوا کے لئے دام نہیں دیئے، بکر نے دوا خریدی، دوا کی شیشی اس سے گر کر ٹوٹ گئی، بکر نے دوسری شیشی خرید کر زید کو دے دی۔ اب بکر دونوں شیشیوں کی قیمت زید سے لینے کا حق دار ہے یا صرف ایک شیشی کی قیمت کا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں شیشیوں کی قیمت زید پر ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۳/ شعبان ۹۸ھ

سوار پر وجوب ضمان کی تفصیل:

سوال: ایک نوعمر لڑکے نے گھوڑی کو تیز چلایا، گھوڑی اس کے قابو سے باہر ہو گئی اور ایک بکری اس کی زد میں آکر ہلاک ہو گئی۔ یہ لڑکا نقصان کا ضامن ہوگا یا نہیں؟
بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جب سواری مستی کی وجہ سے بے قابو ہو جائے۔ یعنی سوار اس کے روکنے سے عاجز ہو جائے تو سوار پر ضمان نہیں، خواہ جانی نقصان ہو یا مالی، کیونکہ اس صورت میں فعل دابہ سوار کی طرف منسوب نہیں ہوگا۔

اور اگر سوار کے عجز میں اختلاف ہو جائے تو اثبات عجز کے لئے سوار پر بینہ لازم ہوگا ورنہ خصم کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔

یہ حکم اس وقت ہے جب سوار نے گھوڑی کو معتاد رفتار سے چلایا ہو اور اگر غیر معتاد طور پر چابک وغیرہ لگایا یا سوار نے عمداً اپنی قدرت سے زیادہ رفتار پر چلایا تو اس پر ضمان ہوگا، لانہ متعد کنا حس الدابۃ

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: او انفلتت دابۃ بنفسھا

فاصابت مالا او آدميا نهارا او ليلا لاضمان فی الکل لقوله صلی الله عليه وسلم العجماء جبار ای المنفلتة هدر کما لو جمحت الدابة بهای بالراکب ولو سکران ولم يقدر الراکب علی ردها فانه لا يضمن کالمنفلتة لانه حينئذ ليس بمسير لها فلا يضاف سيرها اليه حتی لو تلفت انسانا فدمه هدر عمادية۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالی : و ذکر الرملی انهما لو اختلفا فی عدم القدرة علی ردها فالقول للخصم والبينة علی مدعی العجز لان انکاره لاصل الضمان فی ضمن الدعوی لا يفيد بعد تحقق سببه تأمل اه ملخصا (رد المحتار ص۳۹ ج ۵) والله سبحانه و تعالی اعلم۔

۱۵ صفر سنہ ۹۹ھ

حیوان کے نقصان پر ضمان کا حکم:

سوال : چہ میفرمایند علماء کرام اندریں مسئلہ کہ اگر کسے خرخود را یا گاؤ یا شتر را در بیابان یعنی جنگل رہا کرد برائے چریدن علف، بعدا این حیوان مذکور آمد زراعت کسے را خورد یا نقصان کرد لیکن یکبار نقصان نکردہ بلکہ چندان بار می آید زراعت مردم تلف میکند، آیا ضمان بر صاحبش لازم یا نہ؟ اگر ضمان لازم است جواب حدیث چیست کہ "العجماء جرحها جبار" وثانیاً اشہاد کردن تنہا دربارۂ تلف مال اعتبار دارد یا نہ؟ اگر دارد جواب عبارت رد المحتار چیست؟

وما لا يخاف منه تلف الآدمی بل يخاف منه تلف المال فقط کعنب الکروم فلا يفيد فيه الاشهاد (رد المحتار ص۲۹۲ ج ۵، ص۲۱ ج ۶)

ولو ارسل بهيمة فافسدت زرعا علی فورها ضمن المرسل وان مالت يمينا اوشمالا وله طريق آخر لا يضمن لما مر (رد المحتار ص۲۹۳ ج ۵، ص۶۱۳ ج ۶)

بينوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس صورت میں ضمان نہیں، البتہ حکومت پر لازم ہے کہ مالک کو تنبیہ کرے، اگر باز نہ آئے تو مناسب سزا دے۔ واللہ سبحانہ و تعالی اعلم۔

۱۷ شوال سنہ ۹۹ھ

اجیر مشترک پر ضمان کا حکم:

سوال: اگر راعی یا دیگر اجنبی دید کہ گوسفند یا گاوی قریب مرگ است اورا ذبح کرد، ذابح ضامن می شود یا نہ؟ واگر از دست راعی گوسفند گم شد ضامن میشود یا نہ؟ ودر بعض شہرہا این طور رسم است کہ روزانہ یک نفر از اہالی قریہ گوسفندان را می چراید، آیا این یک نفر در حکم راعی است در صورت ذبح کردن یا گم کردن گوسفند یا نہ؟ و راعی در اطراف ما اکثر مشترک برای چند نفر می شود ودر رد المحتار این عبارت موجود است:

ولوذ بحھا الراعی او الاجنبی ضمن لورجا حیاتھا او اشکل امرھا ولو تیقن موتھا لا للاذن دلالۃ ھو الصحیح (رد المحتار ص۵۱ ج ۶)

ودر مجمع الانہر این طور است:

فلوذبح الراعی او الاجنبی شاۃ لا یرجی حیاتھا لا یضمن وقال الصدر الشھید یضمن (مجمع الانہر ص۵۲۲ ج ۲)

چونکہ مسئلہ مختلف فیہا است، لہٰذا قول صحیح ومفتی بہ را معلوم کنیم ودر رد المحتار ص۶۵ ج ۶ موجود است:

وبقولھما یفتی۔

پس نزد صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ اجیر مشترک بہر حال ضامن میشود۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تضمین اجیر مشترک کی چار صورتیں ہیں:

(۱) ہلاک بفعل الاجیر ہو اور اس میں تعدی بھی ہو۔

(۲) ہلاک بفعل الاجیر ہو، لیکن اس میں تعدی نہ ہو۔

ان دونوں صورتوں میں وجوب ضمان پر ائمہ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے۔

(۳) ہلاک بفعل الاجیر نہ ہو اور اس سے احتراز بھی ممکن نہ ہو۔

اس صورت میں عدم وجوب ضمان پر اتفاق ہے۔

(۴) ہلاک بفعل الاجیر نہ ہو، البتہ اس سے احتراز ممکن ہو۔

یہ صورت مختلف فیہا ہے، اس میں چار اقوال ہیں:

(۱) امام اعظم رحمہ اللہ تعالی کے نزدیک ضمان واجب نہیں۔
(۲) صاحبین رحمہما اللہ تعالی کے نزدیک ضمان واجب ہے۔
(۳) متأخرین رحمہم اللہ کے نزدیک نصف قیمت واجب ہے۔
(۴) بعض نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر اجیر مصلح ہے تو ضمان نہیں، غیر مصلح ہے تو ضمان واجب ہے اور مستور الحال ہے تو نصف قیمت واجب ہے۔

یہ چاروں اقوال مصحح اور مفتی بہا ہیں، مفتی موقع ومحل پر غور کرکے جو قول مناسب سمجھے اس پر فتوی دے سکتا ہے۔

اس تفصیل کے پیش نظر صورت سؤال میں جب شہادت شرعیہ یا اقرار مالک سے موت ثابت ہوجائے تو اتفاقاً ضمان واجب نہیں، ورنہ صاحبین رحمہما اللہ تعالی کے قول کے مطابق ضمان واجب ہوگا۔

متأخرین کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق نصف قیمت اور پورے ضمان کا فتوی بھی دیا جا سکتا ہے۔

نوبت پر چرانے والا بھی بحکم راعی ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ ولا یضمن الخ) اعلم ان الھلاک اما بفعل الاجیر اولا، والاول اما بالتعدی اولا، والثانی اما ان یمکن الاحتراز عنہ اولا، ففی الاول بقسمیہ یضمن اتفاقا، وفی ثانی الثانی لا یضمن اتفاقا، وفی اولہ لا یضمن عند الامام مطلقا ویضمن عندھما مطلقا وافتی المتأخرون بالصلح علی نصف القیمۃ مطلقا، وقیل ان مصلحا لا یضمن وان غیر مصلح ضمن وان مستورا فالصلح اھ والمراد بالاطلاق فی الموضعین المصلح وغیرہ۔

وفی البدائع: لا یضمن عندہ ما ھلک بغیر صنعہ قبل العمل او بعدہ لانہ امانۃ فی یدہ وھو القیاس۔ وقالا یضمن الا من حرق غالب او لصوص مکابرین وھو استحسان اھ، قال فی الخیریۃ: فھذہ اربعۃ اقوال کلھا مصححۃ مفتی بھا، وما احسن التفصیل الاخیر والاول قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی وقال بعضھم قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی قول عطاء وطاؤس رحمہما اللہ تعالی

وهما من کبار التابعین، وقولهما قول عمر وعلی رضی الله تعالی عنهما وبه یفتی احتشاما لعمر وعلی رضی الله تعالی عنهما وصیانة لاموال الناس والله اعلم اه وفی التبیین: وبقولهما یفتی لتغیر احوال الناس، وبه یحصل صیانة اموالهم اه لانه اذا علم انه لا یضمن ربما یدعی انه سرق او ضاع من یده۔ وفی الخانیة والمحیط والتتمة: الفتوی علی قوله، فقد اختلف الافتاء، وقد سمعت ما فی الخیریة، وقال ابن ملك فی شرح المجمع: وفی المحیط: الخلاف فیما اذا کانت الاجارة صحیحة فلو فاسدة لا یضمن اتفاقا، لان العین حینئذ تکون امانة لکون المعقود علیه وهو المنفعة مضمونة باجر المثل اه (رد المحتار ص ۰۰ ج ۵) والله سبحانه وتعالی اعلم۔

۱۷ شوال سنہ ۹۹ھ

دھوبی کے ہاں ضائع ہونے والے کپڑے کا ضمان:

سوال: دھوبی کے ہاں جو کپڑے دھلنے جاتے ہیں، اگر ان میں کوئی کپڑا ضائع ہو جائے تو دھوبی اس کی آدھی قیمت مالک کو دیتا ہے، یہ قیمت مالک کے لئے لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جائز ہے، البتہ اگر ضیاع متیقن ہو تو جائز نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی: (قوله ولا یضمن الخ) اعلم ان الهلاك اما بفعل الاجیر اولا والاول اما بالتعدی اولا والثانی اما ان یمکن الاحتراز عنه اولا ففی الاول بقسمیه یضمن اتفاقا وفی ثانی الثانی لا یضمن اتفاقا وفی اوله لا یضمن عند الامام رحمه الله تعالی مطلقا ویضمن عندهما رحمهما الله تعالی مطلقا وافتی المتأخرون بالصلح علی نصف القیمة مطلقا وقیل ان مصلحا لا یضمن وان غیر مصلح ضمن وان مستورا فالصلح اهـ والمراد بالاطلاق فی الموضعین المصلح وغیره (رد المحتار ص ۰۰ ج ۵)

وقال ایضا: وحاصل ما فی الطوری عن المحیط ان ضمان المشترك ما تلف مقید بثلاثة شرائط ان یکون فی قدرته رفع ذلك فلو غرقت بموج

او ریح أو صدمتہ جبل لا یضمن وان یکون محل العمل مسلما الیہ بالتخلیۃ فلو ربا لمتاع او وکیلہ فی السفینۃ لا یضمن وان یکون المضمون مما یجوز ان یضمن بالعقد فلا یضمن الآدمی کما یأتی (رد المحتار ص۲ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۰ھ

ضمان میں قیمت مثل سے زائد لینا جائز نہیں :

سوال : اگر دکان پر کوئی گاہک یا اس کا بچہ کوئی نقصان کر دے تو کیا اس چیز کی قیمت نفع کے ساتھ وصول کرنا جائز ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بازار کی عام قیمت کے برابر لینا جائز ہے، زائد نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۸ جمادی الثانیہ سنہ ۱۴۰۰ھ

طبیب پر وجوب ضمان کی تفصیل :

سوال : طبیب یا ڈاکٹر کے علاج سے اگر کوئی مر جائے یا اس کا کوئی عضو تلف ہو جائے تو طبیب یا ڈاکٹر پر ضمان واجب ہوگا یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

طبیب کی دو قسمیں ہیں :

(۱) حاذق (۲) جاہل

طبیب حاذق کا حکم :

اس کے لئے علاج کرنا جائز ہے اور اس سے رفع ضمان کے لئے دو شرائط ہیں :

(۱) مریض یا اس کے ولی نے علاج کی اجازت دی ہو۔

(۲) علاج اصول طبیہ کے مطابق کیا ہو۔

اگر ان میں سے کوئی شرط مفقود ہو اور مریض کا نقصان ہو جائے تو ضمان واجب ہے۔ اگر بلا اذن علاج کیا تو پورا ضمان واجب ہے اور اذن سے کیا ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے :

(۱) علاج کا پورا طریقہ اور عمل اصول طبیہ کے خلاف ہو تو :

اس صورت میں اگر مریض ہلاک ہو گیا تو پوری دیت لازم ہوگی اور اگر کوئی عضو تلف ہو گیا تو بحسب تفصیل فقہاء رحمہم اللہ تعالی ضمان واجب ہوگا۔

(۲) کچھ عمل اصول طبیہ کے مطابق کیا اور کچھ اس کے خلاف تو :

اس صورت میں مریض ہلاک ہوگیا تو نصف دیت واجب ہوگی، اور اگر عضو تلف ہوگیا تو پورا ضمان واجب ہوگا اور اگر عضو میں نقصان آیا تو موضع معتاد سے تجاوز کی وجہ سے جو نقصان ہوا اسی کی بقدر ضمان آئے گا۔

طبیب جاہل کا حکم:

اس کے لئے علاج کرنا جائز نہیں اور بہر صورت پورا ضمان واجب ہوگا، خواہ اصول طبیہ کے مطابق علاج کرے یا ان کے خلاف، مریض یا اس کے ولی کی اجازت سے علاج کرے یا بلا اجازت۔

تنبیہ: وجوب ضمان اس صورت میں ہے کہ علاج میں ڈاکٹر یا طبیب کا اپنا ہاتھ استعمال ہوا ہو، مثلاً آپریشن کیا ہو یا انجکشن لگایا ہو یا اپنے ہاتھ سے دواء پلائی ہو، اگر دواء بنا کر یا لکھ کر مریض کو دے دی، مریض نے خود اپنے ہاتھ سے دواء پی تو ضمان واجب نہ ہوگا۔

البتہ تعزیر بہر صورت واجب ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا ضمان علی حجام وبزاغ ای بیطار وفصاد لم یجاوز الموضع المعتاد فان جاوز المعتاد ضمن الزیادۃ کلها اذا لم یهلك المجنی علیه وان هلك ضمن نصف دیۃ النفس لتلفها بمأذون فیه وغیر مأذون فیه فیتنصف ثم فرع علیه بقوله فلو قطع الختان الحشفۃ وبرئ المقطوع تجب علیه دیۃ کاملۃ لانه لما برئ کان علیه ضمان الحشفۃ وهی عضو کامل کاللسان فان مات فالواجب علیه نصفها لحصول تلف النفس بفعلین احدهما مأذون فیه وهو قطع الجلدۃ والآخر غیر مأذون فیه وهو قطع الحشفۃ فیضمن النصف ولو شرط علی الحجام ونحوه العمل علی وجه لا یسری لا یصح لانه لیس فی وسعه الا اذا فعل غیر المعتاد فیضمن عمادیۃ وفیها سئل صاحب المحیط عن فصاد قال له غلام او عبد افصد لی ففصده فصدا معتادا فمات بسببه قال تجب دیۃ الحر وقیمۃ العبد علی عاقلۃ الفصاد لانه خطأ وسئل عمن فصد نائما وترکه حتی مات من السیلان قال یجب القصاص۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله لم یجاوز الموضع المعتاد) ای وکان بالاذن قال فی الکافی عبارۃ المختصر ناطقۃ بعدم التجاوز وساکتۃ

عن الاذن وعبارۃ الجامع الصغیر ناطقۃ بالاذن ساکتۃ عن التجاوز فصار مانطق بہ ھذا بیانا لما سکت عنہ الآخر ویستفاد بمجموع الروایتین اشتراط عدم التجاوز والاذن لعدم الضمان حتی اذا عدم احدھما اوکلاھما یجب الضمان انتھی طوری وعلیہ ما یأتی عن العمادیۃ (قولہ فلو قطع الختان الحشفۃ) ای کلھا قال فی الشرنبلالیۃ وبقطع بعضھا یجب حکومۃ عدل کما ذکرہ الاتقانی (قولہ دیۃ کاملۃ) قال الزیلعی ھذا من اعجب المسائل حیث وجب الاکثر بالبرء والاقل بالھلاک (قولہ تجب دیۃ الحر) ای لو کان الغلام حرا وقیمۃ العبد لو کان عبدا قال ح لان فعلہ غیر مأذون فیہ حیث لم یعتبرا ذنھما للحجر علیھما فی الاقوال (قولہ لانہ خطأ) ای من القتل خطأ اذ لم یتعمد قتلہ والدلیل علیہ عدم مجاوزۃ الفعل المعتاد ط (قولہ قال یجب القصاص) لانہ قتلہ بمحدد ط ای وھو قاصد لقتلہ فکان عمدا (رد المحتار ص۳۶۹ ج ۵)

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: یمنع مفت ماجن یعلم الحیل الباطلۃ کتعلیم الردۃ لتبین من زوجھا او تسقط عنھا الزکوۃ وطبیب جاھل۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ وطبیب جاھل) بأن یسقیھم دواء مھلکا واذا قوی علیھم لا یقدر علی ازالۃ ضررہ زیلعی (رد المحتار ص۹۳ ج ۵)

قال الامام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالی: حدثنا محمد بن العلاء نا حفص نا عبد العزیز بن عمر بن عبد العزیز حدثنی بعض الوفد الذین قدموا علی ابی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما طبیب تطبب علی قوم لا یعرف لہ تطبب قبل ذلک فاعنت فھو ضامن قال عبد العزیز اما انہ لیس بالنعت انما ھو قطع العروق والبط والکی۔

(سنن ابی داود ص۲۸۲ ج ۲)

قال العلامۃ السھارنفوری رحمہ اللہ تعالی: اما انہ لیس بالنعت

ای حکم الضمان لیس بالوصف باللسان وکذا حکم الکتابۃ فانہ اذا وصف الدواء لانسان فعمل بالمریض فھلک لا یلزم الطبیب الدیۃ انما ھو ای حکم الضمان قطع العروق والبط ای الشق والکی بالنار (بذل المجہود ج ۶ ص ۱۸۷)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۶ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ

بطور ضمان مصارف علاج وصول کرنا:

سوال: زید کو بکر نے چاقو مار کر شدید زخمی کر دیا، وہ ہسپتال میں زیر علاج ہے، علاج، ڈاکٹروں سے سرٹیفکیٹ لینے میں اور پولیس میں زید کے کئی ہزار روپے خرچ ہوگئے، اب صلح کے وقت زید بکر سے دس ہزار روپے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ کیا زید کے لئے یہ روپے وصول کر کے صلح کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۰ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ

آلات معصیت توڑنے پر حکم وجوب ضمان:

یہ مسئلہ "کتاب الحظر والاباحۃ" میں بعنوان "آلات معصیت توڑنے کا حکم" گذر چکا ہے۔

باب القود

حق قصاص کی تفصیل:

سوال: زید نے خالد کو ناحق قتل کر دیا، حکومت وقت زید کو چند سال جیل میں رکھ کر چھوڑ دیتی ہے، یا زید اصلاً حکومت کے ہاتھ نہیں آتا، کوہستان میں ہے، حکومت اس کو پکڑنے سے عاجز ہے، ان حالات میں خالد کا بھائی یا اس کا کوئی دوسرا رشتہ دار یا قوم کا کوئی شخص زید کو خالد کے عوض میں قتل کر دیتا ہے۔ کیا از نظر شرع خالد کے ورثہ کو یہ اختیار ہے کہ زید سے خالد کا قصاص لیں، حکومت اس پر راضی نہیں، وہ کہتی ہے کہ ہم خود فیصلہ کریں گے اور حکومت کا فیصلہ صرف چند سال قید ہے۔ امید ہے کہ مسئلہ وضاحت کے ساتھ مع ادلہ بیان کر کے عند اللہ ماجور ہوں گے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قال اللہ تعالی: ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا۔

① قال العلامۃ الالوسی رحمہ اللہ تعالی: (ومن قتل مظلوما) بغیر حق یوجب قتلہ او یبیحہ للقاتل حتی انہ لا یعتبر اباحتہ لغیر القاتل وقد نص علماؤنا ان من علیہ قصاص اذا قتلہ غیر من لہ القصاص یقتص لہ ولا یفید ہ قول الولی انا امرتہ بذلک الا ان یکون الامر ظاہرا (فقد جعلنا لولیہ) لمن یلی امرہ من الوارث او السلطان عند عدم الوارث واقتصار البعض علی الاول رعایۃ للاغلب (سلطانا) ای تسلطا واستیلاء علی القاتل بمؤاخذتہ باحد الامرین القصاص او الدیۃ وقد تتعین الدیۃ کما فی القتل الخطأ والمقتول خطأ مقتول ظلما بالمعنی الذی اشیر الیہ۔ (روح المعانی ص ۶۹ ج ۱۵)

② وقال الامام ابوبکر الجصاص رحمہ اللہ تعالی: القتل ینقسم

الی اربعۃ انحاء واجب و مباح و محظور وما لیس بواجب ولا محظور ولا مباح (الی ان قال) واما المباح فھو القتل الواجب لولی الدم علی وجہ القود فھو مخیر بین القتل والعفو (احکام القرآن للجصاص ص۳۶ ج ۲)

③ وقال فی موضع آخر فی تفسیر قولہ تعالی (ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق) وقال الضحاک السلطان انہ مخیر بین القتل وبین اخذ الدیۃ وعلی السلطان ان یطلب القاتل حتی یدفعہ الیہ۔
(احکام القرآن للجصاص ص۲۶ ج۳)

④ وقال ابو بکر بن العربی رحمہ اللہ تعالی: و تحقیق ذلک ان اللہ تعالی اوجب القصاص ردعا عن الاتلاف وحیاۃ للباقین وظاھرہ ان یکون حقا لجمیع الناس کالحدود والزواجر عن السرقۃ والزنا حتی لا یختص بھا مستحق بید ان الباری تعالی استثنی القصاص من ھذہ القاعدۃ وجعلہ للاولیاء الوارثین لیتحقق فیہ العفو الذی ندب الیہ فی باب القتل ولم یجعل عفوا فی سائر الحدود لحکمتہ البالغۃ وقدرتہ النافذۃ ولذا قال صلی اللہ علیہ وسلم من قتل لہ قتیل فھو بخیر النظرین بین ان یقتل او یأخذ الدیۃ وکانت ھذہ کما تقدم ذکرہ خاصیۃ اعطیتھا ھذہ الامۃ تفضلا وتفضیلا وحکمۃ وتفصیلا فخص بذلک الاولیاء لیتصور العفو او الاستیفاء لاختصاصہ بالحزن (احکام القرآن ص۱۹۴ ج۳)

⑤ ثم قال (قولہ سلطانا) فیہ خمسۃ اقوال (الی ان قال) اما طلبہ حتی یدفع الیہ فھو ابتداء الحق وآخرہ استیفاؤہ وھو القول الخامس۔
(احکام القرآن ص۱۹۵ ج ۳)

⑥ وقال الامام الخازن رحمہ اللہ تعالی: (ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا) ای قوۃ وولایۃ علی القاتل بالقتل وقیل سلطانہ ھو انہ یتخیر فان شاء استقاد منہ وان شاء اخذ الدیۃ وان شاء عفا (تفسیر خازن ص۱۴۳ ج۳)

⑦ وقال العلامۃ ابو البرکات النسفی رحمہ اللہ تعالی: (سلطانا)

تسلطا على القاتل فى الاقتصاص منه (مدارک التنزیل بہامش الخازن ص۱۶۷ ج ۳)

نصوص الفقه:

① قال الامام المرغينانى رحمه الله تعالى: ومن قتل وله اولياء صغار وكبار فللكبار ان يقتلوا القاتل عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى وقالا رحمهما الله تعالى ليس لهم ذلك حتى يدرك الصغار (ہدایہ ص۵۶۵ ج ۴)

② وقال العلامة البابرتى رحمه الله تعالى: اذا كان اولياء القتيل صغارا وكبارا فاما ان يكون فيهم الاب اولا فان كان فلهم الاستيفاء عند علمائنا رحمهم الله تعالى بالاتفاق وان لم يكن فكذلك عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى وقالا رحمهما الله تعالى ليس لهم ذلك حتى يدرك الصغار۔ (العناية بهامش الفتح ص۱۶۲ ج ۹)

③ وقال الامام الكاسانى رحمه الله تعالى: فان كان الكل كبارا فلكل واحد منهم ولاية استيفاء القصاص حتى لو قتله احدهم صار القصاص مستوفى (الى ان قال بعد اسطر) وكذا اذا كان الكل حضورا لا يجوز لهم ولا لاحدهم ان يوكل فى استيفاء القصاص على معنى انه لا يجوز للوكيل استيفاء القصاص مع غيبة الموكل لاحتمال ان الغائب قد عفا ولان فى اشتراط حضرة الموكل رجاء العفو منه عند معاينة حلول العقوبة بالقاتل (بدائع ص۲۴۳ ج ۷)

④ وقال ايضا: وكذا اذا قتل من عليه القصاص بغير حق او بحق بالردة والقصاص بأن قتل انسانا فقتل به قصاصا يسقط القصاص ولا يجب المال لما قلنا (بدائع ص۲۴۶ ج ۷)

⑤ وقال العلامة الحصكفى رحمه الله تعالى: من عليه التعزير لو قال لرجل اقم على التعزير ففعله ثم رفع للحاكم فانه يحتسب به قنية واقره المصنف ومثله فى دعوى الخانية لكن فى الفتح ما يجب حقا للعبد لا يقيمه الا الامام لتوقفه على الدعوى الا ان يحكما فيه فليحفظ۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله لا يقيمه الا الامام) وقيل لصاحب الحق كالقصاص وجه الاول ان صاحب الحق قد يسرف فيه

غلطا بخلاف القصاص لانہ مقدر کما فی البحر عن المجتبی (رد المحتار ص۸ ج۳)

⑥ وقال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالی: وللکبار القود قبل کبر الصغار۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ وللکبار القود الخ) ای اذا قتل رجل لہ ولی کبیر و صغیر کان للکبیر ان یقتل قاتلہ عندہ لانہ حق مشترک وفی الاصل ان کان الکبیر ابا استوفی القود بالاجماع وان کان اجنبیا بأن قتل عبد مشترک بین اجنبیین صغیر وکبیر لیس لہ ذلک وفی الکلام اشارۃ الی انہ لوکان الکل صغارا لیس للاخ والعم ان یستوفیہ کما فی جامع الصغار فقیل ینتظر بلوغ احدھم وقیل یستوفی السلطان کما فی الاختیار والقاضی کالسلطان والی انہ لوکان الکل کبارا لیس للبعض ان یقتص دون البعض ولا ان یوکل باستیفائہ لان فی غیبۃ الموکل احتمال العفو فالقصاص یستحقہ من یستحق مالہ علی فرائض اللہ تعالی ویدخل فیہ الزوج والزوجۃ کما فی الخلاصۃ والی انہ لا یشترط القاضی کما فی الخزانۃ والی انہ لوکان القتل خطأ لم یکن للکبیر الا استیفاء حصۃ نفسہ کما فی الجامع قہستانی وقولہ لا یشترط القاضی ای قضاؤہ فمن لہ القصاص لہ ان یقتص سواء قضی بہ اولا کما فی البزازیۃ (رد المحتار ص۳۴۷ ج۵)

⑦ وقال العلامۃ الرافعی رحمہ اللہ تعالی: (قولہ وقیل یستوفی السلطان) فی منہوات الانقروی اذا کان الورثۃ کلھم صغارا فاستیفاء القصاص الی السلطان ھو الاصح وجیز والمجنون والمعتوہ کالصبی۔

(التحریر المختار ص۳۲۳ ج۲)

⑧ وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: ولو قال ولی القتیل بعد القتل ای بعد قتل الاجنبی کنت امرتہ لقتلہ ولا بینۃ لہ علی مقالتہ لا یصدق ویقتل الاجنبی درر (رد المحتار ص۳۴۷ ج۵)

⑨ وقال ایضا: وظاھرہ ان حق الولی یسقط رأسا کما لو مات

القاتل حتف انفہ (حوالہ بالا)

(۱۰) وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی معزیا للتتارخانیۃ:
اذا قتل القاتل بحق او بغیر حق سقط عنہ القصاص بغیر مال وکذا اذا
مات (رد المحتار ص۳۴۹ ج ۵)

(۱۱) وقال ایضا: لو استوفاہ بعض الاولیاء لم یضمن شیئا وفی
المجتبی والدرر دم بین اثنین فعفا احدھما وقتلہ الآخر ان علم ان عفو
بعضھم یسقط حقہ یقاد والا فلا والدیۃ فی مالہ (حوالہ بالا)

(۱۲) وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وعفو الولی عن القاتل
افضل من الصلح والصلح افضل من القصاص (رد المحتار ص۳۵۲ ج ۵)

(۱۳) وقال ایضا: الامام شرط استیفاء القصاص کالحدود وعند
الاصولیین وفرق الفقہاء اشباہ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ وفرق الفقہاء)
ای بین القصاص والحدود فیشترط الامام لاستیفاء الحدود دون القصاص حموی قال فی
الھندیۃ واذا قتل الرجل عمدا ولہ ولی واحد فلہ ان یقتلہ قصاصا قضی القاضی بہ اولم
یقض اھ ط (رد المحتار ص۳۵۲ ج ۵)

(۱۴) وفی العلائیۃ عن الاشباہ: الحدود کالقصاص الا فی سبع۔

وفی الشامیۃ: (تنبیہ) زاد الحموی ثامنۃ وھی اشتراط الامام لاستیفاء
الحدود دون القصاص (رد المحتار ص۳۵۳ ج ۵)

(۱۵) وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: ویسقط القود بموت القاتل
لفوات المحل (رد المحتار ص۳۵۷ ج ۵)

(۱۶) وقال ایضا: القود یثبت للورثۃ ابتداء بطریق الخلافۃ من غیر
سبق ملک المورث لان شرعیۃ القود لتشفی الصدور ودرک الثأر والمیت
لیس باھل لہ وقولہ تعالی فقد جعلنا لولیہ سلطانا نص فیہ

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ القود یثبت
للورثۃ) قال فی الخانیۃ یستحق القصاص من یستحق میراثہ علی فرائض

الله تعالى يدخل فيه الزوج والزوجة اه (رد المحتار ص۳۶۴ ج ۵)

عبارات بالا سے امور ذیل مستفاد ہوئے:

(۱) اگر وارث قاتل پر قادر نہیں تو حکومت پر لازم ہے کہ قاتل کو پکڑ کر ولی مقتول کے حوالہ کرے۔

(۲) اگر کسی ایک وارث نے قاتل کو قتل کر دیا تو بھی قصاص ادا ہو گیا، باقی وارثوں کو حق اعتراض نہیں، یعنی جبکہ کسی وارث نے معاف نہ کیا ہو، معاف کرنے کی تفصیل آگے نمبر ۱۳ و ۱۴ میں آ رہی ہے۔

(۳) اگر وارثوں میں بعض چھوٹے ہوں اور بعض بڑے تو قتل عمد موجب قصاص میں بڑوں کو قصاص لینے کا حق ہے۔ چھوٹے وارثوں کے بلوغ کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔

(۴) اگر سب وارث چھوٹے ہوں یا مجنون و معتوہ ہوں تو کوئی اجنبی قاتل کو قصاصاً قتل نہیں کر سکتا، بھائی اور چچا اگر ارث سے محروم ہوں تو وہ بھی اجنبی کے حکم میں ہیں، اس صورت میں حاکم قصاص لے گا۔

(۵) قصاص لینے کا حق ان لوگوں کو ہے جن کو میت کے ترکہ سے حصہ ملتا ہے۔

(۶) اولیاء میں قتیل کا والد موجود ہو تو بوقت اخذ قصاص اولیاء میں سے کسی دوسرے کا موجود ہونا ضروری نہیں، اور اگر والد موجود نہ ہو تو سب اولیاء کا موجود ہونا ضروری ہے۔

(۷) توکیل کی صورت میں بوقت قصاص موکل کا موجود ہونا ضروری ہے، ولی قصاص کسی کو وکیل بنا کر مجلس قصاص سے غائب ہو گیا تو قصاص لینا جائز نہیں۔

(۸) قتل موجب دیت میں دیت ورثہ میں بقدر حصص تقسیم ہوگی۔

(۹) قتل موجب دیت میں اگر وارثوں میں سے بعض چھوٹے ہوں تو بڑے کو پوری دیت لینا جائز نہیں، وہ صرف اپنا حصہ لے سکتا ہے۔

(۱۰) اگر ولی مقتول نے کسی اجنبی کو حکم دیا اور اس حکم دینے پر گواہ موجود ہوں یا لوگوں میں علی الاعلان حکم دیا ہو تو وہ ولی کی موجودگی میں قاتل کو قتل کر سکتا ہے۔

(۱۱) اگر شاہد موجود نہ ہوں اور اجنبی نے قاتل کو قتل کر دیا، پھر ولی مقتول کہتا ہے کہ میں نے حکم دیا تھا تو اس کا قول معتبر نہیں ہوگا، بلکہ اجنبی سے قصاص لیا جائے گا۔

(۱۲) اگر کسی اجنبی نے قاتل کو قتل کر دیا یا وہ مر گیا تو مقتول اول کے ورثہ کا حق ساقط

ہوجاتا ہے، وہ مقتول ثانی کے ورثہ پر یا ترکہ پر کسی قسم کا دعوی نہیں کر سکتے۔

(۱۳) اگر کوئی وارث اپنا حق قصاص معاف کر دے تو قصاص ساقط ہو جائے گا، باقی ورثہ قصاص نہیں لے سکتے بلکہ دیت لیں گے۔

(۱۴) اگر کسی وارث کے معاف کر دینے کے باوجود دوسروں نے قصاص لے لیا تو اگر قصاص لینے والے کو یہ معلوم تھا کہ بعض وارثوں کا معاف کرنا مسقط قصاص ہے تو قصاص لینے والے سے قصاص لیا جائے گا اور اگر معلوم نہ تھا تو قصاص نہیں بلکہ اس کے مال میں دیت آئے گی۔

(۱۵) معاف کر دینا افضل ہے صلح کرنے سے اور صلح کرنا افضل ہے قصاص لینے سے۔

امور بالا سے سوال کا جواب ظاہر ہو گیا۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۵ جمادی الآخرۃ ۸۹ھ

بدون توبہ قتل کا گناہ معاف نہیں ہوتا:

سوال: زید نے بکر کو قتل کر دیا۔ اگر زید بکر کے ورثہ کو کچھ رقم دے کر راضی کر لے تو آخرت کے عذاب سے بچ جائے گا یا نہیں؟ اگر ورثہ رضامند نہ ہوں اور حکومت زید کو دس سال قید کی سزا دے تو اس سے اس کا گناہ معاف ہو جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عذاب آخرت سے بچنے کے لئے توبہ واستغفار اور مقتول کے ورثہ کو راضی کرنا دونوں امر ضروری ہیں، لہذا صرف قید کی سزا کاٹنے یا صرف ورثہ کو راضی کرنے سے گناہ معاف نہیں ہوگا۔ توبہ وارضاء ورثہ کے بعد بھی قتیل کا حق ادا نہیں ہوگا۔ اس کو آخرت میں مطالبہ کا حق ہوگا۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی: (قوله لا تصح توبة القاتل حتی یسلم نفسه للقود) ای لا تکفیه التوبة وحدها قال فی تبیین المحارم واعلم ان توبة القاتل لا تکون بالاستغفار والندامة فقط بل یتوقف علی ارضاء اولیاء المقتول فان کان القتل عمدا لا بد ان یمکنهم من القصاص منه فان شاؤا قتلوه وان شاؤا عفوا عنه مجانا فان عفوا عنه کفته التوبة اه ملخصا وقدمنا آنفا انه بالعفو عنه یبرأ فی الدنیا وهل

یبرأ فیما بینه وبین اللہ تعالیٰ ھو بمنزلۃ الدین علی رجل فمات الطالب وابرأته الورثۃ یبرأ فیما بقی اما فی ظلمه المتقدم لا یبرأ فکذا القاتل لا یبرأ عن ظلمه ویبرأ عن القصاص والدیۃ تتارخانیۃ اقول والظاھران الظلم المتقدم لا یسقط بالتوبۃ لتعلق حق المقتول به واما ظلمه علی نفسه باقدامه علی المعصیۃ فیسقط بھا تأمل وفی الحامدیۃ عن فتاوی الامام النووی رحمه اللہ تعالیٰ مسألۃ فیمن قتل مظلوما فاقتص وارثه او عفا علی الدیۃ او مجانا ھل علی القاتل بعد ذلك مطالبۃ فی الآخرۃ الجواب ظواھر الشرع تقتضی سقوط المطالبۃ فی الآخرۃ اھ وکذا قال فی تبیین المحارم ظاھر بعض الاحادیث یدل علی انه لا یطالب وقال فی مختار الفتاوی القصاص مخلص من حق الاولیاء واما المقتول فیخاصمه یوم القیامۃ فان بالقصاص ما حصل فائدۃ للمقتول وحقه باق علیه اھ وھو مؤید لما استظھرته (رد المحتار ص۳۵۲ ج ۵) واللہ سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

۲۲ صفر سنہ ۸۹ھ

سزا سے حق قصاص وحق صلح ساقط نہیں ہوتا:

سوال: دو اشخاص نے مل کر ایک شخص کو قتل کیا، حکومت نے دونوں کو جیل اور بھاری جرمانہ کی سزا دی۔ رہائی کے بعد مقتول کے ورثہ نے قصاص اور خون بہا کا مطالبہ کیا، کیا حکومت کی سزا کے بعد ان کا یہ مطالبہ درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر حکومت نے مقتول کے ورثہ سے قصاص اور خون بہا معاف نہیں کرایا اور نہ ہی ان کو قاتلین سے خون بہا دلوایا تو ورثہ کا مطالبہ درست ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۶ جمادی ثانیہ سنہ ۹۱ھ

محارم کے ایک دوسرے کو قتل کرنے میں حق قصاص کی تفصیل:

سوال: مندرجہ ذیل صورتوں میں حکم شرع کیا ہے؟

① زید نے اپنے بیٹے بکر کو عمدًا یا خطأً قتل کیا۔

(۲) بکر نے اپنے باپ زید کو عمداً یا خطأً قتل کر دیا۔
(۳) کسی نے اپنے سگے بھائی کو عمداً یا خطأً قتل کر دیا۔
ان تمام صورتوں میں باپ بیٹے اور بھائیوں کے درمیان قصاص، دیت اور وراثت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

(۱) خطأً و عمد دونوں صورتوں میں باپ پر دیت واجب ہوگی، قتل خطأ میں باپ کے عاقلہ پر اور عمد میں باپ کے اپنے مال میں۔

(۲و۳) باپ اور بھائی کے قاتل کو عمد کی صورت میں قصاصاً قتل کیا جائے گا اور خطأ کی صورت میں اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔

تینوں صورتوں میں قتل خطأ ہو تو کفارہ بھی واجب ہوگا اور میراث سے بہرصورت محروم رہے گا خواہ قتل عمداً ہو یا خطأً۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: والفرع باصله وان علا لا بعكسه خلافا لمالك رحمه الله تعالى فيما اذا ذبح ابنه ذبحا اى لايقتص الاصول وان علوا مطلقا ولو اناثا من قبل الام فى نفس او اطراف بفروعهن وان سفلوا لقوله عليه السلام لا يقاد الوالد بولده وهو وصف معلل بالجزئية فيتعدى لمن علا لانهم اسباب فى احيائه فلا يكون سببا لافنائهم وحينئذ فتجب الدية فى مال الاب فى ثلاث سنين لان هذا عمد والعاقلة لا تعقل العمد (رد المحتار ص۳۴۴ ج ۵)

وقال ايضا فى بيان القتل العمد: وموجبه الاثم والقود عينا لا الكفارة لانه كبيرة محضا (رد المحتار ص۳۴۰ ج ۵)

وقال ايضا: وكل ذلك يوجب حرمان الارث لو الجانى مكلفا ابن كمال۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله وكل ذلك) اى ماتقدم من اقسام القتل الخمسة المأذون فيه ط (رد المحتار ص۳۴۲ ج ۵)

وفى الهندية: وان كان الوالد قتل ولده خطأ فالدية على عاقلته

وعلیہ الکفارۃ فی الخطأ (عالمگیریۃ ص ۶ ج ۶) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۸ محرم سنہ ۹۸ھ

عفو کے بعد مطالبۂ قصاص جائز نہیں:

سوال: اولیاء مقتول نے دو گواہوں کے سامنے قاتل کو معاف کر دیا۔ اب انہیں دوبارہ قصاص کا مطالبہ کرنے کا حق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایک مرتبہ معاف کرنے سے حق قصاص ہمیشہ کے لئے ساقط ہو گیا، اب دوبارہ مطالبہ جائز نہیں، واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۸ صفر سنہ ۹۸ھ

منصوبہ ایک کے قتل کا تھا قتل دوسرا ہو گیا:

سوال: عمرو زید پر قتل کی سازش کا دعوی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ زید نے جن چار اشخاص کو اس کے قتل پر مامور کیا تھا انہوں نے اس کی بجائے اس کے باپ کو قتل کر دیا۔ دریافت طلب امر ہے کہ اس صورت میں آمر اور مامورین کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

امر قتل ہی گناہ کبیرہ ہے، خواہ اس پر کوئی قتل ہو یا نہ ہو، لہٰذا آمر پر توبہ و استغفار لازم ہے اور مامورین جو مباشرین قتل ہیں ان سے قصاص لیا جائے گا اگرچہ انہوں نے غیر مقصود کو قتل کیا ہے۔ کیونکہ یہ قتل عمد ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۵ محرم سنہ ۹۹ھ

ضرب بالمثقل بقصد قتل موجب قصاص ہے:

سوال: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی نے قتل شبہ عمد کی تعریف یہ کی ہے کہ عمداً ایسی چیز سے قتل کیا جائے جو نہ ہتھیار ہو اور نہ ہتھیار کے قائم مقام ہو کما فی الہدایۃ ص ۵۶۰ ج ۴۔ صاحبین رحمہما اللہ نے یہ تعریف کی ہے:

ان یتعمد ضربہ بما لا یقتل بہ غالبا (ھدایۃ ص ۵۶۰ ج ۴)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کا مذہب بھی صاحبین رحمہما اللہ تعالی کے مطابق ہے،

لہذا بڑے پتھر یا بڑی لاٹھی سے قتل یا زیادہ پانی میں غرق کرکے یا پہاڑی سے گرا کر، غرض ایسی چیز سے جو اجزاء کو کاٹ کر جدا نہ کرے، قتل کرنا امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شبہ عمد ہوگا اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں قتل عمد ہوگا۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے آلۂ قتل سلاح وغیرہ کو نیت قتل کا مظہر قرار دیا ہے، لہذا سلاح سے قتل قتل عمد ہوگا اور غیر سلاح سے قتل قتل شبہ عمد ہوگا۔ جبکہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک مایقتل بہ غالبًا سے عمد ہوگا اور مالا یقتل بہ غالبًا شبہ عمد ہوگا۔

دریافت طلب یہ ہے کہ اس دور میں قتل بالمثقل کے واقعات بکثرت ہیں، اسی طرح آلۂ جارحہ سے قتل بھی روزمرہ کا معمول ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کو اگر ملکی قانون کا درجہ دیا جائے تو خطرہ ہے کہ قتل کے واقعات میں اضافہ ہوجائے گا، کیونکہ شبہ عمد کی سزا دیت ہے اور آج کل لوگوں کے پاس روپیہ عام ہے، پھر روپے ادا کرنے میں بھی بہت سہولت ہے کہ اول تو عاقلہ دیت ادا کریں گے، مزید یہ کہ تین سال تک ادا کرنے کی مہلت ہے۔

اس کے مقابل صاحبین رحمہما اللہ کی تعریف اس دور کے مناسب ہے اور شرح عقود رسم المفتی کی عبارت ذیل سے واضح ہے کہ قضاء کے معاملہ میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا۔

وفی القنیۃ مزباب المفتی بالفتوی علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فیما یتعلق بالقضاء لزیادۃ تجربتہ کذا فی البزازیۃ من القضاء۔ (شرح عقود رسم المفتی ص۲۹)

نیز اس کتاب کے ص۱۷ پر تصریح ہے کہ صاحبین رحمہما اللہ کا قول درحقیقت امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کے کسی اصل کی فرع ہوتا ہے۔ خود امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بھی شبہ عمد ہونے کے لئے یہ شرط لگاتے ہیں کہ ضارب کا قصد صرف تادیب کا ہو اتلاف نفس کا نہ ہو، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر قصد اتلاف نفس کا ہو تو قتل بالمثقل ان کے نزدیک بھی عمد میں داخل ہوگا، جیسا کہ عبارات ذیل میں اس کی تصریح ہے۔

یشترط عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ای فی شبہ العمد ان یقصد التادیب دون الاتلاف (رد المحتار ص۳۴۱ ج ۵)

اعلاء السنن جلد ۱۸ میں بھی قتل بالمثقل بقصد القتل سے وجوب قصاص کا ذکر موجود ہے۔

اس تفصیل کے پیش نظر اگر دور حاضر میں صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ دیا جائے تو احادیث ذیل کا کیا جواب ہوگا؟

(۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتیل السوط و العصا شبہ العمد۔

(۲) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا ان قتیل خطأ العمد بالسوط والعصا والحجر فیہ دیۃ مغلظۃ مائۃ من الابل فیہا اربعون خلفۃ فی بطونہا اولادہا (احکام القرآن باب شبہ العمد ص۲۲۹ ج ۲) بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شبہ عمد میں قصد التأدیب دون الاتلاف کی شرط نص ہے کہ ضرب بالمثقل بقصد الاتلاف عمد ہے، پھر علم قصد کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ قاتل خود اس کا اقرار کرے دوسری یہ کہ قرائن ظاہرہ موجبۂ یقین موجود ہوں۔

قال العلامۃ الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ ای فی شبہ العمد ان یقصد التأدیب الخ) یوافقہ ما قالہ الزیلعی وانما سمی ھذا النوع شبہ عمد لان فیہ قصد الفعل لا القتل فکان عمدا باعتبار نفس الفعل وخطأ باعتبار القتل اھ ویوافقہ ما ذکرہ ایضا فی الاستدلال لمذہب الامام رحمہ اللہ تعالیٰ وعلی ھذا اذا اقر بقصد قتلہ بما ذکر یقتص منہ عندہ۔ (التحریر المختار ص۳۲۲ ج ۲)

جزئیہ مذکورہ میں اگرچہ صرف اقرار قصد مذکور ہے، مگر قرائن ظاہرہ کو بھی اثبات قصد میں مؤثر تسلیم کیا گیا کما فی کنایات الطلاق عند المذاکرۃ، بلکہ قرائن قاطعہ کو تو موجب حکم قرار دیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں قتل خطأ وقتل عمد کی جو سزا مذکور ہے وہ اس پر نص ہے کہ غیر محدد کا قتیل بھی بقصد قتل قتیل عمد ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سوال میں مذکورہ احادیث میں قتل بلا قصد مراد ہے، لہٰذا قاضی کی تحقیق میں اگر قصد قتل ثابت ہو جائے تو قصاص کا حکم ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۰ ربیع الاول ۹۹ھ

آمر پر قصاص نہیں:

سوال: ایک مل کے مالک نے کچھ غنڈوں کے ذریعے مزدوروں کی انجمن کے لیڈر کو قتل کروا دیا، کیا مقتول کے ورثہ کے لئے مل کے مالک یا اس کے کسی لڑکے کو قتل کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اصل قاتل کو بشرائط معہودہ قتل کر سکتے ہیں (جو عنوان "حق قصاص کی تفصیل" کے تحت گزر چکی ہیں) قتل کا حکم دینے والے کو قتل کرنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۵ صفر ۱۴۰۱ھ

غیر وارث کا صلح کرنا مسقط قصاص نہیں:

سوال: ایک مقتول کے ورثہ حسب ذیل ہیں:

والدہ، بیوی، تین بہنیں، ایک نابالغ لڑکا اور ایک ماموں زاد بھائی کا لڑکا جو مقتول کا بہنوئی بھی ہے۔

مقتول کی والدہ اور بیوی نے اس کے بہنوئی کو قاتل سے مقدمہ لڑنے کے لئے بحیثیت مدعی کے مختار نامہ دیا کہ آپ ہماری طرف سے مقدمہ کے مدعی ہیں۔ اب اگر قاتل سے صلح کی صورت پیش آئے تو کیا یہ بہنوئی دوسرے ورثہ کی رضامندی کے بغیر صلح کر سکتا ہے یا نہیں؟ دوسرے ورثہ میں سے کوئی ایک دوسروں کی رضا کے بغیر صلح کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

طلب قصاص ورثہ کا حق ہے، لہٰذا ان میں سے کوئی ایک بھی معاف کر دے یا صلح کر لے تو قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ جو ورثہ راضی نہ ہوں ان کو ان کے حصہ کی دیت ملے گی۔

سوال میں مذکورہ اشخاص میں سے ماموں زاد کا لڑکا وارث نہیں، اس لئے اس کا صلح کرنا یا معاف کر دینا غیر معتبر ہے۔

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ: ویسقط القود بموت القاتل وبعفو الاولیاء وبصلحہم علی مال ولو قلیلا ویجب حالا و

بصلح احدهم و عفوه و لمن بقی حصته من الدیة (رد المحتار ص۳۵۷ ج ۵)

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی: (قوله القود یثبت للورثة) قال فی الخانیة یستحق القصاص من یستحق میراثه علی فرائض الله تعالی یدخل فیه الزوج والزوجة اھ (رد المحتار ص۳۶۴ ج ۵) والله سبحانه وتعالی اعلم۔

۸ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ

ورثہ میں سے کچھ نابالغ ہوں تو قصاص کا حکم:

سوال: اگر مقتول کے ورثہ میں سے ایک دو نابالغ ہوں تو قصاص لینے کے لئے ان کے بلوغ کا انتظار کیا جائے یا فی الحال قصاص لینا بھی جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

فی الحال قصاص لینا جائز ہے، بلوغ صبیان کا انتظار ضروری نہیں۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالی: وللکبار القود قبل کبر الصغار خلافا لهما والاصل ان کل ما لا یتجزی اذا وجد سببه کاملا ثبت لکل علی الکمال کولایة النکاح وامان الا اذا کان الکبیر اجنبیا عن الصغیر فلا یملك القود حتی یبلغ الصغیر اجماعا زیلعی فلیحفظ۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی: (قوله خلافا لهما) فعندهما لیس لهم ذلك الا ان یکون الشریك الکبیر ا بالصغیر نهایة و قاساه علی ما اذا کان مشترکا بین کبیرین واحدهما غائب (قوله والاصل الخ) استدلال لقول الامام قال فی الهدایة وله انه حق لا یتجزی لثبوته بسبب لا یتجزی وهو القرابة واحتمال العفو من الصغیر منقطع ای فی الحال فیثبت لکل واحد کملا کما فی ولایة الانکاح بخلاف الکبیرین لان احتمال العفو من الغائب ثابت اھ (رد المحتار ص۳۷۴ ج ۵) والله سبحانه وتعالی اعلم۔

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ

حکومت کے فیصلہ کے بغیر قصاص لینا:

سوال: ہمارے زمانہ میں حکومت اسلامی اصول کے مطابق فیصلہ نہیں کرتی، کیا اولیاء مقتول حکومت کے فیصلہ کے بغیر خود قاتل سے قصاص لے سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اولیاء کو خود قصاص لینے کی اجازت چند شرائط کے ساتھ مقید ہے جن کا وجود متعسر ہے، لہذا احتیاط لازم ہے، ان شرائط کی تفصیل عنوان "حق قصاص کی تفصیل" کے تحت پہلے گزر چکی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۶ ذی القعدۃ ۱۴۰۹ھ

قاتل کے رشتہ دار کو قتل کرنا جائز نہیں:

سوال: کیا اولیاء مقتول کے لئے یہ جائز ہے کہ مقتول کے بدلے قاتل کے اقرباء میں سے کسی کو قتل کردیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۶ ذی القعدۃ ۱۴۰۹ھ

امام سے بھی قصاص لیا جائے گا:

سوال: اگر امام یعنی خلیفہ کسی کو قتل کردے تو اس پر قصاص ہوگا یا نہیں؟ اگر قصاص ہے تو اس سے قصاص کون لے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

خلیفہ سے بھی قصاص لیا جائے گا اور اس کا حق ولی مقتول کو ہے، خلیفہ خود کو اس کے سپرد کردے، ورنہ ولی مقتول مسلمانوں کی قوت سے مدد لے کر خلیفہ سے قصاص لے سکتا ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: والخلیفۃ الذی لا والی فوقہ یؤخذ بالقصاص والاموال لانہما من حقوق العباد فیستوفیہ ولی الحق اما بتمکینہ او بمنعۃ المسلمین۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ اما بتمکینہ) ای تمکین الخلیفۃ ولی الحق من الاستیفاء (رد المحتار ص۱۵۸ ج۳)

وقال الامام ابن الهمام رحمہ اللہ تعالی تحت قولہ (لا یؤاخذ بہ الا القصاص والمال) بخلاف حقوق العباد کالقصاص وضمان المتلفات لان حق استیفائھا لمن لہ الحق و یکون الامام فیہ کغیرہ وان احتاج الی المنعۃ فالمسلمون منعتہ فیقدر بھم علی الاستیفاء فکان الوجوب مفیدا (فتح القدیر ص۵۵ ج۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۳ رجب ۱۴۱۷ھ

قتل بالاکراہ میں قصاص کس پر ہے؟:

سوال: اکراہ کی صورت میں قصاص کس پر ہے، مکرِہ یا مکرَہ پر؟ مکرِہ اگر قاضی یا سلطان ہو تو اس کا حکم عام مکرِہ جیسا ہی ہے یا مختلف؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

اکراہ ملجی میں قصاص مکرِہ یعنی اٰمر پر ہے اور غیر ملجی میں ماٰمور پر، سلطان و غیر سلطان میں کوئی فرق نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: ویقاد فی القتل العمد المکرِہ بالکسر لو مکلفا علی ما فی المبسوط خلافا لما فی النھایۃ فقط لان القاتل کالاٰلۃ واوجبہ الشافعی رحمہ اللہ تعالی علیھما ونفاہ ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی عنھما للشبھۃ۔

وقال العلامۃ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالی: (قولہ لان القاتل کالاٰلۃ) وھذا قول الامام ومحمد رحمھما اللہ تعالی قال فی التبیین لھما انہ محمول علی القتل بطبعہ ایثار الحیاۃ فیصیر اٰلۃ للمکرِہ فیما یصلح ان یکون اٰلۃ لہ وھو الاتلاف دون الاثم وھذا لان الاٰلۃ ھی التی تعمل بطبعھا کالسیف فان طبعہ القتل عند الاستعمال فی محلہ وکالنار فان طبعھا الاحراق وکالماء فان طبعہ الاغراق و باستعمال الاٰلۃ یجب القصاص علی المستعمل فکذا ھنا اھ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر ص۲۶ ج۴)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ ویقاد فی القتل العمد المکرِہ فقط) یعنی انہ لا یباح الاقدام علی القتل بالملجیٔ ولو قتل اثم

ویقتص الحامل ویحرم المیراث لوبالغا ویقتص المکرہ من الحامل ویرثھما شرنبلالیۃ (ردالمحتار ص ۳۸۶ ج ۵)

وقال رحمہ اللہ تعالیٰ ایضا: وحکمہ اذا حصل بملجئ ان ینقل الفعل الی الحامل فیما یصلح ان یکون المکرہ آلۃ للحامل کانہ فعلہ بنفسہ کاتلاف النفس والمال والا یصلح ان یکون آلۃ لہ اقتصر علی المکرہ کانہ فعلہ باختیارہ مثل الاقوال والاکل (ردالمحتار ص ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۶ ذی الحجۃ ۱۴۱۷ھ

تحقیق آلۂ جارحہ للعمد:

سوال: تحقیق قتل عمد کے لئے آلۂ قتل کا محدد اور لوہے کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ تفصیل لکھ کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تحقیق قتل عمد کے لئے آلہ لوہے کا ہونا شرط نہیں، دوسری اشیاء لکڑی، پتھر اور بانس وغیرہ کا ہونا بھی کافی ہے۔ البتہ لوہے یا اس جیسی دوسری دھاتوں پیتل وغیرہ میں محدد ہونا شرط نہیں، جبکہ لکڑی وغیرہ میں محدد ہونا ضروری ہے۔

نیز آگ بھی آلۂ جارحہ ہے۔

قال العلامۃ ابوبکر بن علی الحداد رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ فالعمد ما تعمد ضربہ بسلاح او ما اجری مجری السلاح فی تفریق الاجزاء کالمحدد من الخشب والحجر والنار) العمد ما تعمد قتلہ بالحدید کالسیف والسکین والرمح والخنجر والنشابۃ والابرۃ والاشفاء وجمیع ما کان من الحدید سواء کان یقطع او یبضع او یرض کالسیف ومطرقۃ الحداد والزبرۃ وغیر ذلک سواء کان الغالب منھا الھلاک ام لا ولا یشترط الحد فی الحدید فی ظاھر الروایۃ لانہ وضع للقتل قال اللہ تعالیٰ وانزلنا الحدید فیہ بأس شدید وکذا ما یشبہ الحدید کالصفر والرصاص والذھب والفضۃ سواء کان یبضع او یرض حتی لو قتلہ بالمثقل منھا یجب علیہ القصاص

کما اذا ضربہ بعمود من صفر او رصاص (قولہ او ما اجری مجری السلاح فی تفریق الاجزاء) کالزجاج و اللیطۃ و الحجر المحدد و کل ما کان یقع بہ الزکاۃ اذا قتلہ بہ ففیہ القصاص (الجوہرۃ النیرۃ ص۲۴۰ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ

قصاص میں ترک شہادۃ جائز نہیں:

سوال: گواہ کے لئے مقدمۂ قصاص میں شہادت کو چھپانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر ولی مقتول کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے تو اس کے حقیقۃً مطالبہ کے بغیر بھی شہادت دینا واجب ہے، چھپانا جائز نہیں۔ لیکن یہ وجوب شروط سبعہ کے ساتھ مشروط ہے۔

(۱) قاضی عادل ہو۔

(۲) شاہد کی رہائش عدالت سے اتنے فاصلے پر ہو کہ صبح جاکر شام کو واپس گھر پہنچ سکتا ہو۔

(۳) قبول شہادت کا یقین ہو۔

(۴) مدعی کی طرف سے شہادت کا مطالبہ ہو، خواہ حقیقۃً، جبکہ اسے شاہد کا علم ہو، خواہ حکماً، جبکہ اسے علم نہ ہو اور عدم شہادت کی وجہ سے اس کا حق ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔

(۵) اور کوئی شاہد نہ ہو۔

(۶) شاہد کو مشہود بہ کے بطلان کا علم نہ ہو۔

(۷) شہادۃ علی الاقرار کی صورت میں اقرار بوجہ خوف کا علم نہ ہو۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: ویجب اداؤھا بالطلب ولو حکما کما مر لکن وجوبہ بشروط سبعۃ مبسوطۃ فی البحر وغیرہ منھا عدالۃ قاض وقرب مکانہ وعلمہ بقبولہ او بکونہ اسرع قبولا وطلب المدعی لو فی حق العبد ان لم یوجد بدلہ ای بدل الشاھد لانھا فرض کفایۃ تتعین لو لم یکن الا شاھدان لتحمل او اداء۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی : (قوله کما مر) وهو قوله اوخوف فوت حقه (قوله وقرب مکانه) فان کان بعیدا بحیث لا یمکنه ان یغدو الی القاضی لاداء الشهادة ویرجع الی اهله فی یومه ذلك قالوا لا یأثم لانه یلحقه ضرر بذلك قال تعالی ولا یضار کاتب ولا شهید بحر (قوله ان لم یوجد بدله) هذا هو خامس الشروط واما الاثنان الباقیان فهما ان لا یعلم بطلان المشهود به وان لا یعلم ان المقر اقر خوفا ح (رد المحتار ص۳۷۱ ج ۴)
واللہ سبحانه وتعالی اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ سنہ ۱۴۱۷ھ

کتاب الدیات والحدود

دیت وعاقلہ کی تفصیل:

سوال: قتل خطأ کی صورت میں قاتل کے عاقلہ پر دیت لازم ہوتی ہے، سوال یہ ہے کہ دیت کتنی ہوگی؟ اور اس کے ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ نیز عاقلہ سے کیا مراد ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

دیت کی تین صورتیں ہیں:

(۱) دس ہزار درہم چاندی یا اس کی قیمت، ایک درہم = ۳٫۴۰۲ گرام۔
دس ہزار درہم = ۳۴٫۰۲ کلوگرام۔

(۲) ایک ہزار دینار سونا یا اس کی قیمت، ایک دینار = ۴٫۸۶ گرام۔
ہزار دینار = ۴٫۸۶ کلوگرام

(۳) سو اونٹ یا ان کی قیمت، یہ اونٹ پانچ قسم کے ہوں گے:

(۱) یک سالہ بیس اونٹنیاں۔
(۲) یک سالہ بیس اونٹ۔
(۳) دو سالہ بیس اونٹنیاں۔
(۴) تین سال کی بیس اونٹنیاں۔
(۵) چار سالہ بیس اونٹنیاں۔

تعداد مذکور مرد کی دیت ہے، عورت کی دیت اس سے نصف ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ دیت کی ان انواع میں سے کسی ایک کی تعیین کا اختیار قاتل کو ہے یا قاضی کو؟ قول اول راجح معلوم ہوتا ہے، معہذا قول ثانی کے مطابق قاضی نے تعیین کردی تو جائز اور نافذ ہے۔

عاقلہ کی تفصیل:

اگر قاتل اہل دیوان سے ہو تو اس کے عاقلہ اہل دیوان ہیں، یعنی وہ عاقل بالغ مرد

جن کے نام سرکاری دفتر میں اس لئے درج ہوں کہ وہ کسی خدمت کے عوض یا بوجہ ضرورت سرکاری خزانہ سے وظیفہ پارہے ہوں، اسی لئے ان کو اہل عطا بھی کہا جاتا ہے۔ سب سے پہلے اہل دیوان کی وہ جماعت جس سے قاتل کا تعلق ہو۔ دیت وصول کرنے کی آیندہ تفصیل کے مطابق اگر یہ جماعت کافی نہ ہو تو اس سے اوپر کی جماعت کو شامل کیا جائے گا، پھر اس سے اوپر کی جماعت کو۔

اس دور میں سرکاری دفاتر میں عورتوں کی ملازمت عام ہے، بنظر تفقہ ان دیوانی عورتوں کو عاقلہ میں شمار کرنا چاہیئے۔

عاقلہ کا مدار تناصر پر ہے، اس زمانہ میں تناصر کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً سیاسی جماعتیں اہل حرفت، صنعتکاروں، تاجروں اور مزدوروں وغیرہ کی تنظیمیں، لہذا اگر قاتل کسی سیاسی جماعت یا کسی تنظیم کا رکن ہوگا تو اس کی عاقلہ یہ جماعت یا تنظیم ہوگی۔

اگر قاتل اہل دیوان سے نہ ہو اور کسی تنظیم یا سیاسی جماعت کا رکن بھی نہ ہو تو اس کے عاقلہ اس کے عصبات ہیں اور ان پر وجوب دیت علی ترتیب الارث ہے، پہلے ابناء پھر آباء پھر بھائی پھر بھتیجے پھر چچے پھر چچا زاد۔

قاتل سے بھی حصۂ دیت وصول کیا جائے گا، خواہ وہ اہل دیوان سے ہو یا نہ ہو۔

واضطربت اقوال الفقهاء رحمهم الله تعالی فی ذلك والصحیح ما حررنا۔

نساء وصبیان و مجانین پر دیت نہیں، اگرچہ قاتل ہوں۔

اگر قاتل کے عاقلہ نہ ہوں تو بیت المال سے تین سالوں میں دیت ادا کی جائے گی، بشرطیکہ قاتل مسلم ہو اور اس کا کوئی وارث معروف نہ ہو، مثلاً لقیط ہو یا کوئی حربی اسلام لے آیا ہو، اگر قاتل ذمی ہو یا اس کا کوئی معروف وارث ہو، خواہ کتنا ہی بعید ہو یا بوجہ رق یا کفر محروم ہی ہو تو دیت بیت المال میں نہیں بلکہ قاتل کے اپنے مال میں ہے، اسی طرح بیت المال میں دیت ہونے کی صورت میں اگر بیت المال موجود نہ ہو یا اس میں گنجائش نہ ہو تو دیت قاتل کے مال میں ہوگی جو تین سالوں میں وصول کی جائے گی۔

دیت وصول کرنے کا طریقہ:

دیت تین سالوں میں وصول کی جائے گی، ایک شخص سے ایک سال میں ۱⅓ درہم = ۵۳۶ ملی گرام سے زیادہ نہیں لئے جائیں گے۔

قال الامام قاضیخان رحمہ اللہ تعالی: ویدخل الاٰباء والابناء فی العاقلۃ۔ (خانیۃ بہامش الھندیۃ ص۴۴۹ ج۳)

وقال العلامۃ ابوالسعود رحمہ اللہ تعالی: (قولہ فقیل یدخلون) لقربھم وقیل لا یدخلون لان الضم لنفی الحرج حتی لا یصیب کل واحد اکثر من ثلاثۃ اواربعۃ وھذا المعنی انما یتحقق عند الکثرۃ والاٰباء والابناء لا یکثرون کذا فی الھدایۃ والراجح الاول لجزم قاضیخان بأن القاتل وابنہ من جملۃ العواقل ولم یحک فیہ خلافا (فتح المعین ص۵۲۵ ج۳)

وقال العلامۃ قاضی زادہ الافندی رحمہ اللہ تعالی: (قولہ وقیل لا یدخلون لان الضم لنفی الحرج حتی لا یصیب کل واحد اکثر من ثلاثۃ و اربعۃ وھذا المعنی انما یتحقق عند الکثرۃ والاٰباء والابناء لا یکثرون) اقول فیہ کلام وھو ان عدم کثرۃ الاٰباء مسلم واما عدم کثرۃ الابناء ککثرۃ الاخوۃ فممنوع کیف واخوتہ ابناء ابیہ فاذا جاز ان یکثر ابناء ابیہ فلم لا یجوز ان یکثر ابناء نفسہ فتأمل (نتائج الافکار ص۳۳۲ ج۹)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: واٰباء القاتل وابناؤہ لا یدخلون فی العاقلۃ وقیل یدخلون (ردالمحتار ص۴۱۲ ج۵)

وقال العلامۃ الرافعی رحمہ اللہ تعالی: (قولہ واٰباء القاتل وابناؤہ لا یدخلون فی العاقلۃ وقیل یدخلون) قال الزیلعی رحمہ اللہ تعالی واختلفوا فی اٰباء القاتل وابنائہ قیل یدخلون لقربھم وقیل لا یدخلون لان الضم لدفع الحرج حتی لا یصیب کل واحد اکثر من اربعۃ وھذا المعنی انما یتحقق عند الکثرۃ و الاٰباء والابناء لا یکثرون اھ ولم یظہر التعلیل الثانی ثم رأیتہ فی تکملۃ الفتح نظر فیہ بأن اخوتہ ابناء ابیہ وجاز ان یکثروا فلم لا یجوز ان یکون ابناؤہ کذلک اھ (التحریر المختار ص۳۴۲ ج۲)

وقال ملک العلماء الامام الکاسانی رحمہ اللہ تعالی: ثم الوجوب علی القاتل فیما تتحملہ العاقلۃ قول عامۃ المشائخ وقال بعضھم کل الدیۃ فی ھذا النوع تجب علی الکل ابتداء القاتل والعاقلۃ جمیعا والصحیح ھو الاول لقولہ

فی اهله ومعناه فلیتحرر ولیؤدوهذا خطاب للقاتل لا للعاقلة وفی علی ان الوجوب علی القاتل ولماذکرنا ان سبب الوجوب هو القتل وانه وجد من القاتل لامن العاقلة فکان الوجوب علیه لا علی العاقلة وانما العاقلة تتحمل دیة واجبة علیه ثم دخول القاتل مع العاقلة فی التحمل مذهبنا وقال الشافعی رحمہ اللہ تعالی لایدخل معهم (بدائع ص۲۵۵ ج ۷)

وقال ایضا: ویدخل القاتل مع العاقلة ویکون فیما یؤدی کاحدهم لان العاقلة تتحمل جنایة وجدت منه وضمانا وجب علیه فکان هو اولی بالتحمل (بدائع ص۲۵۶ ج ۷)

وقال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: والقاتل عندنا کاحدهم ولو امرأة او صبیا او مجنونا فیشارکهم علی الصحیح زیلعی۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قوله والقاتل عندنا کاحدهم) یعنی اذا کان من اهل العطاء اما اذا لم یکن فلا شیء علیه من الدیة عندنا ایضا ذکره فی المبسوط وعند الشافعی رحمہ اللہ تعالی لا شیء علیه مطلقا معراج. (ردالمحتار ص۴۴۲ ج ۵)

وقال العلامة الرافعی رحمہ اللہ تعالی: (قوله ذکره فی المبسوط) وفی العنایة یعنی اذا کان القاتل من اهل الدیوان أما اذا لم یکن فلاشیء علیه عندنا من الدیة کما لا تجب عند الشافعی رحمہ اللہ تعالی لکن تعلیل المسألة یفید الدخول مطلقا (التحریر المختار ص۳۴۰ ج۲)

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قوله فیشارکهم علی الصحیح) تقدم فی القسامة انه اختیار المتأخرین ومشی فی الهدایة هنا علی عدم المشارکة قال فی الکفایة وهو اختیار الطحاوی وهو الاصح وهو اصل روایة محمد رحمہ اللہ تعالی اه لکن ذکر فی العنایة ان ماتقدم انما هو فیما اذا وجد القتیل فی دار امرأة فادخلها المتأخرون مع العاقلة لتقدیرها قاتلة بسبب وجوب القسامة اما ماهنا هو فیما اذا کانت قاتلة حقیقة والفرق ان القسامة تستلزم وجوب الدیة علی المقسم اما بالاستقلال

واما بالدخول فی العاقلة عندنا بالاستقراء وقد تحقق الملزوم فتحقق اللازم بخلاف القتل مباشرة فانه قد لا یستلزم الدیة اھ ملخصا وعلیہ فلیس فی المسألة اختلاف تصحیح لاختلاف الموضوع فتأمل۔

(ردالمحتار ص۴۱۲ ج ۵)

قال فی الهندیة: ولیس علی النساء والذریة ممن کان له عطاء فی الدیوان عقل وعلی هذا لوکان القاتل صبیا اوامرأة لاشیء علیه من الدیة کذا فی الکافی (عالمگیریة ص۸۵ ج ۶)

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالی: وتقسم الدیة علیهم فی ثلاث سنین لا یؤخذ فی سنة الا درهم اودرهم وثلث ولم تزد علی کل واحد من کل الدیة فی ثلاث سنین علی اربعة علی الاصح فان لم تتسع القبیلة لذلك ضم الیهم اقرب القبائل نسبا علی ترتیب العصبات۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی: (قوله علی الاصح) و قیل یؤخذ من کل واحد فی کل سنة ثلاث دراهم او اربعة کما فی الملتقی (ردالمحتار ص۴۱۱ ج ۵) والله سبحانه وتعالی اعلم۔

۲ محرم سنہ ۸۶ھ

بچہ ماں کے نیچے دب کر مر گیا:

سوال: ایک عورت بچے کو ساتھ لٹا کر سوگئی، سوتے میں غیر شعوری طور پر بچہ اس کے پہلو کے نیچے دب گیا اور سانس بند ہو کر مر گیا، اس عورت کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کے احکام کی تفصیل یہ ہے:

(۱) ماں بے احتیاطی کی وجہ سے بہت سخت گناہ گار ہوئی اس پر توبہ واجب ہے۔

(۲) کفارہ: اعتاق رقبۂ مؤمنہ، اس پر قدرت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے، قمری ماہ کی پہلی تاریخ کو شروع کرے تو چاند کے حساب سے دو ماہ شمار ہوں گے، ورنہ ساٹھ روزے پورے کرے۔

(۳) اس بچہ کی میراث سے محروم ہے، دیت بھی بچہ کی میراث میں داخل ہے۔
(۴) اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲ محرم ۸۶ھ

حکم قتل خطأ:

سوال: شادی کی ایک تقریب میں کچھ لوگوں نے ہوائی فائرنگ کی، اتفاق سے ایک شخص کو گولی لگ گئی اور وہ مرگیا۔ اس کا کیا حکم ہے؟ اس کی دیت واجب ہے یا نہیں، اگر پوری دیت کی بجائے پانچ دس ہزار روپے پر اتفاق ہوجائے تو صحیح ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ دیت یا کچھ رقم پر صلح کا حکم اس وقت ہے جب جان بوجھ کر مارا ہو، اگر جان بوجھ کر نہیں مارا تو روپے لینا دینا جائز نہیں۔ شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ قتل خطأ ہے جس کے احکام یہ ہیں

(۱) عاقلہ پر دیت۔
(۲) قاتل پر کفارہ، یعنی اعتاق رقبۂ مؤمنہ، اس کی قدرت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے۔
(۳) توبہ واستغفار۔

سوال میں صلح کی مذکورہ صورت جائز ہے لیکن روپے مجلس صلح ہی میں دینا ضروری ہے

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وموجبہ ای موجب هذا النوع من الفعل وهو الخطأ وما جری مجراہ الکفارۃ والدیۃ علی العاقلۃ والاثم دون اثم القتل اذ الکفارۃ تؤذن بالاثم لترک العزیمۃ (رد المحتار ص۳۲ ج ۵)

وقال فی الصلح: لوصالح بغیر مقادیرها صح کیف ما کان بشرط المجلس لئلا یکون دینا بدین (رد المحتار ص۴۷۶ ج۴) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

غرۃ ذی القعدۃ ۸۹ھ

قتل خطأ میں والد سے کفارہ اور دیت ساقط نہیں ہوتے:

سوال: جیسے قتل عمد میں والد سے قصاص ساقط ہوجاتا ہے، ایسے ہی قتل خطأ میں

اس سے دیت اور کفارہ بھی ساقط ہو جاتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

والدین سے صرف قصاص ساقط ہوتا ہے، دیت اور کفارہ ساقط نہیں ہوتے۔

قال فی الهندیة: وان کان الوالد قتل ولدہ خطأً فالدیة علی عاقلته وعلیه الکفارة فی الخطأ (عالمگیریة ص۳ ج۶) واللّٰہ سبحانه وتعالی اعلم۔

۱۴ صفر سنہ ۹۷ھ

قاضی کو تأجیل دیت کے اسقاط کا اختیار نہیں:

سوال: کیا قاضی قتل خطأ یا شبہ عمد میں تأجیل بثلاث سنین کو ختم کرکے حالاً دیت کو واجب قرار دے سکتا ہے؟ ایک تو ولی مقتول کو قریبی رشتہ دار کے قتل کا صدمہ پہنچا، دوسرے اس کو تین سال تک دیت کا انتظار کرنا پڑے گا، اگر کوئی گنجائش ہو تو تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

قتل خطأ میں دیت کی تأجیل باجماع صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم ثابت ہے، لہذا قاضی کو اس کے اسقاط کا اختیار نہیں۔

البتہ قتل شبہ عمد میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کے ہاں تأجیل نہیں، ائمہ حنفیہ رحمہم اللہ تعالی کا تأجیل پر اتفاق ہے۔ لہذا اگر کہیں قاضی شافعی المسلک ہو اور وہ دیت حالاً کا فیصلہ کردے تو نافذ ہو جائے گا۔

قال الامام الکاسانی رحمه اللّٰه تعالی: واختلف فی شبه العمد والعمد الذی دخلته شبهة وهو الاب اذا قتل ابنه عمدا قال اصحابنا رحمهم اللّٰه تعالی انها تجب مؤجلة فی ثلاث سنین الا ان دیة شبه العمد تتحمله العاقلة ودیة العمد فی مال الاب وقال الشافعی رحمه اللّٰه دیة الدم کدیة العمد تجب حالا وجه قوله ان سبب الوجوب وجد حالا فتجب الدیة حالا اذ الحکم یثبت علی وفق السبب هو الاصل الا ان التأجیل فی الخطأ ثبت معدولا به عن الاصل لاجماع الصحابة رضی اللّٰه تعالی عنهم او یثبت معلولا بالتخفیف علی القاتل حتی تحمل عنه العاقلة والعامد یستحق التغلیظ ولهذا وجب فی ماله

لا علی العاقلة ولنا ان وجوب الدیة لم یعرف الا بنص الکتاب العزیز وھو قولہ تبارک وتعالی ومن قتل مؤمنا خطأ فتحریر رقبة مؤمنة ودیة مسلمة الی اھلہ والنص وان ورد بلفظ الخطأ لکن غیرہ ملحق بہ الا انہ مجمل فی بیان القدر والوصف فبین علیہ الصلوۃ والسلام قدر الدیة بقولہ علیہ الصلوۃ والسلام فی النفس المؤمنة مائة من الابل و بیان الوصف وھو الاجل ثبت باجماع الصحابة رضی اللہ تعالی عنھم بقضیة سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ بحضر منھم فصار الاجل وصفا لکل دیة وجبت بالنص (بدائع ص۲۵۶ ج ۷) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۳ ربیع الاول ۱۹ھ

بس سے کچلنے کا حکم:

سوال: بس وغیرہ گاڑیوں کے مصادمہ سے کوئی شخص مارا جائے تو یہ قتل خطأ شمار ہوگا یا قتل کی کوئی اور قسم ہوگی؟ ڈرائیور پر کفارہ اور اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی یا اس کا حکم کچھ اور ہوگا؟ عاقلہ کی تفصیل آج کل کیا ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

یہ قتل خطأ ہے، ڈرائیور پر کفارہ اور عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔

عاقلہ اور دیت کی تفصیل عنوان "دیت وعاقلہ کی تفصیل" کے تحت گزر چکی ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

غرۃ ربیع الثانی ۱۹ھ

نصاب قطع ید:

سوال: حکومت نے یہ قانون بنایا ہے کہ سارق کے قطع ید کے لئے ۴۵۷ء۴ گرام سونا یعنی نصف تولہ سے ذرا کم مالیت ضروری ہوگی، اس پر ہمیں کافی خلجان پیدا ہوا ہے کہ مروج نوٹ کے اعتبار سے اس کی تعداد اور حساب کیا ہونا چاہیئے؟ ہر شخص اس مقدار کی مالیت کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔

چونکہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی نے قطع ید کے لئے کم از کم دس درہم کی مقدار متعین کی ہے جو دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی کے برابر ہے کما صرح بہ المفتی الاعظم

رحمہ اللہ تعالی فی کتابہ "اوزان شرعیۃ" صـ۱۲، تو کیا فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی کے اس فیصلہ کے مقابلہ میں حکومت کا یہ قانون بنانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حکومت کے لئے خلاف شریعت قانون بنانے کا کوئی جواز نہیں۔

نصاب قطع ید دس درہم یا ایک دینار ہے، درہم ۴۰۲،۳ گرام چاندی،
دینار = ۸۶،۴ گرام سونا۔

سونے اور چاندی کی قیمت کم وبیش ہوتی رہتی ہے، اس لئے اس کی نوٹ سے دائمی تعیین نہیں ہوسکتی۔

درہم و دینار کے وزن کی تحقیق بندہ کے رسالہ "بسط الباع لتحقیق الصاع" میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۴ جمادی الاولی ۹۹ھ

حدود کفارۂ سیئات نہیں:

سوال: کیا حد شرعی مثلا حد قذف، حد شرب خمر، حد زنا جاری ہونے کے بعد مرتکب جرم آخرت کے مؤاخذہ سے بری ہوجائے گا یا اس کے لئے توبہ واستغفار بھی ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بدون توبہ مؤاخذہ اخرویہ سے نہیں چھوٹ سکتا۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۴ جمادی الاولی ۹۹ھ

کسی کے ہاتھ سے بچہ گر کر مر گیا:

سوال: ایک شخص شفقت و پیار سے اپنے بچہ سے کھیل رہا تھا کہ اچانک بچہ اس کے ہاتھ سے گر کر ہلاک ہوگیا، اب شرعاً اس کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ قتل جاری مجرائے خطأ ہے، اس کا حکم یہ ہے:

(۱) توبہ۔ (۲) عاقلہ پر دیت۔
(۳) کفارہ۔ (۴) حرمان عن الارث۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: والرابع ما جری مجراہ ای مجری الخطأ (الی قولہ) وموجبہ ای موجب ھذا النوع من الفعل وھو الخطأ وما جری مجراہ الکفارۃ والدیۃ علی العاقلۃ والاثم دون اثم القتل اذ الکفارۃ تؤذن بالاثم لترک العزیمۃ (رد المحتار ص۳۴۲ ج ۵)

وفی الھندیۃ: وعن ابی القاسم فی الوالدین اذا لم یتعاھدا الصبی حتی سقط من سطح ومات او احترق بالنار لا شیء علیھما الا التوبۃ والاستغفار واختیار الفقیہ ابی اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ علی انہ لا کفارۃ علیھما ولا علی احدھما الا ان یسقط من یدہ والفتوی علی ما اختارہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ کذا فی الظھیریۃ (عالمگیریۃ ص۳۳ ج ۶) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۹ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ

جماع موجب اسقاط کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنی حاملہ بیوی سے جماع کرتا ہے جس سے حمل ساقط ہو جاتا ہے حالانکہ اس کو معلوم بھی ہے کہ اس سے حمل ساقط ہو جائے گا تو اس شخص پر کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟ حاملہ پر بھی کفارہ ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر جماع بطریق معروف کیا تو کسی پر کوئی ضمان نہیں، اگر غیر معروف طریقہ سے کیا اور زوجہ نے کوئی ایسی حرکت کی جو عموماً موجب اسقاط ہوتی ہے اور بنیت اسقاط کی تو زوجہ کے عاقلہ پر ضمان غرہ واجب ہے جس کی مقدار یہ ہے:

۵۰۰ درہم = ۱ء۷۰۱ کلوگرام چاندی ایک سال میں۔

حاصل یہ کہ عاقلۂ زوجہ پر وجوب ضمان کے لئے تین شرائط ہیں:

(۱) ایسی حرکت کی ہو جو عموماً مسقط ہو۔

(۲) بدون اذن زوج ہو۔

(۳) بنیت اسقاط ہو۔

اور اگر زوج نے ایسی حرکت کی جو عموماً مسقط ہوتی ہے تو اس کے عاقلہ پر ضمان غرہ ہے، اس میں نیت اسقاط شرط نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۵ جمادی الآخرۃ ۱۴۰۲ھ

عوام کو حدود جاری کرنے کا اختیار نہیں:

سوال: ہمارے والد صاحب آج سے تقریباً ۱۶ سال قبل افغانستان کی کمیونسٹ حکومت کی طرف سے گرفتار ہوئے اور آج تک ان کی موت وحیات کا کچھ پتہ نہیں۔ والد صاحب کی گرفتاری کے کچھ عرصہ بعد ہمارے چچا نے جو کہ غیر شادی شدہ ہے ہماری والدہ سے زنا کا ارتکاب کیا، جس کا والدہ نے اپنے بھائی اور اس کی بیوی، اور اپنی بیٹی کے سامنے اقرار کیا، جب چچا سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ گھر میں اس طرح ہوتا رہتا ہے، اس زنا کی وجہ سے والدہ حاملہ ہوئی، ہمارے ایک دوسرے چچا نے ہماری والدہ کو اس بہانے سے کہ میں ایک لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، آپ چل کر اسے دیکھ لیں لے جاکر وضع حمل کے بعد اسے قتل کر دیا، وہ اب بھی اس کا معترف ہے اور اسے بہت بڑا جہاد کہتا ہے، ہم نے کہا کہ آپ نے اپنے بھائی (زانی) کو کیوں قتل نہیں کیا تو وہ کہتا ہے کہ جب موقع ملا تو میں اسے بھی قتل کر دوں گا، حالانکہ اسے کئی بار موقع بھی مل چکا ہے، اب چونکہ ہم جوان ہو چکے ہیں، والدہ صاحبہ کا انتقام لینے کے لئے ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے، اب از روئے شریعت ہمارے لئے اس زانی اور قاتل کا قتل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اجرائے حدود کا اختیار امام یا اس کے نائب کو ہے، عوام کو اس کا اختیار نہیں۔

قال الامام الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ: واما شرائط جواز اقامتها فمنها ما يعم الحدود كلها ومنها ما يخص البعض دون البعض اما الذى يعم الحدود كلها فهو الامامة وهو ان يكون المقيم للحد هو الامام او من ولاه الامام وهذا عندنا (و بعد اسطر) وبيان ذلك ان ولاية اقامة الحد انما ثبت للامام لمصلحة العباد وهى صيانة انفسهم واموالهم واعراضهم لان القضاة يمتنعون من التعرض خوفا من اقامة الحد عليهم والمولى لا يساوى الامام فى هذا المعنى لان ذلك يقف على الامامة والامام قادر على الاقامة لشوكته ومنعته وانقياد الرعية له قهرا وجبرا ولا يخاف تبعة الجناة واتباعهم لانعدام المعارضة بينهم وبين الامام وتهمة الميل والمحاباة والتوانى عن الاقامة منتفية فى حقه فيقيم على وجهها فيحصل الغرض المشروع له الولاية بيقين (بدائع الصنائع ص۵۷ ج۷) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ

حد قذف معاف کرنے سے ساقط نہیں ہوتی:

سوال: قرآن کریم کا حکم ہے کہ جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں ان کو اسی کوڑے مارو۔ اور ان کی شہادت قبول نہ کرو، وہ خود ہی فاسق ہیں، اگر کوئی پاک مردوں پر تہمت لگائے پھر ثابت نہ کرسکے تو اس پر بھی حد جاری ہوگی کیا اس صورت میں مردوں کو عدالت میں فیصلہ لانے کا حق ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ جب مقذوف عدالت میں آئے تو قاذف کو مجبور کیا جائے گا کہ الزام ثابت کرے، اور ثابت نہ ہونے کی صورت میں اس پر حد جاری ہوگی، اور عدالت میں آنے کے بعد نہ عدالت اس کو معاف کرسکتی ہے نہ خود صاحب معاملہ، نہ کسی مالی تاوان پر معاملہ ختم ہوسکتا ہے، نہ توبہ کرکے اور نہ معافی مانگ کر سزا سے بچ سکتا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

سوال میں مذکور تفصیل صحیح ہے، مردوں کو بھی حد قذف طلب کرنے کا حق ہے اور مقذوف یا عدالت کے معاف کرنے سے حد قذف ساقط نہیں ہوتی، البتہ عفو مقذوف کی صورت میں صاحب حق کی طرف سے عدم طلب کی وجہ سے حد نہیں لگائی جائے گی، عفو مقذوف صحیح نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بعد العفو بھی اس کو طلب حد کا اختیار ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: ولا ارث فيه خلافا للشافعي ولا رجوع بعد اقرار ولا اعتياض اى اخذ عوض ولا صلح ولا عفو فيه وعنه نعم لو عفا المقذوف فلا حد لالصحة العفو بل لترك الطلب حتى لو عاد وطلب حد شهود ولذا لا يتم الحد الا بحضرته (رد المحتار ص۱۹۳ ج۳) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۷ ذی الحجہ سنہ ۹۷ھ
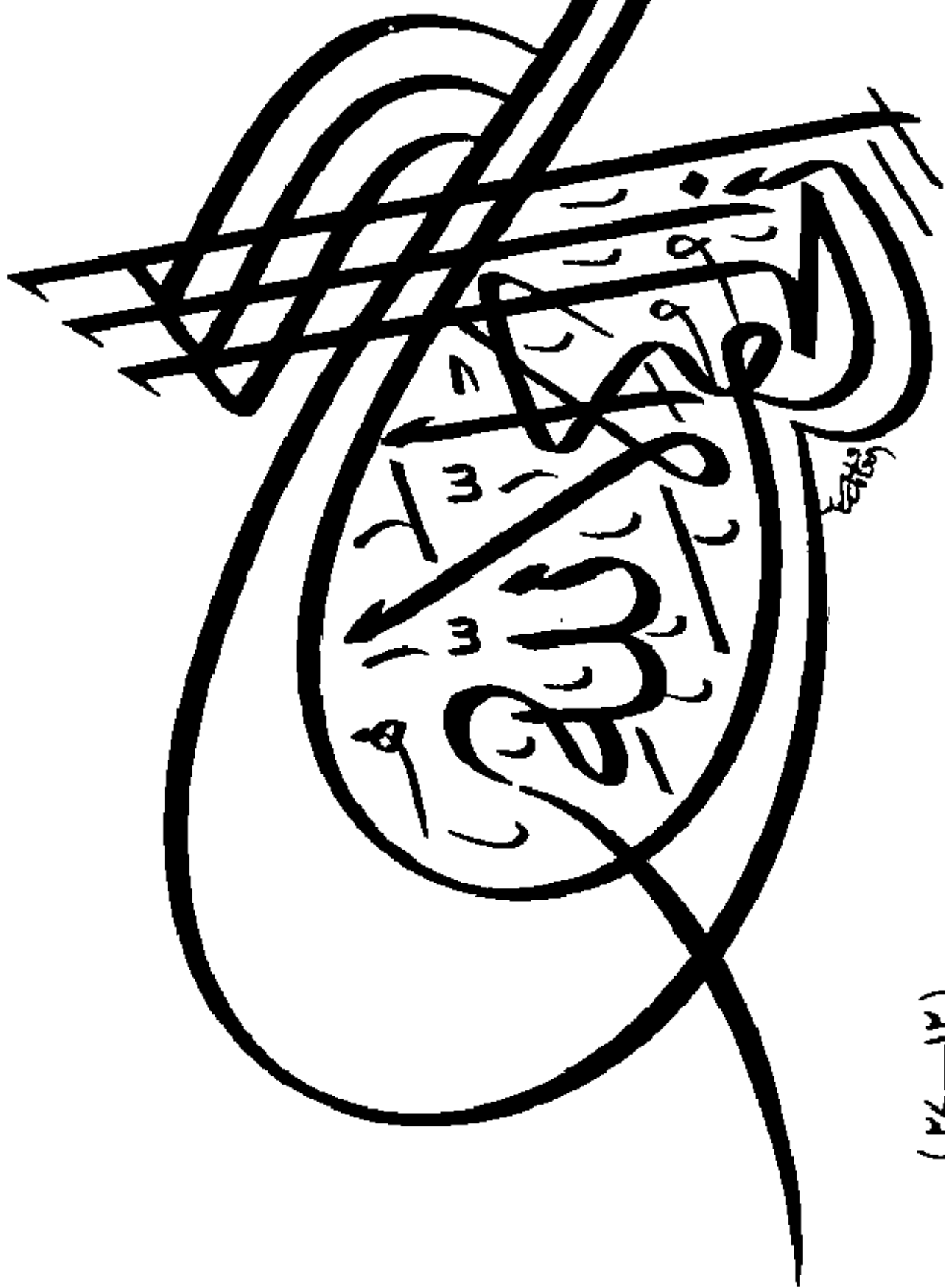
عورت کی دیت

اس رسالہ میں قرآن، حدیث اور اجماع امت سے ثابت کیا گیا ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔

افادہ

حضرت فقیہ العصر دامت برکاتہم

تحریر

حضرت مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی مدظلہ

مکتبہ فاروق

عورت کی دیت

نئی ظلمت کے فتنوں میں اس فتنہ کو بھی ہوا دی جا رہی ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے۔

اس رسالہ میں اس نظریہ کا بطلان تحریر کیا گیا ہے اور دلائل قاطعہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔

- آیاتِ قرآنیہ
- ارشادات نبویہ
- اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
- اجماع ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ
- اجماع اُمت
- ملحدین کے دلائل کا جواب

عورت کی دیت

اُمّت کا اجماعی موقف

اس ہوش ربا گرانی کے دور میں جو جنس سب سے ارزاں و فراواں ہے وہ جنس اجتہاد ہے، جس کی مانگ اس ملک میں شاید سب سے زیادہ ہے۔ منصبِ اجتہاد سنبھالنے کے لئے یہاں کسی قسم کی دار و گیر ہے نہ ہی دائرۂ اجتہاد کی کوئی حد بندی۔

ان تازہ واردانِ بساطِ اجتہاد کی اجتہادی ترکتازیوں کا میدان زیادہ تر وہ شرعی مسائل ہیں جو روزِ اوّل سے پوری اُمت میں متفق علیہ چلے آرہے ہیں، اس وقت نہیں نہ ان مسائل کی فہرست پیش کرنا مدِ نظر ہے نہ ہی ان کی جواب دہی، ان کی فہرست خاصی طویل ہے اور آنے والے وقت میں شاید ہی کوئی بنیادی مسئلہ ہو جو ان کی دست بُرد سے محفوظ رہ سکے۔

اس وقت جس مسئلہ پر گفتگو مقصود ہے وہ ہے عورت کی دیت کا مسئلہ، اسے اخبارات میں ہوا دے کر اس رنگ میں پیش کیا گیا گویا یہ ایک نو در پیش مسئلہ ہے جس میں اجتہاد کئے بغیر کوئی چارہ نہیں، حالانکہ فقہ کا مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے۔

اگر ان سے کوئی دریافت کرے کہ اس قسم کے طے شدہ مسائل کو از سرِ نو چھیڑ کر آپ دین کی کونسی خدمت انجام دے رہے ہیں؟ تو یہ نادان دوست جواب دیتے ہیں:

"ہمارے علماء موجودہ حالات سے بے خبر ہیں، اور اس قسم کے قدیم مسائل عالمی سطح پر اہلِ اسلام کی بدنامی اور لوگوں کی اسلام سے دوری کا سبب بن رہے ہیں، اس لئے متمدن دنیا کے موجودہ حالات اور ان کے تقاضے مجبور کر رہے ہیں کہ ان مسائل پر نئے سرے سے اجتہاد کیا جائے۔"

جہاں تک اسلامی تعلیمات کو جدید رنگ میں پیش کرنے اور انھیں موجودہ عالمی احوال و ظروف سے ہم آہنگ ثابت کرنے کا مسئلہ ہے تو یہ سوچ بلا شبہہ لائقِ صد ستائش ہے، مگر

یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ اغیار کے بے بنیاد اعتراضات سے مرعوب ہوکر اپنے دین کا حسین چہرہ بگاڑ دیا جائے؟ یہ بدنامی کا خوف اور دشمنانِ اسلام کے سامنے سپر اندازی تو شکست خوردہ ذہنیت اور احساسِ کہتری کا آئینہ دار ہے۔

دفاع کا مردانہ طریقہ تو یہ ہے :

"احکامِ اسلام کا معقول و موزوں اور مبنی بر فطرت ہونا ثابت کیا جائے، اسکی پاکیزہ تعلیمات پر اعتراض کرنے والوں کو ان کے رو در رو باغیٔ فطرت اور احمق و مورکھ ثابت کیا جائے۔"

اگر اجماعی مسائل کو کاٹ تراش کر معترضین کی خواہشات سے ہم آہنگ کرنے کا یہ انوکھا طریقہ اختیار کرلیا جائے تو آپ کو پورے دین سے دست بردار ہونا پڑے گا، اس لئے کہ عناد پرست مخالفین تو ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی ہرزہ سرائی سے باز نہیں آتے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو کہاں معاف کریں گے؟ چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

① آپ کے دین میں تو عورت کی گواہی مرد کی بنسبت آدھی ہے۔
② عورت کا حصۂ میراث آدھا ہے۔
③ اطاعت شوہر کی لازم ہے نہ کہ بیوی کی۔
④ بیک وقت چار نکاحوں کی اجازت مرد کو ہے نہ کہ عورت کو۔
⑤ طلاق ظہار اور ایلاء کا اختیار مرد کے ہاتھ میں ہے۔
⑥ ولیٔ نکاح مرد ہے نہ کہ عورت۔
⑦ عورتیں مردوں کی بنسبت عقل و دین میں ناقص ہیں۔
⑧ نکاح باہل الکتاب کی اجازت مردوں کو ہے عورتوں کو نہیں۔
⑨ جمعہ، عیدین، جہاد اور عام مجمعوں میں نکلنا مردوں کا وظیفہ ہے، عورت کا دائرۂ کار گھر کی چار دیواری ہے۔
⑩ مرد عورتوں پر حاکم و نگراں ہیں، عورت کی حکومت کا دین اسلام میں کوئی تصور نہیں۔

یہ تمام مسائل نصوصِ قرآن و حدیث سے ثابت ہیں، ان میں سے ہر مسئلہ دشمن

کی نظر میں شہتیر سے کم نہیں۔

اب فرمائیے:

"کس کس مسئلہ کو کاٹ کتر کر ان کے معیار پر لائیں گے؟"

اس قسم کا اجتہاد اسلام کی کوئی تعمیری خدمت نہیں بلکہ اس کے قصر مشید کو ڈھانے کی ناکام کوشش ہوگی۔

برسرِ مطلب:

عمداً کوئی شخص کسی مسلمان کو قتل کر دے تو اس کی سزا قتل ہے کہ اس نے دوسرے کی جان لی ہے اور جان کا بدلہ جان ہی ہے۔ مگر قتل خطا کی صورت میں کفارہ اور دیت واجب ہے،

دیت مقتول مرد کی سو اونٹ ہیں اور بصورت نقد ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہیں۔ اور مقتولہ عورت کی دیت مرد کی بنسبت نصف ہے، یعنی پچاس اونٹ یا پانچ سو دینار یا پانچ ہزار درہم۔

آجکل اس اجماعی مسئلہ کے خلاف آوازیں اٹھ رہی ہیں کہ یہ مرد و عورت کا امتیاز اصولِ مساوات کے خلاف ہے، دراصل یہ مساوات کا نعرہ یورپ سے لئے گئے فکرِ مستعار کا شاخسانہ ہے، ورنہ کون نہیں جانتا کہ اسلام میں اس قسم کی اندھی مساوات کا دُور دُور تک کوئی تصور نہیں۔ بہرحال عورت کی نصف دیت کا مسئلہ ایک اجماعی مسئلہ ہے، بالاختصار اس کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

① قرآن کریم میں ارشاد ہے:

① وللرجال علیهن درجة الآیة (۲ : ۲۲۸)

"اور مردوں کا انکے مقابلہ میں درجہ بڑھا ہوا ہے۔"

② واستشهدوا شهیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتٰن ممن ترضون من الشهدآء الآیة (۲ : ۲۸۲)

"اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ کر لیا کرو۔ پھر اگر وہ دو گواہ مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو۔"

③ یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین الآیة (۴ : ۱۱)

"اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے باب میں کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں

کے برابر ہے۔"

(۴) الرّجالُ قوّامون علی النسآء الآیۃ (۴ : ۳۴)

"مرد حاکم ہیں عورتوں پر۔"

یہ آیات کئی احکام میں مرد و عورت کے مابین فرق کو اُجاگر کر رہی ہیں، حکم دیت میں بھی اگر دونوں متفاوت ہیں تو اس میں اعتراض کا کیا مقام ہے؟

(۲) عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقل المرأۃ مثل عقل الرجل حتی یبلغ الثلث من دیتھا۔

(سنن نسائی ص۲۴۷ ج۲، سنن کبریٰ للبیھقی ص۹۶ ج۸، مصنف عبد الرزاق ص۳۹۶ ج۹)

"عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے حتی کہ تہائی کو پہنچ جائے۔"

(۳) عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل (سنن کبریٰ للبیھقی ص۹۵ ج۸)

"معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔"

(۴) عن ابن شھاب وعن مکحول وعطاء رحمھم اللہ تعالیٰ: قالوا ادرکنا الناس علی ان دیۃ المسلم الحر علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مائۃ من الابل فقوم عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلک الدیۃ علی اھل القریٰ الف دینار او اثنی عشر الف درھم، ودیۃ الحرۃ المسلمۃ اذا کانت من اھل القریٰ خمسمائۃ دینار او ستۃ آلاف درھم فاذا کان الذی اصابھا من الاعراب فدیتھا خمسون من الابل ودیۃ الاعرابیۃ اذا اصابھا الاعرابی خمسون من الابل، لا یکلف الاعرابی الذھب ولا الورق (السنن الکبریٰ للبیھقی ص۹۵ ج۸، مصنف عبد الرزاق ص۲۹۵ ج۹، مصنف ابن ابی شیبۃ ص۳ ج۹)

"امام ابن شہاب، مکحول اور عطاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ ہم نے لوگوں کو (یعنی صحابہ و تابعین کو بلا خلاف) اس مذہب پر پایا کہ آزاد مرد مسلمان کی دیت عہد نبوت میں سو اونٹ مقرر تھی، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دیت

کی یہ قیمت مقرر فرمائی :

"گاؤں والوں پر ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم، اور آزاد مسلمان عورت کی دیت جب وہ گاؤں کی ہو پانچ سو دینار یا چھ ہزار درہم، پھر جب اس کا قاتل بدوی ہو تو مقتولہ کی دیت پچاس اونٹ ہیں، اور بدویہ کا قاتل بدوی ہو تو دیت پچاس اونٹ ہیں، بدوی کو سونا چاندی ادا کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔"

(۵) عن الشعبی رحمہ اللہ تعالی ان علیا رضی اللہ تعالی عنہ کان یقول جراحات النساء علی النصف من دیۃ الرجل فیما قل وکثر۔

(السنن الکبری للبیہقی ص۹۶ ج۸، مصنف ابن ابی شیبۃ ص۳۰۱ ج۹)

"امام شعبی رحمہ اللہ تعالی سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے :

"عورتوں کے زخموں کی دیت قلیل وکثیر میں مرد کی دیت سے نصف ہے۔"

(۶) عن ابراھیم عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ انہ قال عقل المرأۃ علی النصف من عقل الرجل فی النفس وفیما دونھا (السنن الکبری ص۹۶ ج۸، مصنف عبد الرزاق ص۳۹۷ ج۹)

"حضرت ابراہیم رحمہ اللہ تعالی حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا :

"عورت کی دیت جان اور اعضاء دونوں میں مرد کی دیت سے نصف ہے۔"

(۷) وقال ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ الا السن والموضحۃ فانھما سواء وما زاد فعلی النصف (السنن الکبری ص۹۶ ج۸، مصنف عبد الرزاق ص۳۹۷ ج۹، مصنف ابن ابی شیبۃ ص۲۹۹ ج۹)

"اور ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا :

"دانت اور موضحہ (جو زخم ہڈی کھولدے) میں مرد وعورت کی دیت برابر ہے، اور اس سے زائد میں عورت کی دیت نصف ہے۔"

(۸) وکان زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ یقول دیۃ المرأۃ فی الخطأ مثل دیۃ الرجل حتی تبلغ ثلث الدیۃ فما زاد فھو علی النصف (مصنف ابن ابی شیبۃ ص۳۰۰ ج۹، السنن الکبری ص۹۶ ج۸، مصنف عبد الرزاق ص۳۹۶ ج۹)

"اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے تھے :

"عورت کی دیت خطا تہائی تک مرد کی دیت کے برابر ہے، پھر تہائی دیت

سے زائد میں مرد کی دیت سے نصف ہے۔"

(۹) مالك عن يحيى بن سعيد عن سعيد بن المسيب رحمه الله تعالىٰ انه كان يقول تعاقل المرأة الرجل الى ثلث الدية (موطأ مالك ص ۹۶)

"امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ تعالیٰ سے وہ سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں :

"تہائی دیت تک مرد و عورت کی دیت یکساں ہے۔"

(۱۰) مالك عن ابن شهاب وبلغه عن عروة ابن الزبير انهما كانا يقولان مثل قول سعيد بن المسيب فى المرأة انها تعاقل الرجل الى ثلث دية الرجل فاذا بلغت ثلث دية الرجل كانت على النصف من دية الرجل (موطأ مالك ص ۹۷)

"امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ امام ابن شہاب رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ دونوں حضرات سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرح فرماتے :

"تہائی دیت تک مرد و عورت کی دیت برابر ہے، جب عورت کی دیت مرد کی تہائی دیت تک پہنچے تو عورت کی دیت مرد سے نصف ہوگی۔"

(۱۱) كتب شريح الى هشام بن هبيرة رحمهما الله تعالىٰ ان دية المرأة على النصف من دية الرجل الا السن والموضحة (مصنف ابن ابى شيبة ص ۱۰۳ ج ۹، السنن الكبرىٰ ص ۹۶ ج ۸، مصنف عبد الرزاق ص ۳۹۶ ج ۹)

"قاضی شریح رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہشام بن ہبیرہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو لکھا :

"عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے سوائے دانت اور موضحہ (ہڈی کھولنے والے) زخم کے۔"

(۱۲) عن ابن عون عن الحسن رحمه الله تعالىٰ قال يستوى جراحات الرجال والنساء على النصف، فاذا بلغت النصف فهى على النصف (مصنف ابن ابى شيبة ص ۱۰۳ ج ۹)

"ابن عون حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں :

"نصف دیت تک مرد و عورت کا حکم یکساں ہے، پھر جب نصف کو پہنچ جائے تو عورت کی دیت نصف ہے۔"

(۱۳) عن سعید بن المسیب وعن مکحول عن عمر بن العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ قال: یعاقل الرجل المرأۃ فی ثلث دیتھا ثم یختلفان۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۰۳ ج۹، مصنف عبد الرزاق ص۳۹۶ ج۹)

"حضرت سعید بن المسیب اور مکحول رحمہما اللہ تعالیٰ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں:

"تہائی دیت تک مرد و عورت کا حکم برابر ہے، پھر مختلف، عورت کی دیت نصف ہوگی۔"

ان میں بعض روایات گو سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں مگر ان کے ساتھ دوسری صحیح و متصل روایات موجود ہیں، نیز اجلہ صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بلا خلاف قبول عام نے ان کی صحت پر مہر تصدیق ثبت کر دی، اس سے ان کا ضعف منجبر ہو گیا، ان جلیل القدر صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بالمقابل کسی صحابی، تابعی یا قابل ذکر فقیہ کا مذہب نہیں ملتا جس نے نصف دیت کے خلاف قول کیا ہو جس سے نصف دیت کا قول اُمت کا اجماعی موقف بن گیا،

اُمتِ مسلمہ کے متفق علیہ ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ بھی عورت کی نصف دیت پر یک زبان ہیں، ذیل میں انکی تصریحات پیش کی جاتی ہیں:

(۱) فقہ احناف کی شہرۂ آفاق کتاب **ھدایہ** میں ہے:

(ودیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل) وقد ورد ھذا اللفظ موقوفاً علی علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ومرفوعاً الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ھدایۃ ص۵۸۰ ج۲)

"اور عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے، اور یہ حدیث ان الفاظ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً منقول ہے۔"

(۲) موطأ کے حوالہ سے حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی دو روایتیں اوپر مذکور ہیں، موطأ میں ان کی تفسیر یوں ہے:

قال مالک وتفسیر ذلک انھا تعاقلہ فی الموضحۃ والمنقلۃ ومادون المأمومۃ والجائفۃ واشباھھا مما یکون فیہ ثلث الدیۃ فصاعداً، فاذا بلغت ذلک کان

عقلها فی ذٰلک النصف من عقل الرجل (موطأ مالک ص ۶۷۰)

"امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اس کی تفسیر یہ ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہوگی موضحہ (جس میں ہڈی کھل جائے) اور منقلہ (جو ہڈی کو اپنی جگہ سے سرکا دے) میں، اور ان زخموں میں جو مأمومۃ (بھیجے تک پہنچنے والا) اور جائفۃ (پیٹ تک پہنچنے والا) سے کم ہیں اور ان جیسے دوسرے زخم جن میں تہائی دیت یا تہائی سے زائد آتی ہے (ان سے کم درجے کے زخموں میں مرد و عورت کی دیت یکساں ہے) پھر جب اس حد (تہائی یا اس سے زائد) تک پہنچ جائے تو عورت کی دیت مرد سے نصف ہوگی۔"

المدونۃ الکبریٰ ص ۳۱۹ ج ۶ میں بھی یہی تفصیل مذکور ہے کہ ثلث اور اس سے زائد میں نصف دیت ہے۔

شارح موطأ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ مذکورہ بالا مقام کی شرح میں لکھتے ہیں:

قال ابن المنذر وابن عبد البر اجمع اهل العلم علی ان دیة المرأة نصف دیة الرجل وحکی غیرهما عن ابن علیة والاصم انهما قالا دیتها کدیة الرجل لقوله صلی الله علیه وسلم فی النفس المؤمنة مائة من الابل وهذا قول شاذ یخالف اجماع الصحابة وسنة النبی صلی الله علیه وسلم فان فی کتاب عمرو بن حزم دیة المرأة علی النصف من دیة الرجل وهی اخص مما ذکروه فیکون مفسرا لما ذکروه ومخصصا له (اوجز المسالک ص ۲۵۱ ج ۵)

"امام ابن المنذر اور ابن عبد البر رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ عورت کی دیت مرد سے نصف ہے۔"

اور ان دونوں حضرات کے سوا دوسرے علماء نے ابن علیہ اور اصم کا قول نقل کیا ہے:

"عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: نفسِ مؤمن کی دیت سو اونٹ ہیں۔"

لیکن یہ ایک شاذ قول ہے جو اجماعِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی سنت کے خلاف ہے ، اس لئے کہ "کتاب عمرو بن حزم" میں ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے ، اور یہ ارشاد مذکور الصدر حدیث کی بنسبت اخص ہے، لہٰذا اس کے لئے مفسّر و مخصّص قرار پائے گا ۔"

(۳) (وقال الشافعی) رحمہ اللہ تعالیٰ لم اعلم مخالفاً من اھل العلم قدیماً ولاحدیثا فی ان دیۃ المرأۃ نصف دیۃ الرجل وذلک خمسون من الابل (کتاب الام ص۱۰۶ ج ۶)

"امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

" میرے علم میں زمانۂ قدیم و جدید کے اہل علم میں کوئی شخص نہیں جس نے اس مسئلہ کی مخالفت کی ہو کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے جو پچاس اونٹ ہیں (لہٰذا اس پر اُمت کا اجماع ثابت ہو چکا) ۔"

(۴) امام موفّق الدین ابن قدامۃ الحنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

(ودیۃ الحرۃ المسلمۃ نصف دیۃ الحر المسلم) قال ابن المنذر وابن عبد البر اجمع اھل العلم علی ان دیۃ المرأۃ نصف دیۃ الرجل (المغنی ص۵۳۱ ج ۹)

" اور آزاد مسلمان عورت کی دیت آزاد مسلمان مرد کی دیت سے نصف ہے، امام ابن منذر اور ابن عبد البر رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

اس پر اہل علم کا اجماع ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے ۔"

اختصار کے پیش نظر مذاہب اربعہ کا صرف ایک ایک مستند حوالہ پیش کیا گیا ورنہ تتبع سے بیسیوں حوالجات پیش کئے جا سکتے ہیں۔

معروف اہل حدیث عالم علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی نیل الاوطار ص۲۲۴ ج ۷ میں مفصّل دلائل کے ساتھ ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس پر اجماع نقل کیا ہے ۔

منکرین اجماع کے دلائل :

اس اجماعی مسئلہ کے خلاف جہاں جہاں سے آوازیں اُٹھ رہی ہیں ان سب کے پیچھے مرد و عورت میں مساوات کی مغرب زدہ ذہنیت کارفرما ہے، اوپر متعدد آیات قرآنیہ اور احادیث کے حوالوں سے ہم اس نظریہ کا بے بنیاد و باطل ہونا واضح کر چکے ہیں، کم از کم کسی مسلمان کو اس فریب میں مبتلا نہ ہونا چاہیئے ۔

اب ہم مخالفین اجماع کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں :

① سورۂ نساء کی آیت ۹۲ میں حکم دیت "فدیۃ مسلمۃ الیٰ اھلہ ...؟ مطلق ہے، سو اس حکم مطلق کی تقیید کے لئے قرآن ہی کی دوسری آیت درکار ہے، یا حدیث متواتر و مشہور پیش کرنا لازم ہے، یا کم از کم صحیح السند خبر واحد ہی لائی جائے، حالانکہ ان میں سے کسی ایک کا وجود نہیں، لہٰذا قرآن کے حکم مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھنا ضروری ہے۔

جواب:

آیتِ نساء کے متعلق عموم یا اطلاق کا دعویٰ ہی بے بنیاد ہے، آیت کے متعلقہ جملوں کا ترجمہ ہے:

"اور جو شخص کسی مؤمن کو غلطی سے قتل کردے تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے، اور دیت ہے جو اس کے خاندان والوں کے حوالہ کردی جائے، مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کردیں۔"

آیت کا اصل مدعا جو ترجمہ ہی سے ظاہر ہے اتنا ہے:

"قتل خطا کی صورت میں قاتل پر کفارہ اور دیت لازم ہے۔"

یہی تقاضائے انصاف و دیانت ہے، اس کے برعکس قاتل خاطی کو قصاص میں قتل کردینا یا بالکل بری الذمہ قرار دینا اصولِ عدل و مساوات کے خلاف ہے، قتل کرنے میں قاتل پر ظلم لازم آتا ہے اور بلا کفارہ و دیت رہا کردینے میں ورثہ مقتول کی حق تلفی لازم آتی ہے۔

اس لئے قرآن نے یہ عادلانہ فیصلہ صادر فرمایا جس میں ہر فریق کی پوری پوری رعایت برتی گئی۔

غرض قرآن نفس کفارہ و دیت کا وجوب بیان کررہا ہے، مقدار دیت سے کہ (وہ کل ہو یا نصف) اس آیت کا کوئی تعلق ہی نہیں، ہاں! یہ کہہ سکتے ہیں کہ آیت مجمل ہے جس کی تفصیل احادیث، تعامل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بلکہ اجماع امت کی روشنی میں ہمارے سامنے آگئی۔

② المسلمون تتکافأ دماؤھم الحدیث (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ وغیرہم)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ تمام مسلمانوں کا خون برابر ہے لہٰذا قصاص کی طرح دیت کا حکم بھی مرد و عورت میں مساوی ہے۔

جواب :

اس حدیث کا بھی مخالفین اجماع کے موقف سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے :

"قصاص و دیت کے باب میں تمام مسلمانوں کا حکم یکساں ہے کہ بلا امتیاز قوی و ضعیف، شریف و وضیع، مرد و عورت، ہر مسلمان قاتل کو بصورت عمد مسلمان مقتول کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔"

یہ عالمگیر عادلانہ قانون جاری کرکے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسم جاہلیت کی بیخ کنی فرمادی جس میں مرد کے بدلے عورت کو قتل کیا جاتا تھا مگر عورت کے بدلے مرد کو کچھ نہ کہا جاتا، اسی طرح طاقتور کو چھوڑ دیا جاتا کمزور کو دھر لیا جاتا، ذات پات اور اونچ نیچ کے اس امتیاز کو مٹا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو ایک صف میں کھڑا کر دیا۔

الغرض! اس حدیث میں قانونِ قصاص و دیت کے نفاذ میں برابری کا اصول بیان کیا گیا ہے، مقدار دیت سے اس میں کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔

امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

فتأملنا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: المؤمنون تتکافأ دماؤھم، فوجدنا اھل العلم جمیعاً لا یختلفون فی تأویل ذلک انہ علی التساوی فی القصاص والدیات وان ذلک ینفی ان یکون لشریف علی وضیع فضل فی ذلک وان ذلک کان رداً علی اھل الجاھلیۃ فی ترکھم قتل الشریف بقتلہ الوضیع وفی ذلک ما قد عقلنا ان التساوی جری ذلک کالرجال ان الرجل یقتل بالمرأۃ کما تقتل المرأۃ بالرجل۔ (مشکل الآثار للامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ ص۹۰ ج۲)

"پس ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی المسلمون تتکافأ دماؤھم (مسلمانوں کا خون برابر ہے) میں غور کیا تو تمام علماء کو اس پر متفق پایا کہ یہ ارشاد قصاص اور دیتوں میں برابری پر محمول ہے، اور یہ ارشاد اس بات کی نفی کرتا ہے کہ کسی اعلیٰ کو ادنیٰ پر ترجیح ہو، اور اس میں زمانۂ جاہلیت کے اس دستور کی تردید ہے کہ وہ اونچے درجے کے آدمی کو نیچے درجے کے آدمی کے قتل کرنے پر چھوڑ دیتے تھے، اور اسی ارشاد میں ہم نے یہ سمجھا کہ عورتیں بھی اس قانون میں مرد کی طرح ہیں،"

لہٰذا مرد کو عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا، جیسا کہ عورت کو مرد کے بدلے قتل کیا جاتا ہے۔"

دوسرے تمام شراح حدیث نے بھی حدیث کا یہی مفہوم بیان فرمایا ہے، طوالت کے خوف سے ہم ان کی پوری عبارت نقل نہیں کرتے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یرید به ان دماء المسلمین متساویة فی القصاص یقاد الشریف منهم بالوضیع والکبیر بالصغیر والعالم بالجاهل والمرأة بالرجل .... علی خلاف ما کان یفعله اهل الجاهلیة۔ (مرقاة المفاتیح ص۶۵ ج۷)

اشعة اللمعات ص۲۳۳ ج۳، نیل الاوطار ص۱۵۵ ج۷، بذل المجهود ص۲ ج۵ پر بھی یہی تفصیل مذکور ہے۔

مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں:

وهذا بالاجماع۔

"یہ پوری اُمت کا اجماعی موقف ہے۔"

مگر منکرین اجماع بزور اس سے اپنا مطلب کشید کر رہے ہیں، کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ حدیث کی یہ نئی تشریح جو انہیں چودہ سو سال بعد سوجھی ہے پوری اُمت پر کیسے اوجھل رہی؟ اور تو اور راویٔ حدیث حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حدیث کے مفہوم سے ناآشنا رہے چنانچہ نصف دیت کے متعلق ان کا مذہب ہم اوپر مفصل ذکر کر آئے ہیں ؎

سرِّ خدا کہ عابد و زاہد کسے نہ گفت ✤ در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

(۳) حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت امام ابو حنیفہ و شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مرد و عورت کی دیت میں برابری کا حکم منقول ہے، چنانچہ قاضی ابو الولید الباجی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قوله رضی الله تعالیٰ عنه تعاقل المرأة الرجل الی ثلث الدیة اصبعها کاصبعه یرید ان ما دون ثلث الدیة عقلها فیه کعقل الرجل وهو معنی معاقلتها له حتی اذا بلغت فی عقل ما جنی علیها ثلث الدیة کان عقلها نصف عقل الرجل وبهذا قال من ذکره مالك من التابعین وهو قول زید بن ثابت وابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهم وما روی عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه تساویهما فی الموضحة واختلف عن عمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب رضی الله تعالیٰ عنهما فروی عنهما باسناد

ضعیف انہا علی دیۃ الرجل فی القلیل والکثیر وبہ قال ابوحنیفۃ والشافعی رحمہما اللہ تعالیٰ وروی عنہما مثل قولنا (المنتقی ص۸۳ ج ۷)

"امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد :

"عورت کی دیت تہائی تک مرد کی دیت کے برابر ہوگی، اسکی انگلی مرد کی انگلی کیطرح ہوگی"۔
آپ کی مراد یہ ہے کہ تہائی سے کم کم میں عورت کی دیت مرد کی طرح ہے، عورت کی مرد کے ساتھ برابری کے یہی معنیٰ ہیں، جب عورت پر کی گئی جنایت تہائی دیت کو پہنچ جائے تو اسکی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہوگی، اور یہی قول ہے ان تابعین کا جن کا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا اور یہی زید بن ثابت اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے۔ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ موضحہ میں مرد و عورت کا حکم یکساں ہے۔ اور حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دو مختلف روایتیں ہیں، ایک ضعیف السند روایت یہ ہے کہ قلیل وکثیر میں مرد و عورت کی دیت یکساں ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ و شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اور حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دوسری روایت ہمارے مذہب کے مطابق ہے (کہ تہائی دیت سے اوپر عورت کی دیت نصف ہوگی)"۔

یہ استدلال بھی ایک مضحکہ خیز مغالطہ ہے، اس استدلال کی پوری عمارت ایک کاتب کی غلطی پر استوار ہے، جس سے "انہا علی نصف دیۃ الرجل" کی کتابت میں لفظ "نصف" چھوٹ گیا، سہو کاتب سے منکرین اجماع خوش فہمی میں مبتلا ہوگئے۔ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول یہ ضعیف روایت دوسری کتب میں بھی موجود ہے جس میں لفظ "نصف" موجود ہے، سنن کبریٰ للبیہقی میں ہے :

عن ابراھیم النخعی رحمہ اللہ تعالیٰ عن عمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہما قالا عقل المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل فی النفس وفیما دونہا (ص۹۶ ج ۸)

یہ روایت انہی الفاظ میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ ص۲۸۴ ج ۴ میں بھی موجود ہے۔

نیز مصنف ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بالفاظ ذیل منقول ہے :

تستوی جراحات النساء والرجال فی کل شیء (ص ۲ ج ۹)

یہ روایت ہم اوپر بھی مفصل نقل کرآئے ہیں، اگر ان حضرات کا یہی مذہب ہے جو المنتقیٰ کی ناقص عبارات سے اخذ کیا جارہا ہے تو کوئی منکر اجماع اسکا مأخذ پیش کرے۔ صاحب عبارت قاضی ابوالولید رحمہ اللہ تعالیٰ تو پانچویں صدی کے عالم ہیں، آخر ان تک حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ مذہب کس ذریعہ سے پہنچا؟

یہ لوگ جمہور اُمت سے تو آیت قرآن یا حدیث متواتر یا مشہور یا صحیح السند کا مطالبہ کررہے تھے اور خود ایک ضعیف بلکہ غلط روایت پر اتنے مصر! اسے کہتے ہیں "دیوانہ بکار خویش ہشیار"

حضرت امام ابوحنیفہ وشافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب بھی ہم اوپر ھدایہ اور کتاب الام کے حوالہ سے نقل کر آئے ہیں، ان کے مذہب کی تمام مستند کتب میں یہی لکھا ہے، لہٰذا ان حضرات کی طرف بھی مساوات دیت کی نسبت سراسر غلط ہے، صاحب ھدایہ کے نقل کردہ الفاظ جو انھوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھی منسوب فرمائے ہیں ان پر دوبارہ غور کرلیا جائے:

"ودیة المرأة علی النصف من دیة الرجل"

یہ الفاظ خود المنتقیٰ کی عبارت میں سہو ہونا بتارہے ہیں۔

(۴) متقدمین میں ابوبکر الاصم اور امام ابن علیہ کا مذہب بھی یہی تھا کہ وہ مرد وعورت کی دیت میں برابری کے قائل تھے چنانچہ المغنی لابن قدامۃ ص ۵۳۲ ج ۹ اور دیگر کتب میں اسکی تصریح موجود ہے۔

جواب:

یہ استشہاد درست ہے، ان دونوں کا یہی مذہب متعدد کتب میں منقول ہے، مگر یہاں چند باتیں قابل غور ہیں۔

اوّل یہ کہ ابوبکر بن اصم جس کا اصل نام عبدالرحمٰن بن کیسان ہے، لسان المیزان ص ۴۲۷ ج ۳ کے مطابق معتزلی ہے، اس کا ذکر معتزلہ کے طبقات ہی میں ملتا ہے، معتزلہ کے گمراہ کن عقائد کسی پر مخفی نہیں۔

ابن علیہ نام کے دو شخص ہیں:

ایک اسمٰعیل بن علیہ جو مشہور محدث اور امام شافعی وغیرہ کے استاذ ہیں۔

دوسرے ان کے بیٹے ابراہیم بن علیہ، یہ جہمی ہے جس کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ھو ضال یضل الناس"۔

اس کے حالات بھی لسان المیزان کے محولہ بالا مقام میں تحریر ہیں۔

یہ بات بظاہر بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ مساوات دیت کا قول امام اسماعیل بن علیہ کا ہو، ورنہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ کیسے فرماتے:

لم اعلم مخالفاً من اهل العلم قديما ولا حديثا .....

"میرے علم میں زمانۂ قدیم وجدید کا کوئی صاحبِ علم نصف دیت کا مخالف نہیں"۔

کتاب الام کی یہ پوری عبارت ہم پہلے نقل کر آئے ہیں۔

بظاہر یہ قول مساوات ابراہیم بن علیہ جہمی کا ہے جو کسی درجہ میں بھی لائق اعتناء نہیں۔

دوسری بات یہ کہ جو لوگ جمہور اُمت سے صریح آیت قرآن یا صحیح حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں وہ خود اس قسم کے غیر ثقہ اور مجروح لوگوں کے قول سے استدلال کس برتے پر کرتے ہیں جو علمی دنیا میں پر کاہ کی حیثیت نہیں رکھتا؟ لقد صدق من قال:

الغريق يتشبث بالحشيش

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے ساقط الاعتبار لوگوں کے سہارے کسی دعوے کی بنیاد کوئی علمی استدلال نہیں بلکہ آپ اپنی تردید کے مترادف ہے۔

تیسری بات یہ کہ المغنی لابن قدامة جس کے حوالہ سے یہ قول پیش کیا گیا ہے اسی میں یہ بھی لکھا ہے:

وهذا قول شاذ يخالف اجماع الصحابة رضى الله تعالى عنهم وسنة النبي صلى الله عليه وسلم (ص۵۳۲ ج۹)

"یہ ایک شاذ قول ہے جو اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور سنت نبویہ کے خلاف ہے"۔

اس تصریح کے بعد اب اس کی کیا حیثیت باقی رہ گئی؟ واللہ الهادی الیٰ سبیل الرشاد

محمد ابراہیم

نائب مفتی دار الافتاء والارشاد

۱۹ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ

۳۷

استدراک :

دیت میں چاندی کی مقدار کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دو روایتیں منقول ہیں، دس ہزار درہم اور بارہ ہزار درہم۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں روایتیں مع صورتِ تطبیق یوں نقل فرمائی ہیں :

قال محمد بن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ بلغنا عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ فرض علی اھل الذھب الف دینار وعلی اھل الورق عشرۃ آلاف درھم۔

(حدثنا) بذلك ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ عن الھیثم عن الشعبی عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

وقال اھل المدینۃ : ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرض الدیۃ علی اھل الورق اثنی عشر الف درھم۔

قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ : قد صدق اھل المدینۃ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرض الدیۃ اثنی عشر الف درھم ولکنہ فرضھا اثنی عشر الف درھم وزن ستۃ (السنن الکبریٰ للبیھقی ص ۸۰ ج ۸)

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی ارشاد فرمودہ صورتِ تطبیق کا حاصل یہ ہے :

" درہم دو مختلف وزن کے رائج تھے، ان دونوں میں ۱۰ = ۱۲ کی نسبت تھی۔"

محمد ابراہیم
۹ رجب ۱۴۱۳ھ
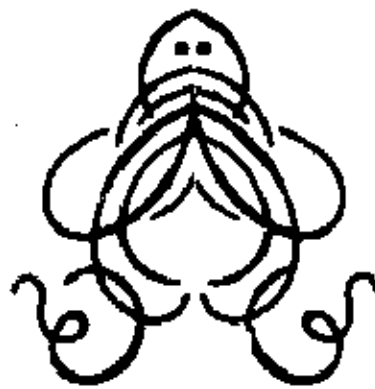
دوست دشمن سب ترے مجذوب قائل ہیں مگر
کوئی قائل ہے زباں سے کوئی قائل دل میں ہے
مجذوب

انوار الرشید

فقیہ العصر شیخ الحدیث مفتی اعظم
حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم
کے
نصیحت آموز و بصیرت افروز حالات و ارشادات
جنکے مطالعہ سے بیشمار لوگوں کی زندگیوں میں ایسا انقلاب عظیم
آگیا کہ وہ دنیا ہی میں جنت کے مزے لے رہے ہیں۔
اضافات کیساتھ پانچ ضخیم جلدیں

ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی

ارشاد القاری الیٰ صحیح البخاری

تالیف: مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی

یہ حضرت مؤلف دامت برکاتہم کے درسِ بخاری کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔ مؤلف موصوف نے کئی سال مسلسل دارالعلوم کراچی' میں صحیح بخاری کا درس دیا ہے زیرِ نظر کتاب میں شروع کے بچاس صفحات علمِ حدیث پر ایک نہایت مفید مقدمہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خاص طور سے حجیتِ حدیث پر جو بحث اسمیں آگئی ہے وہ اپنے اُصولی تجزیہ، مستحکم دلائل اور ٹھوس معلومات کے لحاظ سے اپنے موضوع پر ایک منفرد چیز ہے۔ کتاب کا باقی حصہ فقہ، حدیث، تصوف اور کلام کے نہایت گراں قدر مباحث پر مشتمل ہے۔ فاضل مؤلف کے اُسلوب میں وسعت سے زیادہ عمق پایا جاتا ہے، اس لئے کتاب میں بعض طویل الذیل مباحث کو نہایت دلنشین اختصار کے ساتھ سمو دیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ ان تقاریر میں اکابر علماء دیوبند کی ایک جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ علماء اور طلباء دونوں کے لئے یہ کتاب نہایت مفید ہے اور بعض ایسے نکات اور مباحث پر مشتمل ہے جو صحیح بخاری کی عام شروح و امالی میں نہیں ملتے۔ (اقتباس از ماہنامہ البلاغ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ صفحہ ۶۱) قیمت